فروغ حمد و نعت کا کتابی سلسلہ

دبستانِ نعت

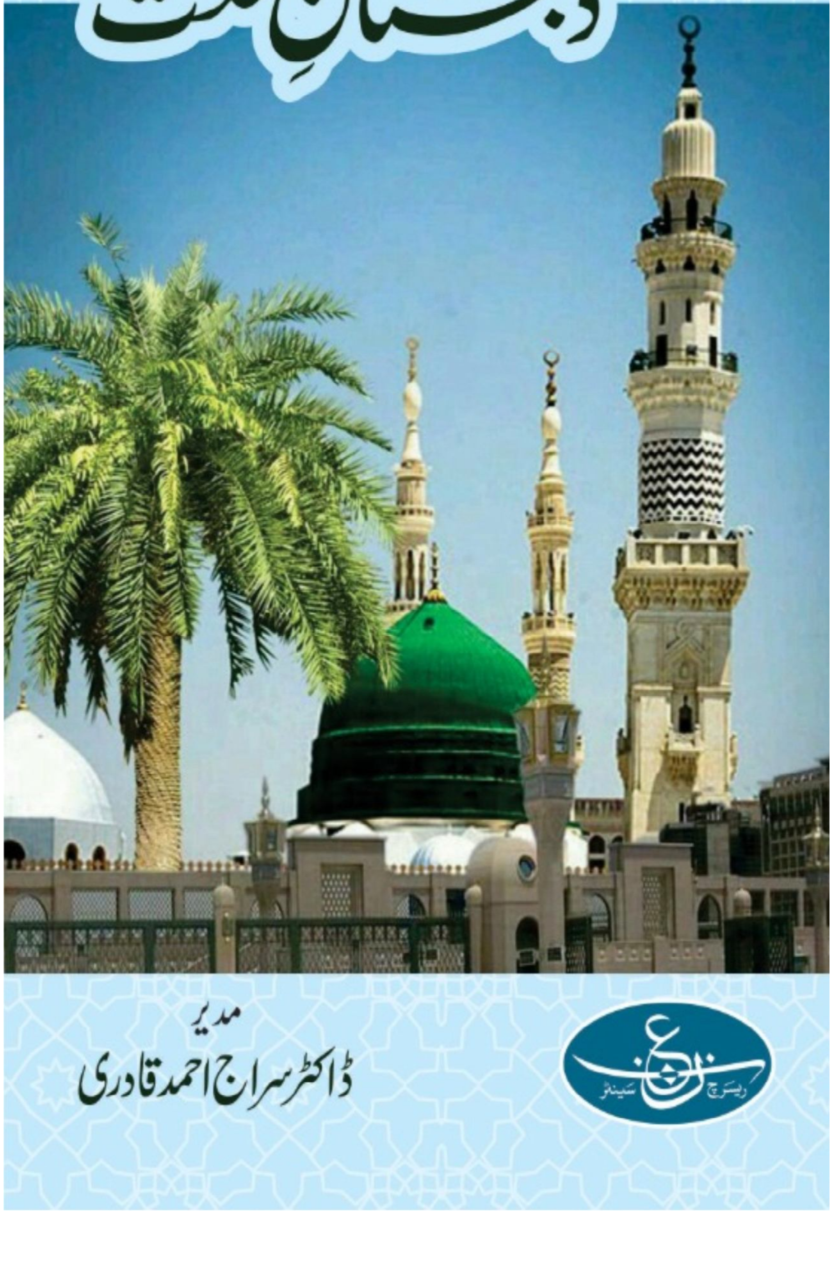

مدیر

ڈاکٹر سراج احمد قادری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فروغ حمد ونعت کا کتابی سلسلہ

دبستانِ نعت

شمارہ نمبر ۷
جنوری۔دسمبر ۲۰۲۲ء

زیرِ نگرانی
فیروز احمد سیفی۔نیویارک

مدیر
ڈاکٹر سراج احمد قادری

مجلس مشاورت

پروفیسر عبدالحق۔دہلی
ڈاکٹر آصف آدر۔گلاسگو
ڈاکٹر احمد القاضی۔جامعہ ازہر، مصر
ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزادؔ فتح پوری
ڈاکٹر راہی فدائی۔بنگلور
ڈاکٹر شعائر اللہ خان۔رام پور
پروفیسر ڈاکٹر مقصود احمد۔بڑودہ
فاروق احمد جائسی۔کانپور
ڈاکٹر جعفر جری۔حیدرآباد
ڈاکٹر رضوان انصاری۔سیتاپور
قاضی اسد ثنائی۔حیدرآباد

NAAT RESEARCH CENTER-INDIA
Mohalla Banjaria West,
Khalilabad -272175
Distt. Sant Kabir Nagar, UP
INDIA

Mob: +91-9415875761
7985754611
+ 1-347-561-2447

drsiraj123@gmail.com
anees11435@gmail.com
www.naatresearchcentreindia.com

پاکستان میں رابطہ:
غلام علی۔ 92-302-461-2214

ہدیہ Rs.500/-

مجلہ دبستانِ نعت میں شامل نگارشات کی آراء سے اِدارے کا متفق ہونا ضروری نہیں۔ جملہ تخلیقات ماہرین کی آراء کے اتفاق سے شامل کی گئی ہیں۔

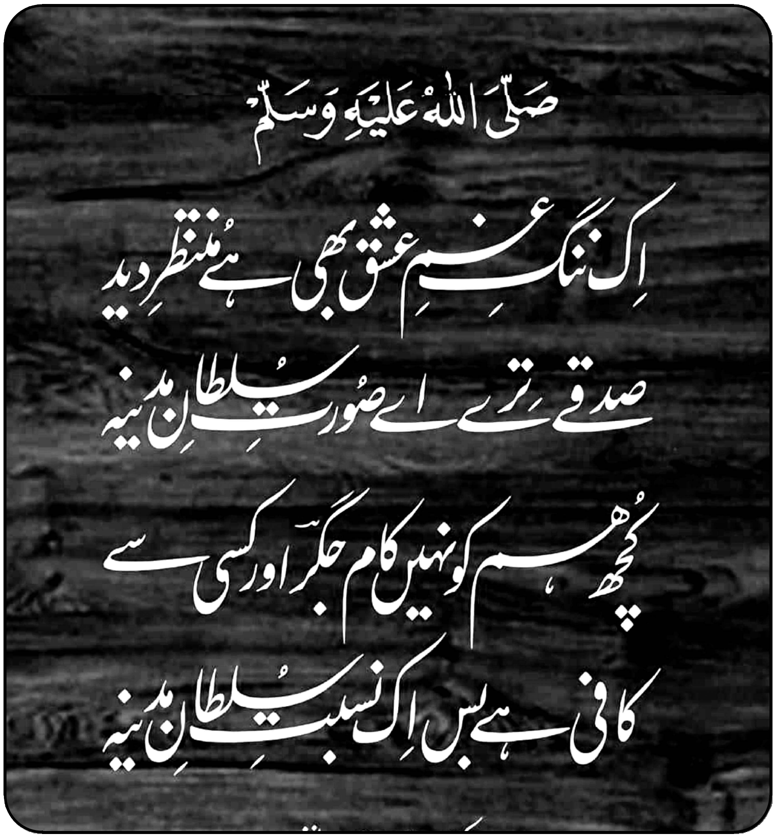
صلی اللہ علیہ وسلم
اِک ننگ غمِ عشق بھی ہے مُنتظرِ دید
صدقے ترے اے صورتِ سُلطانِ مدینہ
کُچھ ہم کو نہیں کام جگرؔ اور کسی سے
کافی ہے بس اِک نسبتِ سُلطانِ مدینہ

انتساب

جنوبی ہند کے مرد حق آ گاہ، اقلیم سخن

کے شہنشاہ، کشور نعت کے تاجدار

حضرت سید شاہ ابوالحسن قربیؔ ویلوری رحمۃ اللہ علیہ

۱۱۱۸ء---------۱۱۸۲ء

کے نام

عین اعیان دوعالم ہے محمد مصطفیٰ

مہرِ موجِ استقامت ماہِ برج اصطفا

دانش مطلق کا منبع یا محمد تو نچہ ہے

قربیؔ قرباں کو تیرے علم مطلق کر عطا

حضرت قربیؔ ویلوری

دبستانِ نعت

حسین مرقع بہت خوب سالنامہ ہے — دبستانِ نعت کا زرین کارنامہ ہے
ہے منبع نعت کا، یا نعت کا خزانہ ہے — ہر اک شمارہ دبستاں کا خسروانہ ہے
کبھی 'سراج' تلے آفتاب ہوئے ہیں — ترے چراغ کا ہر لمعہ جادوانہ ہے
ذکرِ عشاق نبی ﷺ تیرے ہر شمارے میں — جہاں پہ تیری نظر، فکر غائرانہ ہے
دیار غیر میں ذکر نبی ﷺ و نعت رسول — زبان و قلب کی تاثیر دلبرانہ ہے
نگارشوں میں تری، روشنی عقیدت کی — مزاجِ فکر و نظر تیرا درمیانہ ہے
یہ کس نے ساقی کوثر کے جام چھلکائے — درِ رسول کا شاید کوئی دِوانہ ہے
کہانی نعت کی پاکیزہ اِک روایت ہے — فضائے نور ہے، رحمت کا شامیانہ ہے
ہو پیش رفت تری ماہ ماہ سال بہ سال — عقیدتوں کا سفر تیرا والہانہ ہے

ترے ادب کے شمارے فلک کے ماہ نجوم
قمرؔ فلک سے پرے تیرا آشیانہ ہے

قمرؔ اجلال، اورنگ آباد (مہاراشٹر)

نور ونکہت

اداریہ	ڈاکٹر سراج احمد قادری	9

تحمید وتقدیس

پوچھا گُل سے یہ میں نے کہ اے خوبرو	علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ	16
میرے دل میں قیام اس کا ہے	ڈاکٹر علنی وبھانازلیؔ	18
سکونِ قلب کا ساماں خیال تیرا ہے	مولانا مظہر علی مظہرؔ	19

تابشِ فکر ونظر/ افکارِ روشن

معراجِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم......	پروفیسر عبدالحق	21
نعت کا حسن بیانیہ	پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین	35
سبحان اللہ وبحمدہ	ڈاکٹر داؤد محسن، داونگرے	41
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی ایک نعت......	پروفیسر فاروق احمد صدیقی	56
سرتابقدم ہے تن سلطان زمن پھول	پروفیسر ڈاکٹر محمد افتخار شفیع	64
عہدِ رسالت کے چند نعت گو شعراء	ڈاکٹر عقیل ہاشمی	80
امام بوصیری کی نعتیہ شاعری۔ تحلیل وتجزیہ	پروفیسر ابوسفیان اصلاحی	88
نعتیہ شاعری (اردو) کے زمانی گوشے	علامہ عتیق آثر ندوی	137
بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم......	ڈاکٹر محمد آصف	149

کلام اعلیٰ حضرت رضاؔ بریلوی کی مختلف جہتیں	اقبال اعظمی	165
بارہویں صدی ہجری کے ایک باکمال......	ڈاکٹر راہیؔ فدائی	186
ڈاکٹر راہیؔ فدائی کی نعتیہ شاعری	ڈاکٹر عبدالستار ساحر	208
ضیاء الملّت حضرت علامہ امانی رحمۃ اللہ علیہ کی......	حضرت مولانا نثار احمد نثارؔ فدائی باقوی	212
بارہویں صدی ہجری کے مایہ ناز نعت گو شاعر......	مولوی حافظ ڈاکٹر بشیر الحق	232
آذربائیجان کا قدآور شاعر حسان العجم خاقانیؔ......	ڈاکٹر محمد اسماعیل آزادؔ فتح پوری	244
''دبستانِ نعت'' کے اداریے	انور بھدرکی	258
نعت صرف ایک موضوعی صنف سخن نہیں ہے	غوثیہ سلطانہ	274
نعت گوئی: روایت اور فنی ارتقاء	عظیم انصاری	279
راجستھان کا ایک گمنام نعت گو شاعر......	ڈاکٹر شاہد احمد جمالی	299
عین المعارف پر: عرفان و آگہی کی نظر	ڈاکٹر رضوان الرضا رضوانؔ	302
حضور مفتیِ اعظم ہند کی حمد نگاری	ڈاکٹر محمد امجد رضا خان	306
مٹیابرج میں نعتیہ قصیدہ نگاری	ڈاکٹر الف۔انصاری	316
لکھنؤ کے مایہ ناز نعت گو شاعر ہمسرؔ قادری......	ڈاکٹر رضوان امجدی	328
میں اور میرے علمی اکتسابات......	ڈاکٹر محمد اسماعیل آزادؔ فتح پوری	342
حضرت خواجہ مصباح الحسن چشتی حیات......	عابد چشتی	361
امروہہ کے چند مشاہیر نعت گو	ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی	367

زاویۂ نگاہ

دبستانِ نعت۔٦ پر تبصرہ	اقبال اعظمی	398
''دبستانِ نعت'' شمارہ: ٦ کا ایک تحقیقی......	پروفیسر فاروق احمد صدیقی	454
دبستانِ نعت شمارہ نمبر ٦ کا ایک تجزیاتی مطالعہ	پروفیسر سعید احسن	460
دبستانِ نعت شمارہ ٦ پر ایک مفکرانہ نظر	اسلم عمادی	463
''دبستانِ نعت'' کے چھٹویں شمارے پر......	پروفیسر مجید بیدار	467

’’دبستانِ نعت‘‘ شمارہ ۶ پر ایک نظر	محمد سلمان رضا خان	471
فروغِ حمد و نعت کا کتابی سلسلہ......	حلیم صابر	477
دبستانِ نعت: ایک مجموعی تاثر	ڈاکٹر شبانہ نکہت انصاری	482

گلہائے عقیدت

نعت کیا ہے استغاثہ۔ آرزو فریاد ہے	ڈاکٹر صوفی غازیؔ امان	484
نعت کیا ہے سیّدِ ابرار کی تحمید ہے	ڈاکٹر مبشر احمد نشترؔ	487
اَلسّلَامُ عَلَیكَ مِنّیِ وَ صَلوٰتِی یَا رَسُول	حضرت شاہ محمد جمال الدین البہجتؔ	490
حرم کی شمع کا دل میں اجالا لے کے آئے ہیں	رازؔ الہ آبادی	491
یہ جو مہر میں ہیں حرارتیں وہ ترا ظہورِ جلال ہے	سید محمد اشرف مارہروی	492
نبی کے نام میں یہ لطف یہ مزا کیا ہے	سید خالدؔ اشرف کچھوچھوی	493
خوشبو ہے بسی اس میں کہ سرورﷺ کا دہن پھول	تنویر پھولؔ	494
تنِ نور، اس پر کمالِ رسولﷺ	ڈاکٹر راہیؔ فدائی	495
افضل و اعلیٰ مقدم سیّدِ ابرار آپﷺ	ساجدؔ خیر آبادی	496
صبا مدینے کی سمت ہو کر مرے درود و سلام لے جا	حضرت محمد آیت اللہ قادری	497
مشعلیں جل گئیں ہر ہدف دیکھئے	حضرت مولانا نثار احمد نثارؔ فدائی باقوی	498
رونق بزم جہاں ہیں آپ کے نعلین پاک	ڈاکٹر رضوان الرضا رضوانؔ	499
فارس کے قند سے نہ مئے انگبیں سے ہم	قسمتؔ سکندر پوری	500
کہاں مجھ میں وہ طاقت ہے کہ میں نعت نبی لکھوں	فاطمہ زہراؔ	501
آپ سے پہلے نہ تھا ایسی شریعت کا قرار	ڈاکٹر شاہد جمالی شاہدؔ	502
ہوگا نہ دعاؤں میں مری کوئی اثر کیاﷺ	اوشاؔ بھدوریہ	503
شہرہ ہے دو جہاں میں محمدﷺ کے نام کا	ثروت سلطانہ ثروتؔ	504
بطحا کے جانے والے، میرا پیام لے جا	رضیہ انور امروہوی	505
علم و عرفاں ملا آ گہی مل گئی	نور جہاں بنت احمد عرب	506

روضے پہ اپنے مجھ کو بلا لیجیے حضورﷺ	ڈاکٹر جعفر جریؔ	507
جب نعت نبی میں لکھتا ہوں ایمان کی خوشبو آتی ہے	شنکر رام شنکرؔ	508
ہو شوق نہ کیوں نعت رسولِ دوسرا کا	پنڈت کیفیؔ دہلوی	509
کان عرب سے لعل نکل کر تاج بنا سرداروں	سرکشن پرشاد شادؔ	510
نبیِ مکرم شہنشاہ عالی	رانا بھگوان داس بھگوانؔ	511
سلام اس ذاتِ اقدس پر سلام اس فخرِ دوراں پر	جگن ناتھ آزادؔ	512
جو صبح و شام پیارے نبی کی ثنا کرے	محمد افضل حسین استادؔ بریلوی	513
بیاں حسن کیسے ہو شہر نبیﷺ کا	حافظ مقصودؔ محمود آبادی	514
اے حبیبِ خدا سلام علیک	شیخ عباد اللہ رنجؔ معروف بہ شیخ بادل	515

ستائش نامے

ڈاکٹر ارشد اعظمی، سید محمد اختر چشتی مصباحی

محمد افضل حسین برکاتی، ڈاکٹر لطیفؔ اکبر آبادی

حاجی سید مفیض الدین قادری

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اداریہ

اللہ اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بے پایاں شکر و احسان کہ ''دبستان نعت'' کا ساتواں شمارہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے ہمیں بے پناہ مسرتوں کا احساس ہو رہا ہے۔ اگر ہم تحدیث نعمت کے طور پر ''دبستان نعت'' کے چھٹے شمارے کو اس کے مشتملات اور ضخامت کے لحاظ سے انفرادی قرار دیں تو غیر مناسب نہ ہوگا۔ مگر اس کے باوجود اس کے ارتقائی فروغ کی جہات و ابعاد نہ جانے کیوں ہمیں بے چین کیے رہتی ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ ہم نے ابھی تک کچھ بھی نہیں کیا۔

کسی بھی تخلیق و تحقیق کو اس وقت تک رفعت و سر بلندی کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھا نہ جائے۔ گویا تنقید ہی کسی بھی تخلیق و تحقیق کے مدارج کا تعین کرتی ہے۔ اسی کے پیشِ نظر ہم نے پہلے شمارے کے بعد ہی دوسرے شمارے میں نعت کی تخلیق و تحقیق کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھنے کے لیے تنقید کا ایک گوشہ ''زاویۂ نگاہ'' کا قائم کیا جس کا مقصد گزشتہ شمارے میں جو بھی تخلیقی و تحقیقی مقالات و مضامین اشاعت پذیر ہوئے ہیں ان کا ناقدین ادب مطالعہ کر اپنی آرا پیش کریں جس کے تناظر میں ان کی قدروں کا تعین ہو سکے۔ اسی کی ایک ادنیٰ کڑی ''ستائش نامے'' کو بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔ اسی ضمن میں ہم نے ''دبستان نعت'' کے شمارۂ اوّل کے اداریے میں تحریر کیا تھا:

''جب ہم نعت کی تاریخ پر ایک گہری نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں اس موضوع پر دیگر اصناف ادب سے کم سرمایہ نظر نہیں آتا اور اس کے انتقادی نقوش تو روزِ اوّل سے ہی روشن و تابندہ نظر آتے ہیں۔ چنانچہ مشہور صحابیِ رسول، شاعر دربار رسالت حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شعر:

انّ الرّسول لنوریستضأ به — مهند من سیوف اللّٰه مسلول

کی اصلاح فرما کر خود سرورِ کائنات حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس فن کے نقد و نظر کی بنیاد رکھی۔ وہ نبی محترم و محتشم جو منبع علم و حکمت اور خزینۂ علم و معرفت ہیں جن کے بارے میں رب تبارک و تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے۔ **وَ عَلّمَكَ ما لَم تَكُن تعلَم۔**

دیگر اصناف ادب کی قدروں کا تعین اس فن کے ناقدین یا ماہرین فن نے کیا ہے۔ مگر نعت پاک کی نقد و نظر کا تعین خود اُس ذاتِ والا صفات نے کیا ہے جن سے نعتِ پاک کا وجود وابستہ ہے۔''

(''دبستان نعت'' شمارہ اوّل صفحہ ۱۰/۹)

حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مذکورہ بالا شعر میں 'سیوف اللّٰہ' کی جگہ 'سیوف الھند' کا لفظ استعمال کیا تھا۔ نبیِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی اصلاح یا تنقید فرماتے ہوئے 'سیوف الھند' کو 'سیوف اللّٰہ' سے بدل دیا تھا۔

یہاں پر میں اہلِ علم اور ناقدین ادب سے دست بستہ یہ استفسار کرنا چاہتا ہوں کہ جب سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ شعر کے مصرعۂ ثانیہ کے لفظ "سیوف الھند" کو "سیوف اللّٰہ" سے بدل دیا تو کیا عہدِ رسالت سے لے کر آج تک کسی بھی شاعر نے "سیوف الھند" کے لفظ یا اس مفہوم پر مشتمل کسی اور لفظ کا استعمال کیا؟ میری دانست میں آج تک عربی، فارسی اور اردو کے کسی بھی شاعر نے "سیوف الھند" کا لفظ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے استعمال نہیں کیا ہے۔

اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ جب کسی بھی ادب پارے کی قدر کا تعین اس کے ماہرین حقائق کی روشنی میں کر دیں تو اس پر ہر ایک کو کاربند ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ آقا کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لفظ "سیوف الھند" کی تنقید فرما کر اس بات کا تعین کر دیا کہ ذاتِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے اس لفظ کا یا اس لفظ کے مفہوم پر مشتمل کسی بھی لفظ کا استعمال آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے روا نہیں۔

بعینہٖ اگر نعت کے حوالے سے ناقدین ادب نے کسی لفظ کے استعمال کے لیے ممانعت کر دی ہو تو اس کے بعد اس لفظ کے استعمال کے لیے وجہِ جواز تلاش کرنا نعت کی تنقید کا فروغ نہیں بلکہ اس راہ میں انسداد پیدا کرنا ہے۔ مشہور محقق و ناقد جناب ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کا حالؔی کی مدافعت میں روحی فدا جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے لفظ ''ایلچی'' کے استعمال کو تفاسیر و لغات کا سہارا لے کر جائز ٹھہرانا نعت کی تنقید کو سمتِ راست سے منحرف کرنا اور اس کو ژولیدہ بنانا ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

''ہاں بعض بزرگوں نے حالؔی کے مسدس میں آنے والے لفظ ''ایلچی'' پر اعتراض کیا ہے لیکن مجھے تو یہ بھی سورۂ حٰم السجدہ کی آیت نمبر ۶ کا تفسیری اظہار لگتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے نبی برحق کو حکم دیا ہے کہ اعلان فرما دیں:

قُل اِنّمآ اَنَا بَشَرٌ مِثلُکُم یُوحیٰ اِلَیَّ اَنّمَا اِلٰھُکُم اِلٰہٌ وَاحِدٌ فَاستَقِیمُوا اِلَیہِ

وَاستَغفِرُہُ وَوَیلٌ لِّلمُشرِکِین۔ (۷)تم فرماؤ آدمی ہونے میں تو میں تمہیں جیسا ہوں۔ مجھے وحی ہوتی ہے کہ تمھارا معبود ایک ہی ہے تو اس کے حضور سیدھے رہو اور اس سے معافی مانگو اور خرابی ہے شرک والوں کو۔'' (کنز الایمان)

چنانچہ ''کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی'' کہہ کر حالی نے کوئی بے ادبی نہیں کی۔لغات میں ایلچی کے معنی ''پیغام بر،زبانی یا تحریری پیغام پہنچانے والا قاصد'' لکھے ہیں۔''(۸)

اسی طرح پروفیسر ابوسفیان اصلاحی صاحب کا یہ تحریر فرمانا:

"یَا اَیّھَا الّذِینَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا اُنظُرنَا وَاسمَعُوا وَ لِلکَافِرِینَ عَذَابٌ اَلِیمٌ۔ (اے ایمان والو راعنا نہ کہا کرو بلکہ "اُنظُرنا" کہو اور سنتے رہا کرو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے) اس آیت کریمہ میں "راعنا" کہنے سے منع کیا گیا کیونکہ مخالفین نبوت اسے "راعینا" بنا دیتے تھے۔یعنی معاندین آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو افضل الانبیاء اور اکمل النّاس قرار دینے کے برعکس نعوذ باللہ نرا چرواہا تصور کرتے تھے۔ یہاں دراصل غلیظ ذہنیت ہدفِ تنقید ہے۔صاحب ایمان کی ذہنیت اور یہ ذلیل ترین سوچ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق ہو ہی نہیں سکتی۔اس لیے ایک پاکیزہ نیت کے تئیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''راعی'' کہا جا سکتا ہے کیونکہ راعی دراصل کنٹرول کرنے اور امت اسلامیہ کو ایک رخ دینے میں مہارتِ تامہ کا حامل ہے۔عربی زبان میں اس کا مفہوم صرف جانور چرانا ہی نہیں ہے۔ بلکہ رعایا پر سیاست رانی کرنا بھی ہے جو مملکت کے دینی، معاشرتی اور سیاسی مسائل کو دیکھتا ہے اور اس کا ایک مفہوم حفاظت کرنا بھی ہے۔گویا اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ملّت اسلامیہ کے تمام دینی اور معاشرتی امور کے مدبّر اور منصرم و منتظم ہیں۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے نگہبان اور محافظ ہیں۔جن کی امارت و اطاعت ہم پر لازم ہے۔اس صراحت کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو راعی قرار دینا انسب ہے۔راعی کا مفہوم محض مدبر،نگراں،امیر اور فیصلہ کرنے والا ہے اس نقطۂ نظر کی مزید تائید کے لیے کلام عرب اور ابن منظور کی ''لسان العرب'' کو دیکھا جا سکتا ہے۔''

(دبستان نعت،شمارہ ۶ صفحہ ۸۵۷/۸۵۸)

میری دانست میں دونوں دانشوروں کے مذکورہ دلائل و براہین کی روشنی میں "**سیوف الھند**" کے لفظ کے استعمال کے لیے حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اُس وقت اِسی طرح کے دلائل و براہین بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پیش کرنا چاہیے تھے، وہ تو خاندانی شاعر تھے، شاعری کے اسرار و رموز سے کماحقہٗ واقف تھے، انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ کس طرح کی تشبیہ و تمثیل حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کے لیے زیب ہے وغیرہ۔ مگر اس کے باوجود انہوں نے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کوئی مُعارضہ نہیں کیا بلکہ آپ کی تنقید کو بطیّبِ خاطر قبول کرلیا جس سے نعت میں اس لفظ یا اس مفہوم کے لفظ کے استعمال کرنے کی قدر کا تعین ہو گیا۔

اسی طرح ''نعت میں غلو کی حقیقت'' یا حدیثِ ''لولاک'' کے موضوعات کو جب ناقدینِ نعت نے ان کی قدروں کا تعین کر دیا ہے تو پھر انہیں موضوعات کو موضوعِ سخن بنایا جانا کہاں تک نعت کی تنقید کے ساتھ انصاف ہے۔ (اس کے لیے ''دبستانِ نعت'' کے شمارۂ اوّل تا چہارم کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے) مگر افسوس صد افسوس یہ دیکھنے میں آ رہا ہے کہ اکثر و بیشتر نعت کے موضوع پر نکلنے والے رسائل و جرائد میں انہیں موضوعات پر مقالات و مضامین قلم بند کیے جا رہے ہیں۔ میری دانست میں اگر یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا تو نعت کی قدروں کا تعین صبحِ قیامت تک نہیں ہو سکے گا۔ جن موضوعات یا مباحث کی قدروں کا تعین کیا جا چکا ہے ان کے قطع نظر دیگر موضوعات و مباحث کی قدروں کے تعین پر غور و خوض ہونا چاہئے۔ بالفرض اگر کسی کو طے شدہ موضوع یا بحث کے بارے میں کوئی شک و شبہ ہے تو وہ اس پر مزید دلائل و براہین کی روشنی میں افہام و تفہیم کر سکتا ہے مگر یہ افہام و تفہیم ان دلائل و براہین کے علاوہ ہونا چاہیے جن دلائل و براہین کا ذکر ماقبل میں ہو چکا ہے اور یہی تفتیش و تحقیق کا طریقہ بھی ہے، نہ یہ کہ طے شدہ موضوعات و مباحث پر اوراق کے اوراق سیاہ کیے جاتے رہیں اگر ایسا ہوتا ہے تو نعت کی تنقید کا کام اور اس کی قدروں کا تعین ہرگز ہرگز نہیں ہو پائے گا اور اس طرح تو ہم جہاں کل تھے وہیں آج بھی ہیں اور کل بھی وہیں ہوں گے۔

اس شمارے میں ایک مضمون محترم جناب انور بھدرکی صاحب کا میری اداریہ نویسی پر ہے جو خود ان کی اپنی ذہنی افتاد پر مبنی ہے۔

جب کہ میں اپنے اداریوں کو اتنا وقیع نہیں سمجھتا کہ باضابطہ ان پر مضمون قلم بند کیا جائے مگر محبتوں کی دنیا ہی الگ ہے جہاں ہر ایک کو سرِ نیاز خم کر دینا ہی پڑتا ہے۔ چونکہ انور بھدرکی صاحب ایک دیدہ ور انسان ہیں اور ان کا مطالعہ و مشاہدہ بہت عمیق ہے۔ آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ انہوں

نے پندرہ زبانوں میں ایم۔اے کی ڈگریاں حاصل کی ہیں اور اس وقت وہ ایم فل اور ہندی کے پی ایچ۔ڈی اسکالر ہیں۔اللہ کریم جلّ مجدہٗ ان کی محبتوں کو سلامت رکھے نیز ان کو اس ذرہ نوازی کے لیے جزائے خیر عطا فرمائے اور بروز حشر آقا کریم علیہ السلام کی شفاعت عظمیٰ نصیب فرمائے۔آمین۔

اسی تناظر میں مزید عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میرے کرم گستر محترم جناب ڈاکٹر محمد اسماعیل آزادؔ فتح پوری صاحب جو مجھ سے اور مجلّہ ''دبستان نعت'' سے بے پناہ محبت فرماتے ہیں اس بار بھی انہوں نے دو مضامین ارسال فرمائے ہیں۔ایک مضمون ان کا ''آذربائیجان کے مشہور و معروف شاعر خاقانیؔ کی فارسی نعتیہ شاعری'' پر مشتمل ہے اور دوسرا مضمون ''میں اور میرے علمی اکتسابات نعت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روشنی میں''۔

دوسرے مضمون کے دو پہلو ہیں ایک تو اس کا سوانحی پہلو، دوسرا نعت کے حوالے سے ان کی خدمات جلیلہ۔پہلا پہلو جو ان کی ذاتی زندگی یا سوانح حیات سے متعلق ہے اگر چہ اس کا براہِ راست تعلق نعت سے تو نہیں ہے مگر اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس سے اس کو ایک نسبت خاص تو ہے ہی اور وہ ہے ڈاکٹر صاحب کی ذات بابرکات۔دوسرا پہلو جو اکتسابات نعت پر مشتمل ہے وہ ''دبستان نعت'' کے دوسرے شمارے میں ڈاکٹر صاحب کے شائع شدہ مضمون ''حمد و نعت پر میرے اور میرے عزیز تلامذہ کے تحقیقی مقالوں کا تعارف'' کا چربہ ہے۔

اب جبکہ میں اداریہ کے اختتامیہ کی طرف بڑھ رہا ہوں ایک ایسی ذات کہ جس کا ذکر اگر اس وقت میں نہ کروں تو دل خود کو ملامت کرنے لگتا ہے یعنی جناب حامدؔ امروہوی صاحب کا ذکر جو عرصۂ دراز سے شکاگو میں قیام پذیر تھے اور شکاگو ہی میں 29 جولائی 2022 مطابق 29 ذی الحجہ 1443ھ، بروز جمعہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔اِنّا لِلّٰہ وَ اِنّا اِلَیہِ رَاجِعُونْ۔

میری ان سے کبھی بھی روبرو ملاقات نہیں رہی لیکن بتاریخ 27 دسمبر 2020ء کو مشہور و معروف ادیب و شاعرہ محترمہ غوثیہ سلطانہ صاحبہ، شکاگو نے ''انجمن علم و ادب اور ساؤتھ ایشین کلچرل سوسائٹی آف شکاگو'' کے زیر اہتمام میری فرمائش پر ایک آن لائن انٹرنیشنل نعت سیمینار و کانفرنس اور عالمی نعتیہ مشاعرے کا انعقاد کیا تھا، جس میں پوری دنیا کے ادبا و شعرا کے ساتھ حامدؔ صاحب بھی شریک بزم تھے۔پروگرام کے اختتامیہ پر انہوں نے مجھ کم ترین سے خاص طور پر گفتگو کی، اس وقت ان کی گفتگو کا محور مجلّہ ''دبستان نعت'' کی خدمات اور اس کی مقبولیت عامہ کا اعتراف تھا۔جس وقت ان سے میری گفتگو ہو رہی تھی اس وقت ان کے ساتھ ان کی اہلیہ بھی موجود تھیں دونوں لوگوں نے مجھ سے جس اپنائیت اور محبت سے گفتگو کی اور مجھے دعائے وافرہ سے نوازا اس وقت ان شفقتوں اور لطف و عنایات

کا بیان کر پانا میرے لیے مشکل ہی نہیں ناممکن سا ہے۔

حامد صاحب کا نام نعتیہ ادب کے اُفق پر ابد الآباد تک مثل آفتاب و ماہتاب تابندہ و درخشندہ رہنے والا ہے اس لیے کہ اس خانوادے نے ہندوستان میں نعت گوئی کے فروغ کے لیے جو خدمات انجام دی ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔

''دبستان نعت'' کا تازہ شمارہ اپنی سابقہ روایت کے مطابق جنوبی ہند کے استاد شاعر حضرت شاہ ابو الحسن قربیؔ ویلوری علیہ الرحمہ کے نام معنون ہے۔ان کی شاعرانہ عظمت ورفعت پر خود اسی شمارے میں ایک وقیع مضمون محترم جناب ڈاکٹر بشیر الحق قادری ویلوری مدّ ظلہٗ العالی کا بعنوان ''بارھویں صدی ہجری کے مایہ ناز نعت گو شاعر حضرت شاہ قربیؔ ویلوری رحمۃ اللہ علیہ'' شامل ہے۔ڈاکٹر صاحب کی روشن و تابندہ تحریر کے بعد حضرت قربیؔ علیہ الرحمہ پر مجھ ہیچ مداں کا کچھ بھی لکھنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا۔

اس شمارے میں ہم نے ضخامت بھی کم کرنے کی کوشش کی ہے اس لیے کہ بہت سارے احباب کا مشورہ تھا کہ شمارہ روز بروز ضخیم سے ضخیم ہوتا جا رہا ہے۔کبھی کبھی کتاب یا جریدے کی ضخامت بھی بہت سارے مسائل پیدا کرتی ہے۔مثلاً اس ہوش رُبا گرانی کے دور میں اس کی نشر و اشاعت پر ہونے والے اخراجات، اس کے اُٹھانے، رکھنے اور مطالعہ کرنے میں قاری کو درپیش دشواریاں وغیرہ۔

''دبستان نعت'' کا یہ شمارہ بھی اپنے سابقہ شماروں کے مشمولات پر ہی مشتمل ہے۔اس شمارے کے تزک و احتشام میں بھی ہم نے کوئی کسر باقی نہیں رکھی ہے۔ہمیں امید ہے کہ یہ شمارہ بھی آپ کے علم میں اضافے اور طمانیت قلب کا باعث ثابت ہوگا۔انشاء اللہ تعالیٰ

ہماری پیہم کوشش یہی ہوتی ہے کہ اچھے اور تازہ مقالات و مضامین آپ کو فراہم کرائیں جو آپ کی بصارت و بصیرت دونوں کو اُجال سکیں۔مگر لاکھ جتن کے باوجود کچھ نہ کچھ کمی رہ ہی جاتی ہے۔اگر کسی بھی جہت سے اس کے تزک و احتشام میں آپ کو کسی طرح کی تشنگی کا احساس ہو تو ہمیں ضرور باخبر کریں۔آپ کا نقطۂ نظر ہمارے لیے انتہائی وقیع اور اہمیت کا حامل ہوتا ہے اسی سے ہمیں مجلّے کی تابندگی اور اس کے روشن مستقبل کو پرکھنے میں مدد ملتی ہے۔

آخر میں ہم اپنے جملہ قلمی تعاون فرمانے والے احباب کے مشکور و ممنون ہیں کہ جنھوں نے اپنا قیمتی وقت نکال کر نعت کی مختلف جہات و ابعاد پر اپنی تخلیقی، تحقیقی اور تنقیدی کاوشوں سے نوازا۔اگر ان کی عنایات شامل حال نہ ہوتیں تو شاید کہ اتنا خوبصورت اور وقیع مجلّہ پیش کر پانا ہمارے لیے ممکن نہ تھا۔

سراج احمد قادری

تحمید و تقدیس

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

پوچھا گُل سے یہ میں نے کہ اے خوبرو تجھ میں آئی کہاں سے نزاکت کی بُو
یاد میں کس کی ہنستا مہکتا ہے تو ہنس کے بولا کہ اے طالبِ رنگ و بُو
اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ

عرض کی میں نے سنبل سے اے مشک بو صبح کو کرکے شبنم سے تازہ وضو
جھوم کر کون سا ذکر کرتا ہے تو سن کے کرنے لگا دم بدم ذکر ھُو
اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ

جب کہا میں نے بلبل سے اے خوش گلو کیوں چمن میں چہکتا ہے تو چار سو
دیکھ کر گل کسے یاد کرتا ہے تو وجد میں بول اٹھا وحدہٗ وحدہٗ
اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ

جب پپیہے سے پوچھا کہ اے نیم جاں یاد میں کس کی کہتا ہے تو پی کہاں
کون ہے پی ترا کیا ہے نام و نشاں بول اٹھا بس وہی جس پہ شیدا ہے تو
اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ

میں نے قمری سے کی جا کے یہ گفتگو گاتی رہتی ہے ''کوکو'' تو کیوں کو بکو
ڈھونڈھتی ہے کسے کس کی ہے آرزو بولی سن میرا نغمہ ہے سبحانہٗ
اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ

آکے جگنو جو چمکا مرے رو برو عرض کی میں نے اے شاہد شعلہ رو
کس کی طلعت ہے تو کس کا جلوہ ہے تو یہ کہا جس کا جلوہ ہے ہر چار سو
اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ اَللّٰہ

میں نے پوچھا یہ پروانے سے دو بدو کس لیے شمع کی لو پہ جلتا ہے تو
شعلہ ناز میں کس کی ہے جستجو جلتے جلتے کہا اس نے یا نورہٗ
اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ
اعظمی گرچہ بے حد گنہگار ہے مجرم و بے عمل ہے خطاکار ہے
حق تعالیٰ مگر ایسا غفار ہے اس کی رحمت کا نعرہ ہے **لا تقنطوا**
اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ اَللّٰہُ

علامہ عبدالمصطفیٰ اعظمی علیہ الرحمہ
(گھوسی، مؤ)

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

میرے دل میں قیام اس کا ہے — ذکر بس صبح و شام اس کا ہے
ہر گھڑی لب پہ نام اس کا ہے — اس کی بخشش سے دو جہاں روشن
نور بکھرا تمام اس کا ہے — جو سمایا ہے ذرے ذرے میں
خوبصورت وہ نام اس کا ہے — وقت کو اپنی لے سے جو بدلے
سوز اس کا کلام اس کا ہے — دل کو پاکیزگی سے جو بھر دے
ایسی مے، ایسا جام اس کا ہے — ہر مصیبت میں تو پکارے اسے
حوصلہ بخش نام اس کا ہے — جو ہر اک غم سے کر دے بیگانہ
ایسا دلکش پیام اس کا ہے — سارا عالم سما سکے جس میں
وہ ہمہ گیر نام اس کا ہے — باندھ رکھا ہے وقت کو جس نے
نازؔلی وہ نظام اس کا ہے

ڈاکٹر نلنی وبھا نازؔلی
(ہمیر پور، ہماچل پردیش)

حمد باری تعالیٰ جل جلالہ

سکونِ قلب کا ساماں خیال تیرا ہے
ہر ایک وصف عدیم المثال تیرا ہے
ترا ہی رنگ ہے غالب تمام رنگوں پر
ہر ایک گلشن و گل میں جمال تیرا ہے
فنا کی لو سے پگھل اُٹھے گا جہاں سارا
بقا ہے تجھ کو اور باقی جلال تیرا ہے
اگر تو چاہے تو رائی بنا دے پربت کو
بنا دے ذرّے کو پربت کمال تیرا ہے
وہ ماہ خور ہوں کہ تارے، یا کہکشاں، یارب!
ہر ایک ذرّے میں نور و جمال تیرا ہے
ہوا جو ہوتا ہے اور ہوگا تیری مرضی سے
زبانِ ماضی و آئندہ، حال تیرا ہے
الٰہی! مظہؔر خستہ پہ کر، کرم اپنا
غموں سے بندۂ عاصی نڈھال تیرا ہے

مولانا مظہر علی مظہؔر
(سنت کبیر نگر، یوپی)

تابشِ فکر و نظر/ افکارِ روشن

پروفیسر عبدالحق (دہلی)

معراجِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
فکرِ اقبال کا محرکِ تخلیق

بنی نوع بشر کی تاریخ کا سب سے مہتم بالشان واقعہ بعثتِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ اور بعثتِ رسول کا سب سے عظیم الشان، حیرت فروز معجزہ معراج کا سفر ہے۔ جو لامکاں کے مشاہدات سے معمور تکمیلِ دین کا منشور ہے۔ یہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاص امتیاز ہے جو کسی دوسرے نبی کا نوشتۂ تقدیر نہ بن سکا۔ اسی سے اسلام کے ارکان و عقائد کی اساس و ادراک میں عالمِ غیب کے مشاہدات کی نور فشانی جلوہ گر ہوئی ہے۔ سفرِ معراج نزولِ نبوت کا حکیمانہ حادثہ اور سلسلۂ رسالت کے اختتام کا اعلانیہ ہے۔ دوسری طرف یہ ہمارے علم و عرفان کے لیے غیر معمولی موضوعِ سخن بھی ہے۔ شاید ہی کسی دوسرے موضوع پر اتنا ضخیم سرمایۂ کلام موجود ہو سیکڑوں معراج نامے منظوم کیے گئے یہ مقدس محفلوں میں جذبۂ شوق کے اظہار کا وسیلہ ہے۔ یہ ہماری فکری اور دینی ثقافت کا فروزاں عنوان بنا۔ اقبال کی دنیائے فکر میں معراج رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سرچشمۂ نور بن کر روشن ہوا۔ اسی کے پرتوِ جمال نے فکر اقبال کو تازگی اور طرب ناکی کی ارزانی بخشی ہے۔ سفرِ معراج کی سایہ نشینی شعرِ اقبال میں جابجا نظر آتی ہے۔ اسباب دعوتِ نظر کا مطالبہ کرتے ہیں۔ اس مطالبے میں فکر و نظر کے ساتھ عرفان و آگہی کی پاکیزگی بھی شامل ہے۔

اقبال کی فکر و تخلیق کے دو بہت ہی خاص اور اہم مصدر ہیں۔ کتاب اور صاحبِ کتاب ہی ان کے تلاطمِ افکار کا منبہ و مخرج ہیں۔ صحفِ سماوی کی آخری تنزیل قرآنِ کریم اور سلسلۂ ہدایت کے لیے آخری رسول فکرِ اقبال میں روحِ رواں کی طرح سرگرم کار ہیں۔ اقبالؔ نے صدقِ دل سے رموزِ بے خودی میں اعتراف کیا ہے:

آں کتابِ زندہ قرآنِ حکیم حکمتِ او لازوال است و قدیم

نسخۂ اسرارِ تکوینِ حیات بے ثبات از قوتش گیرد حیات

گردر اسرارِ قراں سفتہ ام با مسلماناں اگر حق گفتہ ام ۱

اسرارِ قراں کے موتیوں سے افکار کو مزین کرنے کا اظہار بہت ہی معنی خیز ہے۔ جسے مطالعۂ اقبال میں کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس اقرار میں بالِ جبریل کی غزل کا یہ شعر بھی پیشِ نظر رکھنا چاہیئے:

تھا ضبط بہت مشکل اس سیلِ معانی کا کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر ۲

صاحبِ کتاب کے بارے میں اقبالؔ نے ایک آخری بات کہہ دی ہے پس چہ باید کا یہ شعر مطالعۂ اقبال میں حقیقتِ ابدی کی طرح ایک بڑے انکشاف کی حیثیت رکھتا ہے:

ایں ہمہ از لطفِ بے پایانِ تست فکرِ ما پروردۂ احسانِ تست ۳

یعنی یہ سب کچھ تیرے بے حساب لطف و کرم کی بدولت ہے تیرے احسان وعنایت نے میرے افکار کی پرورش کی ہے۔ یہ دونوں اقرار اس قطعیت کے ساتھ کلام اقبال میں دوسری جگہ نظر نہیں آتے۔ فکرِ اقبال کے سرچشموں کی بازیافت میں یہ نکات قندیل رہبانی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ معراجِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تفصیل انہیں دو نکات پر منحصر ہے۔ اس گفتگو میں قرآن کریم کی آیات پر اکتفا کیا گیا ہے۔ فکرِ اقبال میں ان آیات کے حکیمانہ اظہار کی نشان دہی کے ساتھ ان کے مؤثرات پیشِ نگاہ ہیں۔ قران کریم کرۂ ارض پر نازل ہونے والی آخری مقدس اور دنیا میں سب سے زیادہ پڑھی جانے والی مبارک کتاب ہے۔ اس نے انسانی فکر اور معاشرتی نظام کو سب سے زیادہ متاثر کیا ہے۔ دانش و بینائی اور دین وایمان کی تمام نسبتیں اسی سے منسوب ہیں۔ فکر ونظر کی راہیں بھی اسی سرچشمۂ فیض سے پھوٹتی ہیں۔ یہی کتاب مسلم ثقافت کا منہاج ومصدر بھی ہے۔

قرآن کریم کے حکیمانہ حوالوں سے اقبال کے فلسفہ وفکر کے نکات گہری بصیرتوں کے حامل ہوئے ہیں۔ یہ حوالے مختلف نوعیت اور صورتوں سے پُرنور ہیں۔ کہیں پوری آیت کریمہ پیش ہے۔ جیسے:

ہر زماں پیشِ نظر "**لاتخلف المیعاد**" دار ۴

ٹل نہیں سکتا "**وقد کنتم تستعجلون**" ۵

اشھد ان لا الہ اشھدو ان لاالہ ۶

کہیں آیت کریمہ کے ٹکڑے منظوم کیے گئے ہیں شعری ضرورتوں کی وجہ سے بھی اختصار سے کام

لیا گیا ہے۔صرف دو لفظوں سے استفادہ کیا گیا ہے، جیسے **لاتخف، لاتحزنون، لاتفسدو، لاتقنطوا، کن فیکون، مازاغ، قاب قوسین**۔ لیکن بیشتر مقامات پر صرف ایک لفظ سے پوری آیت کے اشارات منظوم کیے گئے ہیں:

حاملِ خلقِ عظیم، صاحب صدق ویقیں
آیۂ تسخیر اندر شانِ کیست
ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود

سورۂ رحمٰن کی آیت **کل یوم ھو فی شان** کی طرف اشارہ ہے۔ یہ صورت عام ہے۔ اکثر اشارات بدون حوالہ ہیں۔ آیات کے ترجمہ پر تکیہ کیا گیا ہے:

کیا ہے تونے متاعِ غرور کا سودا
(ضربِ کلیم۔ لاالہ الا اللہ)

سورۂ آلِ عمران کی آیت '**وماالحیٰوۃ الدنیا الا متاع الغرور**' سے ماخوذ ہے۔ لفظیات سے شاعری کا الہامی منظرنامہ منور ہوتا ہے۔ اکثر اشارات بدونِ حوالہ میں شعر میں کم وبیش ترجمہ کی صورت نظر آتی ہے:

ہائے کیا اچھا کہا ظالم ہوں میں جاہل ہوں میں

آیت: **ظلوماً جھولاً** کی طرف اشارہ ہے:

ہر شے مسافر ہر چیز راہی

کل من علیھا فان (سورۂ رحمٰن) کا ترجمہ محسوس ہوتا ہے:

ہیں تیرے تصرف میں یہ بادل یہ گھٹائیں

انا سخرنالکم مافی السمٰوات والارض کی طرف واضح اشارہ ہے جس سے کلام اقبال فروزاں ہے۔ یہاں قرآنی لفظیات کے حوالے نہیں دیئے گئے ہیں۔ معراجِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر میں کلام اقبال میں کم وبیش ایسے ہی قرآنی اشارات موجود ہیں۔ جنہیں تکرار کے ساتھ منظوم کیا گیا ہے۔ معراج کی قدرے تفصیل سورۂ والنجم کے پہلے رکوع میں ملتی ہے۔ اس سورۃ کی طرف اشارے ملاحظہ ہوں۔ ضربِ کلیم میں نظم کے آخری شعر کا اشارہ بہت ہی فکر انگیز ہے:

تو معنیٔ والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا ہے تیرا مدوجزر ابھی چاند کا محتاج

یہی اشارہ جاوید نامہ میں حلیم پاشا کے حوالے سے رقم کیا گیا ہے:

قرأتِ آں پیر مردے سخت کوش سورۂ والنجم داں دشتِ خموش

معراجِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تذکرے میں سورۂ والنجم کی آیت **ما زاغ البصر وما طغیٰ** کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔اس آیت کریمہ کی تشریح وتعبیر میں مسلم ادبیات میں ایک بہت وقیع ذخیرۂ تحریر موجود ہے۔اس آیت کریمہ کی راز جوئی اور اسرار کشائی میں پورے واقعہ کی روح جلوہ نما ہے۔یہ حضور رسالتِ مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سفر کا نقطۂ عروج ہے یہی انتہائے کمال اور علوئے بشریت کی انتہا بھی ہے۔اقبالؔ نے اسی آیت سے فکری استفادے کی قندیل روشن کی ہے۔ان کے تصورِ معراج کے ادراک کی تمام نور فشانی اسی نقطے پر مرتکز ہے:

رموزِ بیخودی میں پہلی بار اس آیت سے اقبالؔ نے اپنی اجتہادی فکر کو آراستہ کیا ہے:

آں نگاہش سرِّ **مــــازاغ البــصـــر** سوئے قومِ خویش باز آید دگر

معراج کے اس پہلو کی باز آفرینی کو ان کے فکری اجتہاد سے منسوب کیا جانا چاہیے۔اس نکتہ کا حاصل ہے کہ معراج شہِ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے عالمِ غیب کے روحانی مشاہدات کا وسیلہ ہے جس سے وہ سرشار ہوئے اور روئے زمین پر واپس آکر بہت قلیل مدت میں ایک عظیم الشان اور مثالی معاشرہ کی تربیت کی۔اس فکری مقدمے کو اقبالؔ نے تشکیل جدید کے چوتھے خطبہ میں دوسری بار بڑی صراحت سے بیان کیا ہے وہ اسے تکمیلِ دین اور انسانِ کامل کی سربلندی کا صلائے عام سمجھتے ہیں اقبالؔ نے اسے نکتۂ معراج کا اسرارِ سفر اور رازِ نہاں تسلیم کیا ہے۔اس خیال کی تائید میں اقبالؔ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لامکاں کے مشاہدات ومحصولات کو سینے میں سمیٹے ہوئے واپس آئے:

چناں باز آمدن از لامکانش درونِ سینہ او در کف جہانش

ذاتِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سینے میں کائنات کے مشاہدات کا گراں مایہ سرمایہ محفوظ ہوا۔جاوید نامہ میں فلک زہرہ پر تیسری بار اسی آیت کا ذکر ملتا ہے:

مــــازاغ البــصـــر گیر دنصیب برمقامِ عبدہٗ گردد رقیب ؎

اقبالؔ نے چوتھی بار 'ضربِ کلیم' میں دعائیہ کلمات کے طور پر اسے رقم کیا ہے:

فروغِ مغربیاں خیرہ کر رہا ہے تجھے تری نظر کا نگہباں ہو صاحبِ مازاغ ؎

رموزِ بیخودی میں پانچویں بار اس آیت کا اعادہ کیا گیا ہے:

اُمیّے پاک از ھوی گفتارِ او شرح رمزِ ماغویٰ گفتار او

قرآن کریم کے سورۂ بنی اسرائیل میں معراج کا ذکر بہت مختصر ہے۔صرف ایک آیت سے اس کی عظمت کا اظہار ہوا ہے۔اقبالؔ نے لفظ اسرا کئی جگہ استعمال کیا ہے اور اس کی گہری معنویت پر اشارے کیے ہیں۔ایک شعر میں قرآن کریم کی تلمیحات بیان کی گئی ہیں۔آدم کو علوم کا سکھانا اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سفرِ معراج دونوں حضورِ حق کی جلوہ گاہ کے رازِ نہاں ہیں:

سرِ سبحان الذی اسرا ستے   مدعائے علم الاسما ستے ۹؎

مثنوی مسافر میں بھی اسی آیت کریم کا اشارہ موجود ہے:

در ضمیرش مسجد اقصائے ماست   آشکارا دیدنش اسرائے ماست ۱۰؎

فکرِ اقبال میں سفرِ معراج کو بڑی معنویت حاصل ہے۔انہوں نے جاوید نامہ میں مردِ مسلماں کے لیے اسے سنتِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرار دیا ہے:

سنتِ او سرّ ے از اسرار او ست

اس سورہ کی دوسری آیت بھی فکر انگیز اور ہمارے دینی وروحانی مباحث میں سرِ عنوان شمار ہوتی ہے۔نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا قربِ الٰہی اور اس کی پُر اسرار نوعیت پر تفسیر واحادیث میں بڑی دل کشا صورتیں موجود ہیں۔سیرتِ رسول کے ذکر وفکر میں قاب قوسین سب سے لطیف اور سب سے زیادہ حیرت افروز منظر ہے۔اقبالؔ نے مولائے کائنات کے اس مخصوص اور منفرد امتیاز کو جگہ جگہ منظوم کیا ہے۔ابتدائی اور متروک نظم 'فریادِ امت' کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

کبھی چلمن کو اٹھانا کبھی پنہاں ہونا   قاب قوسین بھی دعویٰ بھی عبودیت کا
قاب قوسین سے کھلتی ہے حقیقت تیری   ماعرفنا نے چھپا رکھی ہے عظمت تیری

اسی دور کی متروک نظم 'نالۂ یتیم' میں سورہ والنجم کی مذکورہ آیت کا دوسرا ٹکڑا بھی تلمیح میں شامل ہے:

معنیٔ یٰسین ہے تو مفہوم او ادنیٰ ہے تو   طور پر چشمِ کلیم اللہ کا تارا ہے تو

'یٰسین' کی تلمیح کو بالِ جبریل کی غزل میں دہرایا گیا ہے:

وہی فرقان، وہی قراں، وہی یٰسیں، وہی طاہا

معراج کے تعلق سے سورہ والنجم کو بڑی فضیلت حاصل ہے۔اس کی آیات کو اقبالؔ نے کثرت سے اپنی فکری اساس کا عنصر بنایا ہے۔سفرِ معراج کے واقعہ نے اقبال کی فکر ونظر کو تحریک وتلاطم کی بے پایاں قوت بخشی ہے۔ان کی دنیائے فکر کا سب سے روشن باب اور شناخت کا امتیازی سبب سعیٔ پیہم کا انقلابی سبق ہے۔یہی ان کا حاصلِ فکر ہے جس کا مصدر قرآن کریم ہے جس میں غوطہ زن ہونے کی

تاکیدی ہے۔اوراس کے بغیر زندگی محال ہے:

نیست ممکن جز بقرآن زیستن

قرآن پر عمل پیرا ہونے کی حکیمانہ تاکیدان کے بنیادی فکری اسلوب کا نشانِ امتیاز ہے۔انہوں نے اسی کو زندگی کا میدان قرار دیا ہے۔ جوانسان گرمیٔ قراں کی حرارت سے محروم ہےاس سے خیر کی امید رکھنا فضول ہے:

سینہ ہا از گرمیٔ قراں تہی از چنیں مرداں چرا امیدِ بہی (جاوید نامہ)

اس سرچشمۂ فکر میں معراجِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے واقعہ نے اقبال کے فلسفہ وفکر کو سرگرم عمل رہنے کا جوحوصلہ بخشا ہے۔اس کی نظیر نہیں ملتی۔اس سفر کے لذتِ پرواز نے اقبآل کو پر جوش کیا ہے۔مسلم ادبیات میں غالبًا اقبآل کی پہلی مثال ہے جنہوں نے معراجِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متاثر ہوکر ایک عظیم الشان شعری تخلیق کو منظوم کیا۔ جاوید نامہ میں سات آسمانوں کے سفر کی روداد قلم بند کی گئی ہے۔معلوم نہیں کیسے پروفیسر عبدالستار دلوی سے سات کی جگہ نو آسمانوں کے سیر کی غلطی ان کی کتاب اقبال اور بھرتہری میں داخل ہوگئی۔اس کتاب میں دوسرے گمراہ کن متن بھی شامل ہیں۔ جن سے اقبآل کا کوئی تعلق نہیں ہے۔قرآن سے لے کر ادب تک ہر جگہ سات آسمانوں کا ذکر ہوا ہے:

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں

یہ سفر فکر وعرفاں کے گہرے مسائل اور مباحث پر مشتمل ہے۔ یہ شعری مجموعہ ۱۹۳۲ء میں پہلی بار شائع ہوا۔ یہ اقبآل کی تفکیر دینی کے امتیازات کو روشن کرنے کا سبب بنا۔اتنے فکری مباحث کسی اور تخلیق میں نظر نہیں آتے۔ مطالعۂ اقبال میں یہ ناگزیر تخلیق ہے۔اسے صرف نظر کرکے اقبآل کی تفہیم ممکن نہیں ہے۔فکر وشعر کے حیرت انگیز امتزاج کا یہ ایک حیرت خیز نمونہ ہے۔جس کی مثال نہ ماضی میں موجود ہے۔اور نہ حال میں حاصل ہوسکی۔اس بے مثال تخلیق کا محرک ومصدر معراج رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے۔ یہ تخلیق معراج کے فیضان کا نتیجۂ فکر ہےتو دوسری طرف اس مبارک سفر کی اہمیت وغایت کو سمجھنے کے لیے ایک نیا فکری زاویہ نظر بھی ہے۔ یہ ایک بڑے مفکر شاعر کا تخلیقی اعجاز بھی ہے۔ شعری تخلیق کے علاوہ اقبال نے اپنی ڈائری StrayReflections میں اور خطبات میں بھی معراج کے حیرت انگیز حوالے دیے ہیں۔

'تشکیل جدید' کے چوتھے اور پانچویں خطبے کی ابتدا کی عبارت بہت ہی فکر انگیز ہے۔ڈائری کا یہ جملہ بھی کم اہم نہیں ہے۔اقبآل نے اپنے تصورِ خودی کو معراج رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے نسبت

دے کر ایک اجتہادی فکری نکتے کو پیش کر دیا ہے:

"The Idea of Meraj in Islam is to face vision of reality without the slightest displacement of your own ego"

''اسلام میں معراج کا تصور اپنی خودی کا ایک لمحے کے لیے خیرگی کے بغیر حقیقتِ مطلق کا روبرو مشاہدہ ہے۔''

گویا معراج کا مشاہدہ فلسفۂ خودی کے وجود کی دلیل ہے۔ اس لیے بھی اقبالؔ کو اس سفر اور مسافر دونوں سے گہری فکری نسبت ہے۔ جس کے طفیل تخلیق کا شاہ کار وجود میں آیا۔ واقعۂ معراج کی معجز نمائی ہے کہ اقبالؔ کے قلب ونظر میں اس کے مؤثرات تخلیق کے خونِ گرم میں تبدیل ہوئے مسلم ادبیات میں کسی ذی فکر تخلیق کار نے اس عظیم الشان سفر کے متعلقات پر ایسی گہری گفتگو نہیں کی۔ حکمت ودانائی سے معمور جاوید نامہ کی تخلیق معراجِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تاثرات کی مظہر ہے۔ جاوید نامہ عہد حاضر کے عظیم فن کار کا سفرِ معراج ہے۔ جو بیداری اور بشری بدن کے حواس وادراک کے ساتھ ہے۔ اقبالؔ کے تمام شعری مجموعوں میں جاوید نامہ کو خاص امتیاز حاصل ہے کہ وہ ایمان ویقین کے ایک عظیم الشان واقعہ کے فیضان کا حاصل ہے۔ اتنے متنوع اور گہرے افکار سے معموران کا کوئی دوسرا مجموعہ نہیں ہے۔ ہونا بھی چاہیے تھا کیوں کہ اس کی نسبت کائنات کی سب سے برگزیدہ شخصیت سے ہے جو بہ ظاہر بشری مشتِ خاک میں نظر آتا ہے مگر حقیقت میں پیکرِ نور ہے۔ اور جسے انوار کے جلوہ ہائے نوع بنوع نے گھیر رکھا ہے۔ اس حقیقت کے بعد خواب وبیداری کی بحث اقبالؔ کے نزدیک بے معنی ہے۔ اقبالؔ نے اپنے مردِ کامل کی شبیہ سازی کی ہے۔ وہ خاکی ونوری نہاد اور بندۂ مولا صفات کا مجموعہ ہے۔ اقبالؔ نے معراجِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے استدلال کیا ہے کہ انسان کامل کی اکمل ترین ذات حضور رسالتِ مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہے۔ کیوں کہ جلوۂ ربّانی کے روبرو مشاہدات میں ایک لمحہ کے لیے بھی نگاہوں میں خیرگی نہ ہوسکی۔ تابِ نظر ذاتِ رسول کی تکمیلیت کی تمثیل ہے۔ ذاتِ رسول ہی انوارِ الٰہی کے تب وتاب کی متحمل ہوسکتی ہے۔ اقبالؔ نے رموز بیخودی کے آخری حصہ 'عرض حال مصنف بحضور رحمت للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم' میں اقرار کیا ہے:

شش جہت روشن ز تابِ روئے تو

اس عنوان کا پہلا مصرع ہے:

اے ظہور تو شبابِ زندگی

لفظ ظہور غور طلب ہے کیونکہ یہی لفظ اپنی تمام تر معنوی وسعتوں کے ساتھ بال جبریل کی مشہور تخلیق ''ذوق وشوق'' میں رسالتِ مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق مشہور بند میں بھی مستعمل ہے:

عالمِ آب وخاک میں تیرے ظہور سے فروغ ذرۂ ریگ تو دیا تو نے طلوعِ آفتاب ۱۱

تجھے دیکھنے کے بعد سراپا نور بن جانا فیضانِ الٰہی کی نگاہِ ناز کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔ پیامِ مشرق میں ہے:

سراپا نورم از نظارۂ تو

معراج کی عظمت وبرکت کے بارے میں اقبال نے جابجا اظہار کیا ہے۔ بانگِ درا کے حصۂ سوم میں ایک مختصر نظم ہے۔ معراج کی حقیقت اقبال پر منکشف ہوچکی ہے۔ اور یہ خیال فکر کو مہمیز کرتا ہے۔ اس خیال کی درخشانی تقریباً ہر جگہ نظر آتی ہے۔ اس شعر پر غور کرنے کی اشد ضرورت ہے سفرِ معراج کو رہ یک گام کہنا فکرِ اقبال کا بنیادی نکتہ ہے:

کہہ رہی ہے یہ مسلمان سے معراج کی رات رہِ یک گام ہے ہمت کے لیے عرشِ بریں ۱۲

اس کے بعد جاوید نامہ میں معراج کا کئی بار تذکرہ ہے۔ جو اقبال کی دینی فکر اور اجتہادی نظر کی وسعتوں اور انتہاؤں کی غمازی کرتے ہیں۔ معراج نے ہی جاوید نامہ جیسی عظیم الشان شعری تخلیق کو متحرک کیا ہے اس واقعہ اسرا کے رموز کو جدید فکری تناظر میں دیکھنے کی دعوتِ فکر ونظر بھی ہے۔ یہ نکتہ ملاحظہ ہو:

چیست معراج آرزوئے شاہدے امتحانے روبروئے شاہدے ۱۳

دوسرا بیان بھی ملاحظہ ہو:

از شعور است ایں کہ گوئی نزد ودور چیست معراج انقلاب اندر شعور ۱۴

خالق تک رسائی اور اس کے روبرو فکر وعمل کے احتساب کی آزمایش ہی معراج کا اصل مفہوم ہے۔ جہاں سے بھی دیکھیے فکر وشعور میں اضطراب وانقلاب برپا کردینے کا نام ہی معراج ہے۔ گویا ذوقِ پرواز اور شعور میں انقلاب آفرینی سفرِ معراج کی مرہونِ نظر ہے۔ عزم وہمت ہو تو بالائے آسماں سے بھی پرے پرواز اور پہنچنے میں ایک جست کی ضرورت ہے۔ پس چہ باید کرد میں تیسری بار اقبال نے مشہور حدیثِ نبوی کی اپنی فکر وآگہی سے ایک نئی تعبیر پیش کی ہے:

دربدن داری اگر سوزِ حیات ہست معراجِ مسلماں در صلوٰۃ

ہر نماز میں بندہ مالک کے روبرو ہوکر ربِّ جلیل کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اور ذات باری تعالیٰ بھی بندہ

کو اپنی نگہِ کرم نواز سے دیکھتا ہے۔ یہ دوسرا قولِ رسولؐ بھی اقبالؔ کے پیشِ نظر ہے۔ علامہ کا اصرار ہے کہ یہ اسی وقت ممکن ہے جب نمازی کے جسم وجاں میں جینے کی تڑپ اور تپش کا اضطراب ولولہ انگیزی برپا کیے ہو۔ لفظ معراج کو چوتھی بار بالِ جبریل کی غزل میں استعمال کیا گیا اور اس حقیقت کا ادراک کرایا ہے کہ بحروبر ہی نہیں آسمان کے سورج چاند اور چمکتے تارے بھی بنی نوع انسان کی زد میں ہیں:

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفےٰ ﷺ سے مجھے کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں ۱۵؎

اس سے قبل ۱۹۲۳ء میں ہی طلوعِ اسلام میں اقبال نے چرخِ نیلی نام سے بھی آگے مسلمان کی منزل بتائی ہے:

پرے ہے چرخِ نیلی نام سے منزل مسلماں کی ستارے جس کی گردِ راہ ہوں وہ کارواں تو ہے ۱۶؎

یہ تصورات تخیلی یا مثالی نہیں ہیں۔ اقبالؔ کی دلیل ہے کہ مالک کون ومکاں کے محکم ارشادات ہیں جس میں تسخیر کائنات کی بشارت ہی نہیں۔ عہد وپیمان کا اقرار نامہ بھی موجود ہے۔ آیۂ تسخیر کو اقبال نے بار بار یاد دلایا ہے:

آیۂ تسخیر اندر شانِ کیست ایں سپہرِ نیلگوں حیران کیست ۱۷؎

'ضربِ کلیم' میں پانچویں بار اقبالؔ نے معراج عنوان کی مختصر نظم میں معراجِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح کو اپنے فکری نظام وپیغام کا حاصل قرار دیا ہے۔ ولولۂ شوق اگر پیدا ہو جائے تو بندۂ خاکی اپنی لذتِ پرواز سے چاند اور سورج کو بھی اپنی گرفت میں لا سکتا ہے۔ معراجِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مخصوص امتیاز اور سیرت سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سب سے عظیم معجزہ ہے۔ یہ سرِّ سرا یعنی رازِ دوعالم کی تسخیر کا نسخۂ نبوت ہے۔ نظم کا پیغام اور لفظیات کے معنوی متعلقات توجہ طلب ہیں۔ یہی پیغامِ سفر پوری شاعری اور فکر میں رودِ رواں بن کر جاری ہے۔ جس کے مختلف نام اور متنوع اشارات ہیں:

دے ولولۂ شوق جسے لذتِ پرواز کرسکتا ہے وہ ذرہ مہ ومہر کو تاراج ۱۸؎

ایک جگہ کہا ہے کہ زندگی کا حاصل لذتِ پرواز ہے:

زندگی جز لذتِ پرواز نیست

اس شعر میں نکتۂ معراج کی روح جلوہ فشاں ہے۔ ولولۂ شوق اور لذتِ پرواز سے اقبالؔ کو خاص لگاؤ ہے۔ کلام میں کئی بار تکرار کے ساتھ ان لفظوں کا استعمال ہوا ہے۔ اردو وفارسی شاعری میں ولولہ اور پرواز کا کثرتِ استعمال فکرِ اقبال کے نہاں خانۂ راز میں بڑی معنویت کا حامل ہے۔ جیسے:

اک ولولۂ شوق دیا میں نے دلوں کو ۱۹

دلوں میں ولولۂ انقلاب ہے پیدا ۲۰

دلوں میں ولولے آفاق گیری کے نہیں اٹھتے ۲۱

لفظ پرواز فکرِ اقبال کا بہت محبوب اور معنی خیز استعارہ ہے جو کثرت سے کلام میں ملتا ہے۔ یہی پرواز مسلسل جد و جہد کے آداب سکھاتا ہے اور سعیٔ پیہم کو جنوں خیز کرتا ہے:

زندہ تر گردد ز پروازِ مدام — پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی — شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا

جس رزق سے آتی ہے پرواز میں کوتاہی — فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی

جہاں میں لذت پروازِ حق نہیں اس کا — وجود جس کا نہیں جذب خاک سے آزاد

(بالِ جبریل)

درجنوں اشعار اسی استعارے کی بدولت زندگی کی تابانی کے مضمرات سے روشن ہیں۔ اقبالؔ نے بڑی قطعیت کے ساتھ اس نکتے کو پیش کیا ہے کہ اگر جذب وشوق ہو تو مٹی کا یہ بدن پرواز میں حائل نہیں ہو سکتا۔ یہ خاکی جسم صرف مٹی کا ڈھیر نہیں ہے۔ معراج نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس پر واضح دلیل اور مشعلِ راہ ہے:

ایں بدن ماجانِ ما انبار نیست — مشتِ خاکے مانعِ پرواز نیست ۲۲

اسی ضمن میں معراج سے متعلق یہ قول بھی ملاحظہ ہو:

خاک را پرواز بے طیارداد

فرزند آدم بہ ظاہر مشت خاک نظر آتا ہے۔ مگر اس کی سرشت میں افلاکی صفات بھی ہیں۔ اقبالؔ کا یہ شعر پیشِ نظر رکھیے:

کی حق سے فرشتوں نے اقبالؔ کی غمازی — خاکی ہے مگر اس کے انداز ہیں افلاکی

معراج کے تعلق سے سیر افلاک کے منظر نامے کو پیشِ نگاہ رکھیے اور کلام کو دیکھیے تو اس سے نسبت رکھنے والے ذخیرۂ الفاظ فکرِ اقبال کے موثرات کی غمازی کرتے ہیں۔ ان کے فکر کی دنیا میں اس واقعہ نے ایک انقلاب برپا کیا ہے۔ فلک، عالمِ افلاک سیر افلاک، فلک الافلاک، مکاں لامکاں، کہکشاں، آسماں، انجم، مہ و مہر، نیلگوں افلاک، بندۂ آفاق، صاحبِ آفاق، ستاروں سے آگے، پرے ہے چرخ نیلی فام گم اس میں ہے آفاق۔ اقبالؔ کی نگاہ میں آب و خاک کچھ حقیقت نہیں رکھتے انسان

کی ماہیت اس سے آزاد اور مادے سے ماورا ہے۔اس میں پوشیدہ روح کی ہی جلوہ نمائی ہے جو لافانی ہے اور لازماں بھی:

آدمے از آب وگل بالاترے

یہی روح تڑپنے پھڑکنے کی توفیق بخشتی ہے اور پروازِ مدام کے اضطراب سے جسم و جاں کو گرم جوش رکھتی ہے۔ بود و نمود کی کشاکش پیہم سے جوہرِ زندگی آشکار ہوتا رہتا ہے۔ اقبالؔ کے پیغام پر توجہ درکار ہے۔ یہ پیغام اسی انقلاب کی دعوتِ عام ہے جسے اقبالؔ نے معراج کو شعوری انقلاب سے تعبیر کیا ہے:

چیست معراج انقلاب اندر شعور

اس شعور کی بیداری سے ہی بیداریٔ کائنات کا عرفان ہوتا ہے یہی بیداری لامکاں و برمکاں پر کمندیں ڈالتا ہے۔ اور اپنے شعلے سے جہانِ مکافات کو زیر و زبر بھی کرتا ہے۔ گلشنِ راز جدید کا یہ فکر انگیز شعر ہماری حیرت فروزی میں اضافہ کرتا ہے:

چو آتشِ خویش را اندر جہاں زن شبیخوں برمکاں ولامکاں زن ۲۳

اپنے وجود کی آگ سے لامکاں پر شب خوں مارنے یعنی رسائی اور بازیابی کا حوصلہ معراجِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طفیل ہے۔ اقبالؔ اسی ولولے کو مردِ مسلماں کے قلب و نظر میں جاگزیں کرنا چاہتے ہیں۔ زمان و مکاں کے قید و بند میں اسیر ہو جانے کو اقبالؔ ناپسند کرتے ہیں۔ کیوں کہ معراجِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان حدود کو عبور کر کے ایک مثال قائم کی ہے۔ رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سفر میں زمانہ ٹھہر گیا۔ مکاں کی تمام وسعتیں منجمد ہوگئیں۔ اور آپ نورِ ربّی کے روبرو ہوئے۔ بنی نوع بشر کے لیے بھی یہی منہاج ہے اور منشائے سیرتِ پیغمبر خاتم بھی:

تو اے اسیرِ مکاں لامکاں سے دور نہیں وہ جلوہ گاہ ترے خاکداں سے دور نہیں
فضا تری مہ و پرویں سے ہے ذرا آگے قدم اٹھا یہ مقام آسماں سے دور نہیں ۲۴

معراجِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عروجِ آدم خاکی کی سب سے روشن دلیل ہے۔ اور انسان کے منصب و مقام کی راہِ سلسبیل بھی۔ کہکشاں، تارے، نیلگوں افلاک عروجِ آدم خاکی کے منتظر اور استقبال کے لیے فرشِ راہ ہیں۔ اقبالؔ نے بالِ جبریل کی غزل میں اس حرفِ راز کو نفسِ جبرئیل کے حوالے سے بتایا ہے کہ جذبِ مسلمانی سرِ فلک الافلاک کی پنہائیوں کو اپنے وجود کے اندر مرتکز کر لیتا ہے:

اک شرعِ مسلمانی اک جذبِ مسلمانی ہے جذبِ مسلمانی سرِ فلک الافلاک ۲۵

معراجِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سلسلے میں یہی سب سے اہم اور فکر انگیز نکتہ ہے جس پر علما و اکابرین نے عقل و خرد کی گتھیاں سلجھانے میں دانش و بینش کا بڑا سرمایۂ ادب تخلیق کیا ہے۔ اقبالؔ کا اجتہادی نقطۂ نظر یہ ہے کہ ذات گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجود میں کائنات کی تمام وسعتیں اور پنہائیاں جذب ہو گئیں۔ نہ زماں رہا نہ مکاں۔ صرف بندہ رہا اور بندہ نواز۔ وقت ٹھہر گیا مکاں سمٹ گیا۔ بندۂ مومن کی یہی شان و شناخت ہے اور یہی اس کے وجود کا ہدف بھی ہے۔ اسی کو مذکورہ اشعار میں پیش کیا ہے مزید صراحت کے لیے ان کے مشہور شعر پر بار دگر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اقبالؔ انسان کو صاحبِ آفاق بننے کی آرزو رکھتے ہیں:

اس مردِ خدا سے کوئی نسبت نہیں تجھ کو — تو بندہ آفاق ہے وہ صاحبِ آفاق ۲۶

مومن کے قلب و جگر میں خود آفاق گم ہوتا ہے اور غیر مومن کی پہچان ہے کہ وہ زمین و آسماں کے درمیان اپنے وجود سے محروم نظر آتا ہے۔ یہ شعر محاورہ ہی نہیں انسانوں کی پرکھ کا ابدی میزان ہے:

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے — مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق ۲۷

ان آسان لفظوں میں فلسفہ و فکر کی گہرائی دل و نظر کو مسحور کرتی ہے اور آدم خاکی کے مقام کو بار بار سمجھنے کے لیے ضرب لگاتی ہے۔ اقبالؔ بے سوادی اور کم نگاہی پر ماتم بھی کرتے ہیں وہ انسان کو بخشی گئی تسخیر کائنات کی بشارت سناتے ہیں کیوں کہ اس میں زمین و آسمان کو بدل دینے کی قوت ایک حقیقت ہے۔ جس فطرت نے بڑی فیاضی سے سپرد کی ہے۔ ارض و سما کا اس کے وجود میں گم ہونے یا سمٹ جانے کا فیصلہ بھی فضلِ ربّی ہے۔ اقبالؔ ان کمالات سے متصف ہونے کا اقرار کرتے ہیں۔ انسان کائنات کے سربستہ راز کو افشا کرنے کے لیے پیدا ہوا ہے۔ زمان و مکاں کی تسخیر بھی اس کا نوشتۂ تقدیر ہے۔ جاوید نامہ کے آغاز میں تمہیدِ زمینی کے ذیل میں لکھا ہے:

باش تا عریاں شود ایں کائنات — شوید از دامانِ خود گردِ جہات

برمکاں و برزماں اسوار شو — فارغ از پیچاک ایں زنار شو ۲۸

اسی سلسلے میں یہ شعر معنیٰ خیز ہے کہ کائنات کو بے حجاب کیا جائے کہ کوئی پردہ حائل نہ ہوتا کہ انکشافات کے لیے کوئی رکاوٹ مانع نہ رہے۔ اسی طرح اقبالؔ نے اپنے وجود کو بھی بے پردہ دیکھنے کی تلقین کی ہے۔ اس بے حجابی کا سلسلہ بھی ذاتِ حق اور ذات رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان مازاغ البصر کا اشارہ ہے۔ اپنے وجود کی آگہی کے لیے بھی ضروری ہے:

برمقامِ خود رسیدن زندگی است — ذات را بے پردہ دیدن زندگی است ۲۹

اسی کو معراجِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلق سے انقلاب اندر شعور کہا گیا ہے۔ وجود کے احساس کا انقلابی شعور ہی مکاں ولا مکاں سے بھی پرے پرواز کے لیے مائل اور مجبور کرتا ہے۔ اپنی ذات وصفات کا عرفان ہی اقبالؔ کے فکر وفلسفہ کی روح ہے۔ جسے خودی سے تعبیر کیا ہے۔ اس کی سربلندی عین ذات کے مشاہدات سے سرشار کرتی ہے۔ معراجِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ماخوذ اقبالؔ کا یہ حکیمانہ اشارہ فکر ونظر کی راہوں کو روشن کرتا ہے۔ اس سے قبل معراج کو سنّتِ رسول کہہ کر اقبالؔ نے ایک بلیغ نکتے کا انکشاف کیا ہے۔ ربِّ عالم نے اطاعتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صاحبِ ایماں کے لیے لازمی قرار دیا ہے اطاعت واتباع میں روح وبدن کی قید نہیں روح کی پاکیزگی اور قلب ونظر کا اضطراب بھی شامل ہے۔ ذات گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہر ہر ادا کی تقلید اور دل وجاں سے تسلیم کرنا ہی دونوں جہاں کی فلاح ونصرت کی دلیل ہے۔ اقبالؔ کا خیال افروز اور عارفانہ اظہار بڑی بلیغ معنویت کا حامل ہے:

عاشقی محکم شود از تقلیدِ یار تا کمندِ تو شود یزداں شکار ۳۰

حضورِ حق کے ساتھ اپنے وجود یعنی خودی کا عرفان، لذتِ پرواز کا ولولۂ شوق، سعیِ پیہم، تسخیر کائنات کا سوزِ دروں، زمان ومکاں کے قید وبند سے آزادی، جلوۂ صفات کے مشاہدات سے مثالی معاشرے کی تشکیل وتربیت فکرِ اقبال کا فت پہلو آئینۂ جہاں ساز ہے۔ اوران سب کا قبلہ نما رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سفرِ معراج ہے۔

حوالے:

۱۔ رموز بیخودی
۲۔ بال جبریل
۳۔ پس چہ باید کرد
۴۔ بانگِ درا
۵۔ بانگِ درا
۶۔ بالِ جبریل
۷۔ جاوید نامہ
۸۔ ضربِ کلیم
۹۔ اسرار خودی
۱۶۔ بانگ درا
۱۷۔ جاوید نامہ
۱۸۔ ضربِ کلیم
۱۹۔ بال جبریل
۲۰۔ ضربِ کلیم
۲۱۔ بال جبریل
۲۲۔ جاوید نامہ
۲۳۔ جاوید نامہ
۲۴۔ بالِ جبریل

۱۰۔ مثنوی مسافر
۱۱۔ بال جبریل
۱۲۔ بانگِ درا
۱۳۔ جاوید نامہ
۱۴۔ جاوید نامہ
۱۵۔ بالِ جبریل

۲۵۔ بال جبریل
۲۶۔ ضربِ کلیم
۲۷۔ ضرب کلیم
۲۸۔ جاوید نامہ
۲۹۔ جاوید نامہ
۳۰۔ اسرارِ خودی

☆☆☆

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین (نئی دہلی)

نعت کا حسن بیانیہ

نعت ایک پاکیزہ اور مقدس صنف ہے جس کی روایت دنیا کی بڑی زبانوں میں موجود ہے۔ لیکن میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں کہ نعت کی روایت صرف ادبیات عالم میں ہی نہیں ہے بلکہ تمام آسمانی صحائف اور کتابوں میں نعت بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے۔ کیونکہ ان آسمانی کتابوں میں حضور اکرم کی آمد کی بشارت کے ساتھ ساتھ ان کی تعریف وتوصیف بھی موجود ہے۔ رہی بات دنیا کی زبانوں کی تو ہر زبان میں صنف نعت کی نیرنگیاں اپنی اپنی زبان کی لطافت کے لحاظ سے موجود ہیں۔ ہیئت اور اسلوب کے اعتبار سے ہر زبان نے الگ الگ راہیں اختیار کی ہیں۔ لیکن موضوع کے لحاظ سے ہر جگہ یکسانیت ہے کیونکہ بطورِ صنف نعت کی یہی تعریف کی جاسکتی ہے کہ جس صنف میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی جائے وہ نعت ہے۔ لیکن جتنی آسانی سے اِس کی تعریف کی جاتی ہے، یہ صنف اُتنی آسان نہیں ہے کیونکہ حضور اکرم کی شان میں کچھ کہنا اور وہ بھی شاعری کی زبان میں کہنا اس لیے مشکل ہے کہ شاعری میں مبالغہ، غلو، تخیل، زورِ کلام اور دیگر شعری لوازمات موجود ہوتے ہیں جو ایک بات کو کئی طرح سے پیش کرتے اور تفہیم کے کئی دروازے کھولتے ہیں۔ مگر صنف نعت میں اس کی گنجائش نہیں کہ آپ کہیں کچھ اور معانی کے ایسے پہلو نکلیں جو آپ کہنا نہیں چاہتے یا ایسے مبالغے سے کام لیں جو شانِ اقدس میں گستاخی کے مترادف ہوں۔ اسی لیے اس میدان میں قدم رکھنے والے ہمام الدین علاء تبریزی کہتے ہیں:

هزار بار بشویم دهن ز مشک و گلاب هنوز نامِ تو گفتن کمالِ بے ادبیست

یا محدث دہلوی یہ کہہ کر آگے نہیں بڑھتے:

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

نعتیہ صنف کے ایک اور پہلو کی جانب آپ کا ذہن مبذول کرانا چاہتا ہوں ۔۔۔۔ نعت رسول اقدس میں 'عشق' کا موضوع بھی حاوی موضوع ہے۔ لیکن یہ عشق وہ نہیں جو عام طور پر تمام دنیا

کی شاعری میں بنیادی موضوع ہے۔ کیونکہ عام طور پر شاعری جو جذبۂ و دل کا ترجمان ہے، اس کو بھی دیکھنے، کہنے اور سننے کا اپنا اپنا جمالیاتی ذوق ہے۔ عشق جو جمالیات کا مظہر ہے اس کے رنگ بھی ہزار ہیں اور جلوے بھی بے شمار ہیں۔ یہ عشق فرزانگی بھی سیکھاتا ہے اور دیوانگی بھی۔ لیکن ایک عشق ایسا بھی ہے جو حدِ ادب کو ملحوظ رکھنے کا درس دیتا ہے۔ جی ہاں یہ بات ذرا عقل وفہم سے دور ہے کہ عشق اور ادب ایک ساتھ کیسے ممکن ہے؟ کیونکہ عشق دیوانگی سیکھاتا ہے تو عقل سنجیدگی کا درس دیتی ہے۔ اسی لیے عشق وعقل ہمیشہ برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ کبھی عقل حاوی ہوتی ہے تو کبھی عشق کا پلڑا بھاری ہوتا ہے۔ اقبال جیسے شاعر نے بھی عشق کو عقل پر ترجیح دی ہے اور یہ کہا کہ:

تازہ میرے ضمیر پر، معرکۂ کہن ہوا　　عشقِ تمام مصطفٰی، عقلِ تمام بولہب

یا یہ شعر

زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعلِ راہ　　کسے خبر؟ کہ جنوں بھی ہے صاحبِ ادراک

اقبال یہ کہتے ہیں کہ عقل تو گومگو کی کیفیت میں رہتی ہے اور سود و زیان کا حساب لگاتی ہے اسی لیے عقل ہمیشہ پیچھے رہتی ہے اور عشق اپنے ایک ہی جست سے کائنات کی کئی پہنائیاں طے کر لیتا ہے:

عشق کے ایک جست نے کر دیا قصہ تمام　　اس جہانِ آب وگل کو بیکراں سمجھا تھا میں

عشق کی جلوہ طرازیوں سے انسانی تمدن کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ زندگی کے جس چاک کو عقل نہیں سی سکتی اس کو عشق اپنی طاقت سے بغیر سوئی دھاگے کے رفو کر سکتا ہے:

وہ پُرانے چاک جن کو عقل سی سکتی نہیں　　عشق سیتا ہے انہیں بے سوزن و تارِ رفو

عشق رسول میں عقل وعشق دونوں کی اہمیت مسلم ہے کیونکہ عقل سے شرع محمدی کی تعمیل ہوگی اور دل سے عشق محمد ﷺ کی محفل سجائی جائے گی اسی لیے اقبال کہتے ہیں:

عقل و دل و نگاہ کا، مرشدِ اولیں ہے عشق　　عشق نہ ہو تو شرع و دیں، بُت کدۂ تصورات

اب بات اگر یہاں آ کر ٹھہرتی ہے تو ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ اس دنیا کا حاصل بھی عشقِ رسول ہی ہے۔ بغیر عشقِ رسول کے کچھ نہیں مل سکتا، نہ تو دنیا میں امن ممکن ہے اور نہ آخرت کا حصول ممکن ہے۔ لیکن یہ عشق یعنی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسا عشق ہے جس میں دیوانگی نہیں فرازانگی کی ضرورت ہے کیونکہ یہ عشق دنیا کے عشق سے نرالا ہے۔ جہاں جنونِ عشق بھی پابندِ ادب ہے:

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر　　نفس گم کردہ می آئید جنید و بایزید اینجا

عشق کا تقاضہ تو یہ ہے کہ دیوانہ وار خود کو نچھاور کر دیں۔ مگر رسول کی بارگاہ میں آوازیں بلند رکھنی

بھی بے ادبی ہے چہ جائے کہ عشق کی ہائے وہو کی صدائیں بلند ہوں، دیوانگی کے تماشے ہوں۔اب احمد رضا کے اس شعر کو سنیں کہ اور سمجھیں کہ اس بارگاہ میں کیسا عشق درکار ہے:

پیشِ نظر وہ نورِ بہار، سجدے کو دل ہے بیقرار روکئے سر کو روکئے، ہاں یہی امتحان ہے

روکئے سر کو روکئے ہاں یہی امتحان ہے

یہ کہہ کر احمد رضا عشقِ مصطفیٰ کی تڑپ کو بھی برقرار رکھنے کی ترغیب دیتے ہیں اور عشقِ مصطفیٰ کے آداب کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔نعت میں عشق رسول کو جب اس طرح پیش کیا جاتا ہے تو وہ صرف شاعری نہیں رہتی، بلکہ حیاتِ جاودانی کا درس دیتی ہے اور زندگی میں ایسی تازگی کا رس گھولتی ہے جو دائمی ہوتا ہے۔

لیکن اکثر ناقدین یہ کہتے ہیں کہ نعتیہ شاعری فنی جمالیات سے خالی ہے۔اور یہ بھی کہتے ہیں کہ نعتیہ شاعری میں فنی اعتبار سے جدت وندرت دیکھنے کو نہیں ملتی کیونکہ یہاں بیشمار پابندیاں ہیں اور موضوعات بھی طے ہیں۔ یہاں حدادب کو ملحوظ رکھنا ہوتا ہے اور نعتیہ شاعری میں مبالغہ اور تخیل کی کار فرمائی کی گنجائش بھی نہیں۔نعت گو شاعر کے ذہن میں ہمہ وقت یہ بات رہتی ہے کہ شان رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی گستاخی نہ ہو جائے۔نعتیہ شاعری میں ذراسی لغزش شاعر کو گمرہی اور ضلالت کی طرف لے جاسکتی ہے۔اسی لیے شاعر محض اپنے عقیدے کا اظہار کرتا ہے۔لہٰذا اس طرح کی شاعری میں اسلوب وبیان کی جولانیوں کے بجائے سیدھا سادہ بیان اور اسلوب دیکھنے کو ملتا۔فن کی نیرنگیاں اور زبان وبیان کی لطافتیں نعتیہ شاعری میں عموماً مفقود ہیں۔لیکن یہ تمام باتیں یکسر غلط ثابت ہو جاتی ہیں جب ہم نعتیہ کلام کا بغائر مطالعہ کرتے ہیں۔

میں اردو کے ابتدائی عہد کی کچھ مثالیں پیش کرنا چاہوں گا۔اردو زبان میں نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت اگر بات کریں تو یہ بلا تکلف یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اردو زبان میں شعری گوئی روایت جب سے شروع ہوتی ہے نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدا بھی وہیں سے ہوتی ہے:

قلی قطب شاہ

تج مکھ اجت کی جوت تھے عالم دیپن بارا ہوا تج دین تھے اسلام لے موہن جگ سارا ہوا

یک لک اسی پیغمبراں اپج جگت میانے ولے تج پر ہے نبوت ختم سب تھے تو ہی پیارا ہوا

جدید عہد کی شاعری سے کچھ مثالیں ملاحظہ کریں اور دیکھیں تو وہ تمام مفروضات غلط ثابت ہو جاتے ہیں جو نعت میں محدودیت کی شکایت کرتے ہیں:

لحد میں رخِ شہ کا داغ لے کے چلے اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

شبنم کمالی:

باوضو پڑھیے کلام اللہ کا ہر ہر ورق جب تمنا ہو نبی کا روئے دیکھیے

یا یہ شعر:

تصور میں مدینہ رو برو ہے تبھی تو آنکھ میری با وضو ہے

اردو میں عام طور پر غزل کی ہیئت میں نعت کہنے کی روایت ہے۔لیکن قصیدے کی ہیئت میں بھی اعلیٰ پائے کی نعتیں لکھی گئی ہیں۔محسن کا کوروی کا نعتیہ قصیدہ سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل......اور سودا کا:

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی نہ چھوٹی شیخ سے تسبیح زنار سلیمانی

اور احمد رضا کے نعتیہ قصیدہ معراجیہ کے یہ اشعار سنیں اسی پر ہماری گفتگو ختم ہو گی:

وہ سرورِ کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لئے تھے
وہاں فلک پر یہاں زمیں میں، رچی تھی شادی مچی تھی دھومیں
اِدھر سے انوار ہنستے آتے، اُدھر سے نفحات اٹھ رہے تھے
اتار کر ان کے رخ کا صدقہ، وہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سورج مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگتے تھے

ایک بات ذہن میں رکھیں کہ اس دنیا میں بڑی بڑی شخصیات بھی آئیں اور بڑی تعداد میں لوگ ان سے متاثر بھی ہوئے۔لیکن کسی کی شان میں تسلسل اور عقیدت سے شعری اظہار کی کوئی اور روایت نہیں ملتی۔حتیٰ کہ کسی مذہبی شخصیت کے حوالے سے بھی کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ اس تسلسل سے شعری اظہار کی روایت ان کے نام سے منسوب ہو۔

حضور اکرم کی سیرت مبارکہ اور اوصاف حمیدہ کو بیان کرنے والے صرف مسلمان ہی نہیں ہیں۔اگر صرف اردو کی بات کریں تو دوسرے مذاہب کے شعرا کی بڑی تعداد ہے جنھوں نے حضور کی شان میں نعتیں لکھی ہیں۔ایک مثال ملاحظہ فرمائیں۔یہ ایک طویل نظم کے چند اشعار ہیں۔''لولاک'' کے نام سے یہ مجموعہ کلام ہے۔چند اشعار جن میں حضور کی آمد کا ذکر ہے ملاحظہ فرمائیں: چندر بھان خیال کی یہ نعتیہ نظم:

سمت سمت نورانی............
جس طرف نظر جائے روشنی کی طغیانی

دشت میں کہستاں میں، شہر میں بیاباں میں
پُرسکون سی ہلچل، عالمینِ امکان میں
اور زمین کے اوپر
آسمان کے نیچے، اک شبیہ لاثانی
جس طرف نظر جائے، روشنی کی طغیانی
صاحبِ کتاب آیا، لے کر پھر شباب آیا
آ گیا یقیں سب کو، اہل انقلاب آیا
اور سکوت نے گایا
نور کی ولادت کا، ایک گیت لافانی
جس طرف نظر جائے روشنی کی طغیانی
شش جہات نے چوما، کائنات نے چوما
چاند جیسے چہرے کو، سب صفات نے چوما
اور حرا کی آنکھوں نے
آمنہ کے آنچل میں، دیکھا عکسِ ربّانی
جس طرف نظر جائے روشنی کی طغیانی

یہ نظم شروع ہوتی ہے۔ حضرت آدم کی اس زمین پر تشریف آوری سے چند انبیا کرام کا بھی اس میں ذکر ہے جو آمد رسول کی بشارت دیتے ہیں۔ اور حضور اکرم کی آمد اور اسلام کی روشنی اور انصاف و مساوات پر مبنی معاشرے کا وجود عمل میں آتا ہے۔

جو اشعار آپ نے دیکھے۔۔۔آپ بتائیں کہ کہیں سے ایسا لگتا ہے کہ یہ کسی ہندو کا کلام ہے۔۔۔جی یہ اشعار دہلی میں موجود ایک ہندو شاعر جناب چندر بھان خیال کے ہیں۔

اب دہلی سے لاہور کی طرف چلتے ہیں۔ لاہور کی سرزمین سے تعلق رکھنے والے ہری چند اختر کے نعتیہ کلام کو دیکھیں۔

پہلے ان کا ایک شعر سنیں اور اس شعر کے ساتھ حالی کی مسدس کا وہ شعر بھی ذہن میں رکھیں:

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

اب ہری چند اختر کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

آدمیت کا غرض ساماں مہیا کردیا　　اک عرب نے آدمی کا بول بالا کردیا

اب یہ اشعار بھی سنیں:

ہری چند اختر

کس نے ذرّوں کو اٹھایا اور صحرا کردیا　　کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کردیا

زندہ ہوجاتے ہیں جو مردہ اس کے نام پر　　اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کردیا

شوکتِ مغرور کا کس شخص نے توڑا طلسم　　منہدم کس نے الٰہی قصر کسریٰ کردیا

کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دُرّ یتیم　　اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولیٰ کردیا

سبز گنبد کے اشارے کھینچ لائے ہیں ہمیں

لیجئے دربار میں حاضر ہیں اے سرکار ہم　　یا الٰہی کس طرف کو ہے مرا عزمِ سفر

خضر کہتے ہیں کہ ساتھ آئیں ذرا سرکار ہم　　نام پاک احمد مرسل سے ہم کو پیار ہے

اس لیے لکھتے ہیں اخترؔ نعت میں اشعار ہم

کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ

تسکینِ دل ہے سرورِ کون ومکاں کی یاد　　سرمایۂ حیات ہے الفت رسول کی

انسانیت، محبتِ باہم، شعور و فکر　　جو چیز بھی ہے سب ہے عنایت رسول کی

ہے مرتبہ حضور کا بالائے فہم وعقل　　معلوم ہے خدا ہی کو عزت رسول کی

اورعصرِ حاضر میں غیر مسلم ہندو شعراء میں کنور مہندر سنگھ بیدی کا نام ایوانِ نعت میں گوئی میں منفرد حیثیت کا حامل ہے۔

ہم کسی دین سے ہوں صاحبِ کردار تو ہیں　　جیسے بھی ہیں ثنا خوانِ شہہِ ابرار تو ہیں

عشق ہوجائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں ہے　　صرف مسلم کا محمد پہ اجارہ تو نہیں ہے

ان کے یہ مشہور نعتیہ اشعار:

اس طرح اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں اور تسلسل سے یہ روایت جاری وساری ہے اور خاص بات یہ ہے کہ شاعری کی اور صنف کی طرح اس میں بھی فنی اور فکری گہرائی وگیرائی ے ساتھ فن کمالات موجود ہیں۔

☆☆☆

ڈاکٹر داؤد محسن، داونگرے (کرناٹک)

سبحان اللہ وبحمدہ

قادر مطلق اللہ سبحان تعالیٰ کی بے کس پناہ میں سجدہ ریز ہوں جس کے قبضہ میں ساری کائنات ہے، حیات وممات اور دین ودنیا کی بھلائیاں ہیں، جس کی بارگاہ میں جن وانس، ملائک، شمس وقمر سجدہ ریز ہیں اور ہر مخلوق لحہ لحہ مدح سرائی وثنا خوانی میں محو ہے۔ انسان عشق ومحبت، خواہش وچاہت، تسلیم و رضا اور ہر اعتبار سے سرِ تسلیم خم ہے اور کائنات کی ہر چیز جس کا ذکر کرتی ہے۔ **یُسَبِّحُ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْض** (جو کچھ زمین اور آسمان میں ہے اللہ کی تسبیح وتحلیل کرتی ہے)، ہر شئے میں اللہ کا ظہور ہے اور ساری کائنات ظِل الٰہی کا عکس ہے، ہر شئے میں اس کے جلوے ہیں اور ہر شئے پر وہ قادر ہے۔

جہاں تک انسان کا سوال ہے اسے ساری کائنات میں اعلیٰ مقام ومرتبہ اور فضیلت حاصل ہے اور وہ تمام مخلوقات پر شرف رکھتا ہے۔ وہ اپنے انداز اور اپنے طریقہ سے شعوری یا غیر شعوری طور پر مالکِ حقیقی کی مدحت بیان کرتا رہتا ہے اور مصروفِ عبادت ہے۔ یادِ الٰہی، ثنائے الٰہی اور عبادت الٰہی کے پیمانے اور طریقے الگ الگ اور جداگانہ ہیں۔ وہ اپنے دل سے یاد واقرار اور زبان سے ذکر و اظہار کرتا ہے، عبادت کرتا ہے اور معبودیت تسلیم کرتا ہے یعنی بہ انداز دگر محوِ عبادت ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ یادِ الٰہی، ذکرِ الٰہی اور ثنائے الٰہی گویا حمدِ الٰہی ہے۔ یعنی حمد اللہ تعالیٰ کی خلاقیت وحاکمیت کا اقرار ہے، حمد اعتراف عبدیت ہے، حمد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ومعبودیت کا اعلان ہے، حمد عبادت بھی ہے اور شانِ عبادت بھی ہے، تمام عبادات میں افضل ترین ہے، حمد قرآن ہے، حمد ایمان ہے، راہِ مستقیم ہے، رضائے الٰہی ہے، فرشتوں کی سنت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ حاصل کلام یہ کہ حمد تمام ذکر واذکار میں افضل ترین ہے۔

دنیا میں ان گنت زبانیں ہیں اور ہر زبان میں اپنا اپنا ادب موجود ہے جو کئی اصناف پر مشتمل ہے چاہے وہ نثری ہو یا شعری۔ دیگر اصناف سے پرے جہاں تک حمد کا سوال ہے اسے روحانی غذا تسلیم کیا

جاتا ہے۔'ادب' میں حمد کو ہم 'ادب' ہی نہیں بلکہ ''روح ادب'' کہہ سکتے ہیں۔جس طرح دعا کو 'مغز عبادت' تسلیم کیا جاتا ہے اسی طرح حمد بھی ''مغز ادب'' ہے اور ادب کی جان اور روح ہے۔

حمد ایک مقدس، معتبر اور معظم صنف شاعری ہے جسے ایک اعلیٰ وارفع اور افضل مقام حاصل ہے۔حمد یہ ادب کے تعلق سے بات کرتے ہیں تو حقیقت میں یہ توفیق الٰہی ہے۔جن کو اللہ رب العزت نے فہم وفراست اور علم و دانش عطا کی ہے اور لکھنے کی صلاحیت بخشی ہے وہ اللہ سبحان تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے قلم کے ذریعہ اس کی بڑائی و بزرگی اور عظمت بیان کرتے ہیں۔چاہے وہ نثر میں ہو یا شاعری میں۔جن کو شاعرانہ صلاحیت عطا ہوئی ہے وہ بذریعہ شاعری معبود برحق کی ثنا بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔اس طرح ہر زبان کے ادب میں کم یا زیادہ حمد یہ شاعری تخلیق پاتی رہی ہے۔غور کرنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حمد یہ شاعری کا سلسلہ ہر زبان کے ادب کے آغاز سے ہی شروع ہوتا رہا ہے اور کائنات میں ابتدائے افرنیش سے یہ عمل چل رہا ہے اور یہ کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہے۔اردو حمد پر بات کرنے سے قبل حمد کی تعریف، حمد کی روایت، معنوی اعتبار سے اس کی توضیحات پر نظر ڈالنی ضروری ہے تاکہ حمد یہ شاعری اور مبادئ العلوم کی افہام وتفہیم میں آسانی ہو سکے۔

'حمد' قرآنی لفظ ہے اور عربی الاصل ہے جس کے لغوی ولفظی معنیٰ 'تعریف' کے ہیں۔حرف عام میں اس کا مطلب مالک حقیقی بزرگ و برتر ذوالجلال والاکرام کی شان وشوکت اور عظمت کی ستائش و سپاس گزاری اور ثنا خوانی ہے۔شاعری کی اصطلاح میں 'حمد' کا لفظ اللہ رب العزت کی تعریف و توصیف کے لیے مخصوص ہے۔

حمد کا موضوع محض شاعری نہیں بلکہ بہت ہی اہم، عظیم، معظم، مکرم، معتبر، مقدس اور افضل ہے۔ اللہ کی ذات وصفات کا ذکر کرنا اعتقاد وعمل پر مقدم ہے اور عبادت کی مقبولیت وعقیدے کی صحت پر موقوف ہے۔حمد ثنائے جمیل ہے اس پاک ذات کی جو خالقِ کُل کائنات ہے۔حمد کے موضوعات نے دنیا کی شاعری کو شرف بخشا اور حمد یہ شاعری مقدس ترین صنفِ سخن بن گئی۔یوں تو دنیا کی کئی زبانوں میں حمد کہنے کا رواج عام ہے لیکن عربی، فارسی کے بعد اردو میں اس کی تاثیر ہی نہیں بلکہ عظمت بڑھ جاتی ہے۔یہ صرف شاعری برائے شاعری نہیں ہے اور نہ ہی بصیرت و بصارت کی توثیق ہے بلکہ یہ عشقِ الٰہی، خوفِ الٰہی اور خوشنودیٔ حق سے لبریز ایک ایسی صنف ہے جو ادب میں ایک مستقل صنفی حیثیت کی حامل ہے۔

حمد بیان کرنے کا طریقہ اور سلیقہ ہم نے قرآن سے سیکھا ہے اور احادیث میں پایا ہے۔اللہ

تعالیٰ قرآن میں اپنی مدحت بیان کرتے ہوئے ہمیں یہ بتاتا ہے کہ تمام تعریفوں کا مستحق اور سزاوار خود خدائے بزرگ و برتر ہے۔ اس ضمن میں چند آیات کے حوالے پیش کیے جاتے ہیں تاکہ مذکورہ حقیقت کی تصدیق ہو سکے۔

الحمد للّٰہ رب العالمین۔ الرحمٰن الرحیم: تمام حمد اللہ کے لیے ہے جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے، بہت مہربان نہایت رحم والا ہے۔ (سورہ فاتحہ آیت ۱۔۲)

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاتَّخِذْہُ وَکِیلًا : وہ مشرق کا رب اور مغرب کا رب، اس کے سوا کوئی معبود نہیں تو تم اسی کو اپنا کارساز بنالو۔ (سورہ مزمل، آیت:۹)

رَبُّ الْمَشْرِقَیْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَیْنِ: وہی مشرقوں اور مغربوں کا مالک ہے۔

(سورہ الرحمٰن، آیت:۱۷)

اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیمًا حَکِیمًا : بے شک اللہ علم و حکمت والا ہے۔ **یُدْخِلُ مَنْ یَشَآءُ فِی رَحْمَتِہٖ** : اپنی رحمت میں جسے چاہے داخل کرتا ہے۔ (سورہ الانسان، آیت:۳۰۔۳۱)

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحٰکِمِینَ: کیا اللہ سب سے بڑا حاکم نہیں۔ (سورہ التّین، آیت:۸)

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَ مَافِی الْاَرْضِ وَھُوَالْعَزِیزُالْحَکِیم : جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمین میں ہیں (سب) اللہ کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔ (سورہ الحشر، آیت:۱)

سَبَّحَ لِلّٰہِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ وَھُوَالْعَزِیزُالْحَکِیم ہ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، یُحْیِ، وَیُمِیتُ، وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیرٌ ہ ھُوَالْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاھِرُ وَالْبَاطِنُ، وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیمٌ : جو مخلوق آسمانوں اور زمین میں ہے اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور وہ غالب اور حکمت والا ہے، آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اسی کی ہے۔ وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہی اول ہے، وہی آخر ہے، وہی ظاہر ہے اور پوشیدہ بھی اور وہی ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ (سورہ الحدید، آیت:۱تا۳)

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِی خَلَقَ: پڑھو اپنے رب کے نام جس نے پیدا کیا۔

(سورہ علق، آیت:۱)

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی ’’اپنے رب کے نام کی پاکی بولو جو سب سے بلند ہے۔

(سورۂ اعلیٰ۔ آیت۔۱)

فَسَبِّحْ بِحَمْدِرَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْہُ، اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا: تو اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور اس سے بخشش چاہو۔ (سورہ نصر، آیت:۳)

اس طرح یہ بھی بیان ہوا ہے کہ

اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْض، اللّٰہ خَالِقُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْض، اللّٰہ مَالِکُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْض، اللّٰہُ بَدِیْعُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْض، اللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْض اور سُبْحَانَ اللّٰہِ اَمَّا یُشْرِکُوْن.......

اللّٰہ اکبر، سبحان ربی العظیم، سبحان ربی العلٰی اور حتیٰ کہ نماز بھی گویا حمد ہی ہے۔

مذکورہ آیات پیش کرنے کا مقصد اور مدعا یہ ہے کہ یہ سب ''حمد'' ہی ہے۔ اسی طرح سورۂ فاتحہ، آیت الکرسی، سورہ حشر، سورۂ اخلاص کے علاوہ بڑی تعداد میں کئی آیات موجود ہیں جو حمد کی صورت میں ملتی ہیں جو اللہ رب العزت کی حمد کا اکمل ترین اور افضل ترین نمونہ ہیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ اپنی پاکی بیان کرتا ہے، اپنی عظمت بتاتا ہے، قدرت کی نشانیاں واضح کرتا ہے، غور و فکر کرنے کی دعوت دیتا ہے اور بتاتا ہے کہ ہم بھی اس کی حمد و ثنا اور بڑائی بزرگی بیان کریں۔ حکمِ ربی ہے ''تم اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کرو اور اس سے بخشش چاہو بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے۔'' لہٰذا حمد و ثنا اس بابرکت ذات کی جو واحد اور لاشریک ہے۔ درود آقائے نامدار محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم پر جو اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حمد قرآن شریف میں ہی نہیں بلکہ توریت، انجیل، زبور اور دیگر آسمانی صحیفوں میں بھی بیان کیا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں اپنی حمد کرتا ہے اسی طرح اپنے حبیب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت یعنی نعت بھی بیان کرتا ہے۔ مثلاً

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَتً لِلْعَالَمِیْن (سورہ الانبیا، آیت:۱۰۸)

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَةً لِلنَّاس۔

محمد بشر لا کالبشر یاقوت حجر لا کالحجر (محمدؐ بشر ہیں عام بشر نہیں یاقوت پتھر ہے عام پتھر نہیں)

وَ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیم (اور بے شک آپؐ کے اخلاق نہایت عالی ہیں) وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے ذکر کو)

وَاطِیْعُ اللّٰہِ وَاطِیْعُ الرَّسُول

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ: (اور ہم نے بلند کر دیا ہے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو (سورہ

النشراح، آیت:۴)

حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ سیدِ عالم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے متعلق حضرتِ جبرئیل سے دریافت فرمایا۔ جواب میں جبرئیل امین نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کے ذکر کی بلندی یہ ہے کہ جب میرا ذکر کیا جائے میرے ساتھ آپ کا بھی ذکر کیا جائے گا۔''

حضور اکرم کو یٰسین، طٰہ، فرقان، مزمل، مدثر جیسے عظمت والے القاب سے خطاب فرماتا ہے۔ نعت بیان کرنے کا یہ طریقہ، شانِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت، عظمت و رفعتِ مصطفٰے اور اوصاف حمیدہ اجاگر کرنے کے اس بانکپن کا ثانی نہیں۔ ان دلائل اور حقائق کی روشنی میں یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی حمد وثنا بیان کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت بیان کرتا ہے۔

اللہ کی اس سنت پر عمل کرتے ہوئے انبیاء و مرسلین نے بھی یہی طریق اپنایا ہے، اپنے قلوب کو منور کیا ہے، اپنی زبانوں پر ذکر الٰہی کو سجایا ہے اور اللہ تعالیٰ کی قربت، فیوض و برکات کو حاصل کیا ہے۔ حضرت آدمؑ کی توبہ للّٰہیت اور اقرار رسالت کی برکت سے ہوئی، حمد کی بدولت حضرت نوحؑ کی کشتی کنارے لگی، حضرت ایوبؑ کی شفایابی حمد کا نتیجہ ہے، حضرت یونسؑ کی شکم ماہی سے رہائی، حضرت ابراہیمؑ پر نار نمرود کا گلزار ہونا حمد کی وجہ سے ہے، حضرت یوسفؑ کی قید سے رہائی حمد کا اثر ہے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حمد باری تعالیٰ لکھ کر دریائے نیل کے حوالے کردیا تو وہ بہنے لگی۔ اس طرح کی کئی مثالیں قرآن شریف، آسمانی صحیفوں احادیث اور اسلامی تاریخ میں مل جاتی ہیں۔ اسی کے پیش نظر حمد مقدس بن گئی۔

نبیٔ معظم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس انداز میں اللہ کی حمد وثنا بیان فرمائی ہے اس کا نعم البدل ملنا دشوار ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت اللہ رب العزت کی حمد وثنا بیان کرنے میں ہمہ تن مصروف ہے۔ اس کی روشنی میں ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ 'حمد' اللہ تعالیٰ کی بھی سنت ہے، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی سنت ہے اور انبیائے کرام کی بھی سنت ہے۔ اور 'نعت' کہنا اللہ تعالیٰ کی سنت ہے اور صحابہ کرام کی سنت ہے۔ اس سے ثابت ہوجاتا ہے کہ 'حمد و نعت' ایک مسلمان کے لیے نہ صرف ضروری ہے بلکہ نیکی اور ثواب کا عمل ہے۔ اس میں کوتاہی ہو تو ہمارا ہی خسارہ ہے۔ ہمیں پیدا کرنے کا مقصد ہی عبادت ہے اور ذکر الٰہی کو بھی عبادت کا درجہ حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں صاف الفاظ میں ہماری تخلیقیت کا مقصد اس طرح بتاتا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسِ اِلَّا لِعَيَبُدُوْن: (ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف عبادت

کے لیے پیدا کیا ہے۔(سورہ الذاریت، آیت:۵۶)

یہاں عبادت سے مراد صرف اور صرف خدائے واحد کی عبادت ہے کیونکہ اسلام میں صرف ایک خدا کی عبادت اور پرستش کا حکم ہے، وحدانیت کا تصور ہی نہیں بلکہ اقرار ہے اور ساتھ ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ماننا ہے یعنی لا الٰہ الا اللہ کے بعد محمد رسول اللہ کا اقرار ضروری ہے اور اس کے بعد کسی کو شریک کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔

ہمارے سامنے حضور اکرمؐ کی حیات طیبہ کا ہر گوشہ موجود ہے۔آپؐ کا ہر لمحہ یادالٰہی سے بھر پور ہے، ہر عمل رضائے الٰہی کے مطابق ہے، ہر ایک تعلیم اللہ تعالیٰ کے فرامین و احکامات کے عین مطابق ہے، ہر قول میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ہے۔صحابہ کرام نے اس وصف کو اپنانا سنت ہی نہیں بلکہ شان تصور کیا۔اس لیے ہر مسلمان کو اس پر عمل کرنا، فرامین و احکامات کی عمل پیرائی کرنا ایمان ہے اور یہی مومن کی شان اور پہچان ہے۔

اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ حمد باری تعالیٰ نہایت اعلیٰ وارفع اور محترم صنف سخن ہے۔اللہ اللہ کہنا، الحمدللہ اور سبحان اللہ کہنا، **سُبْحَانَ اللهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيم** کا ورد کرنا بھی حمد ہے۔

قرآن مجید کی پہلی سورۃ ''سورۂ فاتحہ'' ہے جو سورۂ حمد بھی ہے جس کی ابتدا ''الحمد للہ'' سے ہوتی ہے۔اس کا مطلب صاف اور واضح ہے کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔یعنی قرآن مجید کی پہلی سورت کا پہلا لفظ ہی 'الحمد' اور 'للہ' ہے۔''رب العالمین'' کے ذریعہ بتایا جا رہا ہے کہ وہی تمام عالموں کا رب ہے۔الرحمٰن الرحیم سے واضح کیا جا رہا ہے کہ وہی نہایت مہربان اور بڑا رحم والا ہے۔سورۂ فاتحہ کی شان یہ ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی جائے تو نماز نہیں ہوگی۔اس کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد بیان ہوتی ہے اور دوسرے حصہ میں مناجات ہے۔اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اللہ کی حمد کے بغیر صراط المستقیم کا حصول اور رضائے الٰہی حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ بتادیا ہے کہ کس طرح اس کی حمد بیان کرنی ہے۔یہیں سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، معبودیت اور ربوبیت کے ساتھ اقرار اور اطاعت ثابت ہوجاتا ہے اور اللہ کی رضا اور بھلائی چاہتے ہیں تو اس کا ذکر اور شکر کرتے رہنا چاہیے۔

فَاذْكُرُوْنِی اَذْكُرْوُكُمْ وَالشْكُرُوْلِی وَلَاتَكْفُرُوْن : (تم میرا ذکر کرو....سورہ بقرہ آیت:)

اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے کہ ساتوں آسمان وزمین اور ان کے درمیان جو کچھ ہے سب اللہ کی حمد کرتے ہیں۔یعنی آسمانوں اور زمینوں کے درمیان جو کچھ بھی موجود ہے وہ سب اسی کے قبضے میں ہے۔کائنات کی ہر شئے میں اللہ تعالیٰ کی ذات پنہاں ہے اور ہر شئے اس کی حمد بیان کرتی

ہے۔علماء وفقہا اس بات سے متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہر تخلیق کی تعریف گویا اللہ تعالیٰ کی تعریف ہے۔

جہاں تک اردو میں حمد کا سوال ہے یہ واضح رہے کہ حمد کے لیے کوئی مخصوص ہیئت مقرر نہیں ہے۔ حمد، شاعری کی ہر صنف میں اور ہر ہیئت میں لکھی جاتی ہے۔اردو میں جتنی حمد لکھی گئی ہیں ان میں مختارِ کل کی خوبیوں کا صدق دل سے اعتراف کرنا، اس کی وحدانیت اور کبریائی کو قبول کرنا، زبان سے بصد تعظیم و تکریم بیان کرنا اور اس کی تعریف کرنا مقصود ہے۔ کیونکہ ہر طرف اور ہر چیز میں اسی کے جلوے ہیں:

جہاں میں ہے ہر سو تو جلوہ نما بھی　　مکاں تیرا دنیا بھی عرشِ علیٰ بھی

ڈاکٹر داؤد محسن

شعراء اور اہل قلم حمد میں اپنی فکری بصیرت کا استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہیں اور خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ حمد کہنے کے لیے ایمان شرط ہے، اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، قدرت وعظمت کا اعتراف کرنا اور اس کی تخلیقات کا علم پالینا از حد ضروری ہے۔ محض قیاس آرائی کرنا، گمان کی بنیاد پر حمد کہنا، فریب تخیل اور توہم پرستی اور اندھی عقیدت سے حمد بیان نہیں ہوسکتی۔ اس کے لیے اللہ پر کامل ایمان، عقیدت اور یقیں محکم لازمی ہے۔

حمد کا آغاز عربی میں ہوا اور اس کے بعد فارسی میں اس کا رواج شروع ہوا اور اردو میں یہ صنف اپنائی گئی۔ عموماً ہر شاعر ثواب اور خوشنودیٔ مولا حاصل کرنے کی نیت سے حمد لکھتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اردو کی ابتدا سے ہی حمد کی شروعات ہوگئی ہے۔ محققین اس بات سے متفق ہیں کہ شاعری کی دیگر اصناف کی طرح حمد کا آغاز بھی دکن میں ہوا۔ تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ اردو میں سب سے پہلی حمد لکھنے کا شرف فخر الدین نظامی بیدری کو حاصل ہے جو اردو کی پہلی مثنوی ''کدم راؤ پدم راؤ'' میں شامل ہے جس کا آغاز ایک طویل حمد سے ہوتا ہے جسے تمام محققین نے اردو کی پہلی حمد تسلیم کیا ہے:

کسائیں تہیں ایک دنہ جگ ادار　　بروبر دُنہ جگ تہیں دینہار

اکاش انچہ پاتال دھرتی تہیں　　جہاں نکوئی، جہاں ہے تہیں

جس کا مطلب ہے ''اے خدائے کائنات ہمیں صرف تیری ہی ذات کا سہارا ہے، دوسری کوئی ہستی نہیں ہے، تو ہی آسمان، تو ہی پاتال (یعنی تحت الثریٰ) اور تو ہی زمین ہے، جہاں کوئی نہ رہے وہاں تو رہتا ہے۔

ابتدائی ایام میں حمد کہنے والوں میں میاں جی، شیخ بہاء الدین باجن، سید شاہ اشرف بیابانی، برہان الدین جانم وغیرہ کے نام ملتے ہیں۔ شیخ بہاء الدین باجنؔ کہتے ہیں:

تیرا کوئی انت نہ پاوے ایک جوت سہس ہراوے
باجن لکھ نا لکھیا جاوے

یعنی اے خدا تیرا کوئی انت نہیں ہے اور ہم تیری عظمت و بزرگی کو بیان کرنے سے قاصر ہیں۔تو ایک 'جوت' (نور) ہے جس نے ہزاروں روپ اختیار کر لیے ہیں۔

اس کے بعد ہمیں اردو شعرا کے دواوین اور شعری مجموعوں میں حمد مل جاتی ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔اتنی بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ اردو میں جو بھی شعری مجموعے شائع ہوتے رہے ہیں ان کی ابتدا عموماً بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوتی ہے۔یہ ایک روایت ہے لیکن اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔خیر و برکت کے اس کلمہ کو ان کتابوں تک محدود نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ چاہے وہ نثر میں ہو یا شاعری میں، اس کلمہ کی برکت زیادہ ہے۔علاوہ ازیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن مجید کی ایک آیت بھی ہے۔تقریباً ہر شاعر کے شعری مجموعہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ ایک حمد پائی جاتی ہے اور اسے تبرکاً ہی سہی کارِ ثواب سمجھ کر شامل کر لیا جاتا ہے۔

جن کو اللہ تعالیٰ نے سعادت بخشی ہے انہوں نے اس کی طرف بھرپور توجہ دی ہے اور خالص حمدیہ دیوان یا حمدیہ مجموعے منظر عام پر لانے میں کامیابی حاصل کی ہے۔اب تک کی تحقیق بتاتی ہے کہ اردو میں حمد کا اولین مجموعہ ''دیوانِ یزدی'' 1328 ہجری میں شائع ہوا جس کے خالق مفتی محمد سرور لاہوری ہیں۔دوسرا حمدیہ مجموعہ مضطر خیر آبادی کا ''نذرِ خدا'' کے نام سے 1908ء میں کانپور سے اشاعت پذیر ہوا۔تیسرا مجموعۂ حمد امت اللہ تسنیم کا ہے جو ''بابِ کرم'' کے نام سے 1954ء میں ہندوستان سے شائع ہوا۔اب تک اردو میں حمد کی جو کتابیں منظر عام پر آئی ہیں ان کی فہرست طاہر حسین طاہر سلطانی (کراچی) نے اپنے مضمون ''اردو حمد کا ارتقاء (ایک اجمالی جائزہ)'' میں پیش کیا ہے۔ان کے شکریہ کے ساتھ وہی فہرست شامل کی جاتی ہے۔

نمبر	مجموعہ کا نام	شاعر کا نام	سن اشاعت
۱	دیوانِ یزدی	مفتی محمد سرور لاہوری	۱۳۲۸ھ
۲	نذرِ خدا	مضطر خیر آبادی	۱۹۰۸ء
۳	بابِ کرم	امت اللہ تسنیم	۱۹۵۴ء
۴	پتھر میں آگ	عبدالسلام طور	۱۹۸۰ء
۵	الحمد	مظفر وارثی	۱۹۸۴ء

٦	لاشریک	طفیل دارا	۱۹۸۴ء
۷	صحیفہ حمد	لطیف اثر	۱۹۸۸ء
۸	سبحان اللہ وبحمدہٖ	حافظ لدھیانوی	۱۹۹۰ء
۹	بحضورحق تعالیٰ	کاوش زیدی	۱۹۹۰ء
۰	قلم سجدے	لالہ صحرائی	۱۹۹۳ء
۱۱	خالق ذوالجلال	ابرار کرت پوری	۱۹۹۴ء
۱۲	حمدیہ قطعات	مسرور بدایونی	۱۹۹۴ء
۱۳	خدائے ذوالجلال	محبت خان بنگش	۱۹۹۵ء
۱۴	نام بنام حمد وثنا	انوار عزمی	۱۹۹۸ء
۱۵	حمد نامہ	شیبا حیدری	۱۹۹۸ء
۱۶	اللہ اکبر	گہر اعظمی	۱۹۹۸ء
۱۷	متاع صراط	عابدہ کرامت	۱۹۹۸ء
۱۸	حمد میری بندگی	طاہر سلطانی	۲۰۰۰ء
۱۹	صحیفہ حمد کا	اجمل نقشبندی	۲۰۰۰ء
۲۰	رب العالمین	سجاد سخن	۲۰۰۱ء
۲۱	اللہ الصمد	نگار فاروقی	۲۰۰۱ء
۲۲	زبورِ سخن	تنویر پھول	۲۰۰۲ء
۲۳	تری ہی حمد وثنا	علیم النساء ثنا	۲۰۰۲ء
۲۴	الحمد للہ	عزیز الدین خاکی	۲۰۰۲ء
۲۵	حمد ومناجات	منصور ملتانی	۲۰۰۲ء
۲٦	حمدیہ رباعیات	راغب مراد آبادی	۲۰۰۳ء
۲۷	سرچشمۂ حمد	سائرہ حمید تشنہ	۲۰۰۳ء
۲۸	محامد باری تعالیٰ	خطیب گلشن آبادی	۲۰۰۳ء
۲۹	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم	صبا اکبرآبادی (زیرطباعت)	۲۰۰۴ء
۳۰	ثنائے کبریا	یونس ہویدا	۲۰۰۴ء

۳۱	قسّامِ ازل	ابرار کرت پوری	۲۰۰۴ء
۳۲	اِلّاھو	مشکور حسین یاد	۲۰۰۴ء
۳۳	سجدۂ شکر	ظفر ہاشمی	۲۰۰۴ء
۳۴	حریمِ حمد	کعمی بہل پوری	۲۰۰۴ء
۳۵	لاشریک	اعجاز چشتی فیصل آبادی	۲۰۰۴ء
۳۶	نغمۂ حمد	اقبال نجمی	۲۰۰۵ء
۳۷	ارمغانِ حمد	شاعر علی شاعر	۲۰۰۵ء
۳۸	خدائے شہ زمن	راجا رشید محمود	۲۰۰۸ء
۳۹	حمد وثنا کی گونج	سراج الدین سراج	۲۰۰۸ء
۴۰	تو خالق ہے تو مالک ہے	خورشید بیگ مالسوی	۲۰۱۰ء
۴۱	حرف ناتمام	منیر سیفی	۲۰۱۰ء
۴۲	کمالِ سخن	منظر عارفی	۲۰۱۱ء

طاہر حسین طاہر سلطانی نے بڑی جانفشانی سے مذکورہ فہرست اکٹھا کی ہے۔ اس فہرست میں ہم دیکھ سکتے ہیں کہ آزادی سے قبل صرف دو حمد یہ مجموعے شائع ہوئے ہیں اور آزادی کے بعد اس میں تیزی آئی ہے۔ طاہر حسین طاہر سلطانی کے مطابق ہندوستان سے اب تک صرف چار حمد یہ مجموعے منظر عام پر آئے ہیں بقیہ پاکستان سے شائع ہوئے ہیں۔ اردو میں پہلا حمد یہ مجموعہ سرور لاہوری کا لکھنؤ سے ''دیوانِ یزدی'' 1328ء میں شائع ہوا، دوسرا مجموعۂ حمد مضطر خیر آبادی کا ''نذرِ خدا'' 1908ء میں کانپور سے اور تیسرا امت اللہ تسنیم کا ''باب کرم'' بھی ہندوستان سے 1954ء میں شائع ہوا۔ پاکستان میں پہلا اور ترتیب کے لحاظ سے چوتھا مجموعۂ حمد ''پتھر میں آگ'' 1980ء میں شائع ہوا جس کے خالق عبدالسلام طور ہیں۔ یہ فہرست دیکھ کر ہمیں یقیناً حیرت ہوگی کیونکہ اردو شاعری کی چار پانچ سو سالہ تاریخ میں سب سے افضل واعلیٰ، بلند و بالا، معظم ومکرم اور محترم صنف کی کتابیں کیوں شائع نہیں ہو پائی ہیں۔ جب کہ ہر مسلمان اس بات کا قائل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرنے کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہونے والا سلسلہ ہے۔ **وَلَو اِنّمَافِي الارضِ مِنْ شجرة اَقلٰم وَ الْبحَرَ يَمُدّهُ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةَ اَبْحرُمَا نَفِدَتْ كَلِماتُ اللهِ اِنّ ا الله عَلیٰ كُل شَئي قَدِيرْ** (یعنی سرزمینِ دنیا پر جتنے بھی درخت موجود ہیں ان کے قلم بنائے جائیں، سات سمندروں کا پانی سیاہی بنا کر لکھا جائے، تب

بھی رب العزت کی حمد وثنا ختم نہیں ہوگی)

دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ آزادی سے قبل صرف دو اور آزادی کے بعد 1954ء میں ایک حمدیہ کتاب شائع ہوئی اور اس کے بعد 1980ء تک ایک بڑا خلا دکھائی دیتا ہے۔ 1980ء سے جب پاکستان میں یہ سلسلہ شروع ہوا تو مستقل طور پر حمدیہ مجموعے اشاعت پذیر ہونے لگے اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔ حمد ونعت ریسرچ سنٹر پاکستان میں ۴۲ شعرائے کرام کے کل ۵۳ مجموعہ ہائے حمد شائع ہوئے ہیں۔ جن میں ہندوستان کے صرف چار اور بقیہ پاکستانی شعراء کے ہیں۔ اگر ہمارے ملک کی بات کریں تو ہندوستان میں پاکستان کی بہ نسبت حمد کا سلسلہ بہت دھیما دکھائی دیتا ہے۔ کرناٹک میں منیر احمد جامی اور ڈاکٹر امجد حسین حافظ کرناٹکی سرف دو ایسے خوش نصیب شاعر ہیں جنہوں نے اس صنف میں کتابیں شائع کر کے اہم کام انجام دیا ہے جن کو میں قابل صد احترام قرار دیتا ہوں۔ میرے علم کے مطابق تادم تحریر کرناٹک سے شائع ہونے والے حمدیہ مجموعے حسب ذیل ہیں۔

۱	حرف تمام	منیر احمد جامی	۱۹۸۷ء
۲	ارتقاع	منیر احمد جامی	۲۰۰۸ء
۳	رباعیات حافظ (حمدیہ)	حافظ کرناٹکی	۲۰۱۶ء
۴	اللہُ جمیل	حافظ کرناٹکی	۲۰۱۸ء
۵	اللہُ الصمد	حافظ کرناٹکی	۲۰۲۱ء
۶	اللہُ احد	حافظ کرناٹکی	۲۰۲۲ء

’حرف تمام‘ خالص حمدیہ نظموں پر مشتمل کتاب ہے اور ’’ارتقاع‘‘ کی انفرادیت یہ ہے کہ اس میں وہ حمد شامل ہیں جو منیر احمد جامی نے اللہ رب العزت کے ننانوے صفتی ناموں پر کل ننانوے حمد لکھی ہیں جسے ایک غیر معمولی کارنامہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ حافظ کرناٹکی شاعری کی ہر صنف میں لکھنے کے عادی ہیں انہوں نے رباعی جیسی مشکل صنف میں اللہ تعالیٰ کی ثنا خوانی کرتے ہوئے ’’رباعیات حافظ‘‘ (حمدیہ) کے نام سے شائع کروایا ہے جس کا پیش لفظ لکھنے کا شرف مجھے حاصل ہے جو میرے لیے ایک اعزاز ہے۔ ڈاکٹر امجد حسین حافظ کرناٹکی نے چند سالوں میں جہاں سو سے زائد کتابیں اردو شعر وادب کو دی ہیں وہیں حمد باری تعالیٰ کی چار کتابیں شائع کی ہیں جو باعث افتخار ہے۔

ان کے علاوہ بہت سے حمدیہ مجموعے ثواب کی نیت سے مرتب کر کے شائع کیے جا چکے ہیں۔ علاوہ ازیں کئی رسائل حمدیہ نمبر شائع کیے ہیں۔ جن میں حمد پر مضامین اور منتخب حمد شامل ہیں۔

حمد کے اہم موضوعات میں جو باتیں عموماً پائی جاتی ہیں وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام خوبیوں کا منبع ہے، وہ جامعِ صفات ہے وہ کسی کا محتاج نہیں ہے، وہ ہر طرح سے پاک ہے، وہی قابلِ حمد و ثنا ہے، وہی لائقِ مدح و ستائش ہے۔ اللہ رب العزت غفور و شکور ہے، نور و صبور ہے، علیم و خبیر ہے، سمیع و بصیر ہے، حسیب و حبیب ہے، حمید و مجید ہے، رحمٰن و رحیم ہے، حفیظ و نعیم ہے رؤف و کریم ہے، وکیل و منتقم ہے، قادر مطلق ہے، ظاہر و باطن ہے، اول و آخر ہے، حی و قیوم ہے وغیرہ۔ حمد میں شاعر یہ کوشش کرتا ہے کہ اللہ کی پاکی بیان کرے اور اس کی خوشنودی حاصل کرے۔ حمد میں عموماً اللہ تعالیٰ کی جو صفات بیان ہوتی ہیں ان میں یکسانیت محسوس ہوتی ہے۔ یہاں چند اشعار پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں تا کہ میں اپنی بات پوری کر سکوں:

موجوں کے تھپیڑوں میں ہیں تیور اس کے — دریا کی صداؤں میں ہیں تیور اس کے
ساحل کے سکوں میں بھی ہے رب کی رنگت — ملاّحوں کے گیتوں میں ہیں تیور اس کے

حافظ کرناٹکی

کس کا نظام راہ نما ہے افق افق — کس کا دوام گونج رہا ہے افق افق
شانِ جلال کس کی عیاں ہے جبل جبل — رنگِ جمال کس کا جما ہے افق افق

حفیظ تائب

حسنِ منظر پیش منظر اور پس منظر میں تو — آئینہ در آئینہ ہے تیرا ہی عکسِ وجود

ڈاکٹر ہارون رشید

زبان و قلب میں یہ فکر رسا بھی تیری ہے — مرے قلم میں روانی عطا بھی تیری ہے
بلا ستون معلق ہے عقل ہے حیراں — یہ آسمان کی نیلی ردا تیری ہے

نامعلوم

تجھی سے ابتدا ہے، تو ہی اک دن انتہا ہوگا — صدائے ساز ہوگی اور نہ ساز بے صدا ہوگا
ہمیں معلوم ہے، ہم سے سنو، محشر میں کیا ہوگا — سب اس کو دیکھتے ہوں گے، وہ ہم کو دیکھتا ہوگا

جگر مرادآبادی

تری ذات سب سے عظیم ہے تری شان جل جلالہٗ — تو ہر اک سے بڑھ کے کریم ہے تری شان جل جلالہٗ
تو قدیر ہے تو بصیر ہے، تو نصیر ہے تو کبیر ہے — تو خبیر ہے تو علیم ہے تری شان جل جلالہٗ

ڈاکٹر محمد حسین مشاہدؔ

یا الٰہی تو کار ساز و کریم ماورائے حدوث نورِ قدیم
بے نیازی تجھی کو زیبا ہے اوّل و آخر و خبیر و علیم
عالمِ شش جہت خفی و جلی سب کا خالق ہے تو محیط ومقیم

سچی تعریف کی مستحق ذاتِ باری تعالیٰ ہی ہے، وہی حقیقی تعریف کا سزاوار ہے اور تمام تعریفیں اسی کے لیے ہیں۔ ہر مسلمان اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنے کی اپنی بساط کے مطابق کوشش کرتا ہے۔ لیکن کوئی اس کی مکمل تعریف کا دعویٰ نہیں کر سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات ایسی ہے جس کو بیان کرنے سے بندہ قاصر ہے۔ اسے اس بات کا یقین ہے کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی مرضی سے ہی ہوتا ہے اور وہی بگڑی بنانے والا ہے اور ہماری فریاد سننے والا ہے۔

اسی حوالے سے بنتا ہے اپنا کام اللہ ہمارے حق میں وسیلہ ہے تیرا نام اللہ
سمجھ میں نہیں آتا کوئی مقام اللہ عجیب ہے تری قدرت ترا نظام اللہ

رؤف خیر

اے جہاں بھر کے پالنے والے جان مٹی میں ڈالنے والے
یہ زمیں، آسمان تیرے ہیں یعنی دونوں جہان تیرے ہیں

ڈاکٹر محبوب راہی

حمد کہنے کے لیے ایمان شرط ہے، عشقِ الٰہی لازمی ہے، قرآنِ مجید اور احادیث کا علم ضروری ہے، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر عمل چاہیے جس کے بغیر مومن ہونے کا تصور بھی نہیں اور حمد کہنے کا مطلب بھی نہیں۔ یہ صنف اس وقت پر اثر ہوتی ہے جب اظہارِ خیال کے ساتھ ساتھ کہنے والے کا کردار بے داغ ہو، قول وفعل میں تضاد نہ ہو، عمل پاک وصاف اور شفاف ہو، اس میں متانت وسنجیدگی ہو اور دل عشقِ الٰہی سے لبریز ہو۔ ساتھ ہی پاک طینت اور خدا شناس ہونا بھی ضروری ہے۔ اسے اللہ کی رحمت، اس کے فیضان اس کی ذاتِ والا کا ظہور اس کے کمال آفریں حسن کا نور، اس کی کلیمی، علیمی، کریمی و رحیمی کا اعتراف بھی ہو۔ تب کہیں جا کر ایک حمد تخلیق پاتی ہے:

کلیم ہے علیم ہے، شمیم ہے نسیم ہے
کریم ہے رحیم ہے، کبیر ہے ضخیم ہے
بشر میں اس کا عکس ہے، اسی کی روحِ قدس ہے
وہ خالقِ جہان ہے وہ ربِ جن و انس ہے

ہم ہیں کہ سارے بےنظر، بھٹک رہے ہیں در بدر
بدل رہے ہیں زاویئے، کبھی ادھر کبھی ادھر
کبھی ادھر کبھی ادھر

سرقاضی سید علیم الدین علیم

حمد کہنے والے کا ارادہ نیک اور اللہ تعالیٰ کے واحد ولاشریک ہونے کا علم ہوتا ہے اور وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ ہر طرف، ہر جگہ اور ہر شئے میں اللہ کا نور اور جلوہ ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے
غالبؔ

ہر چند ہر اک شئے میں تو ہے پر تجھ سی کوئی بھی شئے نہیں ہے
جچتا نہیں نظروں میں یاں خلعتِ سلطانی کملی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا
حالیؔ

حسبی ربی جل اللہ ما فی قلبی غیر اللہ نور محمد صلی اللہ لا الہ الا اللہ
اول آخر ہے اللہ باطن و ظاہر ہے اللہ حافظ ناصر ہے اللہ لا الہ الا اللہ
کون ومکاں میں ہے اللہ دونوں جہاں میں ہے اللہ جسم و جاں میں ہے اللہ لا الہ الا اللہ
غلام رسول قادری

اللہ تعالیٰ کی شان نرالی ہے، اس کی ذات لامحدود ہے، اس کی رحمت بیکراں ہے، اس کی عظمت و رفعت، شان وشوکت، لطف وعنایت، رحیمی وکریمی بہت ہے اور اس کی ان گنت صفات ہیں لیکن اردو شعراء کی حمد پڑھتے ہوئے موضوعات کی تنگ دامانی کا احساس ہوتا ہے۔ کیونکہ بیشتر حمد میں مضامین اور موضوعات کی تکرار کا تاثر پیدا ہوتا ہے اور یکسانیت محسوس ہوتی ہے۔ شاید ہم میں اتنی سکت نہیں کہ ہم اس کی حمد وثنا کرسکیں۔

ہر سمت جلوہ ریز ہے ہر شئے سے وہ عیاں دیکھے اسے مگر وہ نظر ہم میں ہے کہاں
ڈاکٹر داؤد محسن

حمد یہ شاعری کی بہ نسبت نعتیہ شاعری کو ہمارے شعراء نے زیادہ اہمیت دی ہے اور اپنی پوری طاقت نعتیں کہنے پر صرف کردیا ہے۔ حالانکہ بیشتر شعری مجوعوں میں ایک یا ایک زائد حمد شامل کرنے کی روایت عام ہے۔ جہاں تک میری معلومات ہیں ایک تو اردو میں بہت کم حمد یہ مجموعے شائع ہوئے

ہیں، دوسرے حمد ریسرچ سنٹرز بھی نہیں کے برابر ہیں، حمدیہ محفلیں اور مشاعرے بھی کم منعقد کیے جاتے ہیں۔ یونیورسٹیوں میں تحقیق بھی حمد پر بہت کم ہی ہوئی ہے۔

نہایت خوش آئند بات یہ ہے کہ 1998ء میں کراچی سے ''جہانِ حمد'' کا اجراء ہوا اور اردو حمد کے موضوع پر اولین ماہنامہ ''ارمغانِ حمد'' کا پہلا شمارہ ۲۰۰۴ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد حمد پر مشتمل کئی خصوصی نمبر نکالے جاتے رہے ہیں۔ اس طرح جہان حمد کے ذریعے اردو حمد کا فروغ پاکستان میں کافی ہو رہا ہے لیکن ہندوستان میں ایک لمبی خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ البتہ چند احباب نے ذاتی شوق کے تحت حمدیہ شاعری پر کام کیا ہے جو قابل صد ستائش ہیں۔

☆☆☆

پروفیسر فاروق احمد صدیقی (مظفر پور، بہار)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی ایک نعت کا تجزیاتی مطالعہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا نام ومقام اُردو کے سب سے بڑے نعت گو شاعر کی حیثیت سے اردو کے خالص ادبی حلقوں میں بھی محتاج تعارف نہیں رہا۔ اردو ناقدین کی نئی نسل جو عصری دانشگاہوں اور جامعات سے ماضی قریب میں فارغ ہوئی ہے اور یا جو ابھی پروان چڑھ رہی ہے وہ امام احمد رضا کے خصوصی مطالعے میں گہری دلچسپی لے رہی ہے۔ قدیم ادیبوں اور ناقدوں نے بالعموم نعتیہ شاعری کو کوئی اہمیت نہیں دی۔ بعضوں نے اس کی صنفی حیثیت سے بھی انکار کیا۔ مگر اب صورت حال بڑی تیزی سے مثبت انداز میں تبدیل ہو رہی ہے۔ اور اس صنف لطیف کی طرف سے بے حسی کی برف پگھلنے لگی ہے۔ یعنی ہندوستان و پاکستان دونوں ملکوں میں نعتیں بھی کہی جا رہی ہیں اور اس کو تنقیدی عمل سے بھی گزارا جا رہا ہے، اس ضمن میں ''نعت رنگ'' کراچی پاکستان کی وقیع خدمات ہمارے پیش نظر ہیں جس نے بین الاقوامی سطح پر شہرت ومقبولیت کا ریکارڈ قائم کیا ہے۔ اس کے قلمکاروں میں نامور ادیبوں اور ناقدوں کے نام آتے ہیں۔ جو افکار و عقائد کے اعتبار سے مختلف الخیال ہیں۔ مگر سب نے امام احمد رضا کی شاعرانہ عظمت ویگانگت کو تسلیم کیا ہے۔ ''نعت رنگ'' کے علاوہ بھی پاکستان میں نعتیہ ادب کو فروغ دینے کے لئے اور بھی کئی رسائل منظر عام پر آئے ہیں۔ اور اپنی کارکردگی کا شاندار مظاہرہ کر کے نیک نام ہوئے۔ یہاں میں ان رسالوں اور خاص نمبروں کے تذکرے نہیں کر رہا ہوں جو کسی مذہبی شخصیت، دینی ادارے یا روحانی خانوادے کی طرف سے شائع ہوئے۔ ان سب کا شمار اور احاطہ کرنا مقصود بھی نہیں ہے۔

ابھی حال ہی میں خلیل آباد ضلع سنت کبیر نگر اتر پردیش سے ایک ضخیم رسالہ ''دبستان نعت'' کے نام سے جاری ہوا ہے۔ جو سالنامہ ہے۔ اس کا مقصد اعظم اردو کی نعتیہ شاعری کو فروغ دینا ہے۔ یہاں بھی امام احمد رضا کہیں مستقل موضوع کے طور پر کہیں مختلف تحریروں کے بین السطور میں منعکس

نظر آتے ہیں۔اس رسالہ میں بھی اردو کے معتبر اہل قلم اپنی معیاری اور متنوع نگارشات کے ساتھ اپنی موجودگی کا احساس دلا رہے ہیں۔ان میں اہل مدارس کم اور عصری دانشگاہوں سے وابستہ اصحاب علم و فن زیادہ ہیں۔اس لئے مطالعہ رضا کے تعلق سے یہ بڑے اطمینان و مسرت کی بات ہے۔یعنی اب کوئے رضا سنسان نہیں آباد ہے۔دھوم مچانے والے پورے جوش و طمطراق اور عشق و عقیدت کے ساتھ رضا شناسی کی مہم پر سرگرم عمل ہو چکے ہیں۔

ان تمہیدی کلمات کے بعد آمدم بر سر مطلب! میں نے امام احمد رضا کی جس نعت پاک کے تجزیاتی مطالعے کو اپنا موضوع بنایا ہے اس کا مطلع ہے:

عارض شمس و قمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں　　عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوشتر ایڑیاں

اس میں ''ایڑیاں'' کی ردیف ہے۔کل گیارہ اشعار ہیں۔اس ردیف میں میرے علم و مطالعہ کے مطابق شاید کسی نعت گو شاعر نے طبع آزمائی کی ہو۔کیونکہ اس مشکل ردیف کو بخوبی نباہنا ریگستان میں جہاز رانی کے مترادف ہے۔جس کی صلاحیت وسعادت جو تمام اردو شاعروں میں صرف اور صرف امام احمد رضا کے حصے میں آئی۔کیونکہ وہ ایک قادرالکلام اور پرگو شاعر کے علاوہ علوم شریعت کے بحر زخار بھی تھے۔جب کہ قدیم اردو شاعروں میں اساتذہ فن کو بھی مذہبی مسائل و معاملات سے بس برائے نام ہی لگاؤ رہا ہے۔اس لئے امام احمد رضا کا یہ دعویٰ اپنی جگہ مسلم و مستحکم ہے کہ:

جو کہے شعر و پاس شرع دونوں کا حسن کیونکر آئے　　لا اُسے پیشِ جلوۂ زمزمۂ رضا کہ یوں

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت رضا کے ہم عصروں میں حضرت محسن کاکوروی، امیر مینائی، علامہ حسن بریلوی نے فکری و فنی دونوں لحاظ سے بڑی عمدہ اور معیاری نعتیں کہی ہیں۔بالخصوص اوّل الذکر کے بے پایاں عشق رسول اور پختگی کلام کا تمام اہل نظر اعتراف کرتے ہیں۔مگر ایمان و انصاف کی بات یہ ہے کہ تبحر علمی، ژرف نگاہی، شعری لطافت، ادبی نفاست، تشبیہات کی جدّت اور استعارات کی ندرت کے لحاظ سے حضرت رضا کا کلام واقعی امام الکلا ہے۔اور وہ امام الشعراء ہیں۔یہ طرفداری نہیں، سخن فہمی اور حقیقت بینی کا تقاضہ بھی یہی ہے۔لیکن:

آنکھ والا ترے جلووں کا تماشا دیکھے　　دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

اہلِ علم وفہم کے لئے یہ امر محتاج وضاحت نہیں کہ ایڑی یا ایڑیاں کا تعلق سراپا نگاری سے ہے۔سراپا نگاری کے بکھرے ہوئے جلوے تو دوسرے نعت گویوں کے یہاں بھی مل جاتے ہیں لیکن حضرت رضا نے جس ذوق وشوق اور والہانہ عشق و محبت و عقیدت کے ساتھ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سراپا

نگاری اپنی مختلف نعتوں میں کی ہے۔ وہ آپ اپنی مثال ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

سر تا بقدم ہے تنِ سلطانِ زمن پھول لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول
دندان و لب و زلف و رخ شہ کے فدائی ہیں دُر عدن، لعل یمن، مشک ختن پھول

اپنے قصیدۂ نوریہ میں یوں گہرافشانی فرماتے ہیں:

ک گیسو، ہ دہن، ی ابرو، آنکھیں ع ص کھیعص ان کا ہے چہرہ نور کا

ایک دوسری نعت میں ہے:

ہے کلام الٰہی میں شمس الضحیٰ ترے چہرۂ نورفزا کی قسم
قسم شب تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلف دوتا کی قسم

اور اپنے شہرۂ آفاق سلام ''مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام'' میں جو سراپا نگاری کی ہے۔ اس کا جائزہ لیا جائے تو مقالہ نہیں پوری کتاب لکھنے کی ضرورت ہوگی۔ اس لئے اس مقام میں صرف اس نعت پاک کا اس کو شعر کی شخص میں لانا ہے۔ یعنی ایک مصرع اوپر دوسرا نیچے۔ جس کی ردیف ایڑیاں ہے۔ جائزہ لینے کی کوشش کروں گا۔ اس کا مطلع یعنی پہلا شعر ہے ''عارض شمس وقمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں۔ عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں وہ خوشتر ایڑیاں'' پہلے مصرع میں حضور انور کی ایڑیوں کو عارض شمس وقمر سے بھی زیادہ منور قرار دیا گیا ہے۔ یہاں عقیدت کی فراوانی تو ہے مگر اس میں کوئی مبالغہ آرائی نہیں کہ حضور سراپا نور ہیں۔ شمس وقمر بھی پیکرِ انوار سہی مگر یہ قدرت کی شاہکار تخلیق حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں ہی ظہور پذیر ہوئے ہیں اور نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی اکتساب فیض کر کے روشن ومنور ہیں۔ ان کو درخشاں ہونا ہی چاہئے۔ کمال فنکاری یہ کہ ایک طرف شمس وقمر کے عارض تاباں ہیں اور دوسری طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایڑیاں۔ تقابل کا یہ جدید ولذیذ انداز امام احمد رضا کے علوئے تخیل ہی کا کرشمہ کہا جاسکتا ہے۔ دوسرے مصرع میں آپ کی پرنور ایڑیوں کو عرش کی آنکھوں کے تارے سے خوشتر قرار دیا گیا ہے۔ یہاں بھی کوئی استحالہ نہیں کہ عرش بھی مخلوق ہے اور آپ ساری خلقت میں سب سے زیادہ مکرم، مطہر اور منور ہیں۔ یہ بھی امت کے تمام اکابر و اعاظم کا متفق علیہ خیال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا جو حصہ زمین سے متصل ہے وہ عرش اعظم سے بھی افضل ہے۔ اس لئے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مقدس ایڑیوں کو عرش کی آنکھوں سے زیادہ بہتر و خوشتر تسلیم کرنے میں کسی کو کوئی تامل نہیں ہونا چاہئے۔ مدحت طرازی کا یہ نفیس ولطیف انداز حضرت رضا بریلوی کے خامۂ نگاری ہی کا خاص عطیہ ہے۔ حسن مطلع یعنی دوسرا شعر ہے:

جابجا پر تو فگن ہیں آسماں پر ایڑیاں دن کو ہیں خورشید، شب کو ماہ واختر ایڑیاں

آسمان پر جو جابجا سلسلہ نجوم نظر آتا ہے وہ دراصل حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ایڑیوں کا پرتو جمیل ہیں۔ انہیں کے فیضان سے وہ منور ہیں اور پھر دن کو وہ ایڑیاں خورشید عالمتاب کی شکل میں ڈھل جاتی ہیں اور رات کو چاند تاروں کی شکل میں نظر آنے لگتی ہیں۔ یہ تو ایک بین حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک ایڑیاں حسن و جمال اور بالکل گول سڈول ہونے میں آپ اپنی نظیر ہیں۔ یہی گولائی سورج، چاند اور تاروں میں قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے ان کو زائیدگان نور سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جو صرف شاعرانہ تخیل نہیں ایک امر واقعہ کا جمال آفریں اعلان واظہار ہے۔ تیسرا شعر:

نجم گردوں تو نظر آتے ہیں چھوٹے اور وہ پاؤں عرش پر پھر کیوں نہ ہوں محسوس لاغر ایڑیاں

سائنس دانوں کے مطابق آسمان کے تارے اس کائنات ارضی سے ہزاروں، لاکھوں درجے بڑے ہیں مگر ہمارے کرۂ زمین سے کروڑوں میل کی دوری پر واقع ہونے کی وجہ سے وہ ہماری آنکھوں کو بہت چھوٹے چھوٹے نظر آتے ہیں۔ عرش الٰہی کتنی بلندی پر ہے اور اس کا محل وقوع کیا ہے۔ اس کا اِدراک واحاطہ آج تک کوئی نہ کر سکا ہے اور نہ آئندہ کر سکے گا۔ نیز اس مقام رفیع تک شب معراج ہمارے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسائی ہوئی بالفاظ دیگر عرش نے آپ کی قدم بوسی کی سعادت حاصل کی۔ اس لئے تخیل سے بھی ذرا بُعد مسافت کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ایڑیاں لاغر نہیں ہونے کے باوجود عالم احساس میں لاغر و نازک محسوس ہوئیں تو تعجب کی بات کیا ہے۔ یہ بڑا نادر خیال ہے۔ اور اس کو بڑے شاعرانہ اسلوب میں ڈھالا گیا ہے۔ چوتھا شعر:

دب کے زیر پا نہ گنجائش سمانے کی رہی بن گیا جلوہ کف پا کا اُبھر کر ایڑیاں

اس کا مفہوم زیادہ پیچیدہ نہیں۔ یہاں اصل توجہ جلوۂ کف پا پر ہے۔ جس سے بیک وقت کئی شعائیں پھوٹتی ہیں۔ وہ جلوہ کف پا، صدرنگ ہے یا ہزار رنگ، اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ بہر کیف اس جلوۂ پاک نے اپنی انفرادیت اور نورانیت کا مشاہدہ کرانے کی آرزو میں پائے اقدس کے نیچے ہی رہ جانے کے بجائے اُبھر کر ایڑیوں کی شکل میں ڈھل جانا زیادہ پسند کیا کہ اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کا ایک لازمی حصہ بننے کا اعزاز واکرام حاصل ہو جائے تاکہ وہ کبھی سینۂ سنگ پر نقش جاوداں بن جائے اور کبھی روح الامین اس کا بوسہ لینے میں اپنے مقدر کی معراج سمجھیں۔ فکر وخیال کی یہ نزاکت ولطافت بس امام احمد رضا کی ندرت فکر ہے اور اس کو جمالیاتی حسن سے آراستہ کرنا بڑی فنکاری کی دلیل ہے۔ پانچواں شعر:

ان کا منگتا پاؤں سے ٹھکرادے وہ دنیا کا تاج جس کی خاطر مر گئے، منعم رگڑ کر ایڑیاں

اس شعر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس کے منگتا کی شان بے نیازی کا اظہار مقصود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا شیدائی و جاں نثار بس اک نگاہ کرم کا محتاج ہوتا ہے اس کو تخت و تاج کی طلب سے کیا واسطہ؟ کیونکہ اس کا عقیدۂ راسخ ہوتا ہے کہ:

وہ اپنے ہوگئے تو رحمت پروردگار اپنی

اس لئے جس تخت و تاج کی تمنا میں سلاطین زمانہ ایڑیاں رگڑ کر مر گئے پھر بھی وہ اپنی مراد کو نہیں پا سکے۔ اس تخت و تاج کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار کا سوالی و تمنائی پائے حقارت سے ٹھکرا دیتا ہے۔ ایڑیاں رگڑنا ایک محاورہ ہے۔ جس کا مفہوم ہے۔ حصول مقصد کے لئے انتھک کوشش کرنا۔ طرح طرح کے مصائب و آلام کو برداشت کرنا پھر بھی کعبۂ حاجات تک رسائی سے محروم رہ جانا۔ یہ شعر بھی اپنی فکری لطافت اور فنی نفاست کے لحاظ سے بہت بلند ہے۔ چھٹا شعر:

دو قمر، دو پنجہ خور، دو ستارے، دس ہلال ان کے تلوے، پنجے، ناخن، پائے اطہر ایڑیاں

یہاں تشبیہات کی نورانیت نظر افروز ہے۔ دو قمر سے مراد آپ کے دونوں تلوے ہیں ''دو پنجۂ نور'' کو آپ کے پنجے (پشت پا) سے تشبیہ دی گئی ہے۔ دو ستارے کا انطباق آپ کے دونوں پائے اطہر پر ہو رہا ہے۔ اور دس ہلال سے آپ کے دونوں پائے اقدس کی دس انگیوں کے ناخن کا تصور وابستہ ہے۔ اس طرح یہاں صنعت لف ونشر غیر مرتب کا التزام کیا گیا ہے۔ تنقید جدید میں اگرچہ صنائع و بدائع کی اہمیت باقی نہیں رہی لیکن عہد رضا میں اساتذۂ فن فخریہ ان کو اپنے اشعار میں جگہ دیتے تھے۔ چنانچہ اپنے شعری ماحول کے زیر اثر حضرت رضاؔ نے یہاں اپنی زبردست استادانہ حیثیت اور ماہرانہ دسترس کا ثبوت بہم پہنچایا ہے۔ یعنی واقعی:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضا مسلم جس سمت آ گئے ہو سکّے بٹھا دیئے ہیں

ساتواں شعر:

ہائے اُس پتھر سے اس سینہ کی قسمت پھوڑیئے بے تکلف جس کے دل میں یوں کریں گھر ایڑیاں

اس شعر کا مرکزی خیال یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نقشِ پا سینۂ سنگ پر کرم فرما کر ثبت ہو جائے اور ہمارا سینہ اس اعزاز سے محروم رہے۔ شعر کے پہلے ٹکڑے میں ''اُس'' ہے اور دوسرے ٹکڑے میں ''اِس'' ہے۔ اسم اشارہ قریب اپنے سینہ کے لئے۔ تو ایسا سینہ جو نقش پائے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دولت سے محروم رہ گیا اس کو اُس پتھر سے جو نقش پائے حضور کا امین ہے، پھوڑ دینا ہی بہتر ہے۔

یہاں ردیف ایڑیاں سے صرف ایڑیاں مراد نہیں ہیں بلکہ مکمل نقش پا کا مفہوم متعین ومتبادر ہوتا ہے۔ یہاں عشق رسالت مآب کا دریا تموج پر ہے، حضرت رضا جس سے مالا مال ہیں۔ طرز ادا میں بڑی قوت وتوانائی ہے۔ ساتھ ہی اس کی دلکشی و دل آویزی نقطۂ عروج پر ہے۔ اس مفہوم کا حامل شعر حضرت آسی غازی پوری علیہ الرحمہ کے یہاں بھی ملتا ہے۔ جو اپنی شہرت ومقبولیت کے باعث ضرب المثل بن چکا ہے:

نہ مرے دل، نہ جگر پر، نہ دیدۂ تر پر کرم کرے وہ نشان قدم تو پتھر پر

آٹھواں شعر:

تاج روح القدس کے موتی جسے سجدہ کریں رکھتی ہیں واللہ وہ پاکیزہ گوہر ایڑیاں

یہاں فکر بلند اور فن لطیف باہم پر جوش معانقہ کرتے نظر آرہے ہیں ایسا بلند پایہ شعر اُردو کے نعتیہ سرمائے میں شاید ہی دستیاب ہوسکے۔ تصور کیجئے، شب معراج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کاشانہ اُمِ ہانی میں محو استراحت ہیں۔ بلبل سدرہ حضرت روح الامین آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر سفر معراج میں اپنی رفاقت کی پیشکش کرنا چاہتے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمان مبارک بند ہیں۔ بیدار کرنے کی ہمت نہیں ہوئی تو جناب جبرئیل آپ کے پائے اقدس کا بوسہ لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ پائے مبارک یا ایڑیوں کا بوسہ بغیر سر کو جھکائے ممکن نہیں اور حضرت جبرئیل نے یہی کیا۔ یعنی تاج روح القدس نے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم ناز کو بوسہ دیا اور تاج کا تصور بغیر درہائے آبدار کے ممکن نہیں۔ اس طرح تاج روح القدس کے موتیوں نے جھک کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ایڑیوں کا بوسہ لیا۔ اس بوسۂ خاص کو سجدہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ بوسۂ پا میں تو سجدہ کی کیفیت پیدا ہوہی جاتی ہے۔ ایسی شاعرانہ توجیہہ وتعبیر حضرت رضا کے فنی شعور کا ادنیٰ کمال ہے۔ بہت خوب شعر ہے۔ حضور پاک کی ایڑیوں کی عظمت وتقدیس کا اس سے بہتر بیان ممکن نہیں۔

نواں شعر:

ایک ٹھوکر میں احد کا زلزلہ جاتا رہا رکھتی ہیں کتنا وقار اللہ اکبر ایڑیاں

اس شعر میں حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایڑیوں کے غیر معمولی وقار ومرتبت ہونے کا اظہار مقصود ہے۔ مشہور حدیث پاک ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوہ احد پر رونق افروز ہوئے آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین بھی تھے۔ وہ ہیبت وجلال سے کانپنے لگا۔ آپ نے اپنی پاک ایڑیوں سے ہلکی سی ایک ضرب لگائی اور پہاڑ

پہلے کی طرح پرسکون ہوگیا۔ اسی مشہور واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس شعر سے یہ لطیف پیغام بھی مل رہا ہے۔ آپ جن وانس کے ساتھ جمادات ونباتات کے بھی پیغمبر اور رسول ہیں۔ ان کو اس کا پورا پورا احساس وشعور ہے۔ اسی لئے تو اُحد نے فوراً آپ کے حکم کی تعمیل کی۔

ایک اور رُخ سے اس شعر کو سمجھا جاسکتا ہے۔ زلزلہ کا تصور کتنا بھیانک اور دہشت ناک ہوتا ہے محتاج بیان نہیں۔ اس کا ایک جھٹکا بلند وبالا عمارتوں، اشجار اور اشخاص کو زیروزبر کردیتا ہے۔ کچھ ایسی ہی کیفیت کوہ احد پر طاری تھی مگر وہ آپ کی ایک ٹھوکر میں جاتی رہی۔ ٹھوکر اور زلزلہ میں تضاد کا تعلق ہے۔ لیکن حضرت رضؔا کی فنّی بصیرت نے اس اشکال کو بڑے نفیس پیرائے میں دور کردیا ہے۔

دسواں شعر:

چرخ پر چڑھتے ہی چاندی میں سیاہی آ گئی کرچکی ہیں بدر کو ٹکسال باہر ایڑیاں

اس شعر کا استعاراتی نظام بہت ہی عمدہ اور استادانہ شعور کا مظہر ہے۔ چرخ یعنی آسمان پر چڑھتے ہی سیاہی آجانے کا مفہوم یہ ہے کہ ہلال (یعنی پہلی رات کا چاند) ارتقائی سفر طے کرتے ہوئے چودھویں تاریخ کی رات میں بدرکامل بن جاتا ہے اس کے بعد دوسری رات سے بتدریج اس کا زوال شروع ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی چاندنی یا روشنی پر سیاہی غالب آنے لگتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایڑیاں اس کو ٹکسال باہر کردیتی ہیں۔ ٹکسال باہر کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو سکہ ٹکسال میں تیار نہ ہوا ہو وہ جعلی سِکہ سمجھا جاتا ہے۔ یہاں بدر کامل کو پھر اس کا اپنی اوقات پر پہنچادینے۔ یعنی پہلی کا دبلا پتلا ہلال بنادینے کا تصور کارفرما ہے۔ بدر وہلال کا بڑھنا گھٹنا تو ایک مقررہ قدرتی نظام کے تحت ہوتا ہے۔ مگر یہاں حضرت رضؔا کے ذہن زرخیز نے شاعرانہ تعبیرات کے ایسے خوبصورت ونادر نمونے پیش کئے ہیں جو بس اُنہیں کا حصہ ہے۔ گیارہواں شعر:

اے رضؔا طوفان محشر کے تلاطم سے نہ ڈر شاد ہو، ہیں کشتیِ امت کو لنگر ایڑیاں

وہ شاعری ہی کیا ہے جس میں رمزیت وایمائیت کا عمل دخل نہیں ہو۔ حسن بیان اور شعری لطافت سے کوئی شعر مُعرّیٰ ہو تو اس کو فکر منظوم کا ایک سپاٹ نمونہ تو کہہ سکتے ہیں مگر شاعری نہیں۔ یہاں مقطع میں حضرت رضؔا کہنا یہ چاہتے ہیں کل قیامت کی ہولناکیوں سے بچانے کے لئے ہمارے آقا و مولیٰ شفیع محشر صلی اللہ علیہ وسلم موجود رہیں گے۔ اس نثری بیان کو شعری لباس عطا کرنے کے لئے آپ نے طوفان، تلاطم، کشتی اور لنگر کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ جن کے مابین گہری مناسبت ہے یہ ایک دوسرے سے ہم رشتہ وپیوستہ ہیں۔ یہ التزام اس لئے کیا گیا ہے کہ ان کے بغیر ایڑیوں کے لئے یہ

محیر العقول کارنامے انجام دینے کا اظہار نہیں ہوسکتا تھا۔ جس طرح بحری جہاز جب سمندری لہروں سے پھنسنے لگتا ہے تو جہاز راں لنگر ڈال کر جہاز کو خطرے سے بچالیتا ہے۔ اسی طرح آپ کی مقدس ایڑیاں کل قیامت کے دن لنگر انداز ہوکر کشتیٔ امت کو طوفانِ محشر کے تلاطم سے بچالیں گی۔ حق یہ ہے کہ اس نعت کا ہر شعر اک مقام سے ہے۔ اور اس کے ہر لفظ میں گنجینۂ معنی کا طلسم پنہاں ہے۔ محض سطحی اور سرسری مطالعے کے نتیجے میں اس میں موجود اسرار و معانی کی تفہیم آسان نہیں۔ شعری بلاغت، تہہ داری، اشاریت اور صنائع لفظی کی تشریح و تاویل کے لئے بڑی گہری نظر، ذہانت اور واضح تنقیدی بصیرت چاہئے اور راقم الحروف ان صفات سے محروم ہے۔ اس تجزیاتی مطالعے کی بازارِ ادب میں کیا قدر و قیمت ہوگی یہ اہل نظر ہی فیصلہ کر سکتے ہیں۔

☆☆☆

پروفیسر ڈاکٹر محمد افتخار شفیع (ساہیوال، پاکستان)

سرتابقدم ہے تن سلطان زمن پھول

(احمد رضا بریلوی: حسن شہ والا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل کش اظہاریہ)

نعت ایک محبوبہ دل براں صنف ہے۔اسے دیگر اصناف ادب پر وہی برتری حاصل ہے کہ جو تفوق اس کی موضوعہ ہستی کو باقی انسانوں پر ہے(یعنی بعداز خدا.....)۔گزشتہ صدیوں میں نعت کا تخلیق کردہ سرمایہ بہت زیادہ ہونے کے باوجود طلب سے کم ہے۔زمانوں کے تغیر نے کیسے کیسے نامیوں کے نشانات کو بود سے نابود کردیا۔دنیا کے فٹ پاتھ سے انسانی نسلوں کے نہ جانے کتنے گروہ بے خیالی میں گزر گئے،ایسی مقدس ہستیاں بہت کم ہیں جنھوں نے جلوس جہاں میں اپنی یادوں کے دستخط ثبت کیے۔وقت کے بہتے دھارے نے انسانی چہروں پرفراموشی کی دھول جمادی،لیکن چنیدہ لوگوں میں سرفہرست ایک باکمال ذات ایسی بھی ہے کہ وقت کا یہ سیل بے پناہ اس کے جمال پرانوار میں روز بہ روز اضافہ کرتا جارہا ہے۔اس کا ذکر حسب وعدہ بلند سے بلندتر ہوتا جارہا ہے۔دنیا کے دیگر مذاہب اور عقاید میں تصویریں اور بت بنا کر اپنے مشاہیر کو خراج تحسین پیش کرنے کی روایت موجود تھی،اسلام میں اس کی سخت ممانعت کی وجہ سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں الفاظ کا نذرانہ بہ ذریعہ نعت پیش کرنے کا آغاز ہوا۔

نعت کی صنف اپنے جلو میں متعدد فکری زاویے رکھتی ہے۔مرزا حیرت دہلوی لکھتے ہیں کہ اب ضرورت ہے کہ نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شکل وصورت کی تعریف وتوصیف کی بجائے ان کی سیرت صادقہ کے مختلف پہلوؤں کو شاعری کا موضوع بنایا جائے(۱)،یہ بات اپنی جگہ پردرست ہونے کے باوجود بہ ذات خود اس موضوع کی تحدید کرنے کے مترادف ہے۔آپ جناب سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے ساتھ ساتھ صورت میں بھی نوروںکہت کی ہمیشگیاں فی الحقیقت اسی مقدار میں موجود ہیں جسے دوسرے لفظوں میں خیر کثیر کہا جاتا ہے۔جس طرح زندگی کے جمالیاتی زاویوں کی

افادیت سے انکار ممکن نہیں بالکل اسی طرح اس عظیم ہستی کے جمال پرنور کی عظمت سے کیسے انکار ممکن ہے۔احادیث مبارکہ میں مناقب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابواب میں اس حسن صبیح وملیح کا سراپا نہایت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔سیرت ابن ہشام میں محسن رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوطالب کا ایک نعتیہ قصیدہ ملتا ہے،اس کا ایک شعر ملاحظہ ہو،اس میں صورت وسیرت کے دونوں پہلو بیان ہوئے ہیں:

جسے دیکھ کر بادل بھی مینہ برسا دے	وہ بیواؤں کا وارث اور یتیموں کا والی(۲)

فی الحقیقت عربی،فارسی اوراردوشاعری میں موجودنعتیہ شاعری میں کثیر تعداد میں سراپا کا اشعار ملتے ہیں۔اسلام کی اشاعت اور زندگی میں بنیادی سطح پر بپا ہونے والے انقلاب کے سبب عربی شاعری کے دیگرزاویے متروک ہوگئے۔''مخضرم'' کی اصطلاح سامنے آئی اورحسن و جمال کے بیان کا مرکز ومحور پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی قرر پائی اورآپ کے جمال دل نشیں کے تذکرے عام ہوگئے۔عربی نعت میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا مبارک بیان کرنے کی عظیم روایت موجود ہے۔بنوامیہ کے دور میں عربی شاعری کے قدیم عناصر نے از سرنوظہور کیا۔عبدالملک بن مروان نے عربی کوسرکاری زبان قراردے کراموی عہد کوخالص عربی عہد بنادیا۔اقتدار کی بنوعباس کی طرف منتقلی کے بعدعربی شاعری پرعجمی تصورات کا غلبہ ہوا،یہ دراصل ترجمے کا دور تھا،اس عہد میں فارسی اورسنسکرت سے متعدد کتابیں عربی میں منتقل ہوئیں۔اسی دور میں فارسی کے معروف شعرا فردوسی،انوری اورسعدی وغیرہ کو پذیرائی ملی۔مشرقی شعریات کے نعتیہ سرمائے میں آپ جناب سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سراپا نگاری کی ایک شان دارروایت ملتی ہے۔مختلف لغات میں سراپا نگاری کی درج ذیل تعریفیں موجود ہیں:

> ''بمعنے خلقت و بمعنے تمام از اول تا آخر و وصف تمام اندام ہائے معشوق''(۳)
>
> ''اول سے آخر تک تمام،معشوق کے جسم کی اول سے آخر تک نظمیہ تعریف''(۴)
>
> سر سے پاؤں تک پورا جسم اور تمام اعضائے جسمانی، اعضائے جسمانی کی تعریف میں لکھے ہوئے اشعار،مثل،تمثال،تصویر''(۵)
>
> ''وہ نظم جس میں اعضائے جسمانی کی تعریف لکھی جائے''(۶)

جسم کی اول سے آخر تک نظمیہ تعریف''(۷)

The whole body, figure, totally, from end to end. (8)

سراپا نگاری کی تعریف کرتے ہوئے ابوالاعجاز حفیظ صدیقی رقم طراز ہیں:

''ادبیات کی اصطلاح میں محبوب یا ممدوح کے بالوں سے لے کر ناخن پا تک ایک ایک کر کے مختلف اعضاے بدن کی توصیف سراپا کہلاتی ہے۔''(۹)

سراپا، پیکر، تمثال یا امیج شاعر کے متخیلہ یا تصور سے بہ راہ راست تعلق نہیں رکھتا، بل کہ شعری عمل کے دوران ایک واضح شبیہ ابھرتی ہے جو قرأت کے بعد مجسم شکل اختیار کر لیتی ہے۔ سراپا مشاہدے اور تجربے کی معنی خیز صورت میں کسی شخصی حالت کا آنکھوں کے سامنے تصویری شکل میں ابھر آنے کا عمل ہے۔ سراپا نگاری کے لیے پیکر تراشی، تمثال نگاری، محاکات نگاری اور تصویریت وغیرہ کی اصطلاحات بھی استعمال کی جاتی ہیں۔ یہ لفظوں کے تال میل اور خوب صورت در وبست سے ابھرنے والی وہ شبیہیں ہوتی ہیں جو ایک واضح یا قدرے مبہم انداز میں قاری تک پہنچتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ:

''پیکر تراشی، سراپا نگاری، امیجری، تمثال دراصل وہ تصویر ہے جو شاعری کے مطالعے سے ذہن میں بنتی ہے۔ شاعر کے محسوسات اور واردات اپنے اظہار کے لیے جب لفظی تصویروں کا روپ دھار لیتے ہیں تو اس کو سراپا، پیکر، تصویر، امیج اور تمثال سے تعبیر کیا جاتا ہے۔''(۱۰)

سراپا نگاری کا عمل اس بات کی دلالت کرتا ہے کہ انسانی ذہن ہمہ وقت مختلف تصاویر کا مرکز رہتا ہے۔ شاعر گرد و نواح میں پھیلی ہوئی دیکھی اور ان دیکھی دنیا میں اپنے حواس کے ذریعے مختلف مناظر ترتیب دیتا ہے اور اپنے ذہن میں ان کی جمع آوری کرتا رہتا ہے۔ یہ مناظر مختلف تصویروں اور شبیہوں کی صورت میں شاعر کے لاشعور کا حصہ بنتے ہیں اور بعد ازاں لفظی تصویروں کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔ غور کیا جائے تو انسانی سراپے کو لفظی پیکر میں ڈھالنے کا عمل سراپا نگاری کہلاتا ہے۔ سراپا نگاری سے مراد کسی محبوب شخصیت کی ایسی لفظی تصویر بنانے کا عمل ہے جس میں اس کے حسن و جمال کو الفاظ کے ساتھ چشمِ تخیل میں لا کر وجود دیا جاتا ہے۔ یہ عمل شعوری کاوش کا مرہون منت ہے۔ اس میں لاشعور کی کارفرمائی بہت کم ہوتی ہے۔ جان پریس (John Press) سراپا نگاری میں شخص نقش گری

کے حوالے سے کہتے ہیں:

> A good poet should be a master of imager, but imagery, is some thing complex and elaborate that a series of unambisious pictures. A distiction must between visual image, which evokes a clear picture of an object and a symbolic image which arouses a network of associations." (11)

شاعری میں سراپا نگاری شعر کو فنی کمال عطا کرنے کا عمل تو ہے ہی، اس میں حقائق کی دریافت کی خواہش کی موجودگی سے بھی انکار ممکن نہیں، درحقیقت یہ حسن و جمال کے خارجی بیان کا ایک موثر اور مبنی برحقیقت ذریعہ بھی ہے۔ یہ کائنات بہ ذات خود حسن کا عظیم شہ کار ہے، اس کی ہر ایک شے بہ شمول انسان ایک دوسرے سے مربوط ہے۔ اشیا کے باہمی ارتباط اور تعلق سے ان کے رشتوں اور دیگر لامحسوس تعلقات کا عقدہ کھلتا ہے۔ یہ وہی چیز ہے جسے بہ قول ولی دکنی عشق کا عاشقانہ اور صادقانہ اظہار قرار دیا جاسکتا ہے:

حسن تھا پردۂ تجرید میں سب سوں آزاد ۔۔۔ طالبِ عشق ہوا صورتِ انسان میں آ

(ولی دکنی، کلیات ولی، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، مرتبہ، نورالحسن ہاشمی، ۱۹۹۶ء، ص ۷۵)

سراپا نگاری کے ذریعے وضع کردہ زبان یوں بھی اہم ہے کہ اس کا تعلق بہ راہِ راست موضوع کے نقطۂ ارتکاز یعنی موضوعہ شخصیت سے ہے۔ محبوب کے "لبِ لعلیں" یا "زلفِ عنبریں" کو سرخ اور خوشبودار کی خارجی خصوصیت کے باوجود محبوب سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ دونوں چیزوں کا خارج میں ہونے کے باوجود محبوب سے بہ ہر حال ایک ان مٹ رشتہ قائم ہے۔ دوسرے زاویے سے دیکھا جائے تو سراپا نگار کی آنکھ میں ابھرنے والا سراپا جس ترتیب سے متشکل ہوتا ہے، وہ اس کی آنکھ کا لازمی جزو ہے۔ سراپا نگاری کو اسی سبب غزل سے علاحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں فریقین کے مابین ایک ایسا تعلق پروان چڑھتا ہے جو خارج کے ساتھ ساتھ باطنی سطح پر بھی ایک منفرد کیفیت کو جنم دیتا ہے۔ اردو نعت میں سراپا نگاری سے متعلقہ مواد خاصا وسیع ہے۔ شعرا نے حواس کی پانچوں اقسام کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے رنگوں کی گل کاری کی ہے۔ سراپا نگاری کے موضوعہ کرداروں میں محبوب کے ساتھ ساتھ عاشق

کے سراپا کا بیان بھی خاصا وقیع ہے۔

سراپا نگاری اردو نعت کی وہ خصوصیت ہے جسے ایک مکمل اور جامع حقیقت حاصل ہے۔اس کے خارجی اور داخلی پہلو خاصے وسیع ہیں۔خارجی پہلوؤں میں بدن کے اعضا کا سیدھا سادہ بیانیہ اظہار شامل ہے لیکن داخلی پہلوؤں میں وہ جذبات اولیت رکھتے ہیں جو تخلیق کار کے داخل میں حسن کے مشاہدے یا خیالی تصور کے بعد پیدا ہوتے ہیں۔ ہر لفظ اپنے جلو میں ایک تصور لیے ہوتا ہے،اس لیے اعضائے بدن کے جمال کی اپنی الگ تاثیر ہے۔اس سے کسی شاعر کے ذاتی اور اجتماعی لاشعور کا ادراک بھی ممکن ہو پاتا ہے۔

سراپا کی سادگی اپنی جگہ لیکن علم بیان و بدیع کے استعمال سے اس کی نوعیت بدل جاتی ہے۔تصور سازی کی ان رنگارنگ صورتوں کا تعلق انسانی تخیل سے بہ راہ راست ہونے کے باوجود بعض اوقات تجریدی قسم کی سراپا نگاری بھی وجود میں آتی ہے۔ان جانی قسم کی تصویر کشی کا سبب شاعر کا اپنے واضح مشاہدے کے ساتھ داخلی کیفیات کو پیچیدہ انداز کے ساتھ شعر گوئی کا عمل بھی ہے۔شاعری کے خالص عناصر میں محاکات لازمی جزو ہے۔مولانا شبلی نعمانی کے خیال میں شاعری کی بنیاد محاکات اور تخیل پر ہے۔اگر ان دونوں میں سے ایک چیز بھی موجود ہو تو شعر اصل معنوں میں شعر کہلانے کا حق دار ہے۔ محاکات کا تعلق شاعرانہ مصوری سے ہے۔عام مصوری میں جو تصویر کھینچی جاتی ہے اس میں بہ تفصیل عارض و رخسار اور خال وخد کو نمایاں کیا جاتا ہے۔اس کے برعکس سراپا نگاری، پیکر تراشی اور محاکات میں شاعرانھی اعضائے بدن کو سخن کا موضوع بناتا ہے جو اس کے جذبات کو تلذذ آمیز ذوق جمال عطا کرتے ہیں یا اس کے خیال میں قاری یا سامع کے ذوق مشاہدہ کو وسیع یا اس کے جذبہ کو برانگیختہ کر سکتے ہیں۔ پیکر تراشی اور محاکات نگاری میں مظاہر فطرت کی عکاسی کو اولیت حاصل ہے۔جب کہ سراپا نگاری کسی انسان کے اعضائے بدن اور ان کے متعلقات کی تعریف کے ساتھ ساتھ دیگر امور کا تجزیہ کرتی ہے۔ سراپا نگاری میں انسانی اعضائے بدن کی شعری عکس بندی اور بھی زیادہ دل چسپی کی حامل محسوس ہوتی ہے۔اس مرحلے پر شاعری کے ذوق جمال کے ساتھ ساتھ اس تمدن کا اجتماعی لاشعور بھی واضح ہوتا ہے جس میں وہ شاعر رہ رہا ہے۔سراپا نگاری میں موضوع بننے والے جملہ اعضا میں سر، بال، زلف، جبیں، رخسار، ابرو، آنکھ، چشم، پلک، ناک، عارض، دانت، رخ، منہ، گلا، گردن، دوش، ہاتھ، کہنی اور پاؤں وغیرہ شامل ہیں۔

اردو نعت کے شعرا نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سراپا نگاری کے بیان میں آپ صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے اعضاے بدن کی مجرد تعریف کے ساتھ ساتھ علم البیان اور علم البدیع کے پس منظر میں بھی اشعار کہے ہیں۔نعتیہ سراپا نگاری کی موضوعاتی حدود میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کرتے ہوئے ان باتوں کو بھی موضوع میں داخل کیا گیا ہے۔جن کا تعلق سراپا سے ہے۔اس میں نگاہ و نظر،تبسم،انداز گفتار،نجابت ونزاکت،سادگی،خوش خرامی،نشانِ کف پا اور نکہتِ زلف و پسینہ وغیرہ شامل ہے۔سراپا نگاری کے متعلقات تصویروں کا ایک ایسا سلسلہ ترتیب دیتے ہیں جو ہمارے ذہن میں معنویت پیدا کرتا ہے۔اگر اس عمل میں علم البیان اور علم البدیع کی جہتوں کو استعمال میں لایا جائے تو ہونے والی یہ نقش گری اور بھی واضح اور بامعنی ہو جاتی ہے۔ان خصوصیات کے سبب ایک مصرعے میں معانی کا ایک جہان پنہاں ہوتا ہے۔ ہر لفظ اپنے جلو میں ایک تصور رکھتا ہے،اور ہر تصور کا ایک مخصوص پس منظر ہوتا ہے۔اس طرح الفاظ کا برموقع اور برمحل استعمال ہمیں ایک ایسی فضا کی سیر کرواتا ہے، جہاں ہم ذہنی طور پر آسودگی اور سرشاری محسوس کرتے ہیں۔نعتیہ سراپا نگاری میں سرکار ہر دو عالم کے چہرہ انور کو مرکزیت حاصل ہے۔ظاہر ہے کسی انسان کی خوب صورتی کا اولین تاثر اس کے چہرے کا محتاج ہے اور چہرہ حسن و جمال کا مرکزی مقام متصور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ Linda a Jackson چہرے کو مرکزی مقام دیتے ہوئے کہتی ہیں:

> "It is certainly not surprising that the face has occupied centre stage in the research on phyisical appearence-after all, the face is usually the first source of information available about a person, and after the most potent source of information available to the perciever."(12)

کسی شخصیت کا عمومی جسمانی انداز، گفت گو، چال ڈھال اور دیگر جسمانی حرکات کم و بیش اس کی ذات کا مستقل حصہ ہوتی ہیں۔کلاسیکی عہد کے شعرا نے اس پہلو سے خوب فائدہ اٹھایا ہے۔انھوں نے اس زاویے سے موضوعِ شخصیت کا تجزیہ کر کے اس کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی ہے۔جیسے البیلی چال، ماتھے کی شکن، چشم ولب کی مختلف کیفیات، آنکھوں سے ٹپکنے والی نخوت، اور کسی غیرت ناہید کی دیپک جیسی تان وغیرہ۔اس سے کسی شخصیت کی ذہنی کیفیات کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔نفسیات کی دنیا

میں اسے بصری متخیلہ سے جوڑا جاتا ہے۔کسی منظر کو انسان جب ایک دفعہ دیکھ لیتا ہے تو اس کے متخیلہ میں وہ اپنی اصل حالت کے ساتھ بہت عرصے تک موجود رہتا ہے۔ ماہرین نفسیات کے مطابق سوچ کے عمل میں ذہنی تصاویر یا تمثال، الفاظ اور تعقلات کی مدد سے کسی انسان کی سوچ کو واضح اور اس کے تخیل کو دل پذیر بناتے ہیں۔اس مرحلے پر سراپا سے متعلق صدیوں پرانے انسانی تصورات بھی اپنا رنگ جماتے ہیں۔نفسیات دانوں کے مطابق:

> ''بہت سے ایسے نظریات قائم ہیں۔جن کے مطابق فرد کی آنکھوں کے رنگ، قد، ہاتھوں کی لکیروں، ناک، کان یا چہرے کی عمومی بناوٹ کی بنیاد پر اسے مخصوص خصوصیات کا حامل قرار دے دیا جاتا ہے۔''(۱۳)

اس طرح کے وضع کردہ خود ساختہ نظریات کی کوئی سائنسی یا منطقی توجیہ تو پیش نہیں کی گئی، اس کے باوجود عوام الناس کے ذہن پر ان تصورات کے اثرات سے انکار ممکن نہیں۔ بشریاتی علوم کے ماہرین نے تو کسی کے جسمانی خدوخال کے پس منظر میں متعلقہ شخصیت کی دقیق نفسیاتی پرتوں کو کھولنے کی کوشش بھی کی ہے:

> ''انیسویں صدی عیسوی کے ایک اطالوی ماہر انسانیات سیزر لومبروسو (Cesare Lamborso) نے چہرے کے خدوخال اور جسم کی عمومی بناوٹ کی بنیاد پر شخصیت کی تشریح کرنے کی کوشش کی ہے۔اس نے سر کے سائز، آنکھوں کے درمیانی فاصلے، ٹھوڑی کی شکل، اور بالوں اور آنکھوں کے رنگ کو بعض شخصی خصوصیات سے منسلک کیا ہے۔''(۱۴)

شعرا بھی مشاہدے اور متخیلہ کے ذریعے سے کسی شخصیت کے سراپا کی تصویر کھینچتے ہیں تو اس سے ان کے حسن و جمال کے تصور کے ساتھ ساتھ اس شعور کی غمازی بھی ہوتی ہے جو صدیوں کے تہذیبی سفر کے بعد مرتب ہوتا ہے۔اردو نعت کی عظیم الشان روایت ہیں سراپا نگاری کے خاص زاویے ہیں۔ حضرت امیر مینائی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت محسن کاکوروی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت احمد رضا خان بریلوی رحمتہ اللہ علیہ برصغیر کی ان چند شخصیات میں سرفہرست ہیں، جو ذات حق نے اس خطے میں فروغ نعت کے لیے منتخب کیں۔اعلیٰ حضرت احمد رضا بریلوی ۱۰رشوال ۱۴رجون ۱۸۵۶ءکو بریلی (اتر پردیش) میں پیدا ہوئے (۱۵)، ان کی شخصیت کی متعدد جہتیں ہیں، عشاق رسول میں بلند مقام رکھتے ہیں، ان کی شخصیت کے آفاق بھی اس قدر وسیع اور متنوع ہیں کہ ایک مضمون میں ان کا احاطہ کرنا ممکن

نہیں۔حضرت والہ کی نعتیہ شاعری کے پس منظر میں شعور کی وہ سطحیں دکھائی دیتی ہیں جن کا تعلق ایک عظیم روایت سے ہے، ڈاکٹر عبدالغفور عزیزی کے مطابق:

> ''امام احمد رضا عقلی اور نقلی علوم وفنون کے جامع اور بہ ذات خود علم و آگہی کا ایک جہان تھے۔ان کی تبحر علمی کا ان کی شاعری پر اثر انداز ہونا ایک فطری اور لازمی امر ہے۔امام موصوف کی مضمون و معنی آفرینی اور ان کے فکر وتخیل کی رفعت کے جو نمونے ادبی محاسن کے طور پر دیکھے جاتے ہیں، ایسی مثال کم ملتی ہے۔''(۱۶)

سراپا نگاری کی مروجہ تعریفیں اپنی جگہ لیکن نعت شریف کا معاملہ جدا ہے۔نعتیہ شاعری میں سراپا نگاری کے پس منظر میں صوفیانہ روایات کا جائزہ لیں تو ایک اور جہان معنی کا انکشاف ہوتا ہے۔حضرت والا نے اکثر سراپے متصوفانہ انداز فکر سے تخلیق کیے ہیں، اس لحاظ سے انھوں نے سراپا نگاری کو ایک منفرد زاویہ عطا کیا ہے۔ فاضل بریلوی کی نعت میں سراپا نگاری حسن کی تجلیات حقیقت کو مجاز کے پردے میں مخفی رکھتی ہیں اور کبھی وہ اس مجاز کے ذریعے حقیقت آشکار کرتے ہیں۔انھوں نے خاص طور پر جہاں زلف وچشم کا ذکر کیا ہے، وہاں ان کی سراپا نگاری میں بوقلمونی پیدا ہوئی ہے۔حضرت والا کے ہاں زلف ایک علامت بن کر محبوب حقیقی کے رخ روشن پر تعینات کا پردہ تان لیتی ہے۔یہ جب سیاہ بادلوں کی طرح محبوب کے مہ تاب نما زلف کا لفظ کا کل یا گیسو سے جدا ہے۔

فاضل بریلوی نے اہتمام کے ساتھ اپنے قصیدہ سلامیہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سراپا بیان کیا ہے، اس کے علاوہ ان کی دیگر شاعری میں بھی سرکار ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس سراپا کا تذکرہ ملتا ہے، یہاں مثال کے طور پر حضرت والا کے اشعار دیکھیں۔ان کے ہاں سراپا نگاری میں زلف کس طرح ایک وسیع استعارہ بن کر سامنے آتی ہے:

لك بدرفی الوجه الاجمل خط هالۂ مه
زلفابراجل تورے چندن چندر پروکنڈل رحمت کی بھرن برسا جانا

ہے کلام الٰہی میں شمس و ضحیٰ ترے چہرہ نور فزا کی قسم
شب تار میں راز یہ تھا کہ حبیب کی زلف دوتا کی قسم

وہ کرم کی گھٹا گیسوئے مشک سا لکۂ ابر راء فت پہ لاکھوں سلام

تصوف کی دنیا میں زلف ایک ایسا جزو سراپا ہے جو سالک کو اس کے مقام تک رسائی حاصل

کرنے میں رہنمائی کرتا ہے۔ اگر وہ محبوب کو چھپا دے تو افسردہ دلی پیدا کرتی ہے۔ الجھ جائے تو الجھاؤ کا باعث بنتی ہے اور سنور جائے تو طالب کو بھی سنوار دیتی ہے۔ محبوب اور اس کے اعضاے سراپا کا علامتی پس منظر سمجھنا خاصا دقیق ہے، مثلاً زلف تصوف میں انقباض کی نشانی ہے، اس کا مختلف زاویوں سے شاعری میں استعمال متعدد جہتوں کا حامل ہے، زلف اگر چہرے کو چھپا لے تو رابطے کے تعطل کی علامت ہے، اگر زلف کی خوشبو کا ذکر ہو تو اس سے مرشد اور مسترشد کے مابین تعلقات کی بحالی مراد ہے۔ مولانا شاہ خالد میاں فاخری کے مطابق:

> ''زلف سلسلۂ تعینات، جذب الٰہی، مقامِ راز و اخفا، مظاہر کثرت، پریشانی یا پریشان کن حالات اور ابتلا کی علامت ہے۔ اس کا ابتلا کا باعث ہونا زلف کی درازی بھی ہے اور سیاہی بھی۔ جس طرح زلف رخِ محبوب پر پردہ ڈال لیتی ہے۔ سیاہ تعینات بھی حسن حقیقی یا ذاتِ واحد کو چھپا لیتے ہیں۔ زلف کی پیچ داری معاملات من وتو کا اشکال میں ہونا ظاہر کرتے ہیں، خواجہ میر درد کے ہاں زلف یا گیسو کے حوالے سے جو اشعار ملتے ہیں، ان سے تصوف کی ان اصطلاحات کے معنی اخذ ہو سکتے ہیں، زلف کیساتھ رخسار کا ذکر بے وجہ نہیں، صوفیہ کے نزدیک رخسار کو بدن کے ساتھ بعینہ وہی نسبت ہے جو سورہ فاتحہ کو قرآن مجید سے ہے جہاں زلف کے ساتھ رخ، رخسار یار وکا ذکر آئے وہاں کفر کے ساتھ ایمان یا مشکل کے ساتھ آسانی کا کنایہ مراد لیا جاتا ہے۔'' (۱۷)

زلف اور اس کے متعلقہ اوصاف کی سراپا گری دراصل بصری اور شامی خصوصیات کی حامل ہے۔ اس میں بصارت کے ساتھ قوت شامہ بھی حظ اٹھاتی ہے۔ محبوب کی عنبریں زلفیں منتشر حواس کی تسکین کرتی ہیں۔ زلف کے ساتھ خوشبو جیسی پر اسرار شے بھی حضرت والا کے ہاں سراپا نگاری میں زلف ایک وسیع استعارہ بن کر سامنے آتی ہے۔ زلف، کاکل اور گیسو معمولی فرق سے ایک ہی ہیں۔ حضرت والا کی شاعری میں ایک غزل ایسی ہے جس کا ردیف ہی گیسو ہے۔ ایک نظر دیکھیے کس خوب صورتی کے ساتھ ردیف کے تقاضے نبھائے گئے ہیں:

ہم سیہ کاروں پہ یا رب تپش محشر میں — سایہ افگن ہوں ترے پیارے کے پیارے گیسو
سوکھے دھانوں پہ ہمارے بھی کرم ہو جائے — چھائے رحمت کی گھٹا بن کے تمہارے گیسو
بھینی خوشبو سے مہک جاتی ہیں گلیاں واللہ — کیسے پھولوں میں بسائے ہیں تمہارے گیسو

دیکھو قرآں میں شب قدر ہے تا مطلع فجر یعنی نزدیک ہیں عارض کے وہ پیارے گیسو بھین
تیل کی بوندیں ٹپکتی نہیں بالوں سے رضا صبح عارض پہ لٹاتے ہیں ستارے گیسو

زلف اور اس کے متعلقہ اوصاف کی سراپا گری دراصل بصری اور شامی خصوصیات کی حامل ہے۔اس میں بصارت کے ساتھ قوت شامہ بھی حظ اٹھاتی ہے۔محبوب کی عنبریں زلفیں منتشر حواس کی تسکین کرتی ہیں۔زلف کے ساتھ خوشبو جیسی پر اسرار شے بھی وابستہ ہے۔سید عابد علی عابد کے مطابق:

''زلف، کاکل اور گیسو کا ذکر شعر میں بالعموم اور غزل میں بالخصوص اس لیے آتا ہے کہ خوشبو اور مہک ان چیزوں سے وابستہ ہے اور ظاہر ہے قانون اسلاف افکار کے ماتحت خوشبو میں یہ پر اسرار طاقت ہوتی ہے کہ وہ بھولی بسری یادیں جو دل کے نہاں خانہ میں کہیں سوئی پڑی ہوتی ہیں۔اس کے ذکر سے جاگ پڑتی ہیں''(۱۸)

آنکھ انسانی جسم کا سب سے حساس عضو ہے۔یہ حسن ازل کی مشاہدہ بیں ہے۔چشم، آنکھ یا نظر قلب کو سہلانے اور گرمانے کا کام دیتی ہے، یہ کہیں مردہ جسم میں جان ڈال دیتی ہے اور کہیں بدن سے جان نکال بھی لیتی ہے۔مجازی محبوب کے عشق میں چہرے کے نقش ونگار بنیادی کردار ادا کرتے ہیں تو جمالِ خداوندی کے زیارت کے طالبوں کی صورت حال بھی اس سے الگ نہیں، صوفیہ کے نزدیک چشم کا ایک مخصوص کردار ہے۔شاہ سید محمد ذوقیؒ کے مطابق:

''تصوف کی شاعری میں لفظ چشم سے کبھی بصارت ازلیہ کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔کبھی شہودِ حق حسب استعداد سالک کی جانب اور کبھی نظر حق تعالیٰ اور اس نظر کے اثرات کی جانب، دل بر کی چشمِ شوق کا اثر یہ ہے کہ عشاق کے دلوں میں بعد و فراق و پندار خودی سے بیماری کا احساس پیدا ہوتا ہے، کبھی خمار غم سے جسم ٹوٹتا ہے، کبھی محبوب کی نظر کو اپنی جانب ملتفت پاکر ایک مستی پیدا ہوتی ہے۔''(۱۹)

چشم کے مختلف غمزے ہیں، کبھی یہ چشمِ مست ہوتی ہے اور کبھی چشم شوخ، بیمارِ چشم، خمارِ چشم اور کرشمۂ چشم بھی اس کی مخصوص اصطلاحیں ہیں۔خانۂ چشم ہے یہ خانۂ خمار نہیں۔حضرت والا کی شاعری سرکار ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشم عنایت کی منتظر رہتی ہے۔کب وہ نگاہ عاصی پر اٹھے اور دنیا وآخرت کے سارے گناہ دھل جائیں:

کس کی نگاہ کی حیا پھرتی ہے میری آنکھ میں نرگس مست ناز نے مجھ سے نظر چرائی کیوں
جب آ گئی ہیں جوش رحمت پہ اس کی آنکھیں جلتے بجھا دیے ہیں، روتے ہنسا دیے ہیں
دل نکل جانے کی جا ہے آہ کن آنکھوں سے وہ ہم سے پیاسوں کے لیے دریا بہاتے جائیں گے
ان کی آنکھوں پہ وہ سایہ افگن مژہ ظلۂ قصر رحمت پہ لاکھوں سلام
آنکھیں یہ نہیں سبزہء مژگاں کے قریب چرتے ہیں فضائے لا مکاں میں آہو
سرگیں آنکھیں حریم حق کے وہ مشکیں غزال ہے فضائے لامکاں تک جن کا رمنا نور کا

انسانی وجود میں چہرہ سب سے زیادہ افضلیت رکھتا ہے، اہل عشق کے نزدیک اس کی حیثیت وہی ہے جو قرآن مجید میں سورہ یٰسین کی ہے۔ فاضل بریلوی کی نعت میں سرکار ہر دو عالم کے چہرہ انور کا حسن متعدد زاویوں سے بیان کیا گیا ہے۔ یہ مرکزی مقام جمال ان کے نزدیک مقصود کائنات ہے، چند مثالیں دیکھیں؛

جیسے قرآن ہے ورد اس گل محبوبی کا یوں ہی قرآں ہی وظیفہ ہے وقار عارض
کیا ٹھیک ہے رخ نبوی پر مثال گل پامال جلوۂ کف پا ہے جمال گل

وصف رخ ان کا کیا کرتے ہیں شرح والشّمس وضحیٰ کرتے ہیں
ان کی ہم مدح و ثنا کرتے ہیں جن کو محمود کہا کرتے ہیں

پردہ اس چہرہ انور سے اٹھا کر اک بار اپنا آئینہ بنا اے مہ تاباں ہم کو

وہ ظل رحمت وہ رخ کے جلوے کہ تارے چھپتے نہ کھلنے پائے
سنہری زربفت، اودی اطلس، یہ تھان سب دھوپ چھاؤں کے ہیں

عشق و تصوف کی دنیا میں عارف کا تجربہ سب سے جدا ہے، عارفانہ خصوصیات کے حصول کے بعد ہستی ثانی کسی تجریدی (Abstract) تجربے کی بجائے حسی تجربے کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔ ایک فلسفی کے برعکس صوفی الجھے ہوئے ریشم کی ڈور میں اپنا ہاتھ الجھانے کی بجائے حق الیقین کی بات کرتا ہے، حضرت احمد رضا بریلوی کا عشق رسول مشاہدہ حق کی گفتگو کرتا ہے۔ وہ عشق کے جس سیلاب بلا کی زد میں آئے ہوئے ہیں وہ تیز و تند ہونے کے باوجود ان کے محبوب کا سراپا آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتا۔ شاعر کی چشم بینا میں محبوب کا سراپا اس طرح موجود ہے جیسے آندھی کے بطون میں ہی اس کی شدت چھپی ہوتی ہے۔ حضرت والہ کے خیال میں عام آنکھ سے انسان کا دیدار تحقیق شدہ اور مسلم ہے لیکن اس کے لیے ماہیت کی کلیت اور ہویت کی جزویت پر تفصیلی نظر ڈالنی ضروری ہے، وہ حسن

کے تشبیہی اور تنزیہی مراتب کو الگ کرنے اور روح اور جسم کے مابین فرق روا رکھنے کے قائل ہیں۔
یہاں حضرت خواجہ میر درد نقشبندی کی تصنیف 'علم الکتاب' میں سے ایک اقتباس قابل غور ہے:

''تمہارا مقصود وہی عالی مراتب ہو اور کہو کہ میں نے انسان کو ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھا اور نہ ہی دیکھ سکتا ہوں۔ یہ مادی آنکھیں ان غیر مادی چیزوں کے دیدار کی اہلیت ہی نہیں رکھتیں تو یہ صحیح اور درست ہے، اور انسان کے ظاہر و باطن پر مجموعی طور پر عرفانی نگاہ ڈالو اور کہو کہ میں نے ایک لحاظ سے انسان کو دیکھا ہے اور ایک لحاظ سے نہیں دیکھا تو یہ بھی درست اور صحیح ہے، اور اگر اپنے ہی ظاہر و باطن کو ملاحظہ کر کے کہہ دو کہ میں انسان کو ظاہراً بھی دیکھتا ہوں اور باطناً بھی تو بھی صحیح و درست ہے۔''(۲۰)

سبزۂ خط صوفیہ کے نزدیک رخِ محبوب پر خوبی و لطافت کا مظہر ہے، یہ ایک ایسی حدِ فاصل ہے کہ غیبِ مطلق اور شہود دونوں کے درمیان موجود ہے اور یہاں رخ وحدت دن اور خط رات ہے، اس تناظر میں صوفیہ کے ہاں سبزۂ خط کی وضاحت کرتے ہوئے شاہ سید محمد ذوقیؒ رقم طراز ہیں:

''سبزہ خط جامع جمیع وقائق و نکاتِ حسن و جمال بن گیا ہے اور کوئی خوب روئی و ملاحت اس سے تجاوز نہیں کر سکتی، بہ لحاظ اس کے کہ یہ خط ظہورِ حیات ہے، اسے سبزہ زارِ جہانِ عالم بھی کہتے ہیں کیوں کہ نشو و نما کی ابتدا سبزہ سے ہوتی ہے اور مراتبِ ظہور میں مرتبۂ ارواح ابتدائی مرتبہ ہے۔''(۲۱)

حضرت والا بریلوی کی شاعری میں اس حوالے سے اشعار دیکھیں؛

مصحف عارض پہ ہے خط شفیعہ نور کا لو سیہ کارو مبارک ہو قبالہ نور کا

ریش خوش معتدل مرہم ریش دل ہالۂ ماہ ندرت پہ لاکھوں سلام

حضرت والا کے ہاں یہ دونوں اشیا اس طرح باہم آمیز ہیں کہ ان کی درجہ بندی خاصی مشکل ہو جاتی ہے۔ بعض اشعار میں تو سراپا نگاری میں موجود پاکیزگی سے درد کے قلب و نظر کی روحانی وسعتوں کا ادراک بھی ہوتا ہے۔ صوفیہ کے ہاں ایرانی تصوف کے غلبے کے سبب اعضائے سراپا کا جو علامتی نظام ہے وہ انسانی مزاج کو مہذب بنانے کے کام آکر اور اس کو حدِ اعتدال پر لاتا ہے، ڈاکٹر وزیر آغا اس علامتی نظام کے بارے میں لکھتے ہیں:

''صوفی شعرا کے ہاں خواہشات کی تکذیب نہیں ہوتی بل کہ ان کی تہذیب ہوتی ہے اور یہی فن کا مسلک بھی ہے، چناں چہ شراب اور محبوب اور

اس کے سراپا کے تمام لوازم جنھیں پہلے صوفیہ نے خوف اور نفرت کی نظروں سے دیکھا تھا، صوفی شعرا کے ہاں علامتی روپ اختیار کر گئے حتیٰ کہ نفسیاتی سطح کی محبت بھی ایک ارفع جذبۂ عشق میں مبدل ہوگئی'' (۲۲)

صوفیا کے نزدیک مجازی لباس میں محبوب کو پانے کی خواہش فطری ہے، کیوں کہ عشقِ حقیقی تک پہنچنے یہ بھی کا ایک ذریعہ ہے ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے مطابق ''درد چوں کہ باطنی حسن کے متلاشی ہیں۔ جو ظاہر میں نہیں دیکھا جاسکتا، سچ پوچھو تو وہ اس کے لیے مجبور بھی تھے کہ حقیقت کے اظہار کے لیے مجاز کا سہارا تلاش کرتے۔'' (۲۳)

صوفیا کے ہاں محبوب اور اس کے سراپا کا مطالعہ مخصوص صوفیانہ اصطلاحات کے پس منظر میں خاصا منفرد اور دل چسپ ہے۔ چند مثالیں دیکھیں:

ابرو:

ہے جلوہ گہ نور الٰہی وہ رو　　　　قوسین کی مانند ہیں دونوں ابرو

......

ہلال کیسے نہ بنتا کہ ماہ کامل کو　　　　سلام ابروے شہ میں خمیدہ ہونا تھا

صوفیانہ تفہیم:

جس طرح قاب قوسین کو ذات حق کا قرب حاصل ہے اسی طرح ابرو کو چشم کی ہم راہی میسر ہے۔

قد/قامت:

ترا قد تو نادرِ دہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے
نہیں پھولوں کے پودوں میں ڈالیاں کہ چمن میں سرو چماں نہیں

ابوبکر و عمر، عثمان و حیدر جس کے بلبل ہیں　　　　ترا سروِ سہی اس گل بن خوبی کی ڈالی ہے

صوفیانہ تفہیم:

وجوب وامکان کی درمیانہ جگہ، وہ برزخ جو اجتماعِ ضدیں یا جانبین یا طرفین ہے کیوں کہ قد و قامت میں بھی یہی صورت حال ہوتی ہے۔

لب:

وہ گل ہیں لب ہائے نازک ان کے　　　　ہزاروں جھڑتے ہیں پھول جن سے

سرتابقدم ہے تن سلطان زمن پھول

ہے لب عیسیٰ سے جاں بخشی نرالی ہاتھ میں — سنگ ریزے پاتے شیریں مقالی ہاتھ میں

صوفیانہ تفہیم:

شاعر کے نزدیک محبوب کے لب حیات بخش ہیں۔ کلام معشوق نیستی کو ہستی میں لاتا ہے، دردمند دل کو ہونٹوں کے ذریعے مژدۂ طرب سنایا جاتا ہے۔ شاعر ابھی تک اس خوش خبری کو سننے سے محروم ہے۔

انگشت:

چاند اشارے کا ہلا حکم کا باندھا سورج — واہ کیا بات شہا! تیری توانائی کی

جنبش ہوئی کس مہر کی انگلی کو رضا — بجلی سی گری شیشۂ مہ ٹوٹ گیا

چاند جھک جاتا جدھر انگلی اٹھاتے مہد میں — کیا ہی چلتا تھا اشاروں پر کھلونا نور کا

صوفیانہ تفہیم:

انگشت گرہ کشائی کرتی ہے، اس لیے حل المشکلات ہیں۔ نیک روحیں عالم برزخ میں بھی عقدہ کشائی کرتی ہیں۔

دہن:

خط کی گرد دہن وہ دل آرا پھبن — سبزۂ نہر رحمت پہ لاکھوں سلام

صوفیانہ تفہیم:

صفتِ تکلم، جس کا ادراک آسان نہیں

تبسم:

جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی — پھر دکھادے وہ ادائے گل خنداں ہم کو

جس کی تسکیں کو روتے ہوئے ہنس پڑیں — اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

......

اے ملیح عربی کردے نمک داں ہم کو — جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی

صوفیانہ تفہیم: ایک نظر عنایت جس کا تعلق عطا سے ہے:

چال:

کمان امکاں کے جھوٹے نقطو تم اول آخر کے پھیر میں ہو

محیط کی چال سے تو پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

تعالیٰ اللہ ماہ طیبہ عالم تیری طلعت کا الٰہی منتظر ہوں وہ خرام ناز فرمائیں

صوفیانہ تفہیم:

مطلوب ومقصود کا منطق الطیر کے پرندوں کی طرح سی مرغ کے ٹھکانے کی طرف روانہ ہونا۔

ظاہری اور باطنی آنکھ سے کسی بھی شے کا سراپا دیکھنا اہل تصوف کے نزدیک دراصل انسان کے قلبی افعال میں سے ایک فعل ہے۔اس سے شاید بصارت سے زیادہ بصیرت کا تعلق ہے۔عرفانی علوم سے وابستہ شخص اپنی آنکھ کے روزن سے مخفی اور ظاہر،حسن کی دونوں جہتوں کا دیدار کرتا ہے۔حضرت والا کے ہاں اس کی چند مثالیں یوں ملتی ہیں:

یک سینہ تک مشابہ اک وہاں سے پاؤں تک حسن سبطین ان کے جاموں میں ہے نیما نور کا

میل سے کس درجہ ستھرا ہے وہ پتلا نور کا ہے گلے میں آج تک کورا ہی کرتا نور کا

نقاب الٹے وہ مہر انور جلال رخسار گرمیوں پر فلک کو ہیبت سے تپ چڑھی تھی تپکنا انجم کے آبلے تھے

ایسی بندھی نصیب کھلے مشکلیں کھلیں دونوں جہاں میں دھوم تمہاری کمر کی ہے

میرے ہر زخم جگر سے یہ نکلتی ہے صدا پھر دکھادے وہ ادائے گل خنداں ہم کو

تاج روح القدس کے موتی جسے سجدہ کریں رکھتی ہیں واللہ وہ پاکیزہ گوہر ایڑیاں

گنہ مغفور، دل روشن، خنک آنکھیں، جگر ٹھنڈا بچھار کھاہے فرش آنکھوں نے کم خواب بصارت کا

کوچہ کوچہ میں مہکتی ہے یہاں بوئے قمیص یوسفستاں ہے ہر اک گوشہء کنعان عرب

سر تا بقدم ہے تن سلطان زمن پھول لب پھول، دہن پھول، ذقن پھول، بدن پھول

حضرت احمد رضا بریلوی صاحب کی نعتیہ شاعری اپنے جلو میں ایک خاص رنگ رکھتی ہے، وہ اپنے عہد کے شعرا سے منفرد اور جدا دکھائی دیتے ہیں۔انھوں نے اپنی نعت میں علم بیان و بدیع کی مہارتوں کے ساتھ ساتھ،محاوروں اور ضرب الامثال کا جس خوب صورتی کے ساتھ استعمال کیا ہے اس کی مثال مفقود ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ حیرت دہلوی،مرزا، بہ حوالہ شاہ چراغ الدین تونسوی، جمال لولاک،لاہور، فیروزسنز،۱۹۸۸ء،ص ۳

۲۔ حمیداللہ،ڈاکٹر،مضمون،مشمولہ نقوش رسول نمبر، بحوالہ سیرت طیبہ کے شعری نقوش،ص ۱۲

۳۔ غیاث اللغات،مرتبہ،مولانا غیاث الدین،کراچی: ادب منزل،۱۲۴۲ھ،ص ۲۶۲

۴۔ اعجاز اللغات جدید،لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۱۹۹۲ء،ص ۴۴۶

۵۔ فرہنگ تلفظ، مرتبہ، شان الحق حقی، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۲۰۰۲ء، ص ۶۱۷
۶۔ جامع نسیم اللغات اردو، مرتبہ، نسیم امرہوی، سید مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز پرائیویٹ لمیٹڈ، س ن، ص ۶۹۵
۷۔ فرہنگ آصفیہ، جلد سوم، مرتبہ، مولوی سید احمد دہلوی، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۶ء، ص ۲۹۹
۸۔ Dictionary Urdu and English, By Duncan forhas, Lahore: Sang-e-Meal Publications, 2002, P 463
۹۔ حفیظ صدیقی، ابوالاعجاز، تفہیم وتحسین شعر، لاہور: سنگت پبلشرز، ۲۰۰۶ء، ص ۱۴۴
۱۰۔ شائستہ حمید، ڈاکٹر، ''اردو غزل میں پیکر تراشی''، ماہ نامہ، اخبار اردو، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ستمبر ۲۰۱۳ء، ص ۳۳
۱۱۔ John Press, The First and Fountain, the University of Chicago: 1927, P144
12- Linda, A Jackson and Physical Appearance and gender London: Barly House.12, 1988, P 177
۱۳۔ حمیر ہاشمی، ودیگر، مرتبین، نفسیات، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۲۰۰۷ء، ص ۴۹۵
۱۴۔ حمیر ہاشمی، ودیگر، مرتبین، نفسیات، ۴۹۹
۱۵۔ فخر الدین چشتی، سیرت رضا، لاہور: مکتبہ فریدیہ، ۱۹۸۷ء، ص ۹۷
۱۶۔ عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر، اردو نعت گوئی اور فاضل بریلوی، کراچی: ادارہ تحقیقات امام رضا، ۲۰۰۸ء، ص ۵۹۳
۱۷۔ خالد میاں، فاخری، مولانا، اصطلاحاتِ تصوف، کراچی: دائرۃ المصنفین، س ن، ۲۳
۱۸۔ عابد، علی عابد، پروفیسر، تنقیدی مضامین، دہلی: ہندستان پبلشنگ ہاؤس، س ن، ۶۵
۱۹۔ محمد ذوقی، سید، سردل براں، لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۲۰۰۵ء
۲۰۔ درد، میر، خواجہ، علم الکتاب، مترجم، ڈاکٹر عبداللطیف، ص ۶۸۹
۲۱۔ محمد ذوقی، سید، سردلبراں، ص ۲۳۱
۲۲۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، تصورات عشق وخرد اقبال کی نظر میں، لاہور: اقبال اکادمی پاکستان، ۱۹۷۷ء، ص ۵۷
۲۳۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، تحقیق وتنقید، کراچی: ماڈرن پبلشرز، ۱۹۶۳ء، ص ۴۸

☆☆☆

ڈاکٹر عقیل ہاشمی (حیدر آباد)

عہدِ رسالت کے چند نعت گوشعراء

سید الکونین حضرت سیدنا احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس و اعلیٰ سے محبت اور آپ سے وابستگی کا شعار حاصلِ ایمان و دین اور ایک ایسی دولتِ لازوال ہے جس کا نعم البدل نہیں۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "**قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ...... الآخر۔**" (اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے کہ (اے لوگو) اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو (اور اگر تم ایسا کرو گے تو) اللہ تعالیٰ تم کو پسند فرمائے گا اور اس محبت خلوص عقیدت وفاداری کی اساس ہی زندگی کو اس کے مقصد کو تابناک بنا دیتی ہے کیونکہ اس اتباع کے بغیر دین کی تکمیل ممکن نہیں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔"**لا یکون احدکم مومناً حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین۔**" (صحیحین بہ روایت انس رضی اللہ عنہ) تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک صاحبِ ایمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے باپ اپنے بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ مجھ کو محبوب نہ رکھے) چنانچہ ابتدائے اسلام ہی سے مدیحِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا سلیقہ وشعار ملتا ہے خصوصیت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عم بزرگوار حضرت ابوطالب نے اپنے چہیتے بھتیجے کی حمایت میں جس پُر جوش انداز میں مدحیہ اشعار کہے ہیں وہ اپنی جگہ مسلّم ہیں اس قصیدہ کے ابتدائے شعر دیکھئے:

اذا اجتمت یوماً قریشٌ لمفتخرٍ فعبد مناف سرھا و صمیمھا
فاِن حصّلَتْ اُسْرافُ عبد منافھا ففی ھاشم اشرافھا و قدیمھا
واِن فخرت یوماً فاِن محمداً ھوا المصطفی من سرِّھا و کَرِیْمُھَا

(سیرت بن ہشام جلد-1، ص:381)

ان اشعار میں خاندانی وجاہت، شرافت کے علاوہ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت شامل تھی

سیرۃ النبی ابن ہشام میں اس قصیدہ کے سات شعر ملتے ہیں جن کواوّلین نعت قرار دیا جاسکتا ہے بقول عبداللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس قصیدہ سے پہلے کا کوئی ایسا کلام نہیں ملتا جس میں راہ راست نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت یا مدح ہو، اس کے علاوہ حضرت ابوطالب کے اور اشعار بھی ملتے ہیں خصوصیت سے ایک طویل قصیدہ جس کا یہ شعر اپنی کیفیت میں عظیم ہے:

وابیض یستسقی الغمام بوجهه ثمال الیتامیٰ عصمة للأرامِلِ

(وہ روشن و تابناک چہرے والے جن کے صدقے میں بادلوں سے پانی مانگا جائے وہ یتیموں کے والی اور بیواؤں کے سرِّ پناہ ہیں) (سیرۃ ابن ہشام، جلد-395)

اپنی نوعیت وادبیت اور رسول بتول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت سے متعلق اس شعر کو خود رسالت مآب نے پسند فرمایا کہ کسی موقع پر قحط و بارش کی زیادتی میں ارشادِ **اللّٰھُمَّ حوالینا و لا علینا** سے ابوطالب کی یاد آئی تھی، مزید شعب ابی طالب کا واقعہ یعنی ''نوشتۂ معاہدہ'' کے معاملہ میں جب کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس معاہدہ کو دیمک زدہ ہونے کی اطلاع دی حضرت ابوطالب نے یہ اشعار کہے:

عظیم الرماد سید ابن سید یحضُ علی مقریٰ الضّوف و یحسد
هم رجعوا سهل بن بیضاء راضیاً وسرّ ابوبکر بها و محمد

(ابن ہشام جلد-27، ص:568)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں جن صحابہ کرام نے قصائد مدحیہ تحریر کئے ان میں بقول ڈاکٹر زکی مبارک **(المدایح النبویه فی الادب العربی)**

اور ڈاکٹر علی صوفی حسین المصری المدیح النبوی فی القرن الاول ہجری) حضرت ابوطالب کے بعد اعشیٰ کعب ابن زہیر حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور ان میں حسّان ابن ثابت عبداللہ ابن رواحہ، اُصید بن سلمہ اسلمی کے اشعار سیرت النبوی کی تمام کتابوں میں منقول ہیں، جب کہ صحابیات میں حضرت صفیہ، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عاتکہ، حضرت خنساء اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے علاوہ ہجرت کے وقت قبیلہ بنوخزء کی اس نیک نہاد خاتون ام معبد کا بیان یعنی شوہر کے دریافت کئے جانے پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی پیکر حلیہ مبارک کا اظہار بجائے خود ایک مرصع نعت ہے، سراپائے رحمۃ للعالمین ملاحظہ کیجئے:

''میں نے ایک انسان دیکھا، پاکیزہ رو کشادہ چہرہ پسندیدہ خو، ہموار

شکم، سر میں بھرے ہوئے بال، زیبا، صاحبِ جمال، آنکھیں سیاہ وفراخ، بال لمبے اور گھنے آواز میں مردانگی وشیرینی، گردن موزوں، روشن اور چمکتے ہوئے دیدۂ سرمگیں آنکھ باریک اور پیوستہ ابرو سیاہ گنگر یالے گیسو، جب خاموش رہتے تو چہرہ پُر وقار معلوم ہوتا جب گفتگو فرماتے تو دل ان کی طرف کھنچتا، دور سے دیکھو تو نور کا ٹکڑا، قریب سے دیکھو تو حسن و جمال کا آئینہ، بات میٹھی جیسے موتیوں کی لڑی قد نہ ایسا پست کہ کمتر نظر آئے نہ اتنا دراز کہ معیوب معلوم ہو، بلکہ ایک شاخِ گل جو دو شاخوں کے درمیان ہو، زیبندہ نظر والا قد، ان کے ساتھی ایسے جو ہمہ وقت اُن کے گرد و پیش رہتے ہیں جب وہ کچھ کہتے تو یہ خاموش سنتے ہیں جب حکم دیتے ہیں تو تعمیل کے لئے جھپٹتے ہیں مخدوم ومطاع نہ کرتا، سخن اور نہ فضول گو۔'' (زادالمعاد، جلد-1، ص: 307، ترجمہ سلیمانؔ منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ)

اسی طرح اَعشیٰ زمانہ جاہلیت کے مشہور شاعروں میں شامل شعبہ معلقہ کا شاعر تھا اس کا نام میمون بن قیس بن جندل اور ابوبصیر کنیت تھی شاعری کے ذریعہ حصول کسب مال وزر میں بدنام زمانہ تھا شراب کا رسیا اور دور جاہلی کے شعراء پر فضیلت رکھتا تھا۔ اس نے ایک طویل عمر پائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی خبر پا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ایک قصیدہ کہا اور قبول اسلام کے ارادہ سے چل پڑا، اہل قریش کے لئے یہ خبر حوصلہ شکن ثابت ہوئی کیونکہ اعشیٰ جیسے شاعر کا اسلام اور داعی اسلام کی حمایت میں قصیدہ کہنا معمولی بات نہ تھی کیونکہ اس کے بارے میں مشہور تھا کہ اپنی قادرالکلامی کے باعث وہ جسے چاہتا عزت بخشتا اور جسے چاہتا ذلت سے دوچار کر دیتا تھا۔ چنانچہ ابوسفیان اور دیگر قریشی سرداروں نے سو اونٹ جمع کئے اور اعشیٰ کو نجد وحجاز کے درمیان خصہ کے مقام پر منت سماجت اور اونٹوں کا لالچ دے کر اسے مکہ آنے سے باز رکھا۔ اعشیٰ کے دربار نبوی میں پیش کرنے کی غرض سے لکھے اس (33) شعر کے مدحیہ قصیدہ کے چند ایک اشعار کا ترجمہ دیکھئے عرب شاعری میں۔ خصوصاً قصیدہ میں تشبیب اور تمہید کی اپنی اہمیت ہے اس کے بعد ہی شاعر اپنے مقصد کی طرف رجوع ہوتا ہے چنانچہ اعشیٰ نے اسی طرز کو اختیار کیا پھر کہتا ہے:

1- وہ ایسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو اُن چیزوں پر نظر رکھتے ہیں جن کو تم لوگ نہیں دیکھتے اور میری قسم، اُن کی شہرت ملک ملک پھیل چکی ہے۔

2- میں نے قسم کھائی ہے کہ (اپنی اونٹی) کی کمزوری اور برہنہ پائی کا اس وقت تک گلہ نہ کروں گا جب تک کہ اُفتاں وخیزاں کسی حال میں وہ مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک نہ پہنچادے۔

3- ان کے احسانات مسلسل ہوتے ہیں جن میں ناغہ نہیں ہوتا ان کے یہاں سے بٹنے والی خیرات کم نہیں ہوتی کسی عنایت میں کمی اس لئے نہیں ہوتی کہ گزشتہ روز وہ کی جا چکی ہے۔

4- جب تم اپنی اونٹنی کو ابن ہاشم کے در پر بیٹھاؤ گے تو تمام کلفت بھول جائے گی آرام پائے گی اور ان کے (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) صدقات تم کو سیراب کر دیں گے۔

(ابن ہشام جلد-1،ص:581)

عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے قصائد میں قصیدہ بُردہ ''بانت سعاذ'' کی اہمیت غیر معمولی ہے دراصل اس قصیدہ کی سماعت کے بعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ اظہار خوشنودی شاعر کعب بن زہیر ابن ابی سلمٰی کو اپنی بردہ (بمعنی چادر) یمانی مرحمت فرمائی تھی۔

''یہ قصیدہ بانت سُعاذ'' قصیدۂ بُردہ سے مشہور ہو گیا جب کہ تاریخی لحاظ سے ساتویں صدی ہجری کے شاعر حضرت محمد بن سعید المعروف شرف الدین بوصیری کے **"قصیدہ الکواکب الدریه فی مدح خیرالبریه"** کو بھی قصیدۂ بُردہ کے نام سے شہرت ملی جنہیں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ردائے مبارک بحالت نیند خواب میں عطا فرمائی تھی۔ (یہ موضوع بجائے خود ایک علاحدہ عنوان کا متقاضی ہے)۔

عہد رسالت کے قصیدۂ بانت سُعاد کے شاعر کعب بن زہیر بن ابی سلمٰی کی کنیت ابوعقبہ تھی شاعری کا شوق وراثتاً پایا تھا باپ چچا نانا ماموں اور بھائی سبھی شاعر تھے۔ اسلام کی شروعات میں یہ بھائی بُجیر کے ساتھ خدمت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کی غرض سے چلے مدینہ سے فاصلے پر کعب نے بُجیر کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں حالات معلوم کرنے کی غرض سے بھیجا بُجیر خدمت اقدس میں پہنچ کر مسلمان ہو گئے۔ کعب کو یہ بات پسند نہ آئی۔ انہوں نے اسلام اور داعی اسلام کی (نعوذ باللہ) ہجو کہہ دی۔ آنحضرت نے اس بیبا کی و دریدۂ ذہنی فتنہ کے سدباب کے لئے کعب کے خون کو مباح قرار دیا اور خود بُجیر نے بھی ملامت آمیز شعر کہہ کر کعب کے ہاں بھیجے جس میں ہلاکت اور عذاب آخرت اور دنیا کی سزا کی طرف اشارے تھے مگر توفیق ایزدی سے کعب مسلمان ہوئے اور ان کی شاعری کے نعت یعنی مدحِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بچالیا اور جو قصیدہ انہوں نے لکھا وہ ''بانت سُعاذ'' کہلایا اور بارگاہِ رسالت میں پیش کیا گیا۔ ابن اسحاق نے کتاب سیرۃ

میں اس قصیدہ کے ۵۱ شعر نقل کئے جب کہ ابن ہشام نے ان میں مزید سات اشعار اضافہ کر کے یکجا کیا۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے کتاب عربی میں نعتیہ کلام میں اس قصیدہ کا تفصیلی جائزہ لیا ہے ان کے بموجب ابتدائی اشعار میں شاعر نے تشبیب یا تمہید کا استعمال کیا ایک فرضی محبوبہ جس کا نام ''سُعادُ'' ہے اس کی تعریف کی ہے اور پھر ۳۹ ویں شعر سے ۵۰ ویں شعر تک معذرت کا مضمون رقم کیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حلم وعفو کے عادی ہیں قسم اس ذات کی جس نے آپ کو قرآن کا عطیہ بخشا وہ قرآن جس میں ہدایت اور احکام شریعت کی تفصیل ہے میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے یہ سب لوگوں کا حسد ہے جنہوں نے چغلی کی ہے۔ ۵۱ ویں شعر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کا ہے:

ان الرسول لنور یستضاء بہ و صارم من سیوف الھند مسلول

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ ایک نور ہیں جن سے اجالا ہے اور وہ ایک تیر بے نیام تلوار ہیں)

شاعر نے جب یہ شعر پڑھا، رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روایت میں جب اپنا پیرہن (ردائے) مبارک اتار کر شاعر کو عطا کیا اور مصرع ثانی میں سیوف الہند کی بجائے "**سیوف اللّٰہ**" تصحیح فرمائی۔ ۵۲ ویں شعر سے ۵۸ ویں شعر تک صحابہ کرام کی شجاعت، جوانمردی، حق پرستی اور صداقت کی تعریف ہے، روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالمواجہ پڑھے گئے اس قصیدہ کو عربی ادب خصوصاً جاہلی ادب کی مکمل نمائندگی حاصل ہوئی۔ مزید اس قصیدہ کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے اب تک اس کی بے شمار شرحیں مختلف زبانوں میں کی جاچکی ہیں اور کئی حضرات نے اپنی زمین میں طبع آزمائی کی اور قصائد لکھے۔ دراصل یہ قصیدہ طلب عفو ومعذرت کے سلسلے میں لکھا گیا تھا تاہم کعب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ومرتبت میں ایک اور قصیدہ لکھا ہے اس طرح عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اصحاب رسول اکرم نے مدحیہ قصائد کی بنیاد رکھی اس ذیل میں سب سے اہم نام حضرت حسان ابن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ کا نظر آتا ہے بقول ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی:

> ''انہوں نے نعت نبوی کے ذریعہ اسلام کی بیش بہا خدمت کی ہے اور دشمنان اسلام کے مقابلہ میں ایک اہم مورچہ سنبھالا ہے جس کی اس وقت ضروری تھی۔'' (ص: ۵۶ عربی میں نعتیہ کلام)

حضرت حسان بن ثابت کی کنیتیں ابوالولید، ابوعبدالرحمٰن اور ابوالحسام ہیں عربی شاعری کے مختلف ادوار جنہیں اہل علم نے چار قسموں میں منقسم کیا ہے یعنی جاہلی، مخضرمی، اسلامی اور مُولّد دورِ اوّل

جاہلی میں وہ شعرا جو زمانہ قبل از اسلام میں ہوئے جیسے امرئ القیس، زہیر، امیہ بن ابی الصلت اور لبید وغیرہ دور دوم یا مخضرمی میں جاہلیت اور اسلام دونوں زمانہ پانے والے شاعر جسے کعب بن زہیر نابغہ، جعدی، خنساء اور حسان ابن ثابت رضی اللہ عنہ وغیرہ شامل ہیں۔ اس طرح دور سوم یعنی بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یا آغاز اسلام تا بنوامیہ کے دور تک کے شاعر جیسے عمر ابن ربیعہ، اخطل، فرزدق اور جریر اور مولّد میں دور عباسی اور ان کے مابعد کے شعراء ابونواس، بشار بن برد ابن الرومی ابوتمام المتنبی ابوالعلا والمعری وغیرہ۔ حضرت حسان کا تعلق دور دوم مخضرمی سے ہے۔ آپ یمن کے قبیلہ قحطان سے تھے۔ اپ غزوات نبوی میں شریک تو رہے، مگر اسلحہ سے کام نہ لیا بلکہ ہمیشہ اپنی زبان سے تلوار کا کام لیا ابتدائے اسلام میں کفار و مشرکین نے اسلام اور داعی اسلام کے خلاف مذموم حرکات سازشیوں کے علاوہ بدزبانی ہجو کے حربے استعمال کئے۔ رسول اللہ نے اس کے روک تھام کی ضرورت محسوس کی آپ نے فرمایا" **من ينجى اعراض المسلمين** " (کون مسلمانوں کے ناموس کی محافظت کے لئے تیار ہے) چند اصحاب آگے بڑھے ان میں حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی تھے جنھوں نے اپنی زبان باہر نکال کر کہا، ''یہ وہ زبان ہے جو اگر پتھر پر پڑ جائے تو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کردے کسی بال پر پڑ جائے تو اس کو مونڈ کر رکھ دے'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" **انت لہ اذهب الى ابى بكر يخبرك بمثالب القول ثم اهجهم و جبريل معك** "(تم اس کام کے اہل ہو، جاؤ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملو وہ تم کو اُن لوگوں کے کمزور پہلو سمجھادیں گے پھر اُن کی ہجو کرو جبرئیل تمہارے ساتھ ہیں) (طبقات فحول الشعراء لمحمد بن سلام الجہمی، ص:۱۲۹) اس دن سے زندگی کے آخری لمحہ تک حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو اس خدمت کے لئے وقف کردیا، حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے ایک قصیدہ کے دو شعر ایسے ہیں جس کی بناء پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دو مرتبہ جنت کی بشارت دی:

هجوت محمداً فأجبت عنه — و عند اللّٰه فى ذالك الجزاء

(تو نے اے ابوسفیان بن حارث آنحضرت کی ہجو کی میں نے اُن کی جانب سے جواب دیا اور اللہ کے پاس اس کی خبر ہے)

فان ابى و والده و عرضى — لعرض محمدٍ منكم وقاء

(میرے باپ اور ان کے والد (میرے دادا) اور میری عزت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر قربان اور تم دشمنوں کے مقابلے میں یہ ڈھال ہے)

رسول اللہ نے پہلے شعر پر جزاك عنداللّٰہ الجنة یا حسان رضی اللہ عنہ فرمایا اور دوسرے شعر پر "وقاك اللّٰہ حر النار" فرمایا، حضرت حسان کی نعت گوئی کے اہتمام میں مسجد نبوی میں منبر رکھوایا جاتا تھا جس پر چڑھ کر آپ محامد ومحاسنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیان کرتے تھے۔ آپ کو شاعر النبی کہا جاتا تھا:

وضم الالہ اسم النبی مع اسمہ　　اذا قال فی الخمیس المؤذن اشهد

(اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کے ساتھ اپنے نبی کا نام ضم کر لیا ہے موذن پانچوں وقت اذان میں اشہدان محمد الرسول اللہ کہتا ہے)

وشق لہ من اسمہ لیجلّہٗ　　فذوا العرش محمودٌ و هذا محمد

(اللہ رب العزت نے اپنے نام سے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نکالا تا کہ روشن ہو جائے ان کا نام پس عرش والا محمود اور یہ محمد ہیں)

حضرت حسان بان ثابت رضی اللہ عنہ میدانِ بدیہہ گوئی کے بھی شہسوار سمجھے جاتے تھے چنانچہ ایک موقعہ پر بنی تمیم کے وفد نے رسول اللہ کی خدمت میں آ کر مناظرہ کی دعوت دی، رسول اللہ نے حضرت حسان کو اسلام کے ترجمان شاعر کی حیثیت سے پیش کیا اس وقت آپ نے بنی تمیم کے شاعر زبرقان بن بدرالتمیمی کا محض مطلع سن کر کوئی (۲۲) اشعار کا قصیدہ کہہ دیا جب کہ زبرقان نے صرف (۸) شعر ہی پڑھے تھے۔ نتیجتاً سارا وفد مشرف بہ اسلام ہو گیا۔ رسول اللہ نے ایک اور موقعہ پر حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کی بہن سیرین سے آپ کا نکاح فرمایا جن سے عبدالرحمٰن پیدا ہوئے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے خاندان میں علی الترتیب چھ شاعر ہوئے یعنی سعید بن عبدالرحمٰن بن حسان ابن ثابت ابن المنذر بن حرام، گویا ایک طرف اگر ان کا پردادا شاعر ہے تو دوسری جانب پوتا بھی شاعر ہے، اپنی نعت گوئی کے بارے میں کہتے ہیں:

ما ان مدحت محمداً بمقالتی　　لٰکن مدحت مقالتی بمحمدٍ

(میں نے اپنے کلام سے محبوب رب العالمین کی تعریف نہیں کی ہے بلکہ ان کے ذکر سے اپنے کلام کو قابل تحسین بنایا ہے)

عبارت مختصر! سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی آپ کے حسن واحسان کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ وہ اہل ایمان وایقان سے محبت کا تقاضہ کرتا ہے اس کا سلیقہ اور قرینہ تو خود خداوند قدوس کی آیات سے واضح ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت مدح وتوصیف کا بیان کرنا عین عبادت

ہے اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وکردار اقوال وافعال حلیہ وشمائل، اخلاق وعادات سبھی کچھ شامل ہے شعر وشاعری میں محبت ومودّت کا جذبہ فطری ہے اس میں وابستگی کا عنصر مضبوط و مستحکم ہوتا ہے۔ عربی شاعری میں گو مدح وستائش کا پہلو واضح ہے جب کہ قصائد کا امتیاز حسن اجمال داد ودہش عزت وقار نکتہ آفرینی اور مہارت فن ہے اسلامی شعراء نے اس طرز وفکر میں مدح کے پہلو کو خصوصی مدح نبوی کے وصف کو غیر معمولی اُجاگر کیا۔ چنانچہ صحابہ کرام نے اپنے ممدوح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک عمل ایک ایک حدیث کو دل سے لگایا اپنے کلام کو آپ کے شمائل وخصائل کو ذکر سے سجایا اور جن حضرات کی طبیعتیں موزوں تھیں انہوں نے نظم کا سہارا لیا اپنی کیفیات کو شاعری (نعتیہ کلام) میں سموتے رہے اور یہی نعت کہلائی اپنے اس ربط ظاہری وباطنی کی سعادت سے خود کو موجب ثواب دارین بناتے رہے۔ سچ تو یہ ہے کہ عہد رسالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ومودّت وابستگی وجاں نثاری کے وہ وہ طور نظر آتے ہیں جن کی مثال ونظیر نہیں ملتی۔ ایک صحابی کا ذکر ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کی جانب ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہتے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا میں سمجھتا ہوں کہ دنیا ہی میں اس دولتِ دیدار کی بہاریں ملیں گی اس لئے اس کو حاصل کر رہا ہوں آخرت میں آپ کے مقام بلند تک میری رسائی کہاں، اس پر آیت کا نزول ہوا۔ "**ومن يطع الله والرسول فاولئك مع الذين انعم اللّٰه عليهم۔**" (ترمذی باب تفسیر، جلد۲) (جو کوئی اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر خدا کا انعام ہوا) غرض مدیح النبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلے میں شیخ یوسف بن اسماعیل النبہانی (بیروت کے صوفی منش عالم دین نے ۱۲۲۰ء المجموعۃ النھانیۃ فی المدائح النبویہ کے نام سے کوئی چار جلدوں میں عربی میں کہی جانے والی نعتوں کو جمع کیا ہے جو قابل دید اور ایمان افروزی کا روشن باب ہے۔ اپنی گفتگو عربی قصیدہ بردہ کے اس مشہور شعر پر ختم کرتا ہوں:

محمد سيد الكونين والثقلين   والفريقين من عرب و من عجم

☆☆☆

پروفیسر ابوسفیان اصلاحی (علی گڑھ)

امام بوصیری کی نعتیہ شاعری-تحلیل وتجزیہ

عربی نعتیہ شاعری نے عربی زبان وادب کی تزئین وتوسیع میں اہم رول ادا کیا ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ ذہن وفکر کی تعمیر میں جو کردار نعتیہ شاعری کا رہا ہےاس کے بالمقابل کسی اور صنف کو یہ درجہ نہیں دیا جاسکتا ہے،اس کی تاثیر وترویج کی مثال پیش کرنا ناممکن ہے۔شاعر ایک خاص کیفیت اور مخصوص انداز میں نعتیہ شاعری کو نظم کرنے کی جرات کرتا ہے۔اس میں ایمان وایقان، باطنیت وروحانیت،عقیدت ومحبت اور قلبی اضطراب کا ایک ایسا تموج ہے کہ جس سے تمام شعری اصناف عاری ہیں۔دراصل نعتیہ اشعار ایک ایسی ذاتِ اطہر سے متعلق ہیں جس کی عظمت ورفعت پر کتب مقدسہ اور قرآن کریم دونوں شاہد عدل ہیں۔گزشتہ انبیاء ورسل میں اس طرح کی نعتیہ شاعری کی کوئی نظیر نہیں۔ خاتم الرسل ہونے کے باوجود تمام انبیاء ورسل کی قیادت وسیادت کا شرف آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاصل رہا ہے۔توریت وانجیل میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بلندیٔ مرتبت کی تفسیر وتوضیح کی گئی۔بحیرا جیسے معروف اور صاحب فضل یہودی عالم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حکمت ودانائی کا اعتراف کرتے ہوئے بتایا کہ رسالت کی تمام علامتیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے ہویدا ہیں۔بحیرا نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاسدین ومعاندین سے بچایا بھی۔ ورقہ بن نوفل جیسے عیسائی صاحب علم اور صاحب کردار نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلالت وفخامت کا اعتراف کیا۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رسالتی مظاہر پر اظہار خیال کرتے ہوئے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت کا اعتراف کیا جس کی وجہ سے آپ کو معاشرتی سب وشتم کا سامنا کرنا پڑا، اگر ورقہ بن نوفل کو اوّل المومنین کہا جائے اور ایک دانا مخلص نعت گو قرار دیا جائے تو اس میں کیا حرج ہے؟ ورقہ بن نوفل دل سے رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اوران کی برپا ہونے والی تحریک کے قائل تھے انھوں نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ''احد احد'' کہتے ہوئے سنا تو اس کی صداقت کا بانگ

دہل اعتراف کیا۔

مذکورہ بالا سطور میں یہ کہنے کی کوشش کی گئی ہے کہ عربی نعتیہ شاعری نے زبان وادب کی زرخیزی میں اہم رول ادا کیا، لفظیات ولسانیات اور تعبیرات وتمثیلات کے اعتبار سے زبان و بیان کو استحکام بخشا، عربی زبان و بیان کی تقویت کے ساتھ دنیا کی دیگر زبانوں کو نئے لفظیات اور نئے لب ولہجہ سے آباد کیا، اردو نعتیہ شاعری کی تحکیم وتعمیر میں عربی نعتیہ شاعری کا خاصا رول رہا ہے۔ الفاظ کے ساتھ آداب والقاب عطا کیے۔ اردو نعتیہ شاعری کا فکری اعتبار سے انحصار عربی نعتیہ شاعری پر ہے۔ طریقۂ تقدیم جدا ہوسکتا ہے لیکن مضامین ومطالب کے تعلق سے اردو زبان ہمیشہ عربی زبان وادب کی دریوزہ گر رہی ہے۔ شاید یہ کہنا حق بجانب ہو کہ عربی نعتیہ شاعری نے جس قدر عالمی زبانوں کو متاثر کیا ہے بلکہ ایک تہذیب اور فہم وشعور سے جس قدر آراستہ کیا ہے وہ کسی اور صنف نے نہیں۔ عربی نعتیہ شاعری کے تراجم نے دیگر زبانوں کی مادی اور فکری تجسیم میں وہ مراحل طے کیے ہیں کہ جنھیں نظر انداز کیا جانا کار دشوار است۔ یہاں قدیم وجدید عربی شعراء کی فہرست سازی میں نہ جا کر صرف امام بوصیری کا ذکر کرنا کافی ہوگا جن کی نعتیہ شاعری سے شعراء کی خلقتِ عام نے استفادہ کیا، ان کے صوت وآہنگ، تشبیہات واستعارات اور فکری دنیا نے مختلف زبانوں کو متاثر کیا۔ زبان وبیان اور اعتقادات کے خزینے عطا کیے۔ امام بوصیری نے فکر وخیال کی معتبر دنیا کی تاسیس کی جس کی تابانیوں اور تنویر فرمائیوں نے کتنوں کو متاثر کیا۔ امام بوصیری ایک استناد کا نام ہے۔ ایسا سنگ میل ہے جو تا قیامت لائق التفات رہے گا، لیکن ایک بات پیش نظر رہے کہ امام بوصیری ایک بشر ہیں اسی بشریت کے پیشِ نظر بعض تسامحات ان کی نعتیہ شاعری میں موجود ہیں۔ لیکن اس سے ان کی فخامت میں کوئی تقصیر واقع نہیں ہوتی۔ راقم نے اپنی دو تحریروں (۱-امام بوصیری کا نعتیہ کلام-تنقیدی جائزہ،۲-امام بوصیری کی نعتیہ شاعری- دو قصیدوں کی روشنی میں؁) میں امام بوصیری کے مقام ومرتبہ اور نعتیہ شاعری کے منتہاء کمال کا جائزہ لے چکا ہے۔ اسی طرح مندرجہ سطور میں ان کے نعتیہ اکتسابات کے تحلیل وتجزیہ پر نکتۂ ارتکاز ہوگا۔ ان کے رجحانات، حبّ رسول اور ادبی وشعری معرکہ آرائیوں کے ابراز پر توجہ برتی جائے گی۔ یہ حقیقت ہے کہ امام بوصیری نے اپنی نعتیہ شاعری کے ذریعہ کینوس ترتیب دیا بلکہ یوں کہیے کہ ایک ایسا فلک تخلیق کیا ہے جس کے ستاروں کی رمق اور چمک تاابد برقرار رہے گی اور محظوظ ہونے کا متاع نو فراہم کرتی رہے گی۔ یہی انفرادی تنویر وتشویق سب کے لیے باعث توجہ ہے۔ امام بوصیری کا ایک قصیدہ ہائیہ ہے جو آٹھ اشعار پر مشتمل ہے ان اشعار میں ایسی خصوصیت ہے جو قارئین کو نئے بام ودر سے

روشناس کراتی ہے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں کو ایک نئے انداز میں پیش کرتی ہے:

اَلصُّبحُ بَدَا مِنْ طَلْعَتِہٖ وَاللَّیْلُ دَجیٰ مِن وَّفرَتِہٖ

(صبح آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرہ انور سے نمودار ہوتی ہے اور رات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کثیر الاسود زلفوں سے تاریک ہوتی ہے۔)

فَاقَ الرُّسُلَا فَضْلاً وَّعُلَا اَھْدیٰ السُّبُلَا لِدَلَالَتِہٖ

(بطور شرافت تمام رسولوں پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فوقیت وعلو حاصل ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی ہدایت ودلالت سے راہوں کو ہموار کیا۔)

کَنْزُ الْکَرَمِ مَوْلَی النِّعَمِ ھَادِی الْاُمَمِ لِشَرِیْعَتِہٖ

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خزینۂ شرافت ہیں، نعمتوں کی برسات کرنے والے ہیں اور اپنی شریعت کے ذریعہ قوموں کی ہدایت کرنے والے ہیں۔)

جِبْرِیْلُ اَتیٰ لَیْلَۃَ اَسْریٰ وَ الرَّبُّ دَعَاہُ لِحَضْرَتِہٖ

(جبرئیل علیہ السلام شبِ معراج میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ میں طلب کیا۔)

فَمُحَمَّدُنَا ھُوَ سَیِّدُنَا فَالْعِزُّ لَنَا لِاِجَابَتِہٖ

(پس ہمارے محمد ہمارے سردار ہیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہنا ہی ہمارا وقار ہے۔)

امام بوصیری نے ایک طرف جہاں اس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوشان کو بیان کیا ہے، اسی طرح مختلف معجزات درخت کے دوڑنے، نطق حجر اور شق قمر کو منظوم کیا ہے۔ اس کے آخری شعر میں شانِ رسالت سے اپنے اتصال وارتباط کو بڑے خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر حکم کی تعمیل ہی ہماری غایت ہے۔ وابستگیٔ رسالت کے بغیر ہمارا وجود بے معنی ہے۔ اس لیے قرآن کریم میں صراحت کی گئی۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک طویل نعتیہ قصیدہ ''مدائح کفارۃ'' ہے جس میں توصیف نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک نیا آہنگ ہے۔ جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گوشہائے منور کو منظوم کرنے کی ایک خوبصورت کوشش ہے۔ امام بوصیری کی یہی نعتیہ کوشش انھیں دیگر نعت گوشعراء سے ممتاز کرتی ہے۔ بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ امام بوصیری امت مسلمہ کے اندر حبّ رسول کی تقسیم کے

پیغامبر ہیں۔ان کے اندر جذبہ درودوسلام کوفزوں کرنا ہی ان کی شریعت ہے۔قرآن کریم ،احادیث اور کتب مقدسہ ان کی نظر میں تعریف رسالت کے مآخذ ہیں۔اس قصیدہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف عالیہ کے ساتھ آل بیت کی اہمیت کو بھی فروزاں کیا گیا ہے۔ بہت سے صحابہ کرام کے درجات عظیمہ کو بھی منظر عام پر لانے کی اس میں ایک خوبصورت کوشش ہے۔ اختتام قصیدہ پر امام بوصیری نے اپنے درد وکرب اور رنج وغم کو بھی منظوم کیا ہے۔امام بوصیری نے اپنے نعتیہ قصائد میں اکثر اپنی الجھنوں اور اپنی امت کی واماندگی کا اظہار کیا ہے۔ظاہر ہے ہمارا فریضہ ہے کہ ہم اپنے آنسوؤں کو دربارِ رسالت میں بہائیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلق سے اپنے آلام ومصائب سے نجات کے خواست گار بنیں۔اس قصیدہ کا آغاز درودوسلام سے ہوتا ہے:

يَا رَبِّ صَلِّ عَلَى الْمُخْتَارِ مِنْ مُضَرٍ وَالْاَنْبِيَا وَجَمِيعِ الرُّسُلِ مَا ذُكِرُوْا

(اے بارِالٰہا! قبیلہ مضر سے تعلق رکھنے والے نبی مختار پر درود وسلم نازل فرما،اور تمام انبیاء ورسل پر برکتیں برسا۔)

وَصَلِّ رَبِّ عَلَى الْهَادِىْ وَشِيْعَتِهٖ وَصَحْبِهٖ مَنْ لِطَيِّ الدِّيْنِ قَدْ نَشَرُوا

(اے بارِ الٰہا! ہادیٔ اکرم،ان کے معاونین اور ان کے صحابہ کرام جو دین کی اشاعت کے لیے عازم سفر ہوئے اپنا کرم نازل فرما۔)

وَجَاهَدُوا مَعَهٗ فِى اللّٰهِ وَاجْتَهَدُوا وَهَاجَرُوْا وَلَهٗ آوَوْا وَقَدْ نَصَرُوا

(صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا اور مشقتیں اٹھائیں،ہجرت کیا،اورانھوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پناہ دی اور مدد کی۔)

وَبَيَّنُوْا الْفَرْضَ وَالْمَسْنُوْنَ واعْتَصَبُوْا لِلّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَانْتَصَرُوْا

(اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے فرائض اور سنن کی تشریح کی اور اللہ کی خاطر باجماعت ہوئے،اللہ کی ذات سے خود کو وابستہ کیا اور کامیابیوں سے سرفراز ہوئے۔)

اُزْكَى صَلَاةٍ وَاَنْمَاهَا وَاَشْرَفَهَا يُعَطِّرُ الْكَوْنَ مِنْهَا نَشْرُهَا الْعَطِرُ

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درودِ پاکیزہ،کثرت سلام اور نہایت اعلیٰ برکتیں نازل ہوں،اور درود وسلام کی عطر بیز ہوائیں کائنات کو معطر کردیں گی۔)

مفتوقة بعبير المسك زاكيةً من طيبها ارج الرضوان ينتشر

(اس چمکتے ہوئے درودوسلام میں مشک کی خوشبو کی آمیزش نہیں ہے،اس کی خوشبو سے رضائے

الٰہی کی ہوائیں چلتی ہیں۔)

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ بڑے سچے اور اچھے انداز میں درود وسلام کے استمرار کی بات کہی گئی ہے۔اس میں ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ انبیاء و رسل، صحابہ کرام، انصار مدینہ اور معاونین اسلام پر درود وسلام بھیجنا، ان کے لیے دعا واستغفار پڑھنا، ان کی قربانیوں اور کارناموں کو یاد کرنا درود وسلام کی ہی ایک شکل ہے۔امام بوصیری نے درود وسلام کے لیے جن الفاظ، جذبات اور اسالیب کا استعمال کیا ہے اس کی وجہ سے ایک خوبصورت منظر کشی کا احساس ہوتا ہے۔امام بوصیری کو اللہ نے لفظوں کے استعمال کی مہارت اور جذبات کے برتنے کا سلیقہ عطا کیا ہے۔اسی درود وسلام کا ذکر کرتے ہوئے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ استمرار درود کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے، گویا قرآن کریم نے جس کثرتِ سلام کا حکم صادر کیا ہے اسی کی تفسیر وتوضیح ان اشعار میں موجود ہے۔

وعـد مـاحـوتِ الاشجار من ورقٍ وكـلِ حـرف غـدا يتـلـى ويستطرُ

(درختوں کی پتیوں، نکلے ہوئے ہر حرف اور ہر مرقومہ تحریر کے برابر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود وسلام نازل ہوتا رہے۔)

وعـدَّ وزنِ مثـاقيـل الجبـال كَذَا يـلـيـه قـطـر جـمـيع الماء والمطر

(تمام پہاڑوں کے وزن کے برابر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود وسلام نازل ہوتے رہیں، اسی طرح پانی اور بارش کے قطرات کی مانند درود وسلام آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر برستے رہیں۔)

والطيرِ والوحشِ والاسماكِ مع نَعَمٍ يـلـيهـم الـجـن والامـلاك والبشـر

(اسی طرح چڑیوں، وحشی جانوروں، مچھلیوں اور ان کے ساتھ جس قدر جن، فرشتے اور انسان آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہیں اسی قدر میں درود پڑھنے کا طالب ہوں۔)

فـى كـل طـرفة عيـنٍ يـطرفون بهـا اهـل السموات والارضين او يذروا

(اسی طرح آسمانوں اور آراضی میں رہنے والے جس قدر اپنی آنکھوں کی پلکوں کو کھولتے اور بند کرتے رہتے ہیں اس قدر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود ہو۔)

لا غـايةً ولا انتهـاءً يـاعظيم لهـا ولا لهـا امـد يـقـضـى ويـنـتـظـر

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایسے عظیم وکثیر درود وسلام ہوں جو لا محدود ہوں اور وہ اس کی کوئی ایسی حد نہ ہو جسے پورا کرنے کا خیال یا اس غایت تک پہنچے کا انتظار ہو۔)

مـا اعـدم اللّٰـه موجوداً واوجد مع دومـاً صلاة دوامـاً لـيس تنـحـصـر

(اللہ نے جس قدر موجودات کو فنا کیا اور معدومات کو منظر عام پر لے آیا اسی قدر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مستقلاً درود نازل ہوتا رہے۔)

کما تحب وترضی سیدی وکما امرتنا ان نصلی انت مقتدر

(بارالٰہا! جس طرح تو میرے قائد مکرم سے محبت کرتا ہے اور اس سے راضی برضا ہے۔ ہمیں تو نے حکم دیا کہ ہم اس پر درود پڑھتے رہیں، اے اللہ تو اس پر قادر ہے۔)

اسی طرح پر امام بوصیری نے مزید اپنے جذبات کو قلم بند کیا ہے صرف اس اظہار کے لیے کہ اس ذاتِ اقدس پر ہمارا وجود درود وسلام بن کر برستا رہے۔ ہماری فکر، ہمارا احساس، زبان وبیان، ہمارا حرف حرف، ہمارا رخ تمام اور قدم قدم درود وسلام میں مشغول رہیں۔ ہماری کائنات کی شناخت درود وسلام ہو، ہمارے اسفار واحضار کا اتصال درود وسلام سے ہو، امام بوصیری نے درود وسلام کی ترسیل کا ایک نیا انداز اختراع کیا ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کے نفس نفس میں درود بسا ہوا ہو، ان کے قلم سے درود کا ایک سیلان اور غیر معمولی فیضان ہے۔ امام بوصیری کا یہ بھی خیال ہے کہ درود کے بغیر امت مسلمہ کا کوئی امتیاز وانفراد نہیں۔ لیکن امت مسلمہ کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو تلاوت درود سے غافل ہے۔ اسی کے ساتھ یہ صراحت بھی ضروری ہے کہ تلاوتِ درود کے لیے ایسا طریقہ نہ اختیار کیا جائے کہ برادرانِ وطن کے لے باعث اذیت بن جائے۔ اگر ہمارے درود وسلام کسی کی سماعت پر ضرب کاری کا ثبوت بن رہے ہوں تو اس سے گریز کرنے کی ضرورت ہے۔ بالعموم مشاہدہ یہ ہے کہ ترسیل درود کو اصوات عالیہ سے موسوم کر دیا گیا ہے جب کہ قرآن کریم میں دعاؤں کو اصواتِ خفی سے مرتسم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: **ادعوا ربکم تضرعاً وخفية إنهٔ لايحب المعتدين** (الاعراف:۷/۵۵) (تم سب اپنے رب کو گڑگڑاہٹ اور پست آواز کے ذریعہ یاد کرو، بے شک اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا) مزید سورہ لقمان میں فرمایا گیا کہ "**واقصد فی مشيك واغضض من صوتك ان انكر الاصوات لصوت الحمير**" (لقمان: ۱۹/۳۱) (اپنی چال میں میانہ روی اختیار کرو اور اپنی آواز کو پست کرو، بے شک آوازوں میں سے بدتر آواز گدھے کی آواز ہے) مذکورہ دونوں آیتوں سے مترشح ہے کہ آواز میں اعتدال، حسن اور عدم صروخ ہوتا کہ اہل معاشرہ کو گرانی کا احساس نہ ہو۔ قرآن کریم نے اپنے نظریہ اعتدال کو یوں بھی پیش کیا ہے: "**ولاتجهر بصلاتك و لا تخافت بها وابتغ بين ذٰلك سبيلا**" (الاسراء:۱۷/۱۱۰) (نہ تو اپنی نماز کو بلند آواز سے پڑھ اور نہ بالکل پوشیدہ بلکہ اس کے درمیان کا راستہ تلاش کرے) عہد حاضر

میں ہندوستانی مسلمان اس نزاکت کا لحاظ نہیں کرتے، چیخنے اور چلانے سے خشوع وخضوع اور الحاح رخصت ہو جاتا ہے۔ بلندیٔ آواز سے مزاج میں اعتدال باقی نہیں رہتا۔ عہد حاضر کے ہنگاموں سے قوتِ صبر کا فقدان ہوتا جا رہا ہے اور معاشرتی اقدار دن بہ دن روبزوال ہیں۔ کاش ہم اپنے درود وسلام کو اعتدال کا پابند بناتے۔ آگے کے اشعار میں امام بوصیری نے درود کے توسط سے اپنے مدعا کو بیان کرتے ہوئے دعائے مغفرت کے لیے دست بدعا ہیں۔

یـا رب اغـفر لتـاليهـا وسـامعهـا والـمرسلين جميعا أينما حضروا

(اے رب کریم! درود پڑھنے والوں، اسے سننے والوں اور دیگر شخصیات پر بھیجے گئے درود کو جہاں کہیں بھی ہوں سب کو بخش دے۔)

ووالـديـنـا وأهـلـيـنـا وجيرانـنـا وكـلـنـا سيـدى لـلـعـفـو مـفتقـر

(اور ہمارے الدین، ہمارے اہل وعیال اور ہمارے پڑوسیوں کو بخشش عطا فرما، اے رب جلیل! ہمارا ہر فرد عفو کا محتاج ہے۔)

وقـد اتـت بـذنـوب لاعـداد لهـا لـكـن عـفـوك لايبـقى ولايـذر

(یقیناً ہم سے بے حدوحساب گناہ سرزد ہوئے لیکن آپ کی بخشش کے سامنے نہ تو یہ ٹکیں گے اور نہ ہی اس کا بارگراں برقرار رہے گا۔)

ابھی تک امام بوصیری عفوعموم کی بات کر رہے تھے اپنے گھر اور اپنی قوم کے لیے عفوودرگزر کے خواستگار تھے، اس کے بعد براہ راست اللہ کے حضور اپنے گناہوں کا پوٹلا لے کر حاضر ہیں۔ خود کو بحر ذنوب میں ڈوبا ہوا تصور کیا ہے، لباس معاصی کے ساتھ اللہ کے حضور حاضر ہیں۔ یہ امام بوصیری کا ایک خاص انداز ہے جو اپنی دیگر نعتوں میں بھی الحاح کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ارجـوك يـا رب فى الدارين ترحمنا بـجـاه مـن فـى يـديه سبح الـحـجر

(اے رب جلیل! میں دونوں جہانوں میں تمہارے ترحم کا طلب گار ہوں، اس ذات مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسط سے جن کے ہاتھوں میں کنکریوں نے تسبیح پڑھی۔)

يـا رب اعـظـم لـنـا اجـراً ومغفرة لان جـودك بـحـر ليـس ينحصر

(اے رب حبیب! ہمیں اجر عظیم اور غفران کبیر سے نواز دے، کیوں کہ تمہارا بحر عفوودرگزر کبھی اترنے والا نہیں ہے۔)

ولـكـن لـطيـفـاً يـنـافى كل نـازلة لـطـفـاً جميلا به الاهوال تنحسر

(اے ربِ حکیم! ہر مصیبت میں تو ہمارا کرم فرما بن جا، تمہارے لطفِ جمیل سے خطرات ٹلتے ہیں)

بالمصطفی المجتبی خیرِ الانام ومن جلالۃ نزلت فی مدحہ السور

(میں اس مصطفیٰ، مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسط سے درخواست گزار ہوں جو تمام لوگوں سے برتر ہے اور رب ذوالجلال کی طرف سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں سورتیں نازل ہوئیں۔)

ثم الصلوٰۃ علی المختار ماطلعت شمس النہار وقد شعشع القمر

(جب تک طلوع آفتاب کا سلسلہ برقرار رہے اور چاند اپنی چاندنی بکھیر تا رہے، تب تک ذات مختار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود کی بارش ہوتی رہے۔)

اس قصیدے میں ایک خاص انداز سے درود وسلام کی استدعا کی گئی ہے، دراصل خود کو درود وسلام سے وابستہ رکھنے کی یہ ایک خوبصورت کوشش ہے۔ اس میں کلام نہیں کہ عربی نعتیہ شاعری میں درود وسلام کے تسلسل کا ایک منفرد انداز ہے اور اس انفرادی اسلوب کا مقصد یہ ہے کہ بغیر کسی تساہل وتردد کے سلسلہ صلوٰۃ کو باقی رکھا جائے۔ امام بوصیری کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ یہی وہ عمل ہے جو ہمیں سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قربت نصیب فرمائے گا۔ اسوۂ حسنہ کی ترسیل وتبلیغ کا سب سے موثر طریقہ یہ ہے کہ ہمارا ذہن، ہمارے مراکز ومدارس اور ہمارے محافل ومجالس درود سے آباد رہیں۔ لیکن تلاوتِ درود کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمودات پر عمل کیا جائے، اگر ہم وردِ درود میں خود محو ومشغول ہوں لیکن ہمارے ضوابط وقواعد اور اعمال وافعال اسوۂ رسول کے برعکس ہیں تو وردِ درود بے معنی ہوگا۔ درود دراصل پیغام ہے اتباع خداوندی، اطاعتِ محمدی اور پابندی احکام شریعت کا۔

اس قصیدے کا اختتام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی توصیف وتعریف پر ہوا ہے گویا امام بوصیری یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اتباع اسوۂ حسنہ کی تکمیل اسی وقت ہوتی ہے جب ہم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے کارناموں سے خود کو وابستہ رکھیں۔ اتباع رسول دراصل اقتداء صحابہ سے متسم ہے۔ دونوں میں انفصال ممکن ہی نہیں، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اسی وابستگی کو ذریعہ ہدایت اور سبیل نجات بتایا گیا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں نجوم سے تشبیہ دی ہے اور یہی نجوم صراط مستقیم کی جانب لے جاتے ہیں انہی کی قیادت سے انسانیت ہدایت یافتہ ہوگی۔

ثم الرضا عن ابی بکر خلیفته من قام من بعدہٖ للدین ینتصر

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد آپ کے خلیفہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تئیں اللہ کی رضا مطلوب ہے۔ جنھوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد دین اسلام کی مدد کے لیے کھڑے ہوئے)

وعن ابی حفص الفاروق صاحبة من قوله الفصل فی احکامه عمر

(اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی ابوحفص فاروق کے لیے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی مطلوب ہے۔ یہی وہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جو آپ کے احکام کے ذریعہ حکم قطعیت صادر کرتے تھے۔)

وجُدْ لعثمان ذی النورین من کملت له المحاسن فی الدارین والظفر

(حضرت عثمان ذوالنورین کے لیے بھی اے اللہ! آپ کی خوشنودی مطلوب ہے۔ یہی وہ ذات عظیم ہے جس کے توسط سے دین و دنیا میں محاسن کی تکمیل ہوئی اور سرفرازی نصیب ہوئی۔)

کذا علی مع ابنیه وامهما اهل العباء کما قد جاء نا الخبر

(اسی طرح حضرت علی کے ساتھ ان کے دونوں بیٹوں اور ان کی والدہ محترم جو اہل عباء سے ہیں، اے اللہ! ان سبھوں کے لیے تیری رضا مطلوب ہے یہی تاریخ اسلام کا حصہ ہے۔)

سعد، سعید بن عوف، طلحة وابو عبیدة و زبیر سادة غرر

(حضرت سعد، حضرت سعید، عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت طلحہ، حضرت ابوعبیدہ اور حضرت زبیر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بھی راضی ہو جو سب کے سب بہادر سردار تھے۔)

والآل والصحب والاتباع قاطعة ماجن لیل الدجی او بدا السحر

(اور آل واصحاب اور ان کے تمام اتباع کرنے والوں سے بھی تو راضی ہو جب تک کہ شب تاریک کا سلسلہ اور طلوع صبح کا سلسلہ برقرار رہے۔)

امام بوصیری کا ایک قصیدہ ''مدح النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' کے عنوان سے ہے جس میں آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کے ساتھ اہل بیت کی تکریم وتوقیر کی گئی ہے۔ امام بوصیری کا کمال ادب یہ ہے کہ زبان وبیان کے اعتبار سے نوادر کو منظر عام پر لے کر آتے ہیں۔ امام بوصیری کو جس طرح اسلامیات، سیرت، قرآنیات، مطالعہ یہودیت اور نصرانیت پر دسترس حاصل ہے۔ بالخصوص کتب سماویہ کا نہایت باریک بینی سے مطالعہ کیا تھا جس کے ترشحات ان کی شاعری میں نظر آتے ہیں، کتب سماویہ اور قرآن کریم کے خصوصی نکات سے بخوبی واقف تھے۔ اس قصیدہ کی ابتداء یوں ہوتی ہے:

مدح النبی امان الخائف الوجلِ　　فلمدحه مرتجلا او غیر مرتجل

(مدحیاتِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دراصل بوڑھے خائف شخص کے لیے امان ہے۔ مدحیات کو کوئی برجستہ منظوم کرنے پر قادر ہے اور کوئی غیر برجستہ۔)

ولاتشیب باوطان ولادِمن　　ولاتعرّج علی رَبعٍ ولا طَلَل

(اور تم اوطان اور آثار امان پر قصائد مت کہو، اور نہ ہی صحنوں اور ٹیلوں کے تعلق سے بلندی کے خواست گار بنو۔)

وصف جمال حبیب الله منفرد　　بوصفه خیر الوصف والغزل

(حبیب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صرف توصیف فرمائی کرو، یہی سب سے بہترین توصیف اور خوبصورت ترین غزل ہے۔)

ریحانتاه علی زهر الربارّهتا　　فما لقلبی وذکرِ البانِ والاثل

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دونوں نواسے (حضرت حسن اور حضرت حسینؓ) کی خوشبو پھولوں کو معطر کررہی ہے۔ نرم ونازک ٹہنیوں اور دیوقامت مضبوط سایہ دار درخت میرے لیے طمانیت قلب نہیں ہیں۔)

رَیحَانَتَاهُ مِن الزهُرَاء فاطمة　　خَیْرُ النساء ومن صنو الامام علی

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے یہ دونوں معطر پھول حضرت فاطمہ سے متعلق ہیں جو خیرالنساء ہیں اور یہ دونوں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے ہیں۔)

اَذَا امْتَدَحتُ نَسِیْباً مِن سُلَالَتِهٖ　　فَهُو النَّسِیْبُ لِمَدحِی سَیّدِ الرُّسُلِ

(جب میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اہل خاندان کی مدح سرائی کروں تو یہ درحقیقت سیدالرسل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح سرائی ہے۔)

محمد افضل الرسل الذی شَهِدَتْ　　بفضله انبیاء الاعصر الْاُوَلِ

(محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم افضل الرسل ہیں جن کے فضل وکرم کی شہادت دوراوّل کے انبیاء کرام نے دی ہے۔)

لم یعده الحسنُ فی خَلْقٍ وفی خُلُقٍ　　ولم یزل حبه شغلا لکل خلی

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مجسم اور اخلاق عالیہ میں کوئی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہم سر نہیں ہوا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ہر فارغ انسان کے لیے باعث اشتغال ہے۔)

وقف علی سُنَنِ المرضی من سُنَنٍ فـان فیھا شـفـاء الـخَبُل والخَبَل

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مطلوبہ سنتوں پر سلیقے سے مداومت اختیار فرما، کیوں کہ اس میں فکری طمانیت اور مضطرب شخص کے لیے آسودگی ہے۔)

ونـزّہِ الـفکر فی روضاتِ فکرتھا واجْـنِ البلاغۃَ من اغصانھا الذلل

(اور تم رسالت کی کیاریوں سے اپنے فکر وخیال کو صاف وشفاف کرو، اور باغ رسالت کی ثمر بار شاخوں سے بلاغت کو چن لو۔)

اس نعت کے تین اساسی نکتے ہیں ایک تو یہ کہ ان شعراء پر امام بوصیری نے برہمی کا اظہار کیا ہے جو بے معنی عشقیہ اور خرافاتی موضوعات پر اپنی شعری صلاحیت کو ضائع کرتے ہیں۔ بعض شعراء نے اوطان پرستی اور آثار پرستی کو اپنا مطمح نظر قرار دیا، گویا امام بوصیری کے نزدیک وطنیت اور علاقیت کی سیرت پاک میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ وطنیت مغرب کا بویا ہوا بیج ہے یہ ایسا تناور درخت ہوا کہ بلاد عربیہ اس کا شکار ہو گئے۔ جدید عربی ادب کا ایک بڑا حصہ اسی خرافات پر مبنی ہے اسی طرح ان جاہلی شعراء کو امام بوصیری نے ہدف تنقید بنایا جو اماکن معشوقین اور ان کی رہائش گاہوں کے آثار پر سینہ کوبی کرتے ہیں۔ امام بوصیری نے عصر جاہلی کے اس اسلوب کو سخت ناپسند کیا اور اسے بے راہ روی سے تعبیر کیا۔ اس کا دوسرا نکتہ یہ ہے کہ حضرت علی وحضرت فاطمہ، حضرت حسن وحسین کی عظمت ورفعت کو بھی منظر عام پر لانے کے باب میں یہ نعت ایک حسین پیرایہ ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی توصیف نگاری نعت گوئی سے علاحدہ چیز نہیں ہے۔ تیسرا نکتہ یہ ہے کہ آپ کی اعلیٰ شخصیت اور افضل کردار کو قابل اعتناء قرار دیا گیا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلالت وفخامت پر ماضی گواہ ہے۔ اسی کے تعلق سے یہ نکتہ بھی ابھارا گیا ہے کہ اگر کوئی فکری استقامت اور راست گوئی کا خواست گار ہے تو اسوۂ رسول اس کا بنیادی منبع ومنہل ہے۔ یہی کلام رسول بلاغت وفصاحت کا بحر زخار ہے اس میں غواصی سے انسان کی زبان وبیان اور اس کی تحریر وتصنیف محاسن سے مملو ہو جاتی ہے۔ امام بوصیری کا یہ قصیدہ فکری اور ادبی اعتبار سے انتہائی قابل قدر ہے۔ امام بوصیری ایک صاحب فکر نعت گو ہیں۔ نعت گوئی فکر اور علم کے بغیر معتبر نہیں ہو سکتی ہے۔

شھـدت لہ الرسل الکرام واشفقوا مـن فـاضـل یستشھـدالـمفضولا

(تمام انبیاء اور رسل نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گواہی دی اور سب کے سب جو فضیلت شدہ ہیں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طلب گار ہوئے۔)

قــارنــتُ نــور الــنـيـران بـنـوره   فـرأيـت نـور الـنـيـرين ضئيلا

(ہم نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کا یہودیت اور عیسائیت کے نور سے موازنہ کیا تو اندازہ ہوا کہ یہ دونوں کس قدر مدھم ہیں۔)

ونسبتُ فضل العلمين لفضله   فـنسبت مـنــه الى الكثير قليلا

(ہم نے دنیا کے بہت سے اہل فضل کا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضل سے موازنہ کیا، ایک جم غفیر کی فضیلت کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فضیلت کے تناظر میں دیکھا تو انھیں کہتر پایا۔)

وارانــى الـزمـن الـجوادبجوده   لـمـا وزنــت بــه الـزمـان بخيلا

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سخاوت کے سبب دنیا سخی ہوگئی، جب میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک کا دیگر عہود سے موازنہ کیا تو اسے بخیل پایا۔)

امام بوصیری مختلف آہنگ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فضائل ومحاسن کو منظر عام پر لانے کے لے کوشاں رہتے ہیں۔آپ کے اسالیب دلنشیں سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تفردات جھلکنے لگتے ہیں، یہی چیز امام بوصیری کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے اور ایک نئے افق کا موسس بن جاتی ہے آپ کا ذہن رسا جدت طرازیوں کا متلاشی ہے۔آپ کی نعتیہ شاعری ایک منفرد فلسفے کی خالق ہے۔رسالت کی فلسفیانہ باریکیاں آپ کا نکتہ ارتکاز بنی رہیں۔اوراس کی تہہ داریوں کے آپ آئینہ دار بنے رہے۔

بث الفضائل فى الوجود فمن يرد   فـضـلا يـزده بـفـضـلـه تفضيلا

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے موجوات میں فضائل کو عام کیا، اگر کوئی فضل کا طالب ہے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فضل اس کے فضل کو سوا کردے گا۔)

فـالشـمـس لاتغنى الكواكب جملة   فـى الـفـضـل مـغـناها ولاتفضيل

(تمام ستارے فضل میں سورج سے بے نیاز نہیں ہوسکتے اور نہ ہی فضل میں اس کی برابری کرسکتے ہیں۔)

فـلـو استـمـد الـعـالـمون علومه   مـدتهـم الـقـطـرات مـنــه سبولا

(اگر اہل عالم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم سے استفادہ کریں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فیضانِ معارف کے چند قطرات انھیں سیراب کردیں گے۔)

فتـلـقّ مـا تستـطيع مـن انـواره   إن كـان رآيك فـى الـفلاح اصيلا

(پس تم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انوار سے جس قدر چاہو اپنے دامن کو بھر لو، اگر تمہاری

رائے فلاح انسانیت کے باب میں حقیقت پر مبنی ہے۔)

فلربما القی علیك کتابه　　　　قولاً من السر المصون ثقیلا

(کس قدر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال تم پر سربستہ قابلِ قدر رازوں کا انکشاف کرتے ہیں)

ذاك الذی رفع الهدی بیمینه　　　　علماً وجرد صارما مصقولا

(یہی وہ ذات ہے جس نے اپنے داہنے ہاتھ میں جھنڈے کو بلند کیا اور صیقل شدہ تلوا کو سونتا۔)

او ما تری الدین الحنیف بسیفه　　　　جعل لطهور له دما مطلولا

(اور کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جس نے اپنے دین حنیف کو اپنی تلوار سے استحکام بخشا ہے بہتے ہوئے خون سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے شفافیت بخشی۔)

والشرك رجس فی الانام وخیرما　　　　الفیتهٔ بدم العِدا مغسولا

(اور لوگوں میں شرک ناپاک ہے اور کس قدر بہتر ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دشمنوں کے خون سے اسے دھویا ہے۔)

مذکورہ اشعار میں امام بوصیری نے جہاد وقتال کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ چیز جبر وتشدد کو دبانے کے لیے ضروری ہے۔ بوصیری نے جہاد کو ایسے انداز میں ذکر کیا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صفت "**وما ارسلنٰك الا رحمة للعٰلمین**" متاثر ہوتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا کہ دین حنیف کا استحکام جہاد پر مبنی رہا ہے جب کہ اشاعت دین کا انحصار آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوہ پر رہا ہے۔ ویسے ''دم مطلول'' (ایسا خون جس کا بدلہ نہ لیا جائے یا قصاص نہ لیا جائے) کہہ کر امام بوصیری نے نبوی مزاج کو واضح کر دیا ہے لیکن یہ تصور دینا کہ شرک کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دشمنوں کے خون سے ختم کیا یہ مناسب نہیں ہے بلکہ آلائش شرک کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے توحید خالص سے دور کیا۔ سرسید کا مونوگراف ''غزوات سرایا'' [۳۱] ایک مدلل اور خوبصورت مضمون ہے۔ جس میں جہاد کو دفاعی بتایا گیا ہے۔ اگر یہ تحریر سامنے ہو تو سرسید کے علمی انداز سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دشمنانِ اسلام کا جواب مداہنت سے دیا کرتے تھے۔

یُهدی الی دارالسلام من اتقی　　　　وغدا بنور کتابه مکحولا

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس شخص کے لیے باعث ہدایت ہیں جس نے تقویٰ کو اختیار کیا اور کتاب عزیز کے نور کو اپنی آنکھوں کا سرمہ قرار دیا۔)

فاسمع شمائله التی ذکری لها　　　　قد کاد تحسبه العقول شمولا

(میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن شمائل کا ذکر کیا ہے اسے غور سے سنو، فکر وفہم یقیناً تصور کرے گی کہ وہ سارے عالم پر طاری ہو گیا۔)

من خلقه القرآن جل ثناء ه عن ان یکون حدیثه مملولا

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تصویر درصل تصویرِ قرآن ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ثناخوانی جلیل القدر ہے۔ یہ توصیفِ محمدی باعث اضطراب نہیں ہے۔)

واذا اتت آیاته بمدیحه رتلتُ منها ذکرة ترتیلا

(جب وہ آیات کریمہ میرے سامنے آئیں جن کا تعلق مدح رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے تو میں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح سے متعلقہ آیات کریمہ کی ترتیل سے تلاوت کیا۔)

إن امرئاً متبتلا بثنائه متبتل لالهه تبتیلا

(جوشخص دنیا سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ثناء کے ساتھ قطع تعلق ہو تو گویا وہ اللہ کے لیے منقطع ہوا ہے۔)

نعتیہ شاعری کا اصل مآخذ امام بوصیری کے نزدیک قرآن کریم ہے۔ اس کے بغیر نہ تو معتبر نعت لکھی جاسکتی ہے اور نہ ہی مستند سیرت ترتیب دی جاسکتی ہے۔ قرآن کریم قطعی الدلالہ ہے جو تمام شکوک وشبہات سے پاک ہے۔ مولانا فراہی کا خیال مبنی برحقیقت ہے کہ ''قرآن مجید قطعی الدلالہ ہے۔ ہر آیت میں احتمال محض ہمارے قلتِ علم وتدبر کا نتیجہ ہے''۔[۴] اس کے علاوہ قطعیت کسی ماخذ کو حاصل نہیں ہے اس کا احساس امام بوصیری کو شدت سے رہا ہے۔ جگہ جگہ اپنے قصائد میں اس کا اعادہ کرتے ہیں، لیکن معجزات کے حوالے سے بعض ضعیف روایات کا سہارا بھی لیتے ہیں یہ چیز ان کی نعتیہ شاعری میں بکثرت موجود ہے۔ جس کے بارے میں مولانا فراہی کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ''میں یقین رکھتا ہوں کہ صحیح احادیث میں اور قرآن میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ تاہم میں روایات کو بطور اصل نہیں بطور تائید کے پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد تبعاً اس سے متعلق احادیث کا ذکر کرتا ہوں''۔[۵] معجزات کے تعلق سے جس طرح ضعیف روایات سے استناد کیا ہے اس سے ان کا نعتیہ معیار متاثر ہوتا ہے۔

انی لاورد ذکره لتعطشی فأخال انی قد وردتُ النیلا

میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر کو بطور گھاٹ کے ذکر کرتا ہوں تاکہ پیاسوں کی پیاس بجھا سکوں، پس مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں دریائے نیل پر کھڑا ہوں۔)

والنیل یُذْکِرُ نی کریم بنانه فاطیل شوقی له التقبیلا

(دریائے نیل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیوں کے پوروں کو یاد دلاتی ہے تو اسے بوسہ دینے کی غرض سے نعت گوئی کو طویل کر دیتا ہوں۔)

من لی بانی من بنان محمد ۔۔۔ باللثم نلت المنهل المعسولا

(میں گویا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پوروں کو چوس رہا ہوں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ چشمۂ شہد سے لطف اندوز ہو رہا ہوں۔)

من راحة هی فی السماحة کوثر ۔۔۔ لکن واردها یزید غلیلا

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہتھیلی سخاوت میں مانند کوثر ہے، لیکن اس سے سیراب ہونے والوں کی تشنگی مزید بڑھ جاتی ہے۔)

مذکورہ اشعار میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیوں کے پوروں سے چشموں کی طرح پانی ابل رہا ہے اس کا فیضان وسیلان کبھی رک جائے یہ ناممکن ہے۔ جیسا کہ سورہ الرحمٰن میں جنت کے دونوں چشموں کے لیے کہا گیا ہے۔"فِيۡهِمَا عَيۡنَانِ نَضَّاخَتَانِ"(ان میں دو پُر جوش ابلنے والے چشمے ہیں) اسی کو اسی سورہ میں یوں بھی کہا گیا ہے:"فِيۡهِمَا عَيۡنَانِ تَجۡرِيَان" (جن میں دو بہتے ہوئے چشمے ہیں) مجھے محسوس ہوتا ہے کہ امام بوصیری نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیوں کے پوروں اور ہتھیلی کی جس سخاوت اور ان سے ابلنے والے پانی کا جو تصور پیش کیا ہے وہ دراصل مذکورہ بالا قرآنی تصور سے مستفاد ہے۔ پوروں کے اس بہاؤ کو دیکھ کر امام بوصیری کے تصور میں دریائے نیل کا تموج سامنے آتا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان پوروں سے سیراب ہونا ایسا ہی ہے جیسے انسان چشمہ ہائے شہد سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔ امام بوصیری کا وفور شوق دیکھیے کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پوروں کو چوسنا چاہتے ہیں۔ چوسنے کے لفظ سے شعر میں جان ڈال دی ہے اس میں کلام نہیں کہ امام بوصیری کا شعری وجدان کس قدر بلند ہے۔ یہی وجدانی ترفع ان کی نعتیہ شاعری کو چرخ اخیر پر لا بٹھاتا ہے۔

اذ قام عمك فی الوریٰ مستسقیا ۔۔۔ کادت تجر علی البطاح ذیولا

(جب عوام الناس کے درمیان آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا پانی کے طلب گار ہوئے تو کنکریلی وادیوں میں پرنالے بہہ نکلے۔)

ورفعت عام الفیل عنهم فتنة ۔۔۔ الفیت فیها التابعین الفیلا

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لوگوں کو عام الفیل کے فتنہ سے نجات دلائی، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم نے دیکھا کہ اس فتنے میں ہاتھیاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں تابع داری کرنے لگے)

بسحائب الطیر الابابیل التی جادتھم مطر الردی سجیلا

(جھنڈ در جھنڈ چڑیاں بادلوں کی طرح چھا گئیں اور اپنے ساتھ کنکریاں لے کر آئیں جو ہلاکت خیز بارش کی طرح ان پر برسا رہی تھیں۔)

یہ بات تاریخ سے ثابت ہے کہ عام الفیل کا واقعہ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قبل کا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عربوں کو اس سے نجات دلانا ایک دلیل سے عاری دعویٰ ہے۔ امام بوصیری نے یہ نقطہ نظر کس روایت کی روشنی میں پیش کیا ہے۔ اسے دیکھنے کی ضرورت ہے۔ اگر یہ محض شاعری ہے تو نعتیہ شاعری میں بے بنیاد خیالات کو لانا انتہائی نامناسب ہے، اسی طرح یہ خیال کہ ابرہہ کے ہاتھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تابعداری کرنے لگے ایک بے بنیاد خیال ہے۔ مولانا حمیدالدین فراہی کی سورۃ الفیل ایک معرکہ آراء تفسیر ہے اسے دیکھنے اور اس سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہے جس میں اس خیال کی تردید کی گئی ہے کہ عربوں نے اس ابرہہ کا مقابلہ کرنے سے گریز کیا جو خانہ کعبہ کو ڈھانے آیا تھا۔ عربوں جیسی لڑاکو اور بہادر قوم اپنے دشمنوں کو قطعاً نہیں چھوڑ سکتی کہ وہ ان کی مذہبی اور معاشرتی علامت کو تخت و تاراج کریں اور اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں کہ وہ اپنے گھر کی خود حفاظت کرے گا۔ عربوں کو صرف اپنے اونٹوں کی فکر ہو اور پناہ لینے کے لیے اپنے گھروں کو چھوڑ کر پہاڑوں میں نکل جائیں ان کے متعلق یہ تصور قائم کرنا مناسب نہیں ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مولانا شبیر احمد صاحب ازہر میرٹھی نے ایک مضمون کے ذریعہ مولانا فراہی کی اس تفسیر پر نقد کیا ہے۔[٦] جس کا جواب مولانا نسیم ظہیر اصلاحی نے مستند انداز میں تحریر کیا۔[٧] یہاں یہ اشارہ بھی مناسب ہوگا کہ پروفیسر الطاف احمد اعظمی نے اپنی تفسیر ''میزان القرآن'' میں مولانا فراہی کے اس خیال سے اختلاف کیا ہے۔[٨] مولانا فراہی نے اس موقف پر کلام عرب کی روشنی میں مدلل بحث کی ہے۔ مناسب ہوگا کہ ایک اقتباس یہاں نقل کر دیا جائے:

''الغرض اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ عربوں نے اپنے مقدس شہر کی حفاظت کی۔ یہی بات ہر پہلو سے قرین عقل معلوم ہوتی ہے۔ تمام عرب دل سے کعبہ کی عزت کرتے تھے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ قریش اس قدر مرعوب ہو جائیں کہ اس چیز کی حمایت کے لیے بھی ان کے خون میں کوئی حرارت نہ پیدا ہو جس پر اس کی تمام عظمت و سیادت کی بنیاد تھی۔ دین و مذہب کا سوال چھوڑ دو، وہ اپنے آبائی شرف کی تمام کائنات جیتے جی کیسے برباد ہوتے دیکھ سکتے تھے۔

علماء سیر کے بیان کے مطابق، ابرہہ کا حملہ موسم حج میں ہوا تھا، بعض شعراء کے اشعار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ ابرہہ کے آدمی قربانی کے کچھ اونٹ بھی ہنکا لے گئے۔ عکرمہ بن ہاشم بن عبد مناف نے اپنے اشعار میں اس واقعہ کا تذکرہ کیا ہے:

لاهم اخز الاسود بن مقصود الاخذ الهجمة فيها التقليد

(خداوندا! اسود بن مقصود کو رسوا کر جو قربانی کے اونٹوں کو جن کی گردنوں میں قلادے تھے ہنکا لے گیا۔)

بين حراء وثبير فالبيد يحبسها وهی اولات التطريد

(حراء ثبیر اور بید کے درمیان ان کو روکا اور وہ ہنکا لے جانے کے لیے تھے)

فضمها الی طماطم سود اخفره يا رب وانت محمود

(پھر ان کو حبشی غلاموں کے حوالہ کیا، خداوندا! تو اس کو اپنی امان سے محروم کردے۔ تو سزاوارِ حمد ہے)

اس وجہ سے اگر تھوڑی دیر کے لیے یہ مان بھی لیا جائے کہ قریش ہمت ہار گئے تھے، تو کیا سارا عرب ہمت ہار بیٹھا تھا؟ اور پڑھ چکے ہو کہ ان کے یکا دکّا قبائل، وقتاً فوقتاً ابرہہ کی فوج پر چھاپے مارتے رہتے تھے، پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ جب حج کے موقع پر ایک مرکز سے پوری اجتماعی طاقت کے ساتھ عین کعبہ کے سامنے، ان کو دشمن سے مقابلہ کرنے کا موقع ملے تو وہ کمزوری دکھائیں اور مقابلہ کرنے کے بجائے پہاڑیوں میں جا چھپیں؟ ایسی فضول بات کون باور کرسکتا ہے؟

عرب شعراء نے اپنے اشعار میں قبیلہ ثقیف کی ہجو کی ہے کہ خانہ کعبہ کی حمایت کے وقت اس نے بزدلی دکھائی اور دشمن سے ساز باز کرلیا، چنانچہ ضرار بن خطاب کا شعر ہے:

وفرت ثقيف الی لاتها بمنقلب الخائب الخاسر

(اور ثقیف ایک نامراد بھاگنے والے کی طرح اپنے معبود لات کی طرف بھاگ گئے۔)

ابرہہ کے ساتھ قبیلہ ثقیف کی ساز باز پر تمام روایات متفق ہیں اور ابو رغال ثقفی کی قبر اس گناہ پر کہ اس نے ابرہہ کی فوج کو رستہ بتایا تھا، سنگ باری کی گئی۔ پھر سوچنے کی بات ہے کہ اگر ثقیف کی طرح تمام عرب بھاگ گئے تھے تو آخر قبیلہ ثقیف ہی کا کیا قصور تھا کہ ان کی ہجو کی گئی پھر تو ان کا عذر بھی بالکل واضح تھا''۔ 9

ودعوتهم بالبينات من الهدیٰ وهززتَ فيهم صارماً مسلولا

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں ان واضح آیات کریمہ کے ذریعہ دعوت دی جن کا تعلق

ہدایت سے تھااوران کے مابین کھینچی ہوئی تلوار کی مانند نموار ہوئے۔)

واقمت ذاك الغضب فيهم قاضيا ونصبت تلك البينات عدولا

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کے مابین قاضی کی حیثیت سے تلوار بکف ہوئے اوران آیات بینات کوبطور عدل کے نصب کیا۔)

فطفقتَ لاتنفك تتلو آية فيهم وتحسم بالحُسام تليلا

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان میں مستقل آیات کریمہ کی تلاوت کرتے رہے،اورتلواران کی گردنوں پرلہراتے رہے۔)

حتى قضى بالنصر دينك دينه وغدا لدين الكافرين مزيلا

(یہاں تک کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین نے دین کفرکوختم کردیا،اورکفارکا دین ہواہوگیا)

وعَنَتْ لسطوتك الملوكُ ولم تزل براً رحيماً بالضعيف وصولا

(سلاطین آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سطوت وشوکت کے سامنے جھک گئےاورآپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غرباء پرشرافت اورکرم فرمائی اورصلہ رحمی کے ساتھ پیش آتے رہے۔)

امام بوصیری نے یہ وضاحت کی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قرآن کریم کواپنے تمام مسائل میں اوّلیت دی ہے۔وہی دعوتِ دین میں کام آتا،وہی عدل وانصاف کا مرجع قرار پاتا۔یوں جانیے تلاوتِ قرآن سے کبھی غافل نہ ہوئے۔آج امت مسلمہ تلاوت قرآن بلکہ تفکر قرآن سے لاپرواہ ہےجس کی وجہ سےمختلف فتنوں کاشکاراور باہمی اختلافات سے دوچار ہے۔امام بوصیری کا یہ خیال لائق تنقید ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے مخالفین کی گردنوں پرتلوارلہراتے رہے۔اس تصور سے سیرت کا تقدس مجروح ہوتا ہے۔

اللہ اعطى المصطفى خُلقا على حب الالہ وخوفہ مجبولا

(اللہ تعالیٰ نے نبی مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوایسی طبیعت عطا کی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ سےمحبت کرتے رہےاورخوفِ خدا آپ کی فطرت بن گیا۔)

غمر البرية عدلہ فصديقہ وعدوہ لايظلمون فتيلا

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عدل لوگوں پر چھا گیا،آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمن اور دوست ایک رسی میں نہیں بٹے جاسکتے تھے۔)

واذا اراد اللہ حفظ وليہ مخرج الھوى من قلبہ معزولا

(اور جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو سلامتی عطا کی تو ان کے دل سے خواہشات کو مکمل طور سے رخصت کر دیا۔)

رکب الحمارَ تواضعا من بعدما   رکب البراق السابق الھذلولا

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گدھے پر عجز کے ساتھ سوار ہوئے، جب کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تیز رفتار اور قوی البدن براق پر سواری کر چکے تھے۔)

آگے اشعار میں امام بوصیری نے اپنی نعتیہ شاعری کے خصائص بیان کیے ہیں اور نہایت خوبصورت انداز میں اپنے جذبات کو سپردِ قرطاس کیا ہے۔اسے پڑھتے ہوئے خاص کیفیت طاری ہوتی ہے۔امام بوصیری کے یہ جذبات کس قدر لائق تعریف ہیں کہ وہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی معیت میں جہاد کی معرکہ آرائیوں میں حصہ لینے کے متمنی ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں صحابہ کرام کے کروفر کا حصہ بننے کا طلب گار ہوں۔

أمعنني انی اطیل مدیحہ   من عدّ موج البحر عدّ طویلا

(مجھ پر الزام عائد کیا گیا کہ میرے نعتیہ قصائد بہت طویل ہیں یقیناً امواج بحر کو شمار کرنے والے ضرور اسے طویل قرار دیں گے۔)

انی ترکتُ من الکلام نُخالۃً   واخذتُ منہ لبابہ المنخولا

(میں نے کلام سے فضولیات کو خارج کر دیا ہے اور فراست پر مبنی منتخب کلام کو اختیار کیا ہے۔)

ماذا علیٰ من مدّحبل مدائح   فیہ بحبل مودۃ موصولا

(اسے کس بات کی پرواہ جو نعتیہ قصائد کی تزئین کر رہا ہو، جو حبِّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسی سے بندھا ہوا ہو۔)

قیدتہ بالنظم الا انہ   سبق الجیاد الی المدی مشکولا

(میں نے حبِّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو منظوم کیا، اور میرے ان مدحیہ قصائد نے ہدف متعین تک پہنچنے میں تمام تیز رفتار گھوڑوں کو پچھاڑ دیا۔)

امام بوصیری نے ''فیہ بحبل مودۃ موصولا'' کہہ کر اپنی اندرونی کیفیت کا انکشاف کر دیا ہے۔ گویا امام بوصیری کا یہ خیال ہے کہ میں حبِّ رسول کی رسی میں بندھنے کے بعد تمام شدائد سے محفوظ ہو گیا ہوں۔ یقیناً یہ شعر الہامی ہے، روح الہامی کے القاء کے بغیر یہ تصور آنا محال ہے۔نعتیہ شاعری انسان کو روحانی اور شعری فراست عطا کرتی ہے۔یہی اقبالؔ کی مومنانہ فراست ہے۔اس کے بغیر

عالمانہ کام نہیں کیا جا سکتا۔ اسی کا دوسرا نام حکمت قرآنی ہے جو آج امت کی گمشدہ میراث ہے جس کی وجہ سے تازیانۂ دہر اس کا مقدر ہے اور محکومی اس کی قسمت۔ فراست ایمانی کے بغیر قیادت نہیں ملتی۔ امت مسلمہ تم شاہین کہے جانے کے قطعاً حق دار نہیں۔ اپنی نعتیہ شاعری کے حوالے سے امام بوصیری نے مزید اپنی ذات کی تعریف یوں کی ہے:

انی امرء قلبی یحب محمداً　　ویلوم فیہ لائماً وعذولا

(میں ایک ایسا شخص ہوں جس کا دل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اٹکا ہوا ہے اور اس تعلق سے مجھے لعن وطعن کرنے والے کی ملامت کرتا ہے۔)

أاحبہ وأملُّ من ذکری لہ　　لیس المحب لمن یحب ملولا

(کیا یہ مناسب ہے کہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کروں اور ان کے ذکر کرنے سے میں اکتا جاؤں یقیناً کسی سے محبت کرنے والا اس کے ذکر سے ملول نہیں ہوتا ہے۔)

یالیتنی من معشر شھدوا الوغی　　معہ زماناً والکفاحَ طویلا

(کاش میں اس جتھا میں شریک ہوتا جنھوں نے عرصہ دراز تک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زیر سایہ طویل جنگیں لڑیں۔)

فاقوم عنہ بمِقْول وبصارم　　ابداً قوولاً ولافی رضاہ فعولا

(میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دفاع کرتے ہوئے ہمیشہ زبان وبیان اور تلوار سے کھڑا رہا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت میں زبان اور ہاتھ پیر سے تیار رہا۔)

طوراً بقافیۃ یریک ثباتھا　　کف الردیٰ عن عرضہ مشلولا

(میرے اختیار کردہ قافیہ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خوشی محسوس ہوتی اور زرہ پوش ہوکر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ہلاکت کو دور کرتا۔)

مذکورہ بالا اشعار میں امام بوصیری نے اپنے ذہن وفکر کی ترجمانی کی ہے، حبیب خدا کی ثنا خوانی سے انہیں لذت محسوس ہوتی ہے، ایسی لذت کہ اپنا سب کچھ بلکہ سرمایۂ حیات اس میں لگا دینے کو تیار۔ یہ حاشیہ خیال میں نہیں کہ ذکر حبیب سے طبیعت اوب جائے یا دل ڈوب جائے اور طبیعت کنارہ کشی اختیار کرنے لگے، امام بوصیری کا یہ کہنا ہے کہ میں تصور خیال میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ساتھ شامل ہوکر ناموس رسول کا محافظ بننا چاہتا ہوں۔ میرا دل حبّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لبریز ہے، قول وفعل دونوں سے حبّ رسول کی نمائندگی کرنے کا خیال ہے۔

فـاطرب إذا غنّی الحدید فخیرما   سـمـع الـمشوقُ الی النزال صلیلا
(پس تلواروں کی جھنکار سے خوش ہو جا، کس قدر بہتر ہے کہ جہاد کا شیدائی تلواروں کی ٹکراؤ کو سنے)

وأضــاء ت الایــام مــن أنـواره   فـاستـصحبت غرراً بها وحجولا
(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انوار سے دن روشن ہو گئے۔ اور دنیا انھیں انوار سے روشن اور تابناک ہو گئی۔)

فـلا قـطـعـنّ حبال تسویقی التی   مـنـعـتْ سـوای الی حماہ وصولا
(میں بہر صورت بعد کی رسی کو کاٹوں گا جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ تک پہنچنے میں میری راہ میں حائل ہے۔)

ولامـنـعـنّ الـعـیـنَ فیـہ مـنـامھا   ولأجـعـلـنّ لھا السھادَ خـلـیـلا
(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد میں آنکھ سے نیند کو بھگانا چاہتا ہوں اور بیداری کو آنکھ کا دوست ضرور بناؤں گا۔)

قـطـعـتْ حبـالَ البـعـد لما اعملت   شــوقــاً لـطیبۃ ســاعـداً مـفـتـولا
(دوری کی رسی ٹوٹ گئی جب شوق فراواں نے طیبہ میں حاضری کے لیے معاون رسی کو تیار کیا)

حتـی اضـم بـطیبۃ الشـمل الذی   انـضـیٰ الیھـا الـعِـرمـس الشملیلا
(جب میں نے برق رفتار اور قوی الجثہ اونٹنی کو مدینہ کے لیے تیار کیا تو مدینہ کو پہنچ گیا۔)

واریـح مـن تـعـب الـخـطـایـا ذمۃ   ثـقـلـتْ عـلیـھـا لـلـذنوب حُمولا
(مجھے گناہوں کے تکان سے راحت ملی، جن کے وزنی بوجھ کو اٹھانا آسان نہ تھا۔)

ویُسَـرُّ بـالـغـفـران قـلـب لم یزل   حیـنـاً بـطـول اِسـاء تی مشکولا
(دل دعائے مغفرت سے مسرور ہے، جو میرے طویل تر گناہوں کے سبب مشکلات میں رہا ہے)

واعـود بـالـفـضـل الـعظیم منوّلا   وکـفـی بـفـضـلٍ مـنـہ لی تنویلا
(میں فضل عظیم کی دستیابی کی غرض سے یہاں آیا ہوں، اس دربار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فضل کا پایا جانا ہی میرے لے کافی ہے۔)

اذا تـعـســرتِ الامـورُ فـانـنـی   راج لهـــا بـــمـــحـــمـــد تسهیـلا
(جب معاملات کٹھن جاتے ہیں تو دربار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سہولت کی امید ہوتی ہے)

یـا رب ھبـنـا لـلنبی وھب لنا   مــاسـولـتـہ نـفـوسـنـا تسویلا

(اے میرے پروردگار! ہمیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلق سے عنایت فرما، اور ہمیں وہ چیزیں عطا فرما جسے ہمارے نفوس نے لائق توجہ نہیں گردانا۔)

واستر علینا ما علمت فلم یطق منا امرء لخطیئة تخمیلا

(اور ہمارے گناہوں کا جو علم تمہارے پاس ہے اس پر پردہ ڈال دے، ہم سے کوئی بھی شخص اپنی خطاؤں پر شرمندگی کے اظہار کے سوا کچھ کرنے سے قاصر ہے۔)

وعطف علی الخلق الضعیف اذا رأی هول المعاد فاظهر التهویلا

(اس شخص ضعیف پر کرم فرما جو قیامت کی ہولنا کیوں کو دیکھ کر ڈر کا اظہار کرے۔)

یوم تضل به العقول فتشخص ابصار خوفاً عنده وذهولا

(جس دن عقل وفہم گم ہوجائے گی، اس کے دربار میں نظریں خوفزدہ ہوں گی اور بصارت گم ہوجائے گی۔)

امام بوصیری نے قیامت کی بلاخیزیوں کا ذکر کرتے ہوئے اپنے عجز کا اظہار کیا ہے۔ اپنے گناہوں پر پردہ ڈالنے کی اللہ سے درخواست کی ہے، صرف اللہ کی مہربانیاں جہنم کی آگ سے بچاسکتی ہیں۔ امام بوصیری اللہ سے قیامت کی سختیوں کے وقت مدد کے طالب ہیں۔ یہ بات پیش نظر رہے کہ نعت کی مختلف جہتیں اور وسعتیں ہیں جس کا مشاہدہ امام بوصیری کے یہاں کیا جاسکتا ہے۔ امام بوصیری کے نعتیہ قصائد نعت گو شعراء کے لیے میزان ومقیاس ہیں۔ اس کی روشنی میں نعتیہ مضامین میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ امام بوصیری نے الٰہیات کو موضوع بحث بنایا۔ اہل بیت کی رفعتوں کو منظوم کیا، خلفاء راشدین کے امتیازات کو قلم بند کیا، صحابہ کرام کے خصائص کو منکشف کیا۔ دشمنانِ اسلام کی خباثتوں کو طشت از بام کیا۔ قرآنی مضامین کی تفاسیر پر ارتکاز فرمایا، غزوات وسرایا کی نزاکتوں سے قارئین کو باخبر کیا، کتب مقدسہ کی مختلف جہتوں کو بیان کیا اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کی جلوہ آرائیوں پر اظہار خیال کیا۔ مختلف معجزات کی توضیحات کیں اور امت مسلمہ کے دگرگوں حالات نیز اپنی بے بسی پر اظہار ندامت کیا۔ غرض یہ کہ امام بوصیری نے اپنے نعتیہ قصائد میں جہانِ معانی کو پرونے کی حسین کوشش کی ہے۔ دربار خداوندی کے بعد دربارِ رسالت میں ملتمس ہیں:

اجعل لنا اللهم جاه محمد فرطاً تبلغنا به المأمولا

(بارالٰہا! دربار رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہمیں وہ حصہ دے کہ جس سے آرزوئیں پائے تکمیل کو پہنچیں۔)

واصرف بہ عنا عذاب جھنم کرما وکف ضرامَھا المشغولا

(بارالہا! کرم کرتے ہوئے ہم سے عذاب جہنم کو پھیر دے اور جہنم کی دہکتی ہوئی آگ میں جانے سے ہمیں بچالے۔)

واجعل صلاتك دائماً مُنھَلَّةً لم تلفِ دون ضریحہ تھلیلا

(اور اپنے درود کو مستقلاً آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر پر بہا تارہ، اور یہ ورد دِرود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر کے سامنے جاری ہے۔)

ماھزت القُضُبَ النسیمُ ورجعت ورقاءُ فی فنن الاراك ھدیلا

(جب تک بادِ نسیم کے جھونکے ٹہنیوں کو ہلاتے رہیں اور جب تک فاختائیں ڈھاک کی شاخوں پر کوکو کرتی رہیں۔)

امام بوصیری کا ایک قصیدہ ''ذخر المعاذ'' کے عنوان سے ہے۔ جو کعب بن زہیر کے مشہور قصید بانت سعاد کے وزن پر ہے جس میں دنیا کی بے ثباتی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور خواہشات دنیا میں غرق رہنے والوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے بعد اسلام اور رسالت کی جانب توجہ لانے پر زور دیا گیا ہے۔ یوم الحساب کے شدائد کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ عرب کے کفار ومشرکین کے رسوم وعادت پر روشنی ڈالتے ہوئے ان کی بت پرستی کی مذمت کی گئی ہے۔ اس کے بعد یہودیت اور عیسائیت کے حقائق پر اظہار خیال کیا گیا۔ اس کے بعد امت مسلمہ کی خصوصیت پر توجہ دی گئی ہے۔ نیز صراحت کی گئی کہ قرآن کریم کے علاوہ تمام کتب مقدسہ میں تحریف کی گئی۔ مذکورہ تمام مباحث قصیدہ کے ابتداء میں چھیڑے گئے ہیں۔ اس کے بعد امام بوصیری نے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مختلف زاویوں کا خوبصورت احاطہ کیا ہے:

والمصطفی خیر خلق اللہ کلھم لہ علی الرسل ترجیح وتفضیل

(اور نبی مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خلق خداوندی میں سب سے بہتر ہیں، تمام رسولوں پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر فوقیت اور برتری حاصل ہے۔)

محمد حجۃ اللہ التی ظھرت بسنۃ ما لھا فی الخلق تحویل

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دلیل ربانی ہیں جو عامۃ الناس کے مابین اپنی سنت کے ساتھ ظہور پذیر ہوئے جس کو محو کرنا ممکن نہیں۔)

نجل الاکارم والقوم الذین لھم علی جمیع الانام الطَول والطُول

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعلیٰ مکارم کے مالک ہیں، وہ قوم بھی تمام قوموں پر سخاوت اور درازی فضل میں فوقیت کی حامل ہے۔)

من کمّل اللہ معناہ وصورتہ فلم یفتہ علی الحالین تکمیل

(اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معنوی اور ظاہری صورت گری کی تکمیل کی ہے۔ چنانچہ دونوں چیزوں کی تکمیل میں کوئی کمی باقی نہیں رہی۔)

خصہ بوقار قرمنہ لہ فی انفس الخلق تعظیم وتبجیل

(اللہ تعالیٰ نے وقار خاص سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تزئین کی، تمام لوگوں کے نزدیک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صاحب تعظیم وصاحبِ جلالت ہیں۔)

من آدم ولحین الوضع جوھرہ المکنون فی انفس الاصداف محمول

(حضرت آدم علیہ السلام سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک آپ کا جوہر مکنون مختلف اصداف میں محمول رہا۔)

فللنبوۃ اتمام و مبتدأ وللفخر تعجیل وتاجیل

(چنانچہ نبوت کی ابتداء اور انتہا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افتخار کے لیے یہ آغاز واختتام ہے۔)

امام بوصیری نے اس روایت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ خیال پیش کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام سے قبل آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تخلیق کا آغاز ہو چکا تھا گویا نبوت کا آغاز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہوا۔ یہ روایت ضعیف ہے۔ قرآن کریم اور دیگر مآخذ سے صرف اتنا پتا چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم الرسل ہیں۔ پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے اپنے ایک مضمون میں اسی ضعیف روایت کو بنیاد بنایا ہے جس کی مدلل انداز میں پروفیسر احتشام احمد ندوی نے تردید کی ہے۔[10] امام بوصیری نے اپنے قصائد میں بہت سی بے معنی اور موضوع سے روایات استناد کیا ہے:

أنبأ سطیح وشق وابن ذی یزن عنہ وقس واحبار تعاویل

(سطیح اور شق (عرب کے کاہن) ابن یزن (یمن کے بادشاہ) قس (خطیب عرب) اور جلیل القدر عیسائی علماء نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کی خبر دی۔)

وعنہ أنبأ موسی والمسیح وقد أصغت حواریہ الفرُّالبھا لیل

(حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد کی خبر دی،

حضرت عیسیٰ کے صالح اور سردار حواریوں نے اس خبر پر توجہ دی۔)

بانہ خاتَم الرسل المباح لہ — من الغنائم تقسیم وتنفیل

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاتم الرسل ہیں جنھیں اموال غنیمت کی تقسیم اور کسی کو زیادہ دینے کا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اختیار حاصل ہے۔)

امام بوصیری نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد کی مزید تصویر کشی کی ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمد سے عالمی طور پر تکوینی تبدیلیاں رونما ہوئیں، فضا میں ایک خاص قسم کا نور تھا، جسے نور ربانی، نور رسالت، نور امانت، نور صداقت اور نور عدالت وغیرہ سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔آمد رسالت کی تصاویر مختلف سیرت نگاروں نے اتاری ہیں۔علامہ شبلی نے ''ظہور قدسی''[11] کے عنوان سے اسے خاص انداز میں بیان کیا ہے جسے پڑھتے ہوئے آمد رسالت کی عکاسیاں سامنے آنے لگتی ہیں۔امام بوصیری نے بھی آمد رسالت میں رنگ بھرنے کی کوشش کی ہے۔

ونار فارس أضحت وھی خامدۃ — ونھرھم جامد والصرح مثلول

(اور فارس کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی اور ان کی نہر خشک ہوگئی اور محل گر گئے۔)

ومذ ھدانا الی الاسلام مبعثہ — وھی الشیاطین والاصنام تجدیل

(اور جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کے بنیاد پر ہدایت دینی شروع کی تو شیاطین اور بت اوندھے منھ گر گئے۔)

انظر سماءاً غدت مملوئۃ حرساً — کانھا البیت لماجاء ہ الفیل

(تم آسمان کو دیکھو جو پہریداروں سے بھر گیا، گویا بیت اللہ اس وقت بیت محفوظ ہوا جب وہاں ہاتھی آئے۔)

لولا نبی الھدیٰ ما کان فی فلک — علی الشیاطین للأملاك توکیل

(اگر نبی ہادی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ آتے تو آسمان میں شیاطین پر فرشتوں کو بطور نگراں متعین نہ کیا جاتا۔)

امام بوصیری کے قصائد کا ایک امتیاز یہ ہے کہ وہ قرآن کریم کی اہمیت پر روشنی ڈالتے رہتے ہیں۔اس کے مختلف فضائل اور امتیازات کو گوش گزار کرتے رہتے ہیں۔ان کے نزدیک تفہیم رسالت قرآن کریم کے بغیر ممکن نہیں۔قرآن کریم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سب سے عظیم معجزہ ہے اس کی جہ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حجت ورسالت تمام ہوئی۔اس کتاب نے عربوں کا ناطقہ بند

کردیا۔اس کے سامنے ان کی زبان دانی، ان کا افتخار واستکبار، ان کی قبائلی قوت اوران کی محاذ آرائیاں خاموش پڑ گئیں۔یہ کتاب عزیز ہر فتنے کا سد باب کرسکتی ہے۔اس میں دین ودنیا دونوں ہے۔

وانظر فلیس کمثل الله من احد ولاکقول اتی من عنده قیل

(دیکھو کوئی بھی اللہ کی نظیر نہیں ہے اور نہ ہی کوئی فرمان آپ کے پاس سے اس فرمان کی طرح آیا)

لو یستطاع له مثل لجئ به والمستطاع من الاعمال مفعول

(اگر اس کتاب جیسی کتاب کسی کے لانے کے بس میں ہوتی تو ضرور لاتا اور لائق استطاعت اعمال ہوکر رہتے ہیں۔)

لله کم افحمت افهامَناحکمٌ منه وکم اعجز الالبابَ تاویل

(کتنی قرآنی حکمتوں کے ذریعہ اللہ نے ہمارے شعور کو معطر کیا، اور کتنے ارباب دانش کو تاویل آیات نے عاجز بنادیا۔)

یهدی الی کل رشد حین یبعثه الی المسامع ترتیب وترتیل

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی بعثت سے ہی ترتیب وترتیل کے ساتھ اس کو پڑھتے ہوئے رشد وہدایت کی جانب دعوت دیتے رہے۔)

وربما مجّۂ قلب به رِیب کما یمجّ دواء الداء معلول

(کتاب عزیز سے انسان اپنے قلبی وسوسے کو نکالتا ہے جس طرح مرض کی دوا مریض کو شفا بخشتی ہے)

مابعد آیاته حتی لمتبع والحق ما بعده الا الأباطیل

(قرآنی آیات کریمہ کے نزول کے بعد متبع کے تمام حقوق پورے ہوگئے، اس کے آنے کے بعد تمام چیزیں محض باطل ہیں۔)

مذکورہ اشعار میں قرآن کریم کی حقانیت موضوع بحث ہے۔اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے رشد وہدایت کا آخری صحیفہ قرار دیا۔اس کے آنے کے بعد تمام کتابیں اپنی معنویت کھو بیٹھی ہیں۔ایک تو یہ کہ قرآن کریم تمام تحریف وتغیر سے پاک ہے، قرآن کریم نے خود اپنے متعلق صراحت کی ہے کہ کسی طرح ذرہ برابر اس میں تحریف کرنے کی گنجائش نہیں ہے کیوں کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ پر ہے۔مولانا عبداللطیف رحمانی کی کتاب ''تاریخ القرآن'' میں اس موضوع پر مدلل گفتگو کی گئی ہے۔اس کے علاوہ آسمانی کتب میں تبدیلی واقع ہوچکی ہے۔سرسید کا یہ خیال کہ توریت اور انجیل تمام تحریفات سے پاک ہیں، یہ ایک لچر نقطہ نظر ہے۔[۱۲] غیر محرف کتاب ہونے کے سبب قرآن کریم

انسانی امراض کا نسخہ کیمیا ہے۔اس کی افادیت تا قیامت برقرار رہے گی۔یہی موثر اور آخری فرمان ہے۔حالات نت نئی تبدیلیوں کے ساتھ رونما ہوتے رہیں،علوم وفنون کی نئی بستیاں بستی رہیں گی اور انسانیت کو شرمسار کرنے والے پیدا ہوتے رہیں گے۔ان تمام چیلنجز کا دفاع اور مختلف سوالات کا جواب صرف قرآن کریم سے ممکن ہے اگر قرآن حکیم سے بے اعتنائی رہی تو انسانیت ضرور جاں بلب اور لہولہان رہے گی۔

وما محمد الا رحمة بعثت　　للعالمین وفضل الله مبذول

(حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر مبعوث کیے گئے اور یہ اللہ کا عطا کردہ فضل ہے۔)

هو الشفیع اذا کان المعاد غداً　　واشتد للحشر تخویف وتهویل

(کل بوقت معاد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بطور شفیع کے نمودار ہوں گے روز حشر بے حساب خوف ودہشت کا ماحول ہوگا۔)

فما علی غیره للناس معتمد　　ولا علی غیره للناس تعویل

(انسانوں کا غیر پر اعتماد نہ ہوگا اور اسی طرح کسی اور کی جانب مدد کے لیے لوگ نہیں بڑھیں گے۔)

إن امرأ شملته من شفاعته　　عناية لامرؤٌ بالفوز مشمول

(بیشک جو شخص آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عنایت وشفاعت کا سزاوار ہوا یقیناً وہ کامیابی سے سرفراز ہوا۔)

یہاں یہ صراحت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر روز قیامت کوئی کسی کی شفاعت نہیں کرسکتا، شفاعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہرگز یہ مفہوم نہیں کہ حبّ رسول ہی ہمارے تمام اخروی مسائل کا حل ہے بلکہ احکام شریعت کی پابندی ہی حبّ رسول ہے۔صالح اور شریعت کا پابند بندہ مومن ہی شفاعتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حق دار ہے۔صرف وردِ درود سے ہی ہم شفاعت رسول کے مستحق نہیں ہوں گے، پورے قرآن کریم میں شفاعت کا ہرگز یہ مفہوم نہیں ہے:

''شفاعت کا عقیدہ برحق، مگر قرآن پاک میں بالکل صاف طور سے بتا دیا گیا ہے کہ شفاعت کے لیے کسی کی زبان بھی صرف اللہ کی مرضی ہی سے کھل سکے گی اور صرف اسی کے لیے کھل سکے گی جس کے لیے مرضی اور اجازت ہوگی۔فرمایا گیا ہے:

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ اَذِنَ لَـهُ الـرَّحْـمٰنُ وَرَضِـيَ لَـهُ قَوْلًا۔ (سورہ طٰہٰ:۲۰/۱۰۹)

جس دن کام نہ آئے گی شفاعت مگر بس اس کو کہ جس کے لیے اجازت دی ہوگی رحمان نے اور پسند کی ہوگی اس کے لیے بات۔

نیز ارشاد ہوا ہے:

مَـا مِـنْ شَـفِيـعٍ إِلَّا مِـن بَـعْـدِ إِذْنِهٖ۔ (یونس:۱۰/۳)

کوئی نہیں ہوگا شفاعت کرنے والا مگر اس کی اجازت پا کر!

مَن ذَا الَّـذِىْ يَشْـفَـعُ عِـنْدَهٗ إِلَّا بِإِذْنِهٖ۔ (البقرہ:۲/۲۵۵)

کون ہے وہ جو شفاعت کر سکے اس کی جناب میں؟ ہاں مگر اس کی اجازت سے!

چنانچہ بہت سی آیتوں میں شفاعت کی بالکل ہی نفی آتی ہے جیسے:

يٰـاَيُّهَـا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُم مِّن قَبْلِ اَن يَّأْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ۔ (البقرہ:۲/۲۵۴)

اے ایمان والو خرچ کرو (اللہ کی راہ میں) اس کے دیئے ہوئے میں سے وہ دن آنے سے پہلے کہ جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی یاری اور نہ شفاعت و سفارش۔

اس کی نفی کے ذریعہ شفاعت کی اس حقیقت کو اور اُجاگر کیا گیا ہے کہ اس کے بھروسے پر وہاں خالی ہاتھ پہنچنا محض نادانی ہوگی''۔[۱۳]

حبّ رسول کے نعرے لگانے کے ساتھ زندگی صداقت و دیانت کے راستوں پر گامزن ہو، تو ہم شفاعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مستحق ہوں گے۔ تقوی القلوب اور حبّ رسول میں مکمل ہم آہنگی ہے حب رسول کا دم بھرتے ہیں اور انسانیت کے لیے عذاب بنتے رہیں تو یہ چیز اللہ اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دونوں کو پسند نہیں۔

لـو ان كل عـلا بـالسعى مكتسب ماجـاز حين نزول الوحى تزميل

(اگر سعی و کوشش سے ہر بلندی کا حصول ممکن ہے تو یہ جائز نہیں کہ بوقت نزول وحی اسے چھپایا جائے۔)

اعـلـى الـمـراتـب عـنـدالله رتبتـه فاعلم فما موضع المحبوب مجهول

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ سب سے اعلی ہے، تو اسے جان لو کہ حبیب خدا کا مقام مستور نہیں ہے۔)

من قاب قوسین او ادنیٰ له نزل وحق منہ لہ مثوی وتحلیل

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قاب قوسین یا اس سے بھی زیادہ قرب سے نوازا گیا، اس مقام پر جہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دخول کے حقدار تھے۔)

سرع الی المسجد الاقصی وعادبه لیلا براق یباری البرق هذلول

(وہ تیزی سے مسجد اقصی کی جانب بڑھے اور رات کے وقت وہاں سے اس براق کے ذریعہ لوٹے جو بجلی سے بھی زیادہ تیز تھا۔)

یا حبذا حال قرب لاأکیّفه وحبذا حال وصل عنه مغفول

(یہ سماں کس قدر پُرکشش تھا جس کی منظر کشی میرے لیے ممکن نہیں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ ملاقات کس قدر حسین ہے مگر گمراہ کو کیا پتا۔)

وکم مواهب لم تدر العباد لها أتت الیه وستر اللیل مسدول

(اور کتنی نوازشیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کی گئیں جس سے بندے بے خبر ہیں۔ ابھی شب ظلمت کھینچی ہوئی ہے۔)

هذا هو الفضل لا الدنیا وما رجحت به الموازینُ منها والمکاییل

(یہ وہ فضیلت ہے جو دنیاوی وہم وگمان سے بالاتر ہے اسے دنیاوی میزان ومقیاس میں تول نہیں سکتے۔)

وکم اتت عن رسول الله بینة فی فضلها وافقَ المنقولَ معقولٌ

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فضیلت کے باب میں کتنی وضاحتیں موجود ہیں، منقولات کی تائید معقولات سے ہوتی ہے۔)

نور فلیس له ظل یری وله من الغمامة اتی سار تظلیل

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور کا سایہ نہیں ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بادل سایہ کیے چلتا تھا۔)

ولا یری فی الثری اثر لأخمصه إذا مشیٰ وله فی الصخر توجیل

(مٹی میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نقش قدم دشمنوں کو نظر نہیں آتے جب کہ چٹان میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم کے نشان پڑے ہوئے ہیں۔)

دنا الیه حنین الجذع من شغف اذ ناله منه بعد القرب تزییل

(کھجور کا تنا عشق رسول میں بلبلاتا ہوا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قریب ہوا جب کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قرب کے بعد فراق سے دوچار رہوا۔)

امام بوصیری کی نعتیہ شاعری کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ دنیا کے سب سے عظیم معجزہ کتاب حکیم کے امتیازات کو بار بار ابھارنے کی کوشش کی ہے یہ صدفی صد مبنی بر صداقت ہے کہ قرآنی لطائف ونوادر پر ان کی نظر تھی۔ لیکن اسی کے ساتھ ان کی شاعری میں بارہا بہت سے ان معجزات کا اعادہ بھی ہوا ہے جن کا انحصار موضوع روایات پر ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ نعت گوشعراء نے اسے قابل اعتنا قرار دیا ہے۔ بہت سے معجزات صادقہ ہیں لیکن ان پر التفات کثیر باعث منفعت نہیں۔ آج تک آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نور اور سایہ رسالت حساس موضوع بنا ہوا ہے۔ راقم کا سوال ہے کہ یہ جدال وقتال اصلاح امت میں کس حد تک مفید ہے۔ انہی معجزات کا نام سیرت مقدسہ ہے؟ کیا یہ مباحث رشد وہدایت کے لیے کافی ہیں۔ حبّ رسول یہ ہے کہ قرآن کریم کو اپنا نامہ ہدایت قرار دیا جائے اور مستند احادیث سے تفسیر قرآن اور توضیح اسرار شریعت میں مدد لی جائے۔ توضیحِ معجزات میں اپنی صلاحیتوں کو صرف نہ کیا جائے:

وردالفین فی ریّ وفی شبع　　　اذ ضاق باثنین مشروب وماکول

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دو ہزار لوگوں کی پیاس اور بھوک کو دور کر دیا جب کہ یہ دو لوگوں کی پیاس بجھانے اور بھوک دور کرنے کے لیے ناکافی تھا۔)

ورد ماء ونوراً بعد ما ذھبا　　　ریق لہ بکلا العینین متفول

(آشوب چشم کے سبب پانی کا آنا بند ہوگیا جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دونوں میں اپنا لعاب مبارک لگایا۔)

ومنبع الماء عذباً من اصابعہ　　　وذاك صنع بہ فینا جری النیل

(اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیوں سے میٹھے پانی کا چشمہ رواں ہوا، اور یہ چشمہ شیریں ہمارے مابین دریائے نیل کی مانند رواں رہا۔)

وکم دعا ومحیا الارض مکتئب　　　ثم اثنی ولہ بشرٌ وتھلیل

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا سے بجھی ہوئی زمین لہلہانے لگی، پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مڑے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چہرے پر جگمگاہٹ اور زبان پر تسبیح خداوندی تھی۔)

واغیرتاحین اضحی الغارُ وھوبہ　　　کمثل قلبی معمور مأھول

(یہ ساعتِ سعید بھی کہ جس وقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غار میں موجود تھے (یہ غار اسی طرح آباد اور پُر کیف تھا) جس طرح میرا دل معمور و مسرور تھا۔)

کـأنـمـا المصطفی فیه وصاحبه الـصـدیق لیثان قد آواهما غیل

(حضرت مصطفیٰ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دوست حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس میں موجود تھے، دونوں شیر کی طرح تھے جنھیں گھنے دار درختوں نے پناہ دی۔)

وجلّل الغارَ نسج العنکبوت علی وهـن فیـا حبـذا نسـج وتـجلیل

(تارِ عنکبوت سے دہانِ غار مزید محفوظ ہو گیا واقعتاً یہ تارِ عنکبوت کتنا حسین اور کس قدر عظیم تھا۔)

عـنـایة ضـلّ کید المشرکین بها ومـا مـکـایـدهـم الا الأضـالیل

(اس پیرایہ حفاظت سے مشرکین کی فریب کاریاں ماند پڑ گئیں اور ان کی چالیں فقط گمراہیوں پر مبنی ہیں۔)

اذ یـنظرون وهم لا یبصرونهما کـأن ابـصـارهم من زیغها حُول

(جب وہ دیکھتے تو ان کا مشاہدہ کرنے سے قاصر رہتے، گویا ان کی نظریں بصارت سے محروم ہیں)

یہ بات پیچھے آ چکی ہے کہ معجزات پر بوصیری کی خصوصی نظر ہوتی ہے۔ بعض معجزات کے ذکر میں تکرار ہے۔ افسوس کہ ہمارے نعت گو شعراء نے اسے ارتکازی مبحث قرار دیا ہے۔ امام بوصیری نے فرمایا کہ بھیڑیئے، اونٹ اور ہر مولود نے رسالت محمدی کی تصدیق کی اور بندھی ہوئی ہرنی نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فصیح ترین انداز میں کلام کیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اشارے سے چاند کے دو ٹکرے ہو گئے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ سے کھجوروں کی پیداوار میں اضافہ ہوا۔ اس طرح کے معجزات سے امام بوصیری کی نعتیہ شاعری مملوء ہے۔ جو ان کا یہ ایک کمزور پہلو ہے۔

ان انکرته النصاری والیهود علی مـا بیـنـتْ مـنـه تـوراة وانـجـیل

(اگر یہود و نصاریٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا انکار کیا تو یہ بے معنی ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر تورات اور انجیل میں موجود ہے۔)

فـقـد تـکـرر مهـم فـی جحودهم لـلـکـفـر کفر وللتجهیل تجهیل

(چنانچہ ان کا انکار دن بدن بڑھتا گیا، یہ تو معلوم ہی ہے کہ کفر کا انجام کفر اور جہالت کے لیے جہالت ہے۔)

قل للنصاری الالی ساء ت مقالتهم فـمـا لـه غیر محض الجهل تعلیل

(نصاریٰ کو بتایا جائے کہ تمہاری باتیں نہایت بے کار ہیں ایسا صرف تمہاری جہالت کے سبب ہے)

مِنَ الیھود استفدتم ذالحجودَ کما من الغراب استفاد الدفنَ قابیل

(اے منکرین! تم نے یہود سے بالکل یوں استفادہ کیا جس طرح قابیل نے تدفین کے باب میں کوّے سے استفادہ کیا۔)

اما عرفتم نبی اللّٰہ معرفۃ الأ بناء اللنکم قوم مناکیل

(تم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اسی طرح پہچانتے ہو جس طرح اپنے بیٹوں کو لیکن تمہاری سرکشی تم پر حاوی ہے۔)

موتوا بغیظٍ کما قد مات قبلکم قابیل اذ قرّب القربانَ ھابیل

(اپنے غیظ و غضب میں ڈوب مرو جیسے تم سے قبل قابیل، ہابیل کی قربانی کے بعد مر گیا تھا۔)

مطالعۂ نصرانیت میں امام بوصیری کو دسترس حاصل ہے اس نے توریت، زبور اور انجیل کا متانت کے ساتھ مطالعہ کیا تھا۔ امام بوصیری کو تقابلِ ادیان میں خصوصی ملکہ حاصل تھا۔ نصاریٰ کی ذہنیت اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان کی مخاصمت، اسلام دشمنی اور کفار و مشرکین سے ان کی قربت کا مشاہدہ قریب سے کیا تھا۔ سورہ بقرہ میں یہود و نصاریٰ کی سوچ کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ قرآن سے استفادہ کے بغیر یہودیت کو نہیں جانا جا سکتا ہے۔ ہابیل و قابیل کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے اسی کی روشنی میں یہ اشعار منظوم کیے گئے ہیں۔ یہود اور رسالت کا ذکر بوصیری نے اس آیت کریمہ کی روشنی میں کیا ہے۔"**الذین آتینٰھم الکتٰب یعرفونہ کمایعرفون أبناء ھم**" (البقرۃ:۲/۱۴۶) (جنھیں ہم نے کتاب دی ہے وہ تو اسے ایسا پہچانتے ہیں جیسے کوئی اپنے بچوں کو پہچانے) اسی طرح اس نعت کا جو یہ مصرعہ "**موتوا بغیظ کما قدمات قبلکم**" ہے یہ آیت کریمہ "**قل موتوا بغیظکم ان اللّٰہ علیم بذات الصدور**" (آل عمران:۳/۱۱۹) (کہہ دو کہ اپنے غصہ ہی میں مر جاؤ، اللہ دلوں کے راز کو بخوبی جانتا ہے) قرآن کے مطالعہ کے بغیر یہودیت کا چہرہ سامنے نہیں آ سکتا ہے۔

آگے کے اشعار میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مجاہدانہ کاروائیوں کا ذکر ہے۔ مختلف جنگوں میں کفار و مشرکین کی ہزیمت پر روشنی ڈالی گئی ہے:

شکاحسا مُك ماتشکو جموعھم ففیہ منھا وفیھا منہ تفلیل

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تلوار نے تنہا وہ مظاہرہ کیا کہ جو مظاہرہ بڑی بڑی افواج کرتی ہیں۔)

للــہ یــوم حــنین حین کان بــہ کسـاعة البـعث تهويل وتطويل

(واللہ جب جنگ حنین میں معاملہ روز قیامت کی مانند نہایت خوف ناک اور طول پکڑ گیا تھا۔)

ويوم أقبلت الأحزاب وانهزمت وكـم خبـالهـبٌ بالشرك مشغول

(جس دن کہ مختلف جماعتیں آئیں اور شکست سے دوچار ہوئیں اور لباس شرک میں ملبوس کتنوں کی تیزیاں سرد پڑ گئیں۔)

جـاء وا بـاسلحة لم تحمِ حاملها ان الكماةَ اذا لم ينـصـروا ميـل

(وہ اسلحے سے لیس تھے لیکن حاملین اسلحے کو ان کے اسلحوں نے نہ بچایا، چنانچہ زرہ پوش محارب جب مدد سے محروم رہے تو گھوڑوں سے اتر آئے۔)

فـانـزل الـلــہ املاكـاً مسومة لبـوسهـا مـن سكينات سرابيل

(چنانچہ اللہ نے نشان زدہ فرشتوں (مخصوص آسمانی فوج) کو نازل کیا جنھوں نے لباس وقار کو زیب تن کیا ہے۔)

شاكی السلاح فما تشكوا لكلالَ ومن صــنــعِ الالــہ لهــا نسـجٌ تــأثيـل

(یہ اسلحہ سے لیس فرشتے تعب وتکان کی شکایت نہیں کرتے، اللہ کی تیاری کے سبب خوبصورتی اور عظمت ان کی شناخت ہے۔)

یہ بات بار بار اعادہ کی جاتی رہی ہے کہ امام بوصیری قرآن کریم کی نزاکتوں سے باخبر تھے۔ قرآنی مفردات، قرآنی اسالیب اور قرآنی مفاہیم سے انھوں نے اپنے نعتیہ اشعار کی تزئین کی ہے۔ مذکورہ بالا ایک شعر میں ''املاکاً مسومۃ'' آیا ہوا ہے جو قرآن کریم سے مستفاد ہے۔ لفظ ''مسومۃ'' سورۃ آل عمران میں یوں آیا ہے "هٰذا يـمـددكم ربكم بخمسة آلاف من الملائكة مسومين" (آل عمران: ۳/ ۱۲۵) اس آیت کریمہ کا تعلق جنگ بدر سے ہے۔ لفظ ''مسومۃ'' سورہ ہود اور سورہ الذاریات میں بھی آیا ہوا ہے اس پر مفسرین نے قابل قدر گفتگو کی ہے۔ مخالفین رسل وانبیاء پر آسمان سے جو بطور عذاب پتھروں کی بارش کی گئی اس پر خاص نشان کندہ ہوتا تا کہ یہ بتایا جاسکے کہ یہ عذاب کے لیے مخصوص ہیں۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ کنکری جس پر گرتی اس پر ان کا نام مرقوم ہوتا۔

يـوم بـدر اذ الاسـلام قد طلعت بـہ بـدوراً لهـا بـالـنصر تكميل

(جنگ بدر مختلف چاندوں کے ساتھ طلوع ہوئی، انھیں چاندوں کے توسط سے دین اسلام کی تائید کلی کی گئی۔)

سیئت بماسرنا الکفار منه وقد افنـی سـراتهم أسـر وتقتیل

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وجہ سے کفار کی درگت بن گئی اور سردارانِ کفار قیدی بنائے گئے یا تہہ تیغ ہوئے۔)

کـانـما هو عُرسٌ فیه قد جُلِیَتْ علی الظبا والقناروس مفاصیل

(ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے کوئی جشن ہو جس میں مشہورترین سرداروں کی تلواروں اور نیزوں کی نمائش کی جا رہی ہو۔)

والـخیـل ترقص زهواً بالکماة وما غیـرَ السیـوف بـأیـدیهم منـادیل

(اسلحہ سے لیس محاربین کے اوپر گھوڑے رقصاں تھے، جن کے ہاتھوں میں تلواروں کی سوا رومال نہ تھے۔)

فـلـوتـری کـل عضو من کماتهم مـفـصلاً وهـو مکفوف ومشلول

(اگر تم ان کفار محاربین کے اعضاء کا مشاہدہ کرو گے تو تتر بتر، زخم خوردہ اور از کار رفتہ نظر آئیں گے۔)

والارض مـن جُـثَـثِ الـقتلی مجللة والتُّـرب مـن ادمـع الاحیـاء مبلول

(زمین کفار مقتولین کی نعشوں سے ڈھک گئی اور زندوں کے آنسوؤں سے تر ہو گئی۔)

وصــار فـقـرُهـم لـلـمسلمین غنی وفـی الـمـصائب تفویت وتـحصیل

(کفار کا افلاس صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لیے آسودگی ثابت ہوا۔ یہ روایت رہی ہے کہ حوادث سے کچھ لوگوں کو محرومی ہاتھ آئی اور کچھ لوگوں کو سرفرازی نصیب ہوئی۔)

ویـوم عمَّ قلوبَ المسلمین أسی بـفـقـد عـمك والمفقود مجذول

(اور اس جنگ میں صحابہ کرام کے دل بجھے ہوئے تھے، کیوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے چچا (حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو شہادت نصیب ہوئی اور یہ نہایت عظیم حادثہ تھا۔)

جنگ بدر کے بعد جنگ احد کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں یہ صراحت ضروری ہے کہ امام بوصیری نے جنگ بدر کے تعلق سے قرآن کریم سے استفادہ نہیں کیا ہے۔ قرآن کریم میں جنگ بدر کو یوم الفرقان اور بینۃ کہا گیا ہے۔ یہ دونوں قرآنی لفظ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ اسلام اور کفر کے درمیان فیصلہ کن معرکہ تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گریہ وزاری کے ساتھ دعا کی تھی کہ بارالٰہا! کامیابی عطا فرما ورنہ زمین پر تمہارے نام لینے والے باقی نہ رہیں گے۔ یہ جنگ اسلام اور کفر کے

درمیان فیصل ثابت ہوئی۔ سیرت نگار مرحوم پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد نے اپنی کتاب ''مخالفتِ قریش اور رسالت نبوی'' میں جنگ بدر کی مدلل تصریح کی ہے۔ ان کی یہ تصریح قرآن کریم کی روشنی میں کی گئی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس سے استفادہ کیا جائے۔ یہاں ایک اقتباس نقل کیا جا رہا ہے تا کہ ان کے تاثرات سے آگاہی ہو سکے:

''جنگ بدر الکبری اس لحاظ سے بھی فیصلہ کن حیثیت سے معیار حق و باطل کی علامت ثابت ہوئی کہ کفار قریش آغاز دعوتِ نبوی/آغاز اسلام/ ۱۳، ۱۴ سال سے مخالفت وعداوت کا جو مظاہرہ کر رہے تھے اور اپنی تمام توانائیاں جنھوں نے اللہ کے رسول کی دشمنی میں لگا دی تھیں اس کا انجام (بہ طورِ سزا) سامنے آ گیا۔ علاوہ ازیں وہ اپنے تئیں دین آبا کی پیروی کو برسر حق سمجھتے تھے اور اس زعم باطل میں انھوں نے جنگ بدر کے لیے روانہ ہوتے وقت خانہ کعبہ کے پردے پکڑ کر یہ دعا مانگی تھی کہ خدایا! مسلمانوں اور کفارِ مکہ کے دونوں گروپوں میں سے جو (واقعی) حق پر ہے اور بہتر ہے اسے جنگ میں فتح ونصرت عطا فرما۔ بلکہ عین بدر کی رات ابوجہل نے خود بھی یہ دعا مانگی تھی کہ بار الٰہ! ہم میں سے جو قطع رحمی کرنے والا ہے اور اجنبی دعوت لانے والا ہے صبح اسے تباہ وبرباد کر دے۔ چنانچہ کفار ومشرکین مکہ کی یہ دعا اور فرعونِ امت ابوجہل کی یہ تمنا بہ این معنی قبول ہوئی کہ اللہ ورسول کے ماننے والے اہلِ ایمان کو فتح ونصرتِ خداوندی حاصل ہوئی جو حق اسلام پر تھے اور برسرِ باطل کفار ومشرکین کو کفر انکارِ اسلام اور اللہ ورسول کی مخالفت وعداوت کا بھیانک انجام، شکست، ہلاکت وبربادی کی صورت میں دیکھنا پڑا''۔[۱۴]

ونال احدی الثنایا الکسر و فی احد   وجاء یجبر منها الکسرَ جبریل

(جنگ احد میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے والے دانتوں میں سے ایک دانت شہید ہوا، اس شکستہ دانت کو لینے کے لیے حضرت جبرئیل علیہ السلام پہنچے۔)

فی مواطن شتی کم اتاک بها   نصر من الله مضمون ومکفول

(مختلف مواقع پر اللہ کی مدد سہارا اور کفیل بن کر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے آئی۔)

ملکت یداک الیمنی ملائکة   غرٌ کرام وأبطالٌ بهالیل

(فرشتے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دست یمین کے محافظ بن گئے جو نہایت روشن، بزرگ، سورما اور جامع الکمالات تھے۔)

یسارعون اذا نادیتهم لِوَغی ان الکرام اذا نودوا هذالیل

(جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انھیں جنگ کی آواز لگاتے تو وہ تیزی سے آتے، یہ ایسے فرمانبردار اور پاکباز ہیں کہ انھیں آواز دی جائے تو دوڑ پڑتے ہیں۔)

امام بوصیری کی ایک شناخت یہ ہے کہ انھوں نے اپنے مدائح میں آل نبی کا نہایت عقیدت سے ذکر کیا ہے۔ان کی عظمت وجلالت پر محبت کے پھول برسائے ہیں۔حبّ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ڈانڈا آل رسول سے ملتا ہے۔لیکن آل رسول سے محبت کا ہرگز یہ مفہوم نہیں کہ بہت سے صحابہ کرام کی شخصیات کو نیچا دکھایا جائے۔ یا حضرت علی اور حسن وحسین کے تعلق سے غلو کیا جائے۔مولنا علی میاں ندوی نے اپنی کتاب ''المرتضیٰ'' میں بہت سی مبالغہ آرائیاں کی ہیں۔[15] عباس محمود العقاد کی کتاب میں حضرت علی کے سلسلے میں حقائق بیان کیے گئے ہیں۔[16] متصوفین نے بھی حضرت علی کے تعلق سے بے بنیاد باتیں کہی ہیں۔ان کا یہ خیال کہ حضرت علی کا علم لدنی علم رسالت سے بڑھا ہوا ہے۔علم لدنی کے تعلق سے تمام مباحث بے بنیاد ہیں۔ پروفیسر عبید اللہ فراہی نے علم لدنی کے نقائص پر مدلل بحث کی ہے۔[17]

آل النبی بمن أوما أشبهکم لقد تعذر تشبیه وتمثیل

(آل رسول کو کس کے مساوی اور کس سے تشبیہ دی جائے؟ یہاں تو تشبیہات وتمثیلات کے دائرے بھی تنگ ہیں۔)

وهل سبیل الی مدح یکون به لأهل بیت رسول الله تأهیل

(کیا کوئی مدح کا راستہ ہے؟ کہ جس کے طرز پر آل بیت کی وہ توصیف ہو جس کے وہ حقدار ہیں۔)

جاء ت علی تلو آیاتِ النبی لهم دلائل هی للتاریخ تذبیل

(نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تعلق سے نازل ہونے والی آیات کریمہ آل بیت کی اہمیت بتاتی ہیں، یہ آیات بطور دلائل تاریخ کا حصہ ہیں۔)

معاشرٌ مارضوا إنی لمبتهج بهم وماسخطوا إنّی لمثکول

(کچھ لوگوں کو یہ پسند نہیں کہ میں آل بیت کا شیدائی ہوں، اگر میں ان میں سے کسی کو نظر انداز کروں تو اس پر برافروختہ نہیں ہوتے۔)

وان من باع فی الدنیا محبتم ببغضه الله فی الاخری لمرذول

(جس نے اہل بیت کی محبت کو دنیا میں فروخت کر دیا تو وہ آخرت میں اللہ کی ناراضگی کے سبب رسوا ہوگا۔)

حسب من نکلت عنهم خواطره ان مات او عاش تنکیل وتثکیل

(جن کے دل ان کی محبت سے پھر جائیں تو وہ چاہے مرجائیں یا باحیات رہیں وہ عذاب اور گراں باری میں رہے گا۔)

امام بوصیری کا جس طرح اہل بیت سے تعلق ہے اسی طرح صحابہ کرام کے ساتھ ان کی وارفتگیٔ محبت ہے۔گویا دونوں سے محبت کے بغیر حبّ رسول کی تکمیل نہیں ہوتی۔دونوں کے رتبوں کا پاس ولحاظ جزوایمان ہے۔قرآن کریم نے دونوں کی عظمت پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔امام بوصیری کی نعتیہ شاعری ان مضامین سے مملو ہے مندرجہ اشعار میں انھوں نے صحابہ کرام کے تئیں اپنے احساسات کا اظہار کیا ہے:

وکم لاصحابه الغر الکرام ید عند الاله لها فی الفضل تخویل

(اور کتنے ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابہ کرم ہیں جو روشن کردار اور عظمتوں کے حامل ہیں،جن کو دربار ایزدی میں جاہ خاص حاصل ہے اور وہ ایک مخصوص منزلت کے حامل ہیں۔)

قوم لهم فی الوغی من خوف ربهم حسن ابتلاء وفی الطاعات تبتیل

(یہ وہ صحابہ کرام ہیں کہ جنگ میں جن کی خشیت الٰہی کا عمدہ امتحان ہوا اور وہ اطاعتِ ربانی میں کلی طور سے اللہ کی طرف ہیں۔)

کأنهم فی محاریب ملائکة وفی حروب اعادیهم رآبیل

(گویا وہ محاذ جنگ پر ملائکہ تھے،اور اپنے دشمنوں کے لیے جنگ میں گھوڑے کی مانند تھے۔)

ولی فواد ونطق بالوداد لهم وبالمدائح مشغوف ومشغول

(میرا دل اور میری زبان دونوں ان کی محبت میں غرق ہیں ان کی ثناخوانیوں سے شغف وشغل ہے۔)

فان ظننت بهم ختلا لبعضهم انی اذن بغرور النفس مختول

(اگر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں سے کسی کے تئیں میرے دل میں میل ہے تو یقیناً میں نفسانی فریب دہی میں مبتلا ہوں۔)

ائمة الدین کل فی محاولة الی صواب اجتهاد منه موکول

(ائمہ دین تمام مباحث واجتہادات میں درست موقف اختیار کرنے کے لیے انہی پر انحصار کرتے ہیں۔)

امام بوصیری نے صحابہ کرام کے لیے اپنے جذبات کا اظہار کیا اور یہ بتایا کہ کسی صحابی کے لیے کسی دل میں ذرہ برابر بغض وعداوت ہے تو وہ ہوائے نفس کا شکار ہے۔ حضرت عائشہ، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نیز حضرت ابوسفیان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حوالہ سے جنھوں نے نازیبا کلمات استعمال کیے اور ان کے مقام ومرتبہ کی شناخت میں تساہلی سے کام لیا تو اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق وہ جہنم میں ہوگا۔ صحابہ کرام ہمارا دینی ورثہ ہیں، ہماری اسلامی تاریخ ہیں اور ہمارے اجتہاد واستنباط کا ماخذ ہیں۔ صحابہ کرام کی تذلیل کے لیے مجالس کا انعقاد اسلام کے تئیں عداوت ہے۔ یہاں یہ بھی کہنا ہے کہ ہم نے یوم صدیق، یوم عمر اور یوم علی کا اہتمام شروع کیا ہے جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ امت مسلمہ کے انتشار کا ایک دروازہ ہے۔ ''سپاہ صحابہ'' کے تعلق سے جو کاروائیاں پاکستان میں ہورہی ہیں وہ دین اسلام کے برعکس ہیں۔ اہل سپاہ صحابہ نے اپنے اشتہارات سے دیواروں کو رنگ ڈالا ہے، کیا کسی کی دیواروں کو اس طرح غلیظ کرنا صحابۂ کرام کے نزدیک مناسب ہوتا؟ محرم کے حوالے سے بڑے بڑے جلوس کا انتظام وانصرام یا جلوس محمدی کے قیام کا سلسلہ قطعاً دین اسلام کی ضد ہے۔ یہ تمام چیزیں ہماری اجتماعیت کے لیے سم قاتل ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہماری مساجد تقسیم نہ ہوں اور ہمارے اتفاق واتحاد میں شگاف نہ ہو۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حبیب خدا کے تئیں ہمارا نظریاتی اتحاد ہو، یہ امت مسلمہ کی بدقسمتی ہے کہ اس نے اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی تقسیم کر دیا ہے جس کی وجہ سے ہمارا اتحاد ہم سے بہت دور چلا گیا ہے۔

ولیس یدرک ادنی وصفہ بشر ایقطع الارض ساعٍ وھو مکبول

(یہ بشر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصف کے ادنیٰ حصے کا بھی ادراک کرنے سے قاصر ہے، کیا بیڑیوں میں جکڑا ہوا شخص اپنے سفر کو طے کرسکتا ہے۔)

کل الفصاحۃ عیٌّ فی مناقبہ اذا تفکرتَ والتکثیر تقلیل

(ہر فصاحت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مناقب کی تفسیر میں تنگ دامانی کا شکار ہے، جب کوئی اس پہلو پر غور کرے تو معلوم ہونا چاہے کہ لاکھ کثرت بیانی ہو پھر بھی کم ہے۔)

لوأجمع الخلق ان یحصوا محاسنہٗ اعیتھم جملۃٌ منھا وتفضیل

(اگر خلقت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محاسن بیانی میں لگ جائے تو ایک جملہ کی ترتیب اور

فضیلت بیانی کے باب میں وہ قاصر ہوں گے۔)

عُذراً اليك رسولَ الله من كلمى ان الكريم لديه العذر مقبول

(اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! میرے کلمات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تقدیم میں معذور و مجبور ہیں، بیشک بارگاہ ایزدی میں یہ عذر قابل قبول ہوگا۔)

ان لم يكن منطقى فى طيبه عسلاً فانه بمديحى فيك معسول

(یہ حقیقت ہے کہ میرے نطق میں خوشبوئے شہد نہیں، لیکن جب میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح سرائی کرتا ہوں تو یہی نطق لذت شہد کا حامل بن جاتا ہے۔)

هاحُلّةً بخلالٍ منك قد رُقِمتْ مافى محاسنها للعيب تخليل

(یہاں تو جو کچھ ہے وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خلیوں سے گزر کر رقم ہوا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محاسن و مکارم میں کسی عیب کی آزمائش کا قطعاً خوف نہیں۔)

لم أنتحلها ولم اغصب معانيها وغير مدحك مغصوب ومنحول

(میں کسی کی مدح کو اپنے نام نہیں کرتا اور مدحیہ معانی کی تقدیم میں زور آزمائی نہیں کرتا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ دیگر مدحیہ قصائد میں مغز ماری اور انتحال ممکن ہے۔)

وما على قول كعب ان توازنه فربما وازن الدر المثاقيل

(یہ مناسب نہیں ہے کہ کعب بن زہیر کی مدحیہ شاعری سے اس کا موازنہ کیا جائے، اکثر موازنین نے موتیوں کا موازنہ کیا۔)

وهل تعادله حسناً ومنطقها عن منطق العرب العرباء معدول

(کیا حسن شاعری اور قوت گویائی میں ان سے موازنہ ممکن ہے؟ ان کا قوت تکلم تو تمام عربوں سے منفرد ہے۔)

وحيث كنا معانرمى الى غرض فحبذا ناضل منا و منضول

(جب ہم دونوں نشانہ بازی میں حصہ لینے والے ہیں تو ہمارا تیراندازی میں سبقت لے جانے والا اور پیچھے رہ جانے والا دونوں لائق مبارک باد ہیں۔)

مذکورہ اشعار میں خاص بات یہ ہے کہ امام بوصیری نے نعتیہ شاعری میں اپنے عجز اور تہی دستی کو تسلیم کیا ہے کہ شمائل النبی کے ایک ذرہ کی تقدیم وتشریح ہمارے بس سے باہر ہے ہاں اتنا ضرور ہے کہ نعتیہ شاعری میں انتحال والحاق سے گریز کرتا ہوں۔ نعتیہ اشعار میں اپنے حقیقی موتیوں کو پرونے کا

تمنائی ہوں۔ جذبہ صادق کو سمونے کا شیدائی ہوں۔ اپنے اظہارِ غم میں امام بوصیری نے یہاں تک کہہ دیا کہ حضرت کعب بن زہیر سے میرا موازنہ کرنا لایعنی ہے وہ اپنی زبان دانی اور قوت تقدیم میں عربوں کو ماند کر دیتے ہیں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ انہی کی راہ کا راہی ہے یہ بے کس و ناچار بھی ہے گو کہ میں ان سے پیچھے ہوں لیکن مبارک باد اس لیے ہوں کہ انھیں کی ڈگر پر افتاں وخیزاں گامزن ہوں:

لما غفرتَ له ذنباً وصنتُ دما　　　لولا ذمامك اضحی وهو مطلول

(جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کعب کے گناہ کو معاف کر دیا تو انھوں نے کہا کہ میں اپنے خون کے تئیں محفوظ ہو گیا اگر وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد کی پناہ میں نہ آتے تو بغیر قصاص کے نہ چھوڑے جاتے۔)

رجوت غفرانَ ذنبٍ موجب تلفی　　　له من النفس املاء وتسويل

(میں اپنے کردہ گناہوں کی معافی کا طلب گار رہوں، جب کہ نفس کی جانب سے اکسانے اور گمراہ کرنے کا عمل مستقل جاری ہے۔)

ليس غيرك لی مولی اوملۂ　　　يعد الاله وحسبی منك تأميل

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علاوہ اللہ کے بعد کوئی ولی نہیں جس سے امید باندھوں، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے میری یہ پُر امید نسبت ہے۔)

ولی فواد مُحِبٍ ليس يقنعه　　　غير اللقاء ولا يشفيه تعليل

(میرا دل ایسا شیدائی ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملاقات کے بغیر اسے تسکین نہیں اور کسی علت سے اسے اطمینان نہیں۔)

متی تجوب رسول الله نحوك بی　　　تلك الجبال نجيبات مراسيل

(جب بھی اونٹنی مجھے سوار کر کے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک جانے کا قصد کرتی ہے تو یہ پہاڑیاں پیغام قربت سناتی ہیں۔)

فانثنی ويدی بالفوز ظافرة　　　وثوب ذنبی من الآثام مغسول

(محبت مجھے push کرتی رہتی ہے اور میرے ہاتھ میں پیغام کامیابی ہے اور میرا پیراہن گناہوں میں لت پت ہے۔)

اختتامیہ میں خانہ کعبہ اور مدینہ منورہ کا ذکر ہے۔ یہ اسلامی شہر کے دو مرکز ہیں۔ خانہ کعبہ کو ''قیاماً للناس'' کہا گیا ہے، یعنی اس کے بغیر امت مسلمہ بلکہ جملہ انسانیت کا قیام ممکن نہیں اور مدینہ منورہ کے

بغیر روشنی کا تصور نہیں۔ یہی شہر رسول بصارت اور بصیرت دونوں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں شہر رسول کی منظر کشی کی گئی ہے اور اس کے کیف پرور ماحول کی ستائش کی گئی ہے۔ امام بوصیری وہاں کی خوشبودار مٹیوں سے اپنی عاقبت سنوارنے اور اسے اپنی آنکھوں کا سرمہ بنانے کے لیے کوشاں ہیں۔ دہلیز رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مس ہوکر تزئین قسمت کے تمنائی ہیں۔ امام بوصیری کے یہاں دربار رسول کے تئیں بڑی وارفتگی ہے۔ انھیں ایسی تشنگی لاحق ہے کہ چشمۂ رسالت کے بغیر کوئی اور ان کی پیاس بجھانے سے قاصر ہے۔

نذرت إن جمعتْ شملی ببابك أو شَـفَـتْ فـوادی به قوداء شِمليل

(میں نے نذر مانی ہے کہ میرا شیرازہ دراقدس سے منظّم ہوجائے اور میں اپنی فرمانبردار اور برق رفتار اونٹنی سے دراقدس پر حاضر ہوکر اپنے دل کے لیے شفا حاصل کرسکوں۔)

ابلُّ من طيبة بالدمع طيبَ ثرىً لـغـلـتـی وغـلیـلـی منه تبليل

(طیبہ کی زرخیز مٹی کو آنسوؤں سے تر کر کے اس کی خوشبو سے محظوظ ہوں گا، ایک طرف اس سے میری پیاس بجھے گی اور دوسرے ہمارے درد کا درماں ثابت ہوگی۔)

دامـتْ عـلیك صـلوة الله يكفلها مـن الـمهيـمـن ابـلاغ وتوصيل

(اللہ کی جانب سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مستقلاً درود وسلام ہو، جس کے ترسیل وتبلیغ کی ذمہ داری رب نگہبان پر ہے۔)

امام بوصیری کا ایک قصیدہ ''قصیدہ محمدیہ'' کے عنوان سے ہے جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی مدح سرائی کی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مختلف اوصاف مثلاً اشرف الاعراب والعجم، باسط المعروف، صادق الاقوال، ثابت المیثاق، حاکم بالعدل، خیر خلق اللہ، دینہ حق النذیر، ذکرہ روح لانفسنا، کاشف الغمات، صفوۃ الباری، ضاحک للضیف، جاء بالآیات والحکم، نورۂ الہادی اور خاتم للرسل کی اس میں توضیح وتنقیح کی گئی ہے۔ امام بوصیری نے ان مکارم ومحاسن کی تفاصیل اس لیے بیان کی ہے کہ اسوۂ حسنہ کا ایک البم سامنے آجائے نیز انسانیت ان اوصاف سے خود کو مزین کرے۔ اگر ان مکارم پر ہمارا ارتکاز واعتناء نہیں ہے تو گویا ہم ذات اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چاہت سے غافل ہیں۔ اصل درود وسلام یہ ہے کہ سیرت مقدسہ کو اپنا پیش رو بنایا جائے۔ اس کے مطابق خود کو ڈھالنے کی کوشش کی جائے۔ لوگوں نے لباس، خاص طرز کے بال، عمامہ، اونچے پائینچے اور عین مکحول کو سیرت قرار دیا ہے۔ اصل سیرت تقویٰ القلوب ہے۔ لباس تقویٰ ہماری شناخت ہے

لیکن افسوس کہ سیرت مطہرہ کو ہم نے ایک خاص رنگ دیا ہے جو مناسب نہیں ہے۔سیرت مصطفیٰ کا حقیقی نام اور حقیقی عنوان قرآن کریم ہے۔

محمداشرف الأعراب والعَجَم　　محمد خير من يمشى على قدم

(محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرب وعجم کے سب سے بہترین شخص ہیں، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قدموں پر چلنے والوں سے زیادہ بہتر ہیں۔)

محمد باسط المعروف جامعةً　　محمد صاحب الاحسان والكرم

(محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نیکی کو جامع انداز میں عام کرنے والے ہیں، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم احسان وکرم کرنے والے ہیں۔)

محمد تاج رسل الله قاطبة　　محمد صادق الاقوال والكلم

(اللہ کے تمام رسولوں کے محمد تاج ہیں، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سچے اقوال اور سچی باتیں کرنے والے ہیں۔)

محمد ثابت الميثاق حافظهٔ　　محمد طيب الاخلاق والشيم

(محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایفاءِ عہد میں ثابت قدم اور اس کی پاسداری کرنے والے ہیں، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پاکیزہ اخلاق اور عمدہ عادات کے حامل ہیں۔)

محمد خبث بالنور طينته　　محمد لم يزل نوراً من القدم

(محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فطرت نور میں گندھی ہوئی ہے، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عرصہ قدیم سے نور ہی رہے ہیں۔)

محمد حاكم بالعدل ذو شرف　　محمد معدن الانعام والحكم

(محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باوقار ہوکر عدل کو جاری کرنے والے ہیں، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خزینۂ نعم وحکم ہیں۔)

محمد دينه حق النذير به　　محمد مجمل حقا على علم

(محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا طریقہ دین یہی رہا ہے کہ اس کے ذریعہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فریضہ انذار ادا کیا اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کلی طور سے صحیفہ علم ومعرفت ہیں۔)

محمد ذكرهٔ روحٌ لأنفسنا　　محمد شكرهٔ فرض على الأمم

(محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر ہماری روح ہے، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسم کا شکر تمام اقوام پر

فرض ہے۔)

محمد زینة الدنیا وبهجتها　　محمد کاشف الغُمات والظلم

(محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا کی زینت اوراس کا حسن ہیں، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مصائب کوٹالنے والے اوراندھیروں کودور کرنے والے ہیں۔)

محمد سید طابت مناقبه　　محمد صاغۂ الرحمن بالنعم

(آقاء نامدار محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مناقب خوشگوار ہیں، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کواللہ تعالیٰ نے نعمتوں سے آراستہ کیا ہے۔)

محمد صفوة الباری وخیرته　　محمد طاهر ساتر التهم

(محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کی خالص اورعمدہ ترین تخلیق ہیں، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صاف وشفاف اورتہمتوں سے پاک ہیں۔)

مذکورہ اشعار میں امام بوصیری نے سرورکونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عزت وعظمت کی عکاسی کی ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مختلف زاویوں کو بے چوں چرا آسان انداز میں منظرعام پر لادیاہے۔دقیق ومبہم اسلوب سے اجتناب کیا ہے۔ایسا اسلوب مرسل اسی کے اختیار میں ہے جسے زبان وبیان پرقدرت ہو،اس نعتیہ قصیدہ میں کہیں ٹھٹکانہیں،نشیب وفراز کا خطرہ نہیں،قاری کو پڑھتے ہوئے ثقل وگراں باری کا احساس نہیں، بڑی شگفتگی اورفرحت ومسرت کا سفر ہے جس میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر رنگ کا کس قدرحسین منظر ہے۔ذہنی اہتزار فزوں درفزوں ہے۔ یقیناً امام بوصیری عربی کے حامل ہیں جن کی مسدس کوایک اعتبار وافتخار حاصل ہے احمد امین نے اپنے مضمون''ادبنالایمثلنا''میں ادب کی تعریف پیش کی ہے۔۱۸؎یہ عالمانہ مضمون ہے جس سے احمد امین کی ادبی دسترس،فکری وسعت اورتنقیدی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔اس جامع تعریف پرامام بوصیری کی یہ کاوش پوری اترتی ہے:

محمد ضاحك للضیف مكرمة　　محمد جاره والله لم یُضم

(محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے اکرام ضیف کا فریضہ انجام دیتے ہیں، واللہ ہمسایہ محمد کبھی ظلم وجور کا شکار نہ ہوئے۔)

محمد طابت الدنیا ببعثه　　محمد جاء بالآیات والحکم

(محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے دنیا خوشگوار ہوگئی، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آیات کریمہ

اور حکمتوں کے ساتھ نمودار ہوئے۔)

محمد یوم بعث الناس شافعنا محمد ثورة الهادی من الظلم

(محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میدان حشر میں ہمارے شافع ہوں گے، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نورہدایت تاریکیوں سے بچانے والا ہے۔)

محمد قائم للہ ذو همم محمد خاتم للرسل کلهم ۱۹

(محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عزم صمیم کے ساتھ اللہ کے لیے کھڑے ہیں، محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام رسولوں کے خاتم ہیں۔)

عربی نعتیہ شاعری کا گراف نہ صرف بڑا ہے بلکہ معنوی اور فکری وسعتوں کا حامل بھی۔ عربی زبان نعتیہ شاعری کی موجد ہے اس نعتیاتی ایجاد نے دنیا کی دیگر زبانوں کو مالا مال کیا، عرب نعت گو شعراء کے تذکرے اور ان کے نعتیہ قصائد کے تراجم پر توجہ منعطف کی گئی۔ بالخصوص شاعر النبوۃ حضرت حسان ثابت نے اردو زبان کو فکری اور لسانی آہنگ عطا کیا، نعتیہ مضامین سے اردو زبان کو مالا مال کیا، حسان کی نعتیہ شاعری کی اساس یہ ہے کہ نعتیہ شاعری شرکیہ آلائش سے منزہ ہو۔ فارسی اور اردو دونوں نعت گو شعراء کے یہاں شرکیہ آمیزش کی یلغار ہے۔ نعتیہ شاعری کا اساسی تقاضا ہے کہ قرآن کریم کو سیرت مقدسہ کا آئینہ قرار دیا جائے۔ امام بوصیری کی نعتیہ شاعری بے شمار محاسن سے عبارت ہے لیکن بہت سے ایسے خیالات بھی ہیں جو تقصیرات پر مبنی ہیں۔ جن کا انحصار اسرائیلی اور موضوع روایات پر ہے۔ بے شمار ایسے معجزات سے ان کی نعتیہ شاعری مملوء ہے جو غیر معتبر اور غیر مستند ہیں۔ معجزات کی یہ کثرت بیانی ان کے نعتیہ وقار کو مجروح کرتی ہے۔ امام بوصیری کا یہ خیال کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تخلیق کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے قبل شروع ہو چکا تھا یہ ایک لایعنی اور بے بنیاد فکر وفہم ہے۔ قرآن کریم میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ احساس موجود ہے کہ "**فقد لبثت فیکم عمراً من قبله افلا تعقلون**" (یونس:۱۰/۱۶) (یقیناً اس سے قبل ایک طویل عرصہ تم لوگوں کے مابین میں نے گزارا ہے، آخر تم سمجھتے کیوں نہیں)۔ اس فرمانِ الٰہی کے بعد مذکورہ تصور بے بنیاد ہو جاتا ہے۔ آیت کریمہ سے واضح ہے کہ ماقبل نبوت اور مابعد نبوت پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کا رشتہ کسی اور دور سے جوڑنا عبث ہے۔ اسی طرح امام بوصیری کے یہاں یہ نقطہ نظر بھی موجود ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجسم نور ہیں، نور ہی سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تجسیم ہوئی جب کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت

پر قرآن کریم دال ہے۔مزید صراحت کی گئی کہ "**وقالوا مال هذا الرسول يا كل الطعام و يمشى فى الاسواق لولا انزل اليه ملك فيكون معه نذيرا۔**" (الفرقان:۲۵/۷) (انھوں نے کہا کہ یہ کیسا رسول ہے؟ کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، اس کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا جاتا؟ کہ وہ بھی اس کے ساتھ ہوکر ڈرانے والا بن جاتا) قرآن کریم کی صراحت کے بعد مسئلہ نور پر لڑنا، جھگڑنا اور صفحات کے صفحات سیاہ کرنا کارِعبث ہے۔اسی طرح معراج کے تعلق سے یہ تصور کہ جسمانی ہوئی تھی یا روحانی اس پر معرکہ آرائیاں غیر سودمند ہیں، لیکن افسوس کہ ان مسائل کو لے کر شیرازۂ امت بکھر رہا ہے اور دائرۂ کفر وسیع ہو رہا ہے۔اسی طرح مختلف نعت گوشعراء کی طرح امام بوصیری نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ''مولا'' کا لفظ استعمال کیا ہے جو فی الحقیقت اللہ کی صفت ہے اسے کسی اور کے لیے استعمال کرنا ممنوع ہے۔اللہ کا ارشاد ہے "**وان تولوا فاعلموا ان اللّٰه مولاكم نعم المولىٰ ونعم النصير**"(الانفال:۸/۴۰)(اگر روگردانی کریں تو بخوبی جان لیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارا رفیق ہے وہ بہت اچھا رفیق ہے اور بہت اچھا مددگار ہے) ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:"**واعف عنا واغفرلنا وارحمنا انت مولانا فانصرنا على القوم الكافرين**" (البقرۃ:۲/۲۸۶)(اور ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر تو ہی ہمارا مالک ہے ہمیں قوم کفار پر غلبہ عطا فرما) اس کے علاوہ آیت کریمہ ہیں جن سے یہی تاثر ابھرتا ہے کہ لفظ مولا کسی بندہ کے لیے استعمال کرنا صریحاً قرآن کریم کے برعکس ہے۔افسوس اس بات کا ہے کہ ببانگ دہل یہی لفظ حضرت علی کے لیے استعمال کیا جارہا ہے جو وصفِ الٰہی کے ساتھ جنگ ہے۔ پتا نہیں کس عہد میں علماء کرام کے لیے ''مولانا'' کا لفظ بولا جانے لگا جو بداہتاً قرآن کریم کے خلاف ہے۔ پروفیسر الطاف احمد اعظمی نے اپنی تفسیر میزان القرآن میں لفظ مولا کی حقیقت بیان کی ہے[۲۰] اور عالم دین کے لیے اس کے استعمال پر برہمی کا اظہار کیا ہے۔بخوبی معلوم ہے کہ راقم کو اس وضاحت سے ہدف ملامت بنایا جائے گا۔کاش امت مسلمہ ان احادیث کا سہارا نہ لیتی جس کی ضرب قرآن پر پڑتی ہے، قرآن کے بالمقابل ہم حدیث کی تاویل نہیں کریں گے بلکہ ان احادیث کو ترک کردیں گے جو مضامین قرآن کریم سے متصادم ہیں۔نعتیہ شاعری کے مآخذ میں اسرائیلیات اور موضوع احادیث بھی ہیں جس کی وجہ سے سیرت پاک کی نزاہت وثقاہت متاثر ہوتی ہے۔

یہاں بغیر کسی تامل وتردد کے یہ وضاحت کی جائے گی کہ امام بوصیری کی نعتیہ وجاہت کا اقرار واعتراف بہرحال ممکن ہے۔وہ نعتیہ شاعری کے منارہ نور ہیں۔ایسے سنگ میل کا احساس ہر عہد میں

ہر ادیب اور ناقد کرے گا۔ امام بوصیری کی نعتیہ شاعری کا ایک بین پہلو یہ ہے کہ انھوں نے اہل بیت کی پذیرائی کی ہے۔ نیز ان کے یہاں اہل بیت کا دائرہ وسیع ہے۔ حافظ صلاح الدین یوسف نے اہل بیت کی مناسب تشریح کی ہے:

> ''اہل بیت سے کون مراد ہیں؟ اس کی تعیین میں کچھ اختلاف ہے، بعض نے ازواج مطہرات کو مراد لیا ہے جیسا کہ یہاں قرآن کریم کے سیاق سے واضح ہے۔ قرآن نے یہاں ازواج مطہرات ہی کو (اہل البیت) کہا ہے۔ قرآن کے دوسرے مقامات پر بھی بیوی کو اہل بیت کہا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ ہود، آیت ۷۳ میں۔ اس لیے ازواج مطہرات کا اہل بیت ہونا نص قرآنی سے واضح ہے۔ بعض حضرات، بعض روایات کی رو سے اہل بیت کا مصداق صرف حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہم کو مانتے ہیں اور ازواج مطہرات کو اس سے خارج سمجھتے ہیں، جب کہ اوّل الذکر، ان اصحاب اربعہ کو اس سے خارج سمجھتے ہیں۔ تاہم اعتدال کی راہ اور نقطہ متوسطہ یہ ہے کہ دونوں ہی اہل بیت ہیں۔ ازواج مطہرات تو اس نص قرآنی کی وجہ سے اور داماد واولاد ان روایات کی رو سے جو صحیح سند سے ثابت ہیں جن میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اپنی چادر میں لے کر فرمایا کہ اے اللہ یہ میرے اہل بیت میں شامل فرمادے۔ اس طرح تمام دلائل میں بھی تطبیق ہوجاتی ہے۔'' (مزید تفصیل کے لیے دیکھیے فتح القدیر شوکانی) ۲۱

امام بوصری کے یہاں نعتیہ شاعری کی مکمل تعریف اہل بیت کے ذکر کے بغیر نامکمل رہے گی۔ اسی طرح امام بوصیری کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ انھوں خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام کی خدمات کو اپنی نعتیہ شاعری کا جزو لاینفک قرار دیا ہے۔ منجملہ صحابہ کرام کو دلی نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔ ان کے یہاں ایک ایک صحابی درجۂ تکریم وتعظیم مرتبۂ تفوق پر فائز ہیں۔ ان کے نزدیک ایسے لوگ لعین ورجیم ہیں جنھوں نے نعوذ باللہ چند صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے لیے سب وشتم اور تبرابازی کا جواز تلاش کرلیا جس کی وجہ سے انھیں روسیاہی ملی، امام بوصیری نے اپنے عجز وانکسار کا بھی ذکر کیا کہ ہم میدان نعت میں پیہم کوشاں ہیں لیکن شمائل النبی کی ذرہ برابر توضیح سے ہم قاصر ہیں، نعتیہ شاعری میں ہم درجہ اسفل پر فائز ہیں لیکن اسی نہج پر اپنی بساط کے مطابق سرگرم سفر ہیں۔ حضرت کعب بن زہیر کا

ذکر کرتے ہوئے اپنی بے بساطی اور کم مائیگی کا اظہار کیا۔ نیز دربار رسالت سے مطالبہ ہے کہ جس طرح انھیں معافی نامہ جاری کیا گیا اسی طرح اس خطا کار اور قصور وار کو بھی فرمانِ عفو سے سرفراز کیا جائے۔ امام بوصیری نے اپنے ثقل گناہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ اس بندۂ ناچیز کا لباس زندگی گناہوں میں شرابور ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربار کے جناب ایستادہ ہوکر اپنے بے جان قصائد کا حوالہ دیتے ہوئے دست بدعا ہیں۔ اسی دربار رسالت کے حضور امت کے مسائل کو بھی لے کر حاضر ہیں۔ انھیں یقین کامل ہے کہ سیرت مقدسہ سے وابستگی ہی رسوائیوں سے نجات کی ضمانت ہے اور یہی بکھرے ہوئے شیراز کے اتحاد کا سامان بھی۔ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ امام بوصیری کی نعتیہ شاعری نے اردو نعت گوشعرا کو بہت سے آداب سکھائے اور نعتیہ اصول وقواعد بھی وضع کیے۔ عالمی ادب میں امام بوصیری ایک ایسے بلند مقام پر فائز ہیں جہاں سے ان کی ایمانی فراست، نعتیاتی عبقریت، شعری تفردات اور لسانیاتی تبحر کو دیکھا جاسکتا ہے۔ اعترافات کے ساتھ ان کی نعتیہ شاعری کا ناقدانہ تجزیہ کیا جائے۔ ادب اور تنقید کا یہی رشتہ سود مند ہے۔ یہی ادبی، فکری اور تنقیدی فروغ بھی ہے۔ تقلید اور نری توصیف سے زبان وادب زنگ آلود ہوجاتے ہیں۔ مجھے خوشی ہے کہ میری تحریر کا ناقدانہ جائزہ لیا جارہا ہے۔ مجھے میری تقصیرات سے آگاہ کیا جارہا ہے لیکن ایک خاص انداز سے جہاں معروضیت نہ صرف مفقود وممنوع ہے بلکہ ملعون ومطعون بھی۔

حواشی:

۱- امام بوصیری کا نعتیہ کلام، تنقیدی جائزہ، پروفیسر ابوسفیان اصلاحی، دبستانِ نعت، نعت ریسرچ سینٹر۔انڈیا، خلیل آباد، سنت کبیرنگر، یوپی انڈیا، شمارہ:۶، جنوری-دسمبر ۲۰۲۱ء، ص:۳۲-۶۴

۲- امام بوصیری کی نعتیہ شاعری، ابوسفیان اصلاحی، دبستانِ نعت، نعت ریسرچ سینٹر۔انڈیا، خلیل آباد، سنت کبیرنگر، یوپی انڈیا، شمارہ:۵، جنوری-دسمبر ۲۰۲۰ء

۳- وضاحت کے لیے دیکھیے: کیا اسلام زبردستی اور جبر سے پھیلا اور کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دین حق کی اشاعت تلوار سے کی، مقالات سرسید، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول، دسمبر ۱۹۶۳ء، ۱۵/۴۱۲-۵۱۲

۴- مقدمہ تفسیر نظام القرآن، امام حمید الدین فراہی (ترجمہ از مولانا امین احسن اصلاحی)، دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ، ص:۵۳

۵- ایضاً، ص:۴۰

۶- وضاحت کے لیے دیکھیے: ماہنامہ جامعہ الرشاد، اعظم گڑھ، اکتوبر، نومبر ۱۹۸۵ء کے شماروں میں یہ مضمون

ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔

۷- مولانا فراہی کی تفسیر سورہ فیل پر اعتراضات کا جائزہ، مولانا نسیم ظہیر اصلاحی، تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، ۱۹۸۷ء، ۲/۶، ص: ۱۶۸-۱۹۲

۸- مولانا فراہی کا خیال ہے کہ ترمیہم کا فاعل قریش ہے لیکن پروفیسر اعظمی نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے بتایا کہ فاعل ''طیراً ابابیل'' ہے۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: میزان القرآن، الطاف احمد اعظمی، ایچ ایس آفسٹ پریس، چاندنی محل، دہلی- جولائی ۲۰۱۳ء، ۱۰۱۲/۳

۹- تفسیر سورہ فیل، استاذ امام مولانا حمید الدین فراہی (ترجمہ از مولانا امین احسن اصلاحی)، دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڑھ، طبع دوم، (بدون تاریخ) ص: ۴۸

۱۰- وضاحت کے لیے دیکھیے: نور محمدی کی اساطیری اختراع پردازی، پروفیسر احتشام احمد ندوی، سہ ماہی تحقیقات اسلامی، علی گڑھ، جولائی - ستمبر ۲۰۱۱ء، ۳/۳۰، ص: ۱۰۱-۱۰۶

۱۱- وضاحت کے لیے دیکھیے: سیرۃ النبی، شبلی نعمانی، دارالمصنّفین، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی طبع جدید ۲۰۰۳ء، ۱۲۰/۱

۱۲- وضاحت کے لیے دیکھیے: تبیین الکلام-تنقیدی مطالعہ (سرسید کا تصور ثقافت، پروفیسر ابوسفیان اصلاحی، ۲۰۱۷ء، اکادمی بازیافت، کراچی، ص: ۸۹-۱۱۳

۱۳- محفل قرآن (الفاتحہ-البقرہ) مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی، کاکوری آفسیٹ پریس لکھنؤ، پہلا ایڈیشن، مارچ ۲۰۰۷ء، ۳۱/۱

۱۴- مخالفت قریش اور رسالتِ نبوی، ڈاکٹر نثار احمد، ادارہ نقش تحریر، طبع اول، مئی ۲۰۱۳ء، ص: ۲۴۲

۱۵- وضاحت کے لیے دیکھیے: المرتضیٰ، ابوالحسن علی الندوی، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ، بار دوم، ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء، صفحات: ۴۳۲

۱۶- عبقریۃ الامام علی، عباس محمود العقاد، کتاب الہلال (بدون تاریخ)، صفحات ۲۰۸، اس کا ترجمہ منہاج الدین اصلاحی نے پاکستان سے کیا ہے۔ یہ ترجمہ ۱۹۵۴ء میں شائع ہوا، اس کے علاوہ آپ نے ''عبقریۃ الصدیق'' کا بھی ترجمہ کیا جو ۱۹۵۷ء میں چھپ کر منظر عام پر آیا۔ اسی طرح عقاد کی ''حیاۃ المسیح'' کو اردو میں منہاج الدین اصلاحی نے منتقل کیا جسے پاکستان کوآپریٹو پبلشرز لاہور نے شائع کیا۔

۱۷- وضاحت کے لیے دیکھیے: تصوف کا تجزیاتی مطالعہ، پروفیسر عبیداللہ فراہی، ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ، بار اول، جنوری ۱۹۸۷ء، ص: ۱۲۸-۱۵۵

۱۸- وضاحت کے لیے دیکھیے: ادبنا لا یمثلنا، الطبعۃ الثالثۃ مکتبۃ النہضۃ المصریۃ، القاہرہ ۱۳۸۲ھ/۱۹۵۳م، ۱۶۳/۱-۱۶۷

۱۹- امام بوصیری کی نعتیہ شاعری کی یہ تیسری قسط ہے۔ان تینوں اقساط میں مستعمل اشعار ان کے دیوان سے ماخوذ ہیں جن کی تفصیل مندرج ہے: (دیوان امام بوصری، علامہ حافظ محمد ذکاء اللہ سعیدی)، دارالسلام پرنٹنگ پریس، لاہور، پاکستان،ص:۱۴۷

۲۰- پروفیسر الطاف احمد اعظمی نے لفظ ''مولانا'' پر یہ اظہار خیال کرتے ہوئے ہیں یہ تحریر کیا ہے کہ مولا کا لفظ صرف اللہ کے لیے آتا ہے۔نہ جانے کب سے علماء کرام کے لیے استعمال ہونے لگا۔اس پر انھوں نے سخت برہمی کا اظہار کیا ہے۔

۲۱- تفسیر احسن البیان، تفسیر از حافظ صلاح الدین یوسف، دارالسلام، ریاض (بدون تاریخ)،ص:۹۹۲

☆☆☆

علامہ عتیق اثرؔ ندوی (دریاباد، سنت کبیر نگر، یوپی)

نعتیہ شاعری (اردو) کے زمانی گوشے

نثر و نظم دونوں میں خیال وواقعہ کی باہم پیوستگی سے زورِ اظہار اور جوشِ بیان کے ذریعہ ادب وجود پذیر ہوتا ہے، البتہ تخیّل کی کارفرمائی شاعری میں اغلبیت کے ساتھ ظہور میں آتی ہے، شاعری خواہ کسی زبان کی ہو اس کے مختلف ادوار ہوتے ہیں فطری انداز میں پیدا شدہ ماحول کے مطابق وقت کے طبّاع شعراء سے تخلیقات کا سرمایہ فراہم کیا جاتا ہے۔ البتہ شاعری جب فطری انداز سے گزر کر تکلّفات کے پَر سے اڑنے لگتی ہے تو اس میں صنائع بدائع کی کثرت کے ساتھ زلف و عارض، چشم وابرو، ہجر ووصل اور حکایت غمِ جاناں کے لطائف وکوائف ذہنِ شاعر پر حاوی رہتے ہیں۔ اردو زبان اس عہدِ دل براں، بزمِ ستم گراں اور نغمۂ آہ وفغاں سے گزری ہے مگر شاعری صرف زلف وعارض، چشم وابرو کی حکایت ہی نہیں رہی اور نہ صرف سخن سازی اور لطف اندوزی کا نام شاعری رہا، شاعری زندگی کے بڑے وقوعے اور حالاتِ شکست وریخت اور قوم وملت کے واقعات کی ایسی تصویر کشی ہے جس میں شاعر کے ذاتی تجربے کی پرچھائیاں جھانکتی رہتی ہیں۔

شاعری غیر محسوس طور پر احساس جمال پیدا کرنے، شعور کو نکھارنے اور ضمیر کو بیدار کرنے کا کام انجام دیتی ہے، اب اس کے لئے جن لوازم شعری کو برتنا ضروری ہے شاعر اس سے عہدہ برآ ہونے کے لئے اپنے تئیں ذوق ووجدان اور مطالعہ ومشاہدہ کو کام میں لاتا ہے۔

علامہ شبلی نے شعر العجم میں ایک جگہ لکھا ہے: ’’شاعری کی اصل حقیقت یہ ہے کہ شاعر کے دل میں کوئی جذبہ پیدا ہو اور وہ اس جذبے کو اسی جوش وخروش سے ادا کرے جس جوش سے وہ پیدا ہوا تھا‘‘ غزل کے شاعر کا روئے سخن عموماً اپنے محبوب کی جانب ہوتا ہے اس لئے اس کی ہمدردی اور محبت جس قدر اپنے محبوب کے تئیں والہانہ ہوگی اسی قدر کلام میں رنگ اور وصف کا اضافہ ہوگا اس طرح جب مطالعہ کیا جائے گا تو یہ بات مسلمہ طور پر سامنے آئے گی کہ دنیا کے کسی بھی رہنما، ہادی یا مرسل کو یہ امتیاز

اور برتری حاصل نہیں ہوئی جو ذاتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے ان کے فدائین ہر دور اور ہر ملک میں تا قیامِ قیامت اپنے محبوب ومطاع کی توصیف میں مشغول رہے اور رہیں گے اور وہ اس کو اپنی سعادت اور نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے فدائیوں نے اپنی جان ومال سب کو آپ پر نچھاور کر دیا تھا تو پھر ایک شاعرِ باغِ رسول کو اپنی تمام تر شعری صلاحیتیں نچھاور کر دینے کی آرزو کیوں نہ ہو، حافظ شیرازی نے بجا طور پر لکھا ہے:

جاں بداں روئے گرامی چہ کنم گر نہ دہم　　　مادرِ دہر نہ دارد پسرے بہتر ازیں

قرآن نے خود ہی آپ کے ذکر کو "**ورفعنالك ذكرك**"[الشرح:4] (اور ہم نے تیرا ذکر بلند کیا) کے ذریعہ بلند کرنے کا جو وعدہ فرمایا ہے آخر یہ عملِ رفعِ ذکر مختلف پیرایوں سے ہونا ناگزیر تھا۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

> ''دنیا میں ہزاروں انسانوں کے نام زندہ ہیں لاکھوں انسانوں کی زبان پر ہیں لیکن وہ مجرد نام ہیں جن کو اوصاف وکمال، سوانح وحالات، صفات وخصوصیات کا نشان نہیں ملتا، انسانی نسلیں صرف ان ناموں کو یاد کئے ہوئے سینے سے لگائے ہوئے ہیں ان کو ان کے کارناموں میں سے کچھ یاد نہیں رہا، ہوسکتا تھا کہ یہاں بھی یہی معاملہ ہوتا لیکن صرف نام کے زندہ اور بلند رکھنے کی ضمانت نہیں اس کے تذکرے پھیلانے اور اونچا کرنے کی ضمانت، اس میں سیر وتاریخ، اقوال وافعال، حلیہ وشمائل، اخلاق وعادات، نعت ومنقبت سب شامل ہوگئے کہ ذکر ان سب کو مستلزم ہے اور ان سب پر حاوی ہے۔''

[پیش لفظ عربی میں نعتیہ شاعری صفحہ 10۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس]

کیوں کہ شعرا ''غاوٗون'' کی صف سے نکل کر مومنین کی صف میں جب داخل ہوتے ہیں تو بجائے اسلحہ بزورِ زبان دفاعِ اسلام ان کا فریضہ ہوتا ہے اور تب حضرتِ حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نعت وتوصیفِ رسول سنانے کے لئے منبرِ رسول عطا ہوتا ہے اور حضرتِ کعب بن زہیر کو ردائے نبوی کی مبارک پیش کش ہوتی ہے۔

عربی زبان میں نعت گوئی مستقل صنف کی حیثیت سے نہیں رہی بلکہ ابتداءً مدحیہ انداز کے

قطعات کی صورت میں ہمیں اس کا مواد ملتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اسے مرثیے کے ذیل میں رکھا گیا اور پھر بعد کے زمانوں میں مشاہیر شہرۂ آفاق شعرا نے کما حقہ حصہ نہ لیا، پھر بھی نعتیہ اشعار کی تدوین کی کوششیں ہوئی ہیں، مثلاً "**المدائح النبوية فی الأدب العربی**" (مولف ڈاکٹر ذکی مبارک مطبوعہ قاہرہ 1971ء) اور "**المجموعة النبهائية فی المدائح النبوية**" (شیخ یوسف بن اسماعیل النبہانی)

نعت عربی میں قواعد کی ایک اصطلاح ہے جو صنف ہی کے لئے وضع کی گئی ہے عربی میں صفات وذاتِ نبوی کے بیان کے لئے مدح کا لفظ مستعمل ہے جیسا کہ مذکورہ دونوں مجموعوں کے نام سے واضح ہے۔

ڈاکٹر عبداللہ عباس لکھتے ہیں:

> ''جن حضرات کی طبیعتیں موزوں ہیں وہ اشعار اور نظموں کی شکل میں اپنی کیفیات قلبی کا اظہار کرتے رہے، یہ سلسلہ عصر اول سے اب تک قائم ہے اس نوع کی شاعری کو عربی میں "**المدائح النبوية**" اور اردو و فارسی میں ان کو نعت کہا جاتا ہے۔ نعت کے لفظی معنی صفت کے ہیں اور سچ یہی ہے کہ صفت تو دراصل انہیں کی صفت ہے جن کے اندر کائنات کا تمام جمال کمال کے ساتھ موجود ہے، جیسے حدیث کا ترجمہ بات یا گفتگو ہے مگر اصطلاح میں انہیں کی بات کو حدیث کہتے ہیں جن کی بات میں کائنات کی تمام سچائیاں جمع ہیں''
>
> (ڈاکٹر عبداللہ عباس: عربی میں نعتیہ کلام 24)

نعت کو نعت کہنے کی سبیل اس طرح سامنے آئی: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے اوصاف کے بیان میں فرمایا: "**من رأه بديهة أهابه ومن خالطه معرفة أحبه يقول ناعته لم أر قبله وبعده مثله صلی الله عليه وسلم**" [شمائل الترمذی: 567] یہیں ناعت سے نعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خوبصورت بامعنی لفظ شاعری کو نصیب ہوا۔ نعت کے لغوی معنی تعریف وتوصیف کے ہیں اس کی جمع نعوت ہے، مگر اصطلاحِ شاعری میں ذات وصفاتِ نبوی کے والہانہ بیان کو نعت کہتے ہیں۔ اگرچہ اس سے قبل اوصافِ نبوی کے بیان کرنے کا آغاز ہو چکا تھا، نبوت کے مرحلے سے پیشتر جناب ابوطالب نے ایک بار قریش کے مطالبہ پر قحط کے موقع سے بارش طلبی کے لئے اپنے بھتیجے کو کعبہ سے چمٹا کر دعا کی جس سے خوب تر بارش ہوئی۔ اس لئے ابوطالب نے ایسے موقع پر بے ساختہ یہ شعر کہا:

وأبیض یستسقی الغمام بوجهه ثمـال الیتـامی عصمة للأرامل

اوراسی طرح حضرت خدیجہ نے بھی وحیٔ اوّل کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سراسیمگی سے اطمینان دلانے کے لئے فرمایا تھا: "**کلّا واللّٰه لایـخزیك أبدا إنك لتصل الرحم وتحمل الکلّ وتکسب المعدوم وتقری الضیوف وتعین علی نوائب الحق**" وصف نبوت کا یہ بیان تاریخی اعتبار سے نعت کا دوسرا بیان ہے۔ سفر ہجرت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مع ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ام معبد کے یہاں پہنچے اور کمزور بکری کے دودھنے اور سیراب ہونے کا معجزہ سامنے، یا تو انہوں نے اپنے شوہر سے آپ کی مدح ونعت میں جو الفاظِ عالیہ پیش کئے وہ نعتِ نبی کے لئے اعلیٰ اسلوب کا مثالی نمونہ ہیں مثلاً: **وسیم قسیم فی عینـه دعجٌ وفی أشفاره وطفٌ وفی صوته صحلٌ، أحور، أکحل...... إذا صمت أعلاه الوقار، وإن تکلم أعلاه البهاء، أجمل الناس حلوالمنطق...... الخ**۔ [الرحیق المختوم 557]

اور جب آپ مدینہ پہنچنے کے قریب ہوئے اس وقت دخترانِ انصار کا یہ ترانہ نعت کا اوّلین ترانہ ہے:

طـلـع البـدر عـلیـنـا مـن ثـنیـات الـوداع
وجـب الشـکـر علینـا مـا دعـا لِـلّٰـه داع
ایهـا الـمبـعـوث فینـا جـئـت بـالأمر المطـاع

نعت کی ابتدا اصلاً نعتِ الٰہی سے ہوتی ہے مثلاً اللہ نے فرمایا: "**ورفـعـنـا لك ذکـرك**" [الشرح] اور فرمایا: "**إنا أعطیناك الکوثر**" [الکوثر:1] اور ربِّ ذوالکرم نے فرمایا: "**وَالنَّجمِ اِذا هَـوٰی۔ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُم وَمَا غَوٰی۔ وَمَا یَنطِقُ عَنِ الهَوٰی۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحیٌ یّوحٰی۔ عَـلَّمَه شَدِیدُ القُوٰی۔ ذُومِرَّةٍ، فَاستَوٰی۔ وَهُوَ بِالاُفُقِ الاَعلٰی، ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی، فَکَانَ قَابَ قَوسَینِ اَو اَدنٰی۔ فَاَوحٰی اِلٰی عَبدِہ مَا اَوحٰی۔**" [النجم:1-10] (قسم ہے ستارے کی جب وہ گرے۔ کہ تمہارے ساتھی نے نہ راہ گم کی ہے نہ وہ ٹیڑھی راہ پر ہے۔ اور نہ وہ اپنی خواہش سے کوئی بات کہتے ہیں۔ وہ تو صرف وحی ہے جو اتاری جاتی ہے۔ اسے پوری طاقت والے فرشتے نے سکھایا ہے۔ جو زور آور ہے، پھر وہ سیدھا کھڑا ہو گیا اور وہ بلند آسمان کے کناروں پر تھا۔ پھر نزدیک ہوا اور اتر آیا۔ پس وہ دو کمانوں کے بقدر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔ پس اس نے اللہ کے بندے کو وحی پہنچائی جو بھی پہنچائی)

رب کائنات نے یہ بھی فرمایا: "**اِنَّ اللّٰـه وَمَـلٰئِکَتَه یُصَلّونَ عَلَی النَّبِیِّ۔ یٰاَیّهَا الَّذِینَ**

اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَیهِ وَسَلِّمُوا تَسلِیمًا [الاحزاب:56] (اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اس نبی پر رحمت بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم (بھی) ان پر درود بھیجو اور خوب سلام (بھی) بھیجتے رہا کرو)

حکیم مطلق نے ایک اور جگہ فرمایا: "یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرسَلنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیرًا۔ وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذنِه وَسِرَاجًا مُّنِیرًا" [الاحزاب:45-46] (اے نبی! یقیناً ہم نے ہی آپ کو (رسول بنا کر) گواہیاں دینے والا، خوش خبریاں سنانے والا، آگاہ کرنے والا بھیجا ہے۔ اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ)

اور رب رحیم نے آپ کے بارے میں یہ بھی بشارت دی "وَمَآ اَرسَلنٰكَ اِلَّا رَحمَةً لِّلعٰلَمِینَ" [الانبیاء:107] (اور ہم نے آپ کو تمام جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر ہی بھیجا ہے)

نعت کا لزوم حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس حدیثِ پاک سے ہوتا ہے: "قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم لا یؤمن أحدکم حتی أکون أحب اِلیه من ولده ووالده والناس أجمعین" [مسلم 1،49] یہی وجہ تھی کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے دشمنانِ اسلام کے ہجو یہ کلام کا دفاع اپنی شاعری سے کیا اور فرمایا:

هجوت محمدا فأجبت عنه　　　وعند اللّٰه فی ذاك جزاء

اور اوصافِ ذاتیہ کو کچھ اس طرح بیان کیا:

وأحسن منك لم ترقط عینی　　　وأجمل منك لم تلد النساء
خلقت مبرأ من کل عیب　　　کانك قد خلقت کما تشاء

اسی طرح کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا مشہور ترین قصیدۂ بردہ تصنیف فرمایا جس کی ابتدا یوں ہے:

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول　　　متیم أثرها لم یفد مکبول
ان الرسول لنور یستضاء بها　　　وصارم من سیوف الهند مسلول

نعت کا یہ تسلسل عربی زبان سے ہوتا ہوا فارسی میں پروان چڑھا، اگرچہ فارسی کے سب سے پہلے صاحب دیوان شاعر رودکیؔ کے یہاں نعتیہ کلام مفقود ہے مگر اس کے بعد تمام قابلِ ذکر عظیم شعرا کا کلام اس برکت سے خالی نہیں ہے۔ فردوسیؔ، انوریؔ، سعدیؔ، حافظ شیرازیؔ، عرفیؔ، نظامیؔ، رومیؔ و عطارؔ، جامیؔ و قدسیؔ نے نعت کا حق ادا کیا ہے۔ اقبال نے بھی فارسی میں نعت نویسی کا جوہر پیش کیا ہے۔ چونکہ اردو فارسی کی خوشہ چیں ہے اس لئے اس نے بھی اس جانب قدم بڑھایا اور مستقل نعت و منقبت کا دفتر

فراہم کر دیا۔

بعض لسانی اور قومی خصوصیات نیز تاریخی اسباب کی بنا پر فارسی زبان کو اس باب میں تقدم حاصل ہے یہ زبان جس کی فطری ساخت ہی شعریت کے لئے موزوں ترین اور قدرتی جمال سے مزین ہے اس کے مست مئے پندار شعرا نے نعت نبوی کا بے مثال ذخیرہ چھوڑا ہے، رومؔی، عرفؔی، نظیرؔی، سعدؔی اور حافظ شیرازی کے علاوہ شعرا کا ایک جم غفیر اس صف میں شامل ہے۔

چونکہ اردو جو اسی فارسی زبان کی شیر خوار اور اسی کی ساختہ و پرداختہ ہے اس کی رگوں میں زبان پہلوی کا رنگ و آہنگ، لب و لہجہ، استعارات و تشبیہات خون کی طرح رواں دواں ہے وہ کسی طرح اس باب میں اس کے پیچھے نہیں رہی چنانچہ ابتدائے آفرینشِ زبان سے ہی اس کے جستہ جستہ نمونے ملنے لگتے ہیں، اردو کے اوّلین شاعر فخر الدین نظامی کی قدم راؤ پدم راؤ [1421-1435ء] میں حمد و نعت سے آغاز ملتا ہے۔ اردو زبان اپنے ایام طفلی ہی میں علاء الدین خلجی کے ساتھ دکن گئی اور وہاں پروان چڑھنے لگی، چنانچہ اس کے ابتدائی دور ہی میں جس کا بہمنی عہد 1350 سے 1525 ہے نعت و منقبت کے گیسو سنوارے جانے لگے تھے۔ محمد حسینی بندہ گیسو دراز کا ایک شعر ہے:

نور ہی رسول کا میرے جی میں بھایا ‏ ‏ ‏ اور معشوق نے خیال نور نبی نہ پایا

سلطان قطب اور شاہ محمد قطب شاہ کے کلام میں اور اصناف کے علاوہ نعت و منقبت کا بھی کافی حصہ ہے چنانچہ محمد قطب شاہ لکھتا ہے:

معانی شعر ترا تو لکھے دست بہ دست ‏ ‏ ‏ سدا تو مدحِ علی اور نبی کی کہتا ہے

ولی اور ان کے زمانے کے شعرا نے بھی مناجات اور نعت کے اشعار لکھنے میں کوتاہیٔ قلم سے کام نہیں لیا اور شاہِ میراں جی کی مثنوی ''شہادۃ الحقیقت'' نیز نظامی بیدری کی مثنویوں میں بھی حمد و نعت و منقبت کے اشعار کا ثبوت ملنے لگتا ہے۔

بیجا پور کا عادل شاہی دور 1490 سے 1668ء ہے وہاں برہان الدین جانم کی مثنوی ''ارشاد نامہ'' عبدل کی ''ابراہیم نامہ'' ملا نصرتی، حسن شوقی کی مثنویات میں نعتیہ اشعار ملتے ہیں مثلاً حسن کہتا ہے:

نبی رسول سے من لانا الا اللہ کہنا ‏ ‏ ‏ لاالہ کہنا الا اللہ میں رہنا

اسی طرح قطب شاہی عہد 1508ء سے 1687ء ہے جس میں سلطان محمد قطب، غواصی،

ابن نشاطی کی مثنویاں اور وجہی کی قطب مشتری ہمارے سامنے ہے ایک شعر ہے:

الٰہی بحق شفیع الامم تو رکھ میرے اوپر بس اپنا کرم

مغل عہد جس میں ضعیفی نے مثنوی میں نعتیں لکھی ہیں، شاہِ عنایت کی ''نورنامہ'' نعت نبوی پر ہی مشتمل ہے، سید محمد فراقی جو اس عہد کا نامور شاعر ہے عجیب نعت نہایت سلیس انداز میں لکھتا ہے کہتا ہے:

مدینے میں اگر پیدا ہوا ہوتا تو کیا ہوتا محمد کی گلی بھیتر فنا ہوتا تو کیا ہوتا

ازل کی دین میں یارب اگر مفلس بھکاری ہوں نبی کے آستانے کا گدا ہوتا تو کیا ہوتا

نظر ہو علم منطق اور معانی پر فراقی کیوں؟ اگر علمِ حدیثِ مصطفٰے ہوتا تو کیا ہوتا

معلوم ہوتا ہے زبان اب شیر خوارگی سے نکل کر گھٹنوں کے بل چلنے لگی تھی، فراقی کا آخری مصرعہ اس کی ایسی پاکیزہ تمنا کا پتہ دیتا ہے جو نہایت درجہ صالح اور مطلوب ہے اس کے احوالِ زندگی تحقیق طلب ہیں، اسی طرح ولی ویلوری کی ''روضۃ الشہدا'' میں بھی نعتیہ شاعری کا معیاری مواد ملتا ہے اور ولی دکنی کے یہاں بھی ایسے اشعار کی دستیابی ہے، کتابی صورت میں پہلی تصنیف جو منظوم نعتیہ کلام معلوم ہوتی ہے وہ امیر خسرو 1255، 1325ء کی خالق باری ہے اگر چہ محققین نے اس کے مصنف کی حیثیت سے دوسرے خسرو کا نام لیا ہے اس کے ابتدائی اشعار یہ ہیں:

خالق باری سرجن ہار واحد ایک بدا کرتار

رسول پیمبر جان بسیٹھ یار دوست بولے جو ہیٹھ

سید بلاقی نے معراج نامہ 1094ء میں تصنیف کیا۔ عہدِ مغلیہ میں عبدالحمید ترین کی مثنوی شمائل النبی 1111ء قریب میں لکھی گئی۔ ولی ویلوری نے 1159ء روضۃ الانوار تصنیف کی۔ پھر اردو نے دھیرے دھیرے عہدِ جوانی میں قدم رکھا ہے اور اسی دورِ قدماء میں سراج اورنگ آبادی اور مولوی غلام امام شہید کے نام آتے ہیں، سراج لکھتا ہے:

محشر میں سراج مجھے کیا خوف ایمان مرا محمدی ہے

تب مظہر جان جاناں، آبرو، حاتم، میر وسودا کا زمانہ آتا ہے۔ مظہر جان جاناں کا دربارِ شاہی سے آبائی تعلق تھا اور دین پسندی ان کی طبیعت کا خاصہ تھا، جان جاناں ایک باکمال صاحب علم بزرگ تھے اور طبعاً نازک مزاج بھی، رسولِ پاک سے والہانہ محبت کے سبب احادیث نبویہ سے بھی خاص شغف تھا، انہیں ایک متعصب مسلمان فولادخاں نے بتعصب جاہلانہ اچانک قرابین کے ذریعہ قتل کر دیا

تھا اسی حالتِ مجروحیت میں جس میں ان کی وفات ہوئی اپنا یہ شعر فارسی دہراتے تھے:

بنا کردند خوش رسمے بہ خاک وخون غلطیدن خدا رحمت کند ان عاشقانِ پاک طینت را

ان کے شاگردوں میں انعام اللہ یقین محمد باقر حزینؔ وغیرہ لائق ترین شعرا گزرے ہیں۔ جن کے یہاں مثنوی میں اور کہیں غزل کے فارم میں اشعار نعتیہ دستیاب ہیں اسی دور سے جڑا ہوا متنوع اصنافِ سخن کا تاجدار نظیرؔ اکبرآبادی ہے، اس کے بھی اشعار قابلِ مطالعہ ہیں:

محمد رحمۃ للعالمیں ہے حبیبِ حق شفیع المذنبیں ہے

رسولِ پاک ختم المرسلیں ہے

اور اردو کے عین نشۂ جوانی میں مومنؔ، غالبؔ، آشفتہؔ، آزردہ جنم لیتے ہیں جہاں مومن کے مومنانہ رویےّ میں ذاتِ نبوی کی صفات کی جھلکیاں نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہیں۔ مومن کہتے ہیں:

میں تو عاشق مگر اطلاق یہ ہے بے ادبی میں غلام اور وہ صاحب ہے میں امت، وہ نبی

......

خدا کے واسطے گرمِ دعا ہو بس مومن کہ منتظر ہے ازل سے اِجابتِ قدوس

مومن کے یہاں مذہبی کلامِ عقیدت ومحبت کی فراوانی ہے، البتہ غالب اس جانب خاص توجہ نہیں رکھتے پھر بھی انہوں نے لکھا ہے:

غالب ثنائے خواہ بہ یزداں گزاشتیم کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد است

پھر تو بیسویں صدی اس شان سے آئی کہ...... جدید رجحانات نے قدم جمایا۔ حالی اور آزاد اور شبلی نے اصطلاحات وضع کیں، جدید قوم، جدید علوم اور جدید تہذیب نے وسعتیں پیدا کیں۔ آزاد، حالی، شبلی اور دیگر شعرا نے مدحِ نبی کی حقیقی شکلیں دریافت کیں، حالی کی مسدس نے روایتی نعت کی بساط اُلٹ دی اور نبوی کارناموں کی یاد دہانی کے ساتھ مسلمانوں کی خستہ حالی کا موازنہ کر کے مسلمانوں کو ماضی شناس اور مستقبل کا حوصلہ مند انسان بنانے کی کوشش کی۔ سرسید نے مسدس کے تعلق سے تو یہ بھی فرمایا کہ میدانِ حشر میں اپنی نجات کے سامان کے طور پر حالیؔ کی مسدس کو پیش کریں گے، اس لئے کہ انہوں نے اس کے لکھنے کی تحریض کی تھی۔ اس بڑے آدمی کی یہ تعریفی تعبیر مسدس کی عظمت اور افادیت پر ایک بڑی دلیل ہے۔

شبلی کے جانشین علامہ سید سلیمان ندوی نے ان کے باقی ماندہ سیرت کے کام کو مکمل کیا اور شاعری بھی اسی طرز میں کی۔ ان کا ایک شعر ہے:

لے جائے گا منزل سے بہت دور بشر کو جو جادہ سفر کا، تیرے جادے کے سوا ہے

شبلی نے سیرۃ النبی کو تصنیف کے عالمی معیارِ تحقیق کے مطابق دنیا کے سامنے ایک نمونۂ علم پیش کیا اور آخر عمر میں لکھا:

عجم کی مدح کی، عباسیوں کی داستاں لکھی مجھے چندے مقیم آستانِ غیر ہونا تھا
مگر اب لکھ رہا ہوں سیرتِ پیغمبر خاتم خدا کا شکر ہے کہ خاتمہ بالخیر ہونا تھا

مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے تو نعت نبی میں جوش و کوائف کی دنیا ہی بسا دی اور سلسلہ کتب جاری فرمایا، ان کا مشہور نعتیہ سلام مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام، زبان زدِ خاص و عام ہے۔ اسی کا ایک بند ہے:

جب کہ پیدا شہِ انس وجاں ہوگیا دور کعبے سے لوثِ بتاں ہوگیا
مصطفیٰ جانِ رحمت لاکھوں سلام شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

......

سب سے اعلیٰ و اولیٰ ہمارا نبی سب سے بالا و والا ہمارا نبی

محسن کاکوری اور زائرحرم حمید صدیقی صرف نعت گو شاعر کی حیثیت سے پوری اردو دنیا میں جانے جاتے ہیں اشعار کچھ اس نوع کے ہیں مثلاً:

نہ میں نے کیا کچھ نہ جانا کبھی اوجِ رفعت کا قمر نخلِ دوعالم کا ثمر
مثبت حق و یقیں کاشف ہر شبہ وظن مگر سجدۂ آستانِ نبی ﷺ
بحرِ وحدت کا گہر چشمۂ کثرت کا کنول جس کی ہے شرعِ متیں ناسخ ادیان و ملل
(محسنؔ)

زائرحرم حمید صدیقی:

بھینی بھینی پھر شمیمِ جانفزا آنے لگی ٹھنڈی ٹھنڈی پھر مدینے کی ہوا آنے لگی
میں نے چھیڑا نغمۂ نعت اور اُدھر ہر سمت سے جیسے کانوں میں صدائے مرحبا آنے لگی

حالیؔ کا خمسۂ نعتیہ، قصیدۂ نعتیہ بلکہ مسدس مدوجزر اسلام اور کلام اقبالؔ نعت کی وسعت ہی میں داخل ہیں۔ اسی طرح مسدسِ حالی کی لے میں شکوہ جوابِ شکوہ کا شکوہِ بیان اور اس کی تاثیر بھی یکساں درجہ رکھتی ہے۔

اسی دور میں سید علی حیدر نظم 'طباطبائی' کا نعتیہ سرمایہ بھی لطف سے خالی نہیں ان کا شعر ہے:

ترا اعجاز قرآنِ مبیں ہے سامنے جس کے فصیحانِ عرب سے آج تک ہے سلب گویائی

مگر اس کے بعد دورِ موجودہ میں مرزا محمد ہادی عزیز لکھنوی وغیرہ کا زمانہ آتا ہے جس میں مولانا ظفر علی خاں، حفیظ جالندھری وغیرہ آتے ہیں۔ تفریحِ ذوق کے لئے عزیز لکھنوی کا اشعار دیکھے جائیں:

بزمِ توحید سے تخلیق کا نامہ آیا کوئی پہنے ہوئے قرآن کا جامہ آیا

چشمِ مژگاں سے لکھے اس نے ہزاروں دفتر جس کے مکتب میں دوات آئی نہ خامہ آیا

ظفر علی خاں بھی اپنی بے باک بیانی اور والہانہ محبتِ نبوی کی سرشاری کے سبب نعتیں لکھنے میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

بتادوں گا کہ خاکِ ہندیوں اکسیر رکھتی ہے مری پلکوں پہ جاروبِ حریم مصطفیٰ رکھ دے

انہیں استاذانِ شاعری کے ناموروں میں منظور حسین ماہر القادری کا نام بھی ہے جو مشہور نثری تصنیف ''دریتیم'' کے مصنف ہیں۔ ان کا بھی ایک شعر بطور نمونہ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے:

میں سرِ حشر کچھ اس شان سے اٹھا ماہر شور اُٹھا کہ محمد ﷺ کا غلام آتا ہے

اور انہیں ناموں میں ایک نام صاحبِ موجِ کوثر اقبال سہیل کا بھی ہے جنہیں نعت کی شاندار روِش اختیار کرنے میں کمال حاصل ہے۔

مگر المیہ یہ کہ اندھی عقیدت اور صحیح ماخذِ علم تک عدم رسائی کے سبب نعت کے باب میں جو لغزشیں ہوئی ہیں وہ نا قابلِ بیان حد تک افسوسناک ہیں۔

فضا ابن فیضی کی کتاب ''سرشاخِ طوبیٰ'' پر تبصرہ کرتے ہوئے ابن احمد نقوی وغیرہ نے نہایت درست لکھا ہے:

نام نہاد عقیدتمندوں، بے محار مداحوں اور بے راہ نعت خوانوں نے اس وادءِ پرنور کو تہہ ظلمات میں بدل دیا ہے، وہی قلابازیاں، فطری گمراہیاں، عقائد کے فساد اور تصوف کے غبار نے ہمارے نعت گو شعرا کو توحید کی حدوں سے نکال کر سرحد کفر و شرک تک پہنچا دیا اور شعرا قرآن کے الفاظ "**وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ**" **(الشعراء : 224)** (شاعروں کی پیروی وہی کرتے ہیں جو بہکے ہوئے ہوں) کا مصداق بن گئے۔

شاید اوراسی طرح کی خرافی شعریات کے لئے حالی نے مسدس میں لکھا تھا:

گنہگار واں چھوٹ جائیں گے سارے جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے

نعت میں رسولِ اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلمکی شخصیت مطہرہ کے عمومی محبوبانہ اندازِ تغزل کو وہ اہمیت

نہیں دینی چاہیے جو ان کے پیغمبرانہ کردار کی عکاسی کے خلاف ہو، بلکہ ہمیں شریعت کے وہ جوہر دکھانے چاہیے جو اصل جوہرِ رسالت ہے۔اس صورت میں تخلیق ادب وشعر کا شاہکار ہوسکتی ہے مگر افسوس کہ عموماً ایسا نہیں ہے،اس کے برخلاف شاعری اکثر اس انداز کی سامنے آتی ہے جس کی طرف حالی نے اشارہ کیا ہے۔مگر یہ ان کی بات ہے جن کی پیروی غاوٗن کیا کرتے ہیں اگر ایسا نہیں ہے تو پھر بیچارے حالی واقبال کا کیا ہوگا جو "**اِلَّاالَّـذِیۡنَ اٰمَـنُـوا وَعَـمِـلُـوا الصّٰلِحٰتِ وَذَکَرُوا اللّٰہَ کَثِیۡـرًا**" (**الشعراء: 227**) (سوائے ان کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا) کی صف کے شعرا میں شامل کئے جانے کے اہل ہیں۔موجودہ عہد میں جدید وقدیم اسلوب کے حسین امتزاج کے ساتھ توحیدی انداز لئے ہوئے نعتیں پیش کرنے کا تاریخی سہرا ابن فیضی کے سر بندھتا ہے جن کے نعتیہ کلام کے نمونے پوری اردو دنیا کے سامنے ہیں۔

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی یہ ایک معجزانہ دلیل ہے کہ دنیا میں کسی بھی عظیم سے عظیم ذات وشخصیت کی مدح وتوصیف کے لئے مستقل صنف کلام وضع نہ ہوئی جس کی معروف ہیئت اور فارم ہیں اور مخصوص معنوی حیثیت، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ نے ''داعیٔ اسلام'' جو صنعت مہملہ میں لکھی گئی حضرت صادق بستوی کی ایک مایہ ناز نعتیہ تصنیف ہے جس پر تبصرہ کیلئے ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہے، کے مقدمہ میں تحریر کیا ہے۔''حجاز کی سرزمین سے طلوع ہونے والے اس آفتاب کی روشنی سے سارا عالم منور ہوا آج جب کہ 14 صدیاں گزر چکی ہیں سیرت کے پہلوؤں پر اب بھی غور وفکر جاری ہے اور شعرا کے لئے یہ ایسا موضوعِ سخن ہے جس کی جاذبیت اور دلکشی کبھی کم نہ ہوگی''۔ [مقدمہ داعیٔ اسلام صادق بستوی]

لطف طبع کے لئے ان کی داعی اسلام کی صنعت مہملہ کا یہ شعر بھی عرض کرتا چلوں مثلاً:

اسی کی راہ سے اکمال ہوگا اس رسالہ کا اسی کے رحم سے احمال ہوگا اس رسالہ کا

مولانا محمد حسین آزاد نے اپنی کتاب آبِ حیات میں تاریخ ادب اردو کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا ہے اسی طرح اور مورخین نے بھی مختلف ادوار قائم کئے ہیں، البتہ نعت گوئی کی تاریخ کے تحقیقی مقالہ نگار ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق ناگپوری نے نو ادوار قائم کئے ہیں، اس لئے اس کے بعد آنے والے شعرا کا دور غالباً دسواں دور ہوگا، آیئے اس عہد کے چند شعرا کا بھی تذکرہ ہوجائے۔اس جدید ترین عہد میں نعت گویوں کی قطاریں ہیں مگر ان کا احصاء اس مضمون میں ممکن نہیں ہے البتہ چند نمایاں نام مثلاً: بہزاد لکھنوی، سیماب اکبرآبادی، احسان دانش، تابش مہدی، کلیم عاجز، حفیظ میرٹھی، صبیح رحمانی، انجم

جمال اثری، فضّا ابن فیضی، نہایت قابلِ ذکر نعت گو نامور شعرا کی صف میں ہیں۔ فضّا ابن فیضی ایک ایسا معتبر نام ہے جن کی نعتیہ کتاب ''سرِ شاخِ طوبیٰ'' سندِ اعتبار رکھتی ہے۔ مثالاً چند شعر اصحابِ ذوق کو دعوتِ مطالعہ دیں گے:

ضمیرِ صاحبِ امم، مرے نبی محترم — خمیرِ مایۂ حرم، مرے نبی محترم
امیر مسندِ حِکَم، مرے نبی محترم — مرے رسولِ محتشم، مرے نبی محترم

......

کشود تیری ذات سے، رموزِ لاالٰہ کی — صنم کدے کی خاک اُڑی جدھر جدھر نگاہ کی
شکست کھا گئے صنم، مرے نبی محترم — مرے رسولِ محتشم، مرے نبی محترم

کتب استفادہ:

(1) رحمۃ للعالمین۔ قاضی سلیمان منصور پوری
(2) سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ علامہ شبلی نعمانی
(3) تاریخ ادب اردو۔ رام بابو سکسینہ
(4) داستان تاریخ اردو۔ حامد حسن قادری
(5) گلِ رعنا۔ سید عبدالحیٔ حسنی
(6) شعر الہند۔ مولانا عبدالسلام ندوی
(7) شعر العجم۔ علامہ شبلی نعمانی
(8) آبِ حیات۔ مولانا محمد حسین آزاد
(9) اردو میں نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ناگپوری
(10) اردو نعتیہ شاعری۔ ڈاکٹر فرمان فتحپوری
(11) کلیاتِ اقبال
(12) مسدس حالی
(13) دیوانِ غالب
(14) عربی میں نعتیہ کلام۔ ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی
(15) الرحیق المختوم۔ علامہ صفی الرحمٰن مبارک پوری
(16) مجلّہ ''دبستانِ نعت''۔ ڈاکٹر سراج احمد قادری

☆☆☆

ڈاکٹر محمد آصف (امراوتی، مہاراشٹرا)

بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں چینی شہنشاہ کا نذرانہ عقیدت

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح وستایش ہر دور میں اور ہر زبان میں کی گئی ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیرکاروں کے ساتھ ہی غیر مسلم شعراء نے بھی عقیدت ومحبت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ عظمت نشان میں قصیدے کہے ہیں۔عربی، فارسی اور اردو میں متعدد ایسی نعتیں ملتی ہیں جو غیر مسلم حضرات کے قلم سے مورد وجود میں آئی ہیں۔اس کے علاوہ دیگر عالمی زبانوں میں بھی یہ سعادت بخش روایت دیکھنے کو ملتی ہے۔ان میں ایک چینی بھی ہے۔چینی میں نعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روایت مستحکم ہے۔ابتدائی شعراء میں چینی شہنشاہ Zhu Yuanzhang کا نام بھی ملتا ہے جس نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق اپنے جذبات کا اظہار ایک نعت میں کیا ہے جو سو (۱۰۰) لفظوں پر مشتمل ہے جس کا ہر مصرعہ چار لفظی ہے۔زیر نظر مضمون میں ہم اسی کا مطالعہ کریں گے۔

Zhu Yuanzhang چین کی تاریخ میں مِنگ سلطنت Ming Dynasty کا بانی ہے جو 1368 سے 1644 عیسوی تک قائم رہی۔مِنگ سلطنت کا تعارف درج ذیل ہے۔

مِنگ سلطنت Ming Dynasty

چین میں مِنگ سلطنت ۱۳۶۸ء سے ۱۶۴۴ء تک قائم رہی۔ یہ سلطنت تجارتی توسیع، بیرونی دنیا سے تجارتی روابط وتعلقات اور مغرب سے تہذیبی ربط، ادب وثقافت اور ڈرامہ کے لیے مشہور ہے۔(۱) تیرہویں صدی عیسوی کی ابتداء اور وسط میں چین کو مسلسل قدرتی آفات وبلیات سے سابقہ رہا۔ایسے ناگفتہ بہ حالات میں چین پر ظالم وجابر منگول یوان (Yuan) سلطنت ۱۲۷۹ء سے ۱۳۶۸

ء کے دوران قابض رہی۔ 1368ء کی قومی بغاوت (جس کی قیادت Zhu Yuanzhang کررہے تھے) نے منگول یُوان سلطنت کا تخت الٹ دیا اور ایک نئی سلطنت کی بنیاد رکھی، جس کا نام Da Ming (عظیم روشنی) رکھا گیا۔ Zhu Yuanzhang اس کے بانی اور پہلے شہنشاہ تھے۔ اس سلطنت کا دورِ اقتدار 276 سالوں پر محیط ہے۔ اس عرصے میں چین پر اس خاندان کے سترہ حکمرانوں نے حکومت کی۔(۲) اس عہد میں چین نے خوب ترقی کی۔ یہاں بہت سی اصلاحات کی گئیں، فنِ تعمیرات اور ادب وفن نے ترقی کے مدارج طے کیے۔ یہی وہ دور ہے جب کہ چین میں مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل ہوئی۔ عبادات پر کسی طرح کی کوئی پابندی نہیں تھی۔

چین میں اسلام کی روشنی منگ سلطنت تک

اسلام کی چین میں آمد کس طرح ہوئی اس کے واضح اشارات نہیں ملتے۔ Preaching of Islam کا مصنف لکھتا ہے:

> ''حالانکہ راست تاریخی شواہد کا فقدان ہے، لیکن یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ چین میں ابتداءً اسلام ان تاجروں کے ذریعے متعارف ہوا جو قدیم بحری راستے سے چین میں داخل ہوئے تھے۔''(۳)

اس کے بعد عرب اور چین کے تعلقات سازگار نظر آتے ہیں۔ چینی مسلمانوں میں ایک فسانہ مشہور ہے کہ چین میں سب سے پہلے اسلام کی تبلیغ نبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے ماموں نے انجام دی اور ان کا مشہور مقبرہ بھی Canton میں واقع ہے اور وہ اس کا انتہائی ادب واحترام کرتے ہیں۔ لیکن اس کہانی کو کسی طرح کی تاریخی بنیاد سچ ثابت نہیں کرتی اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ روایت بعد کے عہد میں وضع کی گئی ہے۔(۴)

کہا جاتا ہے کہ 713ء سے 742ء کے دوران مسلم چین میں داخل ہوئے۔ تیرہویں صدی عیسوی تک منگولوں کی یورش کے دوران بھی عرب، ایرانی، ترک اور دیگر قومیت کے مسلمانوں کے چین میں داخلے کے شواہد ملتے ہیں۔ پہلے پہل تاجر وفنکار یہاں وارد ہوئے، پھر فوجی اور جنگی قیدی یہاں لائے گئے، جنھوں نے رفتہ رفتہ یہیں پر سکونت اختیار کرلی۔ چینی عورتوں سے نکاح کرنے لگے نتیجے میں ان کی نسلی شناخت نے مخلوط روپ اختیار کرلیا۔(۵) بہت سے مسلمان منگولوں کے دورِ حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر بھی فائز رہے۔ قبلائی خان کے عہد میں مسلمان بڑے پیمانے پر یہاں آباد ہوئے۔ Marco Polo جسے قبلائی خان کی حمایت حاصل رہی اور وہ 1275ء سے 1292ء

تک چین میں مقیم رہا، اس نے Yunnan کے مختلف علاقوں میں مسلمانوں کے موجود ہونے کی نشاندہی کی ہے۔(٦) ہم عصر مورخین کے مطابق تیرہویں صدی کی ابتدا میں Yunnan کے دارالخلافہ Talifa کے تمام باشندے مسلمان تھے۔(٧) Preaching of Islam کا مصنف ابن بطوطہ کے حوالے سے تحریر کرتا ہے کہ:

> " In every town there is special quarter for the Muslims ,inhabited solely by them ,where they have their mosques, they are honoured and respected by Chinese"

'ہر شہر میں مسلمانوں کے لیے کوارٹر مختص ہیں، جہاں صرف مسلم ہی رہتے ہیں، جہاں ان کی مساجد واقع ہیں، چینی عوام ان کا عزت واحترام کرتے ہیں۔'(٨) بعدازاں مسلمان چینی آبادی میں گھل مل گئے، چینی عورتوں سے نکاح کرنے لگے، انھوں نے چینی طور طریقے اور وہاں کے تہذیب و تمدن کو اختیار کرلیا۔مِنگ عہد آنے تک مسلمانوں کے لیے حالات سازگار ہوگئے۔اس عہد تک اسلامی تعلیمات چین میں پھیل گئی تھی اور اس کا اثر عوام وخواص پر نمایاں نظر آنے لگا۔خصوصاً مِنگ سلطنت کے بانی Zhu Yuanzhang پر اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔اس کے عہد حکومت میں مسلمانوں کو خصوصی مرعات حاصل ہوئیں اور کئی مساجد بھی تعمیر کی گئیں۔

اس سلطنت کے حکمرانوں نے ان کی مغربی سرحد پر واقع مسلمان شہزادوں سے دوستانہ تعلقات قائم کیے۔تیموریوں اور چین کے درمیان سفارت کا قیام بھی عمل میں آیا۔مسلمان مبلغین نے اس کا فائدہ اٹھایا اور تبلیغ کے عمل کو فروغ دیا۔شاہ رخ بہادر نے ۱۴۱۲ء میں جب چینی سفیر کو سمرقند کے دربار میں دیکھا تو اس نے چینی حکمراں کو اسلام کے دعوت پیش کردی۔انھوں نے دو خط لکھے جن میں ایک عربی زبان میں تھا جبکہ دوسرا فارسی زبان میں تھا۔ان دونوں خطوط نے کلیدی کردار ادا کیا۔(٩) سید علی اکبر جنھوں نے پندرہویں صدی کے اواخر اور سولہویں صدی کی ابتدا میں پیکنگ میں چند سال بسر کیے، وہ کہتے ہیں کہ چین میں مسلمانوں کی بڑی تعداد رہایش اختیار کرچکی تھی کینجان فل شہر میں تقریباً ۳۰،۰۰۰ (تیس ہزار) مسلمان گھرانے آباد تھے۔وہ کسی قسم کا ٹیکس نہیں دیتے تھے اور انھیں شہنشاہ کی حمایت حاصل تھی۔اس نے انہیں زمینیں تفویض کی تھیں۔انہیں مذہبی معاملات پر عمل کرنے کی مکمل آزادی حاصل تھی۔چینی بھی اسے موزوں و مناسب گردانتے تھے۔تبدیلی مذہب کی مکمل آزادی

تھی۔دارالخلافہ میں چار مسجدیں قائم تھیں۔سلطنت کے حدود اربعہ میں تقریباً نوے ۹۰ مساجد واقع تھیں۔تمام مساجد کی تعمیر شاہی خزانے سے کی گئی تھی۔(۱۰)اس عہد تک اسلام اور اسلامی تعلیمات چین میں عام ہو چکی تھی۔

مِنگ سلطنت کے بانی اور پہلے شہنشاہ Zhu Yuanzhang کا تعارف

مِنگ سلطنت کے بانی Zhu Yuanzhang تھے ان کا نام ہانگ وو (Hong Wu) تھا۔ Zhu Yuanzhang کی پیدائش ایک غریب کسان کے گھر ہوئی تھی۔جب وہ سولہ سال کی عمر کو پہنچے تو چین میں شدید قحط پڑا۔جس میں آپ اور آپ کے بھائی کے علاوہ تمام افرادِ خانہ ہلاک ہو گئے۔ Zhu Yuanzhang نسبتاً کم پڑھے لکھے تھے،لیکن عمل کے پیکر،نہایت جری، باہمت اور انتہائی ذہین تھے۔(۱۱) Zhu Yuanzhang نے چین میں منگول حکومت کا خاتمہ کیا۔ انھوں نے Red Turban Movement چلائی جو سخت گیر بڈھسٹ White Lotus Movement کا پرتو تھی۔ابتدا میں انھوں نے جبراً مزدوری کی مخالفت کی۔اس دوران انھوں نے جنگ اور بغاوت کے علاوہ انتظامیہ کی ضرورت کو محسوس کیا۔ Zhu Yuanzhang کے باغی گروہ نے ۱۳۵۶ء میں نانجنگ پر قبضہ کرلیا۔ یہاں سے وہ کامیابی کے جھنڈے گاڑتے چلے گئے۔ Han Lin'er کی موت کے بعد وہ چین میں تنہا قدآور اور طاقتور راہنما رہ گئے تھے۔وہ کامیابی حاصل کرتے گئے حتیٰ کہ ۱۳۶۸ء میں انھوں اپنے شہنشاہ ہونے کا اعلان کردیا۔ Zhu Yuanzhang نے ۱۳۹۸ء تک حکومت کی۔ ان کے بعد مِنگ سلطنت ۱۶۴۴ء تک قائم رہی۔۲۷۶ رسال کے اس وقفے میں اس خاندان کے سترہ حکمرانوں نے حکومت کی۔(۱۲)

Zhu Yuanzhang کے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات

ہم دیکھ آئے ہیں کہ مِنگ سلطنت کے قیام تک چین میں مسلمان اور اسلامی تعلیمات پہنچ چکی تھی اور اس کا اثر عوام وخواص پر یکساں ہوا تھا۔ Zhu Yuanzhang بھی اس سے حد درجہ متاثر تھے۔وہ مسلمانوں کے لیے نرم دل تھے۔ان کے عہد میں مساجد کی تعمیر کے ثبوت بھی فراہم ہوتے ہیں۔نانجنگ شہر میں واقع گولڈن فٹ مسجد سے متعلق کہا جاتا ہے کہ جس وقت وہ مسجد میں داخل ہونے لگے تو ان کے پیر میں جوتے تھے اس پر ان کے وزیر Chang Yuchun (جو مسلمان تھے) نے انہیں روک دیا اور کہا: عزت مآب! اسلامی قوانین کے مطابق، مسجد میں داخل ہونے سے قبل ہر ایک کو

اپنے جوتے نکال لینے چاہیے۔ یہ سن کر انھوں نے حیرت کا اظہار کیا اور معذرت چاہتے ہوئے اپنے قدم پیچھے لے لیے۔ تاہم جہاں قدم رکھے تھے اس جگہ کو کھود کر وہاں سونے کا نشان بنادیا، تب ہی سے یہ مسجد گولڈن فٹ مسجد کہلاتی ہے۔(۱۳)اس واقعے سے ان کی اسلام دوستی اور اسلامی علامتوں کی عزت واحترام کا جذبہ واضح ہوتا ہے۔ مِنگ چین کی تاریخ میں اسلام نواز حکمراں ثابت ہوئے ہیں۔ ان کے متعدد مسلم دوست اور متعلقین تھے۔ ان کے فوجی افسروں میں Hu Dahai اور Chang Yuchun جیسے جوانمرد اور بہادر مسلم جنگجو تھے۔ یہ بات بھی بیان کی جاتی ہے کہ ان کی فوج میں دس مسلم جرنیل تھے۔ان کے خاندانی افراد میں بھی مسلمان اشخاص کا ذکر کیا جاتا ہے۔ Zhu Yuanzhang کی پہلی ملکہ Ma Hou مسلم تھی، ایک گود لیا ہوا بیٹا بھی مسلم تھا۔ Ma Ying اور خسر Guo Ziking بھی مسلم تھے۔(۱۴)ان قیاس آرائیوں کی بنیاد پر بعض مورخین انہیں مسلم گردانتے ہیں۔ مورخ Jin Jitang اور Fu Tongxia انہیں مسلمان کہتے ہیں۔ Yu Zhen'guis نے بھی مِنگ اور مسلمانوں کے درمیان گہرے تعلق کی نشاندہی کی

百字讚

乾坤初始，天籍注名。
傳教大聖，降生西域。

授受天經，三十部冊，
普化眾生。億兆君師，
萬聖領袖。

協助天運，保庇國民。
五時祈祐，默祝太平。
存心真主，加志窮民。
拯救患難，洞徹幽冥。

超拔靈魂，脫離罪業。
仁覆天下，道冠古今。

降邪歸一，教名清真。

穆罕默德，至貴聖人。

ہے۔ Zhu کے دربار میں مسلمانوں کی شمولیت، اس کی فوج میں اعلیٰ عہدوں پر فائز مسلم افسران، اسلام سے متعلق اس کے رویے، اس کے افرادِ خانہ میں مسلم شمولیت کی بنا پر Yu نے اسے مسلمان کہا ہے۔ History of China's Hui Nationality میں بھی اسے مسلمان کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ مذکورہ بنیادوں پر ہی تائیوانی مورخ یوسف جنگ نے بھی اسے مسلم کہا ہے۔(۱۵)

یہ تمام مسلم مورخین کی آراء تھیں، لیکن غیر مسلم ذرائع اس کے مخالف نظر آتے ہیں۔ The The Veritable اور Official History of Ming Dynasty (Mingshi) Record of the Ming Dynasty (Ming Shitu) اس کی نفی کرتے ہیں۔(۱۶)

Zhu کے مسلم ہونے سے متعلق اختلاف ضرور ہے لیکن اس کی اسلام نوازی اور مسلمانوں سے خوشگوار تعلق کا سبھی اعتراف کرتے ہیں۔

Zhu Yuanzhang کے ذریعے تحریر کردہ نعت

Zhu Yuanzhang کو اسلام اور مسلمانوں سے گہری عقیدت تھی اس بات کا ایک اور ثبوت اس کے ذریعے تحریر کردہ نعت ہے جو اس نے چینی زبان میں لکھی۔ Zvi Ben-Dor Benite لکھتے ہیں:

> "In the first year[of his reign] the Hung Wu emperor ordered the establishment of a mosque in Jingling [Nanjing] and wrote the ' Hundred Character Praise', Praising Islam 'known to the chinese Muslims as the " Baizizan" this is an ode of twenty five sentences , with four characters in each sentence."(۱۷)

اپنی حکومت کے پہلے ہی سال شہنشاہ ھنگ وو نے جنگلنگ (نانجنگ) میں مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا اور ''یک صد لفظی مدح، مدحت اسلام''، لکھی جو چینی مسلمانوں میں بائیزیزان (نعت) کے نام سے مشہور ہے، یہ پچیس مصرعوں پر مشتمل ہے جس کے ہر مصرعہ میں چار الفاظ ہیں۔ نعت کا چینی زبان میں عکس درج ذیل ہے۔

(۱۸)

یہ چینی رسم الخط میں چینی شہنشاہ کے ذریعے لکھی گئی نعت Brendan Newlon کے مقالہ " Praising the Prophet Muhammad in Chinese (A new Translation and analysis of Emperor Zhu Yuanzhang's Ode to the Prophet) " سے ماخوذ ہے۔ Brendan Newlon نے اپنے اس مقالہ میں اس نعت کا چینی تلفظ رومن رسم الخط میں (Transliteration) پیش کیا ہے اسی کی بنیاد پر اسے اردو رسم الخط میں لکھنے کی سعی کر رہا ہوں تاکہ اسے چینی ہی میں پڑھنے کی سعادت حاصل ہو۔ یہ منڈارین لب ولہجہ میں ہے۔

’’ گان کُن چوشائی\تِیان جی زُھومِنگ /پُھان جی آؤ وداَشینگ /جیآ نگ شینگ ژائی یوو/ شاؤ شاؤتِیان جِنگ /سان شی بُو سے /پُو ھُاآ زھونگ شینگ /یِی زھاوُجُون شائی/وان شینگ لِنگ ژِیوُ/ ژائی زھُو تِیان یُو ن /باوَبی گُو وِمن /ووشائی قائی یوُ /موُ زھُو تائی پِنگ / کُن ژِن زھین زھُو /جِیآ زھی قیوُ نگ مِن /زھینگ جِیوُ ھُاآن نان/ڈونگ بائی یوُمِنگ /چاوُبالِنگ ھُن /تُولی زُوئی یِے /رین فُو تِیان ژِیا /ڈاؤ گوُ آن گُو جِن /جِیا نگ ژائی گُئی یِی /جِاآوُمِنگ فِنگ زھین /مُوں ھان موڈے / زھی گوُئی شینگ رین /(۱۹)

Brendan Newlon نے اس کا انگریزی ترجمہ بھی کیا ہے جو درج ذیل ہے۔

One Hundred Words of Praise

1 The universe began with the heavenly tablet recording

2 his name. the religion-delivering great sage , born in the wetsern realm

3 Conferring and recieving geavenly scripture in thirty parts , universally transforming all creatd beings.

4 Master of the trillion rulers , leader of the ten thousand sages.

5 Assisted by destiny , protector of the community. In each.

6 of the five prayers , he silently supplicates for their total

7 well-being. His intention is that Allah should remember the needy.Deliver them from tribulation to safety

8 knower of the unseen.

9 Exalted above every soul and spirit , free from any

10 blameworthy deeds. A mercy to all of the worlds, whose.

path is preeminent for all time.

11 Renounce spiritual ignorance; return to The One-that is the religion called Islam

12 Muhammad is the most noble sage.(20)

اس نعت کا اردو میں منظوم ترجمہ انیس رئیس (مبلغ انچارج جاپان) نے کیا ہے جو آن لائن دستیاب ہے۔اس ترجمہ میں موصوف نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ماضی کے صیغے استعمال کیے ہیں جیسے ''آپ تھے ایمان وحکمت کے پیشوا'' اس لیے میں نے اس ترجمہ سے صرف نظر کرتے ہوئے Brendan Newlon کے انگریزی ترجمہ سے استفادہ کیا ہے اور نعت کا اردو میں آزاد نثر کے انداز میں ترجمہ کرنے کے ادنیٰ سی کوشش کی ہے جو درج ذیل ہے۔

۱۔ تکوینِ کائنات کی ابتداء ہی آپ کا اسمِ مبارک لوح پر رقم ہونا ہے

۲۔ مذہب وایمان کی تبلیغ کرنے والے (مبلغ اعظم) مبلغ مغرب میں پیدا ہوئے

۳۔ مصحفِ آسمانی (قرآن) آپ پر نازل ہوا۔جو تیس پاروں میں نوازا گیا

۴۔ عالمگیر پیمانے پر مخلوق انسانی کے لیے ہدایت کا خزینہ،ٹریلین حکمرانوں کے حکمراں،
دس ہزار پیشواوں کے راہبر وراہنما

۵۔ نصرتِ الٰہی سے سرفراز،امت کے نگہبان

۶۔ پانچ وقت نمازوں میں امن وسکون اور فلاح و بہبود کے لیے دعا گو

۷۔ من جانب اللہ غریبوں اور ضرورت مندوں کی حاجت برآری چاہنے والے

۸۔ مصیبت زدوں اور کمزوروں کا آسرا،غیب کے جاننے والے (اللہ کی عطا سے)

۹۔ مخلوقات میں سب سے ارفع واعلیٰ،تمام برائیوں سے مبرا (منزہ عن العیوب)

۱۰۔ رحمت اللعالمین، ہرزمانے کے لیے آپ کا طریقہ بہتر و برتر
۱۱۔ مذہبی جہالت کا خاتمہ کرنے والے، توحید کے علمبردار، جن کا مذہب اسلام ہے
۱۲۔ محمد سیدالانبیاء ہیں۔

"The Emperor's 14 century ode praising the prophet Muhammad was among the earliest known text to introduce Islam in Chinese. It is not only authored in chinese language , but also in a classical chinese poetic style,"(21)

اس نعت میں استعمال کی گئیں اصطلاحات و تراکیب اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق خیالات ونظریات وہی ہیں جو اسلامی تہذیب وروایت میں پائے جاتے ہیں۔علاوہ ازیں اس نعت پر صوفیانہ نظریات کی چھاپ بھی گہری نظر آتی ہے۔نظم کی ابتدا بڑے ہی خوبصورت انداز میں ہوتی ہے۔ یہاں تخلیق کائنات اوراسم گرامی مآب حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (جو روزازل ہی سے مشیت الٰہی میں موجود تھا) سے متعلق نظریہ کو پیش کیا گیا ہے۔اسلامی روایت میں تکوین عالم سے متعلق مختلف روایات ملتی ہیں۔ایک نظریہ تو یہ پایا جاتا ہے کہ سب سے پہلے قلم کی تخلیق ہوئی جس سے لوح پر لکھنے کا کام انجام دیا گیا۔وہ تمام معاملات جو تا قیامت عمل میں آنے والے ہیں لوح پر محفوظ ہیں۔دوسرا بیانیہ تخلیق نورمحمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہے۔ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا آپ کے لیے نبوت کب واجب ہوئی؟ فرمایا ’’جب حضرت آدم علیہ السلام پیدا ہورہے تھے اوران میں روح پھونکی جارہی تھی۔‘‘ عریاض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں سنا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے تھے’’ بے شک میں اللہ کے یہاں خاتم النبیین لکھا ہوا تھا جب حضرت آدم اپنی مٹی میں گوندھے جارہے تھے۔‘‘(۲۲)’’امام عبدالرزاق حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری نے فرمایا: میں نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض کیا: یارسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان! مجھے بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کس شے کو پیدا فرمایا؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا؛ اے جابر! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق (کو پیدا کرنے) سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے نور (کے فیض) سے پیدا فرمایا، پھر وہ نور

مشیت ایزدی سے جہاں اس نے چاہا سیر کرتا رہا۔اس وقت نہ لوح تھی نہ قلم، نہ جنت تھی نہ دوزخ، نہ (کوئی) فرشتہ تھا نہ آسمان تھا نہ زمین، نہ سورج تھا نہ چاند، نہ جن تھے نہ انسان۔'' (۲۳) یعنی لوح وقلم سے پہلے تخلیق محمدی وجود میں آئی پھر لوح وقلم۔ اسی نظریہ کو ابتدائی آٹھ لفظوں میں Zhu نے بڑی ہی جامعیت کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔ یہاں معنوی پہلوی بھی بیان کیا گیا ہے کہ قلم کے وجود میں آتے ہی جو کام سب سے پہلے اس سے لیا گیا وہ اسم محمد تحریر کرنا ہے۔ لوح وقلم اور اسم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق نظریات کو صرف آٹھ لفظوں کی مدد سے شعر کے سانچے میں ڈھال دیا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت سے متعلق بیان کیا ہے کہ آپ دنیائے مغرب میں پیدا ہوئے۔ یہ بات ذہن نشیں رہے کہ جغرافیائی اعتبار سے عرب، چین کے مغرب میں واقع ہے۔ اس لیے کہا کہ مغرب میں مولود ہوئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے مبلغ اعظم کی ترکیب استعمال کی ہے، واقعی میں ایسا ہی ہے۔ آپ نے شرک و بت پرستی کا قلع قمع کیا اور تمام عالم کو توحید کی روشنی سے آگاہ کیا۔ آج تک دنیا اس سے فیض حاصل کر رہی ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عمر بھر یہی کام انجام دیا۔ بھلائی کا حکم دیتے رہے اور برائیوں سے منع کرتے رہے۔ سورہ اعراف آیت نمبر ۱۵۷ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ "**الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونه مکتوبا عندهم فی التوراته والانجیل یامرهم بالمعروف و ینههم عن المنکر و یحل لهم لطیبٰت و یحرم علیهم الخبٰئث و یضع عنهم اصرهم والاغلٰل التی کانت علیهم فالذین اٰمنوا به و عزروه و نصروه واتّبعو االنور الذی انزل معه اولٰئِك هم المفلحون۔**" (ترجمہ: جو لوگ ایسے رسول امی کا اتباع کرتے ہیں، جن کو وہ لوگ اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں (جن کی صفت یہ بھی ہے) کہ وہ ان کو نیک باتوں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال بتلاتے ہیں اور گندی چیزوں کو (بدستور) ان پر حرام فرماتے ہیں اور ان لوگوں پر جو بوجھ اور طوق تھے ان کو دور کرتے ہیں سو جو لوگ ان (نبی موصوف) پر ایمان لاتے ہیں اور ان کی حمایت کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اس نور کا اتباع کرتے ہیں جو ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایسے لوگ پوری فلاح پانے والے ہیں۔ (ترجمہ: از مولانا اشرف علی تھانوی)

قرآن عظیم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زندہ جاوید معجزہ ہے جو تا قیام قیامت انسانیت کی راہنمائی کرتا رہے گا۔ یہ عظیم المرتبت کتاب آقا علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ جو تیس پاروں پر مشتمل ہے۔

قرآن کتاب ہدایت ہے،خودقرآن فرماتا ہے"**ذالك الكتب لا ريب فيه هدى للمتقين۔**" (ترجمہ: یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔راہ بتلانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو' ترجمہ ازمولانااشرف علی تھانوی)مزیدسورہ آل عمران آیت ۱۳۸میں ارشادہوتا ہے"**هٰذا بيان للناس و هدى و موعظة للمتقين** "(ترجمہ:از کنزالعرفان:یہ لوگوں کے لیے ایک بیان اور رہنمائی ہے اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت ہے۔)شاعر نے قرآن کا ذکر کرتے ہی 'ہدایت کاخزینہ'،'خزینۃ الہدیٰ' کی ترکیب استعمال کی ہے۔یہ ترکیب قرآن کے لیے بھی مستعمل اور سیدالانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے لیے بھی۔یہاں شاعر نے ابہام پیدا کیا ہے۔لیکن دونوں اعتبار سے درست ہے۔سورۃ التوبہ آیت نمبر۳۳ میں اللہ تعالیٰ ارشادفرماتا ہے،"**هوالذى ارسل رسله بالهدى و دين الحق ليظهره على الدين كله و لو كره المشركون۔** " (ترجمہ: (چنانچہ)وہ(اللہ)ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت (کاسامان یعنی قرآن)اورسچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام (بقیہ) دینوں پر غالب کردے گومشرک کیسے ہی ناخوش ہوں۔ترجمہ از مولانااشرف علی تھانوی)

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکات بھی ہادی ورہنما ہے۔سورۃ الشوریٰ آیت نمبر ۵۲ میں بیان ہوتا ہے"**وكذالك اوحينا اليك روحا من امرنا ما كنت تدرى ما الكتٰب ولا الايمان ولكن جعلنه نورا نهدى به من نشاء من عبادنا و انك لتهدى الى صراط مستقيم**"(ترجمہ از کنزالعرفان:اور یونہی ہم نے تمہاری طرف اپنے حکم سے روح (قرآن) کی وحی بھیجی۔اس سے پہلے نہ تم کتاب کو جانتے تھے نہ شریعت کے احکام کی تفصیل کو۔لیکن ہم نے قرآن کونور کیا جس سے ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں راہ دکھاتے ہیں اور بیشک تم ضرور سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کرتے ہو۔)مزیدسورۃ الرّعد کی آیت نمبر ۷ میں ارشادہوتا ہے "**و يقول الذين كفروا لو لا انزل عليه اٰية من ربه انما انت منذر و لكل قوم هاد۔**" (ترجمہ:از کنزالعرفان:اور کافر کہتے ہیں:ان پر ان کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتری؟ (اے حبیب)تم تو ڈرسنانے والے ہواور ہرقوم کے ہادی ہو۔)اگلے مصرعے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ خزینۃ الہدیٰ کی ترکیب رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے استعمال ہوئی ہے۔

''ٹریلین حکمرانوں کے حکمراں''،'' آپ سردار اعلیٰ کے منصب پر فائز ہیں'' اور'' دس ہزار

پیشواؤں کے راہبر و راہنما'' جیسے مصرعے اسلامی روایت میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے استعمال ہونے والی اصطلاحات 'سید الانبیاء' 'امام الانبیاء' سلطان دو جہاں' ہادی برحق اور رہبر اعظم کی یاد تازہ کرتے ہیں۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انبیاء کرام علیہم السلام کی امامت بھی فرمائی ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام مخلوقات میں حتیٰ کہ انبیاء کرام بھی سب سے افضل و اعلیٰ ہیں۔رب کریم کی عطا سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے شمار فضل و کمالات کے مالک ہیں۔ایک عربی شاعر کہتے ہیں:

منزہ عن شریك فی محاسنه فجوهر الحسن فيه غير منقسمِ

'' آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات نوع انسانی کی سعادت و تنویر کا مرکز و مبداء ہے۔شیخ اکبر و جیلی نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو'' حقیقت الاسمائیہ'' اور'' لوح محفوظ'' سے تعبیر کیا ہے،سبحان اللہ! یہ آخری تسمیہ و تعبیر کس درجہ ترجمان حقیقت و اوفق بالشرع والعقل ہے۔دنیا میں جس قدر بھی ہدایت اور تعلیم کی لوحیں تھیں،سب کے لیے تغیر و تبدل ہوا،حتیٰ کہ آج کوئی بھی محفوظ نہیں،لیکن اللہ اکبر مقام محمدی کی محفوظیت و مصئونیت کہ اس کی سیرت طیبہ اور حیات حیہ و قائمہ کی لوح محفوظ کا ایک نقطہ بھی محو نہ ہوسکا،اور قرآنِ محفوظ و کتاب مسطور فی رقٍّ منشور اور فی صدور الذین اوتوا العلم میں اس کا ایک ایک حرف،ایک ایک لفظ اسی طرح نقش و ثبت ہے اور ہمیشہ رہے گا جس طرح قلم ازل نے اوّل صبح تعین کی کرنوں سے لکھ دیا تھا پس قرآن کے بعد اگر کوئی اور ہستی لوح محفوظ ہوسکتی ہے تو وہ صرف وہی روحِ اعظم و خالد ہے جس کے ذکر کو خود قرآن نے اپنی آغوشِ حفظ و صیانت میں ہمیشہ کے لیے لے لیا ہے۔(۲۴)

اس کے بعد صفات محمدی کا بیان کیا گیا ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نصرت الٰہی اور حفظ و امان من جانب اللہ حاصل تھا۔سورہ المائدہ ۶۷ کے ایک ٹکڑے میں ارشاد ہوتا ہے" **واللّٰہ یعصمك من الناس۔**"(ترجمہ:اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔ترجمہ از مولانا اشرف علی تھانوی)

Zhu نے پانچ وقت کی نمازوں کا ذکر بھی کیا ہے اور کہتے ہیں کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نمازوں میں لوگوں کی فلاح و بہبود اور امن و سکون کی دعائیں مانگا کرتے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کی بارگاہ میں غریبوں اور مسکینوں کی حاجت برآری کے لیے بھی التجا کرتے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مصیبت زدہ اور کمزوروں کا آسرا ہیں۔متعدد روایات اس ضمن میں وارد ہوئی ہیں جس سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا غریبوں،مسکینوں،مصیبت زدہ اور کمزوروں کے ساتھ حسن سلوک واضح ہوتا ہے۔

شاعر نے اس کے بعد ایک اہم خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کی عطا سے غیب کے جاننے والے ہیں۔ہمارا عقیدہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم

غیب عطائی ہے جتنا اللہ نے عطا کیا ہے بس اتنا ہی آپ جانتے ہیں۔سورہ ھود ۴۹ر میں ارشاد ہوتا ہے " **تلك من انباءِ الغيب نوحيها اليك** "(ترجمہ: یہ قصہ منجملہ اخبار غیب کے ہے جس کو ہم وحی کے ذریعہ آپ کو پہنچاتے ہیں۔ترجمہ از مولانا اشرف علی تھانوی)، مزید سورہ یوسف ۱۰۲ر میں بیان ہوتا ہے۔ "**ذالك من انباء الغيب نوحيه اليك**"(ترجمہ: (اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہ قصہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم وحی کے ذریعہ آپ کو بتلاتے ہیں۔ترجمہ از مولانا اشرف علی تھانوی) یہی مضمون سورہ آل عمران ۴۴ر میں بھی بیان کیا گیا ہے۔

پھر شاعر کہتا ہے کہ آپ تمام مخلوقات میں سب سے افضل و اعلیٰ ہیں، تمام برائیوں سے مبرا ہیں۔یہاں غالباً شاعر نے حضرت امام بوصیری کے شعر (محمد سید الکونین و ثقلین) سے استفادہ کیا ہے۔یہ بھی ہمارے عقیدے کا حصہ ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب سے افضل و اعلیٰ ہیں اور منزہ عن العیوب کے منصب پر فائز ہیں۔تمام انبیاء معصوم ہیں۔آقا علیہ السلام سید المعصومین ہیں۔گویا اس حصے میں شاعر نے حضور کی فضیلت سے متعلق مروج نظریات کو شعر کے قالب میں منتقل کیا ہے۔''
اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی حفاظت و نگرانی میں پروان چڑھایا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جاہلیت کی گونا گوں گندگیوں اور آلودگیوں سے محفوظ رکھا۔'' (سیرت ابن اسحاق، ص ۹۴)

نبی اکرم نورِ مجسم شاہِ بنی آدم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے رحمت اللعالمین بنا کر بھیجا ہے۔سورہ انبیاء آیت نمبر ۱۰۷ر میں ارشاد ہوتا ہے۔"**وما ارسلنك الا رحمة للعلمين**۔"(ترجمہ از کنز العرفان: اور ہم نے تمہیں تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر ہی بھیجا۔) شاعر نے یہاں اسی سے استفادہ کیا ہے۔اور کہا کہ آپ رحمت اللعالمین ہیں اور آپ کا طریقہ ہر زمانے کے لیے بہتر و برتر ہے۔ "**لقد كان لكم فى رسول الله اسوة حسنه**۔"سورہ الاحزاب ۲۱ (ترجمہ از کنز العرفان: بے شک تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ موجود ہے۔)، سورہ الانفال ۲۰ر میں ارشاد باری ہے۔"**يا ايها الذين اٰمنوا اطيعو اللّه و رسوله ولا تولوا عنه و انتم تسمعون**۔" (ترجمہ از کنز العرفان: اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کیا کرو اور سن کر اس سے منہ نہ پھیرو۔)النساء ۶۴ر کے ابتدائی حصے میں حکم ہوتا ہے۔"**وما ارسلنا من رسول الا ليطاع باذن الله**، " (ترجمہ از کنز العرفان: اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لیے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔)

''آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم روحانی جہالت کا خاتمہ کرنے والے اور توحید کے علمبردار ہیں۔''

سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۶۴/ اللہ فرماتا ہے "**لقد من اللّٰہ علی المومنین اذ بعث فیهم رسولا من انفسهم یتلو ا علیهم آیٰته و یزکیهم و یعلمهم الکتب و الحکمة و ان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین۔**" (ترجمہ از کنزالعرفان: بے شک اللہ نے ایمان والوں پر بڑا احسان فرمایا جب ان میں ایک رسول مبعوث فرمایا جو انہی میں سے ہے۔ وہ ان کے سامنے اللہ کی آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگر چہ یہ لوگ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔)

سورۃ الفتح ۲۸/ میں ارشاد ہوتا ہے۔ "**ھوالذی ارسل رسوله بالهدٰی و دین الحق لیظهره علی الدین کله و کفیٰ بالله شهیدا۔**" (ترجمہ از کنزالعرفان: وہی (اللہ) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے سب دینوں پر غالب کر دے اور اللہ کافی گواہ ہے۔)

''جن کا مذہب اسلام''۔ سورہ المائدہ ۳/ کا جز ہے جس میں اللہ فرماتا ہے۔ "**الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا،**" (ترجمہ: از کنزالعرفان: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین پسند کیا۔) مزید سورہ آل عمران آیت نمبر ۱۹/ کے ابتدائی جز میں فرماتا ہے۔ "**ان الدین عندالله الاسلام**" (ترجمہ از کنزالعرفان: بے شک اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔)

کائنات، اسلام، ہدایت وعبادت اور خوبیاں گنانے اور اسلام کی عظمت بیان کرنے کے بعد پیغمبر اسلام کا اسم مبارک بڑے ہی والہانہ انداز میں لیتے ہوئے نعت کو اس پر ختم کیا ہے کہ ''محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سیدالانبیاء ہیں۔''

تمام نعت کا مطالعہ کرنے پر کہیں بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ کسی غیر مسلم شاعر کی تحریر کردہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق جو نظریات وخیالات یہاں بیان کیے گئے ہیں وہ تمام اسلامی دنیا کے مختلف مکاتب فکر میں رائج ہیں۔ اس نعت سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ تیرہویں وچودہویں صدی عیسوی تک چین میں اسلام اور اسلامی نظریات دربار تک پہنچ گئے تھے۔ Brendan Newlon نے سچ ہی لکھا ہے:

"Whether or not emperor Zhu Yuanzhang intended to declare himself to

be Muslim by glossing the Islamic testification of faith in the final lines of his poem praising the Prophet remains a matter of minor literary and historical debate, but the central message of his poem is clear : "Muhammad is the most noble sage."(25)

اس نعت میں تکوین کائنات، اسم محمد، عبادت بالخصوص نماز رسول کا تذکرہ، صفات محمدی کے مختلف پہلوؤں شعری پیکر میں ڈھالے گئے ہیں، جس سے Zhu Yuanzhang کی اسلام دوستی اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عقیدت ومحبت واضح ہوتی ہے۔ وہ مسلم تھے یا نہیں یہ تو تحقیق طلب ہی ہے لیکن ہم اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ ایک عقیدت مند نے مخلوقات میں سب سے بہترین انسان کی شان میں عمدہ نعت کہی ہے۔ جس پر قرآن، حدیث اور روایات کا گہرا اثر ہے۔

حواشی:

۱۔ https://www.history.com/topics/ancient-china/ming-dynasty

۲۔ https://www. khancademy. org/ humanities/ art-asia/ imperial-china/ ming-dynasty/ a/an-introduction to the ming dynasty-1368-1644

۳۔ T W Arnold (M A CIF), 1913, The Preaching of Islam : A History of the Propagation of The Muslim Faith , Constable & Company Ltd. , p222

۴۔ ایضاً، ص ۲۲۳

۵۔ ایضاً، ص ۲۲۴

۶۔ ایضاً، ص ۲۲۵

۷۔ ایضاً، ص ۲۲۵

۸۔ ایضاً، ص ۲۲۵

۹۔ ایضاً، ص ۲۲۵ اور ۲۲۶

۱۰۔ ایضاً، ص ۲۲۸

۱۱۔ Simon Lays , Ravished by Oranges Page No.48

۱۲۔ https://www.worldhistory.org/ming-dynasty/

۱۳۔ Zvi Ben-Dor Benite , The Marrano Emperor:The Mysterious, Intimate, Bond Between ZhuYuanzhang and his Muslims, Page No. 275

۱۴۔ ایضاً،ص۲۷۶

۱۵۔ ایضاً،ص۲۷۷

۱۶۔ ایضاً،ص ۲۷۸

۱۷۔ ایضاً،ص۲۷۹

۱۸۔ Brendan Newlon , Praising The Prophet Muhammad in Chinese (A New translation and analysis of Emperor Zhu Yuanzhang's Ode to the Prophet) , Page No.3

۱۹۔ ایضاً،ص۳

۲۰۔ ایضاً،ص۳

۲۱۔ ایضاً،ص۲

۲۲۔ امام حافظ ابونعیم، دلائل النبوۃ، مترجم مولانا محمد طیب، مکتبہ رضویہ، ص ۵۷

۲۳۔ ڈاکٹر طاہر القادری، نبوت محمدی کا آغاز کب ہوا؟، منہاج پبلیکیشنز انڈیا، ص ۴۶ و ۴۷ بحوالہ عبد الرزاق فی المصنّف (الجزء المفقود) 63/I، الرقم /63/، وذکرہ القسطلانی فی المواہب اللدنیہ ۱۷، والزرقانی فی شرح المواہب اللدنیہ، 89-91، والجیلی فی السیرۃ الحلبیہ ۵۰، وذکرہ العیدروسی فی تاریخ النور السافر ۸، والشرف علی تھانوی فی نشر الطیب ۱۳۔

۲۴۔ مولانا ابوالکلام آزاد، مقدمہ، قرآن بحیثیت ماخذ سیرت از مولانا عمر اسلم اصلاحی، البلاغ پبلیکیشنز دہلی، ص ۱۹

۲۵۔ Brendan Newlon , Praising The Prophet Muhammad in Chinese (A New translation and analysis of Emperor Zhu Yuanzhang's Ode to the Prophet) , Page No.2

☆☆☆

اقبال اعظمی (گھوسی مئو، یوپی)

کلام اعلیٰ حضرت رضاؔ بریلوی کی مختلف جہتیں

کلام اعلیٰ حضرت کے مختلف جہات ہیں، آپ کا کلام حمد، نعت ومنقبت پر مشتمل ہے جو حدائق بخشش کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ آپ کا کلام اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں ہے۔ اس مضمون میں آپ کے نعتیہ کلام پر گفتگو کی جائے گی۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنے نعتیہ کلام میں حضور پرنور شافع یوم النشور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حسن صورت، حسن سیرت، علوے شان اور معجزات کا ذکر فرمایا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کے بیان میں شفاعت کبریٰ اور علم غیب وغیرہ کا بیان بھی ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنے نعتیہ کلام میں عقائد اہل سنت کی ترجمانی کے ساتھ بدمذہبوں کا رد بھی کیا ہے کیوں کہ رد بدمذہباں ہر مسلمان پر حسب استطاعت فرض ہے۔

حسن صورت:

میٹھی باتیں تری دین عجم ایمان عرب — نمکیں حسن ترا جان عجم شان عرب
نار دوزخ کو چمن کردے بہار عارض — ظلمت حشر کو دن کردے نہار عارض
گرچہ قرآں ہے نہ قرآں کے برابر لیکن — کچھ تو ہے جس پہ ہے وہ مدح نگار عارض
سرتابہ قدم ہے تن سلطان زمن پھول — لب پھول دہن پھول ذقن پھول بدن پھول
دندان ولب و زلف و رخ شہ کے فدائی — ہیں در عدن لعل یمن مشک ختن پھول

حسن سیرت:

تری عزت کے نثار اے مری غیرت والے — آہ صد آہ کہ یوں خوار ہو بردا تیرا
بد سہی چور سہی مجرم و ناکارہ سہی — اے وہ کیسا ہی سہی ہے تو کریما تیرا

ترے خلق کو حق نے عظیم کیا، تیرے خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالق حسن و ادا کی قسم

ہم سے فقیر بھی اب پھیری کو اٹھتے ہوں گے — اب تو غنی کے در پر بستر لگا دیے ہیں
چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے — مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے

جودوسخاوکرم:

انا فی عطش و سخاك اتم اے گیسوئے پاک اے ابر کرم
برسن ہارے رم جھم رم جھم دو بوند ادھر بھی گرا جانا

(یعنی میں پیاسا ہوں اور تیری سخاوت کامل واکمل ہے، اے ابر کرم کی مانند گیسوئے شہ والا۔ رم جھم رم جھم کی مترنم آواز کے ساتھ برسنے والے گیسوؤں کے بادل مجھ پر بھی دو بوند گرا جا۔)

صدقے اس انعام کے قربان اس اکرام کے — ہو رہی ہے دونوں عالم میں تمہاری واہ واہ
کچھ خبر بھی ہے فقیرو! آج وہ دن ہے کہ وہ — نعمت خلد اپنے صدقے میں لٹاتے جائیں گے
واہ کیا جود و کرم ہے شہ بطحا تیرا — نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

شفاعت:

میری تقدیر بری ہو تو بھلی کردے کہ ہے — محو اثبات کے دفتر پہ کروڑا تیرا

(تقدیر مبرم نہیں بدلتی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلے سے اللہ عزّ وجلّ سے دعا کرنے پر تقدیر معلق بدل جاتی ہے۔)

ادھر امت کی حسرت پر ادھر خالق کی رحمت پر — نرالا طور ہوگا گردش چشم شفاعت کا
کیا ہی ذوق افزا شفاعت ہے تمہاری واہ واہ — قرض لیتی ہے گنہ پرہیز گاری واہ واہ
اب آئی شفاعت کی ساعت اب آئی — ذرا چین لے میرے گھبرانے والے
مژدہ باد اے عاصیو! شافع شہ ابرار ہے — تہنیت اے مجرمو! ذات خدا غفار ہے
مجرم بلائے آئے ہیں جاؤک ہے گواہ — پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

"**جاؤك**" اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے؛ **و لو انهم اذ ظلموا انفسهم جاؤك فاستغفروا اللّٰه و اسفتغفر لهم الرّسول لوجدوا اللّٰه توابا رحیما**۔ (پ:۵،سورہ: نساء، آیت:۶۴) ترجمہ: اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب! تمہارے حضور حاضر

ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے:

حضرت ابی بن کعب نماز پڑھ رہے تھے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آواز دی، جلدی سے نماز پوری فرما کر حاضر ہوئے، ارشاد فرمایا کہ تم کو حاضری میں دیر کیوں ہوئی؟ عرض کی: نماز میں تھا۔ فرمایا: کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی: **استجیبوا للّٰہ و للرّسول اذا دعاکم لما یحییکم۔** (پ:۹، سورۂ انفال، آیت: ۲۴) ترجمہ: اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب تمہیں اس چیز کے لیے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے۔ (کنزالایمان)

اس سے معلوم ہوا کہ نمازی پر لازم ہے کہ نماز چھوڑ کر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بلانے پر حاضر ہو جائے، جو خدمت فرمادیں پورا کرے، پھر بھی نماز ہی میں ہے۔ دیکھیے قسطلانی شرح بخاری کتاب التفسیر سورہ انفال مذکورہ آیت۔ (شان حبیب الرحمٰن، ص: ۷۳)

اسی لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں:

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے

یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت اصل (جڑ) ہے اور جملہ فرائض (نماز، روزہ، حج، زکوۃ) فروع (شاخ) ہیں۔

معجزات:

چاند شق ہو پیڑ بولیں جانور سجدہ کریں بارک اللہ مرجع عالم یہی سرکار ہے

حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ ایک دیہاتی آیا، جب وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قریب پہنچا تو آپ نے اس سے فرمایا: کیا تو اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ خدائے واحد کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خدائے تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں؟ دیہاتی نے کہا: آپ کی باتوں پر میرے سوا کون گواہی دے گا؟ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ ببول کا درخت گواہی دے گا۔ یہ فرما کر آپ نے اس درخت کو بلایا، آپ وادی کے کنارے تھے، وہ درخت زمین کو پھاڑتا ہوا چلا یہاں تک کہ آپ کے پاس کھڑا ہو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے تین بار گواہی طلب فرمائی، اس درخت نے تین بار گواہی دی کہ حقیقت میں ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم نے فرمایا، اس کے بعد وہ درخت اپنی جگہ واپس چلا گیا۔ (دارمی، ج:۱، ص:۱۳۔ مشکوۃ، ص: ۵۴۱۔ ماخوذ از انوار الحدیث مولفہ مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرّحمہ)

کیوں جناب بو ہریرہ تھا وہ کیسا جام شیر جن سے ستر صاحبوں کا دودھ سے منہ پھر گیا

حدیث: ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بھوک کی وجہ سے میں جگر تھام کر زمین پر گر جاتا اور کبھی پیٹ پر پتھر باندھ لیتا، ایک دن میں سر راہ آبیٹھا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے اور میں نے ان سے چند آیات کے متعلق دریافت کیا۔ میرا مقصود یہ تھا کہ شاید وہ مجھے کھلا دیں گے مگر وہ یونہی تشریف لے گئے۔ پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئے، ان سے بھی ایک آیت کا مطلب پوچھا، ان سے بھی غرض وہی تھی مگر وہ بھی تشریف لے گئے۔ اتنے میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ نے مجھے دیکھا اور تبسم فرمایا۔ (خصائص الکبریٰ، ج:۲، ص:۴۱) یعنی میرے دل کی بات سمجھ گئے پھر فرمایا کہ میرے ساتھ چلو، میں پیچھے ہولیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دولت کدے پہ تشریف لائے اور وہاں ایک پیالہ دودھ سے بھرا ہوا پایا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ابو ہریرہ اصحاب صفہ کو بلاؤ۔ میں نے خیال کیا کہ اصحاب صفہ ستر آدمی ہیں، ان میں ایک پیالہ دودھ کی حقیقت کیا ہوگی۔ خیر! اطاعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مقدم تھی، میں نے اصحاب صفہ کو بلایا، وہ حاضر ہو گئے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ دودھ کا پیالہ مجھے دیا اور فرمایا کہ ان سب کو پلاؤ۔ میں نے یکے بعد دیگرے سب کو پلایا اور وہ سب سیر ہو گئے، پھر اخیر میں وہ پیالہ خدمت اقدس میں پیش کر دیا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیالے کو اپنے دست اقدس پہ رکھا اور مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا اور فرمایا: اے ابو ہریرہ! اب میں رہ گیا ہوں اور تم۔ میں نے عرض کی سچ ہے یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسم، حضور نے فرمایا: اچھا بیٹھ جا اور اب تو پی۔ میں نے پینا شروع کیا، فرمایا اور پی۔ میں نے پیا۔ پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہی فرماتے رہے کہ پی پی۔ بالآخر میں نے عرض کی: یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اب تو پیٹ میں بالکل گنجائش نہیں ہے۔ (خصائص، ج:۲، ص:۴۸، بخاری کتاب الرقائق۔ ماخوذ از شرح حدائق بخشش، ج:۲، ص:۳۵۲/۳۵۳، شارح علامہ فیض احمد اویسی)

میں ترے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ جن سے اتنے کافروں کا دفعتاً منہ پھر گیا

اس شعر میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے: **فَلَم تَقتُلوهُم و لٰكِنَّ اللّٰه قتَلَهُم وَ ما رَمَيْتَ إذ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰه رَمىٰ۔** (پ:۹، سورہ: الانفال، آیت:۱۷) ترجمہ: تو تم نے انہیں قتل

نہ کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور اے محبوب! وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔(کنزالایمان)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اللہ عزّ وجلّ سے مدد کے لیے دعا فرمائی اور کافروں کی طرف کنکریاں پھینکیں۔آیت کریمہ ہے: **إذ تستغيثون ربّكم فاستجاب لكم أنّي ممدكم بألف من الملٰئكة مردفين۔** (پ:۹،الانفال،آیت:۹) ترجمہ: جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں ہزار فرشتوں کی قطار سے۔(کنزالایمان)

تفسیر: چنانچہ اوّل ہزار فرشتے آئے پھر تین ہزار پھر پانچ ہزار۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مسلمان اس روز کافروں کا تعاقب کرتے تھے اور کافر مسلمان کے آگے آگے بھاگا جاتا تھا، اچانک اوپر سے کوڑے کی آواز آتی تھی اور سوار کا یہ کلمہ سنا جاتا تھا (**أقدم خيردم**) یعنی آگے بڑھو اے خیر دم۔خیر دم جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کا نام ہے۔(خزائن العرفان)

''کافر مسلمانوں کے آگے آگے بھاگا جاتا تھا''

دوسرے مصرع میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

ایک ٹھوکر میں احد کا زلزلہ جاتا رہا　　　رکھتی ہیں کتنا وقار اللہ اکبر ایڑیاں

اس شعر میں اس حدیث شریف کی طرف اشارہ ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنھم کے ساتھ احد پہاڑ پر تشریف لے گئے تو وہ ہلنے لگا، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اسے ٹھوکر مار کر فرمایا: اثبت احد فانما علیک نبی وصدیق وشہیدان۔یعنی اے احد! ٹھہر جا، کیوں کہ تیرے اوپر ایک نبی، ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔(بخاری، ج۲، ص۵۲۴، حدیث:۳۶۷۵)

پنجۂ مہر طرب ہے جس سے دریا بہہ گئے　　　چشمۂ خورشید میں تو نام کو بھی نم نہیں

......

ماہ شق گشتہ کی صورت دیکھو کانپ کر مہر کی رجعت دیکھو　　　مصطفیٰ پیارے کی قدرت دیکھو کیسے اعجاز ہوا کرتے ہیں

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں چاند دو ٹکڑے ہوگیا۔(بخاری، ج:۱، ص:۲۱۷۔مشکوٰۃ، ص:۵۲۴۔ماخوذ از انوار الحدیث، ص:۴۰۳)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا کہ مکہ والوں نے حضور سید عالم صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کہا کہ آپ کوئی معجزہ دکھائیں تو سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے چاند کے دو ٹکڑے فرما کر انہیں دکھادیا یہاں تک کہ مکہ والوں نے حرا پہاڑ کو چاند کے دوٹکڑوں کے درمیان دیکھا۔ (بخاری، ج:۱،ص:۵۴۶۔مسلم، ج:۲،ص:۳۷۳۔مشکوٰۃ،ص:۵۲۴۔ماخوذازانوارالحدیث،ص:۳۰۴)

اپنے مولا کی ہے بس شان عظیم جانور بھی کریں جن کی تعظیم
سنگ کرتے ہیں ادب سے تسلیم، پیڑ سجدے میں گرا کرتے ہیں

حدیث: حضرت علی ابن ابی طالب کرّم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا کہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہم راہ مکہ میں تھا، پھر سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ہم مکہ شریف کے گردونواح میں گئے، تو جس پہاڑ اور درخت کا بھی سامنا ہوتا وہ عرض کرتا: **السلام علیك یا رسول اللّٰہ۔** (ترمذی، ج:۲،ص:۲۰۴۔دارمی، ج:۱،ص:۱۵۔مشکوٰۃ،ص:۵۴۰)

حدیث: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پانی کا ایک برتن لایا گیا۔حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس وقت مقام ''زوراء'' میں تشریف فرما تھے، آپ نے اپنا مقدس ہاتھ اس برتن مین رکھ دیا تو پانی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگلیوں کے درمیان سے ابلنے لگا جس سے تمام لوگوں نے وضو کیا۔حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت انس سے پوچھا: آپ کتنے تھے؟ انہوں نے فرمایا: تین سو، یا تین سو کے قریب۔(بخاری، ج:۱،ص:۵۰۴۔مشکوٰۃ،ص:۵۳۷، ماخوذازانوارالحدیث،ص:۴۰۸)

انگلیاں پائیں وہ پیاری پیاری جن سے دریائے کرم ہیں جاری
جوش پر آتی ہے جب غم خواری تشنے سیراب ہوا کرتے ہیں

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ
سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشاروں سے ہو چاک اندھے نجدی دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی

رد بد مذہباں ہر مسلمان پر حسب استطاعت فرض ہے۔اللہ عزوجل نے منافقین کی تکفیر فرما کر ان کا رد فرمایا، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مسجد نبوی سے منافقین کو نکالا۔

مذکورہ شعر میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات کا ذکر فرما کر اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے نجدیوں، وہابیوں کا رد فرمایا جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بے اختیار اور مجبور مانتے ہیں۔

اونٹ سجدہ ریز:

امام احمد وابونعیم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم ایک باغ میں داخل ہوئے، اتنے میں ایک اونٹ آیا اور اس نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔ (خصائص، ج:۲،ص:۵۹۔ ماخوذ از شرح حدائق بخشش، ج:۲،ص:۳۱۹)

چاند شق ہو پیڑ بولیں جانور سجدہ کریں بارک اللہ مرجع عالم یہی سرکار ہے
اک دل ہمارا کیا ہے آزار اس کا کتنا تم نے تو چلتے پھرتے مردے جلا دیے ہیں

مدارج باب المعجزات میں ایک فصل باندھی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعا سے کتنے مردے زندہ ہوئے، ان میں حضرت جابر کے لڑکوں کا بھی ذکر کیا، اسی طرح عمر احمد خرپوتی شارح قصیدہ بردہ:

لو ناسبت قدره عظيما احی اسمه حين يدعى ورس الزعم

کی بحث میں بھی یہ واقعہ نقل کیا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوت کی۔ کھانے کی تیاری ان کی بیوی کر رہی تھیں، کہ ان کے ایک لڑکے نے دوسرے کو ذبح کر ڈالا، کیوں کہ والد کو جانور ذبح کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ لڑکپن کا زمانہ تھا اس ذبح کی نقل کی اور اپنے بھائی کو ذبح کر دیا پھر والدہ کے خوف سے اوپر چھت پر بھاگ گیا مگر وہاں سے جو پاؤں پھسلا تو نیچے گر کر انتقال کر گیا۔ صابرہ ماں نے دعوت کی وجہ سے دونوں لاشوں کو چھپا دیا اور کھانا تیار کر لیا۔ حضور علیہ السلام کھانا ملاحظہ فرمانے کے لیے دسترخوان پر تشریف فرما ہوئے۔ حضرت جابر سے فرمایا: بچوں کو بلاؤ ہم ان کے ساتھ کھانا کھائیں گے۔ تب اس پاک بی بی نے سارا ماجرہ عرض کیا۔ ان بچوں کی لاشوں کو چھپا کر لائی۔ بچے زندہ ہوئے اور کھانے میں شریک ہوئے۔ (شان حبیب الرحمٰن، ص:۱۱۸)

جن کو سوئے آسماں پھیلا کے جل تھل کر دیے صدقہ ان ہاتھوں کا پیارے ہم کو بھی درکار ہے

حدیث: ایک بار قحط سالی واقع ہوگئی، جمعہ کا خطبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں کہ ایک صحابی نے عرض کی، حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بارش نہیں ہوتی۔ اسی حال میں دعا کے لیے محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ اٹھ گئے۔ اللہ جانے کہ وہ ہاتھ تھے یا کہ ید اللہ کا مظہر اتم ادھر ہاتھ اٹھے کہ ادھر آن کی آن میں بادل بھی آ گیا اور چہرہ انور پر بارش کا پانی بہنے لگا۔ جب نماز جمعہ سے فارغ ہوئے تو مدینہ پاک کی ہر گلی کوچے میں پانی بہنے لگا۔ (شان حبیب الرحمٰن، ص:۱۱۷/۱۱۸)

معراج:

قصر دنیٰ کے راز میں عقلیں تو گم ہیں جیسی ہیں روح قدس سے پوچھیے تم نے بھی کچھ سنا کہ یوں
وہی لامکاں کے مکیں ہوئے، سر عرش تخت نشیں ہوئے وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے

شب اسریٰ کے دولھا پہ دائم درود نوشۂ بزم جنت پہ لاکھوں سلام

خلق عظیم:

خلق تمہاری جمیل خلق تمہارا جلیل خلق تمہاری گدا تم پہ کروروں درود
تیرے خلق کو حق نے عظیم کہا تیرے خلق کو حق نے جمیل کیا
کوئی تجھ سا ہوا ہے نہ ہوگا شہا ترے خالق حسن و ادا کی قسم

علوے شان:

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

دنیا والے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان وشوکت کی رفعت کو کیا جانیں، اے شہ والا! عرش پر آپ کا پرچم لہرا رہا ہے۔ اس شعر میں واقعہ معراج کی طرف اشارہ ہے۔

زہے عزت و اعتلائے محمد کہ ہے عرش حق زیر پائے محمد
خدا کی رضا چاہتے ہیں دوعالم خدا چاہتا ہے رضائے محمد

اس شعر میں آیت کریمہ: "**و لسوف يعطيك ربّك فترضىٰ**"۔ (پ:۳۰،سورہ: ضحیٰ، آیت:۵) کی طرف اشارہ ہے۔

محمد برائے جناب الٰہی جناب الٰہی برائے محمد

اس شعر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تقرب الی اللہ کی طرف اشارہ ہے۔

تمہارے ذرے کے پرتو ستارہائے فلک تمہارے نعل کی ناقص مثل ضیائے فلک
وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا کہ کلام مجید نے کھائی شہا ترے شہر وکلام وبقا کی قسم

اس شعر میں آیت کریمہ: "**لا أقسم بهٰذا البلد**"۔ (پ:۳۰،سورہ البلد، آیت:۱) کی طرف اشارہ ہے۔

قاسم نعمت:

نعمتیں بانٹتا جس سمت وہ ذیشان گیا ساتھ ہی منشی رحمت کا قلم دان گیا
ہاتھ اٹھا کر ایک ٹکڑا اے کریم ہیں سخی کے مال میں حق دار ہم

خلق کے حاکم ہو تم رزق کے قاسم ہو تم
تم سے ملا جو ملا تم پہ کروروں درود

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر
جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

کچھ خبر بھی ہے فقیرو! آج وہ دن ہے کہ وہ
نعمت خلد اپنے صدقے میں لٹاتے جائیں گے

حدیث: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "**اللّٰہ معطی و انا قاسم**"۔ اللہ دینے والا ہے اور میں بانٹنے والا ہوں۔

حدیث: حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی سے حضور علیہ السلام نے فرمایا: "**سَــل**"۔ کچھ مانگ لو، عرض کی کہ آپ سے جنت میں آپ کی خدمت میں حاضری مانگتا ہوں، فرمایا اور کچھ مانگو، عرض کی کہ یہی کافی ہے۔ (مشکوۃ، باب السجود بروایت مسلم) اس حدیث کی شرح میں ملا علی قاری مرقات میں اور شیخ عبدالحق اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نعمتیں حضور علیہ السلام کے قبضے میں ہیں جس کو جس قدر چاہیں عطا فرمادیں۔ (شان حبیب الرحمٰن، ص:۷۷۔ از مفتی احمد یار خان نعیمی)

عالم علم غیب:

سرعرش پر ہے تری گزر دل فرش پر ہے تری نظر
ملکوت وملک میں کوئی شئی نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

......

خدا نے کیا تجھ کو آگاہ سب سے
دوعالم میں جو کچھ خفی و جلی ہے

عالم علم دوعالم ہیں حضور
آپ سے کیا عرض حاجت کیجیے

ان پر کتاب اتری **بیاناً لکل شئی**
تفصیل جس میں ما عبر و ما غبر کی ہے

اس شعر میں اس آیہ کریمہ کی طرف اشارہ ہے: "**نزلنا علیك الکتاب تبیانا لکل شیــئــی**۔" (پ:۱۴، سورہ نحل، آیت:۸۹) ہم نے تم پر قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔ (کنزالایمان)۔ ما عبر و ما غبر یعنی تم سے اگلوں اور پچھلوں کا بیان قرآن میں ہے، اس کو علم ''ما کان و ما یکون'' کہتے ہیں، جو لوح محفوظ میں ہے۔ قصیدہ بردہ میں ہے:

و من علومك علم اللوح و القلم

ہاں جس قدر روایات سے پتا لگتا ہے وہ یہ ہے کہ از ازل تا روز قیامت ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ کا علم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیا گیا، عرش تا فرش آپ کو دکھائے گئے، اگر کوئی پرندہ بھی پر مارتا ہے تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا بھی علم دے دیا گیا۔ (شان حبیب الرحمٰن، ص:۲۰۵)

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروروں درود

باعث تخلیق کائنات:

ہے انہیں کے دم قدم کی باغ عالم میں بہار وہ نہ تھے عالم نہ تھا گر وہ نہ ہوں عالم نہ ہو

وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے

تعظیم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم:

نہ ہو آقا کو سجدہ آدم و یوسف کو سجدہ ہو مگر سد ذرائع داب ہے اپنی شریعت کا

اللہ عزّ وجلّ کے حکم سے فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو اور یوسف علیہ السلام کے والد نے یوسف علیہ السلام کو سجدۂ تعظیمی کیا، مگر ہماری شریعت میں سجدۂ تعظیمی ممنوع ہے۔

پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار روکیے سر کو روکیے ہاں یہی امتحان ہے

''سجدے کو دل ہے بے قرار'' سے مراد سجدۂ تعظیمی ہے جو ممنوع ہے۔

مالک ومختار:

با عطا تم شاہ تم مختار تم بے نوا ہم زار ہم لاچار ہم

اللہ عزّ وجلّ کی عطا سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مالک ومختار ہیں، شاہ دو عالم ہیں۔ ہم بے کس و بے نوا، مجبور اور لاچار ہیں۔

موضوع، جھوٹی اور من گڑھت حدیث کی آڑ لے کر نیچری شاعر الطاف حسین حالی نے کہا:

نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم کہ بے چارگی میں برار ہیں ہم تم

مظہر حق:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے مظہر اتم ہیں۔

محمد مظہر کامل ہے حق کی شان عزت کا نظر آتا ہے اس کثرت میں بھی انداز وحدت کا

مظہر حق ہو تمہیں مظہر حق ہو تمہیں تم سے ظاہر ہے خدا تم پہ کروروں درود

شہا کیا ذات تیری حق نما ہے فرد امکاں میں کہ تجھ سے کوئی اوّل ہے نہ تیرا کوئی ثانی ہے

وہی ہے اوّل وہی آخر وہی ہے ظاہر وہی ہے باطن

اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

نورحق:

وہی نورحق وہی ظلّ رب ہے انہیں سے سب ہے انہیں کا سب
نہیں ان کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں

جس نے ٹکڑے کیے ہیں قمر کے وہ ہے نور وحدت کا ٹکڑا ہمارا نبی

اٹھا دو پردہ دکھا دو چہرہ کہ نور باری حجاب میں ہے
زمانہ تاریک ہو رہا ہے کہ مہر کب سے نقاب میں ہے

جاں نثاری:

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان عرب

کروں تیرے نام پہ جاں فدا نہ بس ایک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھرا کروں کیا کروروں جہاں نہیں

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ محبوب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر دو جہاں نثار کرنے کے بعد بھی حسرت سے فرماتے ہیں کہ اگر کروروں جہاں ہوتے تو وہ بھی سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر نثار کر دیتا مگر کیا کروں کہ کروروں جہان نہیں ہیں۔ ایسی جاں نثاری کی مثال عالمی ادب میں نثر و نظم میں مفقود ہے۔

استغاثہ واستعانت:

بے اصل بے ثبات ہوں بحر کرم مدد پروردۂ کنار سراب و حباب ہوں

یا خدا بہر جناب مصطفیٰ امداد کن یا رسول اللہ از بہر خدا امداد کن

بکار خویش حیرانم اغثنی یا رسول اللہ پریشانم پریشانم اغثنی یا رسول اللہ

(میں اپنے کیے پر حیران اور شرمندہ ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ میں بہت ہی پریشان ہوں یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

شہا بے کس نوازی کن طبیبا چارہ سازی کن مریض درد عصیانم اغثنی یا رسول اللہ

(اے بادشاہ! مجھ بے کس کو سہارا دیجیے، اے طبیب! چارہ گری کیجیے، میں درد عصیاں کا مریض ہوں، یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری فریاد رسی کیجیے۔)

بے مثل و بے مثال:

نہیں جس کے رنگ کا دوسرا نہ تو ہو کوئی نہ کبھی ہوا کہو اس کو گل کہے کیا بنے کہ گلوں کا ڈھیر کہاں نہیں

ترا مسند ناز ہے عرش بریں ترا محرم راز ہے روح امیں تو ہی سرور ہر دو جہاں ہے شہا ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم

مندرجہ بالا اشعار میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے حدیث "أيّكم مثلى" کی طرف اشارہ کیا ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سرّ اللہ ہیں:

کھلے کیا راز محبوب ومحبّ مستان غفلت پر شراب قد رأى الحق زیب جام من رآنی ہے

(غفلت میں مست پڑے لوگوں میں محبوب ومحبّ کے درمیان کا راز کیوں کر کھلے، آپ کے جام کی زیب وزینت وہ شراب ہے جو اس بات کی مظہر ہے: جس نے مجھے دیکھا اس نے بے شک اللہ کو دیکھا۔

پہلے مصرع سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سرّ اللہ ہیں۔

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب نے دبستان نعت شمارہ: ۵، صفحہ: ۲۹۹ پر امام بوصیری علیہ الرحمہ کے مندرجہ ذیل شعر پر گمراہ کن تبصرہ کیا ہے:

أنت سر الله فى الخلق والسر على العمىٰ أشد احتجابا

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مخلوق میں اللہ کے راز ہیں اور راز داریاں اندھوں سے بہت زیادہ مخفی رہتی ہیں۔)

تبصرہ: اس تناظر میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سر اللہ کہنا غیر قرآنی نقطہ نظر ہے۔ (دبستان نعت، شمارہ: ۵، ص: ۲۹۹)

دوسرے مصرع میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے حدیث؛ ''من رآنی فقد رأى الحق''۔ (جس نے مجھے دیکھا بے شک اس نے خدا کو دیکھا۔) اس مصرع کا مطلب ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مظہر حق ہیں، اللہ عزّ وجلّ کے مظہر کامل ہیں، جیسا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے دیگر اشعار میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے مظہر حق اور مظہر کامل کا استعمال ہوا ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا۔

واردات قلب:

تو نے تو کر دیا طبیب آتش سینہ کا علاج آج کے دود آہ میں بوئے کباب آئی کیوں

جلی جلی بو سے اس کی پیدا ہے سوزش عشق چشم والا کباب آہو میں بھی نہ پایا مزہ جو دل کے کباب میں ہے

دل کھول کے خوں رو لے غم عارض شہ میں نکلے تو کہیں حسرت خوں نابہ شدن پھول

سوزش عشق میں دل کا کباب ہونا اور ایسا کباب جس کا ذائقہ کباب آہو میں بھی نہ ہو، یہ جذبات اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ہیں جس کی ترجمانی کسی زبان کا شاعر اب تک نہ کر سکا۔

رد بد مذہباں:

جب کوئی گمراہ بد دین، رافضی ہو یا مرزائی، وہابی ہو یا دیوبندی وغیرہ (**خذلھم اللّٰہ تعالیٰ أجمعین**) مسلمانوں کو بہکائے، فتنہ وفساد برپا کرے تو اس کا دفاع اور قلوب مسلمین سے شبہات شیاطین کا رفع فرض اعظم ہے۔ (فتاوی رضویہ مترجم، ج:۲۱، ص:۲۵۶)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے رد بد مذہباں سے متعلق متعدد اشعار ارشاد فرمائے ہیں، چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

سورج الٹے پاؤں پلٹے چاند اشارے سے ہو چاک　　اندھے نجدی! دیکھ لے قدرت رسول اللہ کی
تجھ سے اور جنت سے کیا مطلب وہابی دور ہو　　ہم رسول اللہ کے جنت رسول اللہ کی

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مالک جنت ہیں، جس کو چاہیں جنت عطا کر دیں، عشرۂ مبشرہ کو دنیا ہی میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی اور ان کے علاوہ بھی کئی صحابہ کرام کے بارے میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جنتی ہو۔

نجدی اس نے تم کو مہلت دی کہ اس عالم میں ہے　　کافر و مرتد پہ بھی رحمت رسول اللہ کی
دشمن احمد پہ شدت کیجیے　　ملحدوں کی کیا مروت کیجیے
شرک ٹھہرے جس میں تعظیم حبیب　　اس برے مذہب پہ لعنت کیجیے
ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو!　　واللہ ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مالک جنت ہیں:

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے رب کی عطا سے مالک جنت ہیں، معطی جنت ہیں، جسے چاہیں عطا فرمائیں، امام حجۃ الاسلام غزالی، امام احمد قسطلانی مواہب لدنیہ پھر علامہ محمد زرقانی اسی کی شرح میں فرماتے ہیں: انّ اللہ تعالیٰ ملکہ الارض کلھا وانہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یقطع ارض الجنۃ ماشاء منھا لمن شاء فارض الدنیا اولی۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کی تمام زمینوں کا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مالک کر دیا ہے، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنت کی زمین میں سے جسے چاہیں جاگیر بخش دیں تو دنیا کی زمین کا کیا ذکر۔ (فتاویٰ رضویہ قدیم، ج:۶، ص:۱۴۶)

فضائل مدینہ:

ہم خاک اڑائیں گے جو وہ خاک نہ پائی　　آباد رضاؔ جس پہ مدینہ ہے ہمارا

حاجیو! آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو کعبہ تو دیکھ چکے کعبے کا کعبہ دیکھو
یہ نہیں کہ خلد نہ ہو نکو وہ نکوئی کی بھی ہے آبرو مگراے مدینے کی آرزو جسے چاہے تو وہ سماں نہیں

محاسن کلام:

رجائیت:(Optimism)

سنتے ہیں کہ محشر میں صرف ان کی رسائی ہے گر ان کی رسائی ہے لو جب تو بن آئی ہے
کریم ایسا ملا کہ جس کے، کھلے ہیں ہاتھ اور بھرے ہیں دامن
بتاؤ اے مفلسو! کہ پھر کیوں تمہارا دل اضطراب میں ہے

قصیدۂ معراجیہ:

در تہنیت شادی اسریٰ کے عنوان سے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی ایک نظم ہے جو غزل کی ہیئت میں ہے، جس کا عنوان ہے''معراج نظم نذر گدا بحضور سلطان الانبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ والثناء''۔ یہ نظم ایک سو انہتر (۱۶۹) اشعار پر مشتمل ہے۔ چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

وہ سرور کشور رسالت جو عرش پر جلوہ گر ہوئے تھے
نئے نرالے طرب کے ساماں عرب کے مہمان کے لیے تھے
خوشی کے بادل امنڈ کے آئے دلوں کے طاؤس رنگ لائے
وہ نغمہ نعت کا سماں تھا حرم کو خود وجد آرہے تھے
تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوش لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے

سلام:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا سلام ۱۸۴/اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کا قافیہ رحمت، ہدایت وغیرہ اور ردیف''لاکھوں سلام'' ہے۔ یہ سلام بحر متدارک مسبغ پر ہے، جس کے اوزان؛ فاعلن فاعلن فاعلن فاعلان ہیں۔

مطلع کے دونوں مصرعے بحر متدارک مسبغ پر ہیں، بقیہ اشعار میں کہیں کہیں پہلا مصرع بحر متدارک مسبغ پر ہے ان کے علاوہ ہر شعر کا پہلا مصرع بحر متدارک پر ہے، جس کے اوزان فاعلن فاعلن فاعلن فاعلن ہیں۔ چند اشعار اور ان کی تقطیع ملاحظہ فرمائیں:

مصطفٰی	جان رح	مت پہ لا	کھوں سلام
فاعلن	فاعلن	فاعلن	فاعلان
شمع بز	مے ہدا	یت پہ لا	کھوں سلام
مہر چر	خے نبو	وت پہ رو	شن درود
فاعلن	فاعلن	فاعلن	فاعلان
گول با	غے رسا	لت پہ لا	کھوں سلام

تقطیع میں ضمہ (پیش) کو بوقت ضرورت ''وٗ'' سے بدل دیتے ہیں، جیسا کہ اوپر ''گل'' کو ''گول'' کیا گیا ہے۔

عرش تا	فرش ہے	جس کے زے	رے نگیں
فاعلن	فاعلن	فاعلن	فاعلن/ فاعلان
اس کی قا	ہر ریا	ست پہ لا	کھوں سلام

حدائق بخشش میں ایک نعت ہے جو بحر وافر پر ہے، بحر وافر عربی کی بحر ہے، اعلیٰ حضرت کی اس نعت کے علاوہ اس بحر پر میری نظر سے کوئی کلام نہیں گزرا ہے۔ بحر وافر مثمن سالم کے اوزان: مفاعلتن مفاعلتن مفاعلتن مفاعلتن ہیں۔ ایک مصرع میں چار بار اور ایک شعر میں آٹھ بار آتے ہیں۔

مطلع ملاحظہ فرمائیں:

زمین و زماں تمہارے لیے مکین و مکاں تمہارے لیے
ہم آئے یہاں تمہارے لیے اٹھے بھی وہاں تمہارے لیے

زمین و زماں	تمہارے لیے	مکین و مکاں	تمہارے لیے
مفاعلتن	مفاعلتن	مفاعلتن	مفاعلتن
ہم آئے یہاں	تمہارے لیے	اٹھے بھی وہاں	تمہارے لیے
مفاعلتن	مفاعلتن	مفاعلتن	مفاعلتن

تسبیغ یا ازالہ:

سبب خفیف کے درمیان الف کا اضافہ کرنا جیسے فاعلن سے فاعلان۔ فعولن سے فعولان۔ مفاعلن سے مفاعلان۔ تسبیغ کا استعمال ارکان افاعیل کے آخری رکن یا نصف آخر میں ہوتا ہے، اعلیٰ حضرت کے

سلام میں آخری رکن میں تسبیغ فاعلان کا استعمال ہوا ہے۔ مندرجہ ذیل نعت میں نصف آخر میں تسبیغ کا استعمال ہوا ہے۔ یہ نعت بحر ہزج اخرب پر ہے، جس میں بعض مصرعے بحر ہزج اخرب مسبغ پر ہیں:

اس گل کے سوا ہر پھول باگوش گراں آیا دیکھے ہی گی اے بلبل جب وقت خزاں آیا

اس گل ک	سوا ہر پھول	باگوش	گراں آیا
مفعول	مفاعیلان	مفعول	مفاعیلن
دیکھے ہی	گی اے بلبل	جب وقت	خزاں آیا
مفعول	مفاعیلن	مفعول	مفاعیلن

طیبہ کے سوا سب باغ پامال فنا ہوں گے دیکھو گے چمن والو جب عہد خزاں آیا

طیبہ کے	سوا سب باغ	پامال	فنا ہوں گے
مفعول	مفاعیلان	مفعول	مفاعیلن
دیکھو گے	چمن والو	جب عہد	خزاں آیا
مفعول	مفاعیلن	مفعول	مفاعیلن

کچھ نعت کے طبقے کا عالم ہی نرالا ہے سکتہ میں پڑی ہے عقل چکر میں گماں آیا

کچھ نعت	کے طبقے کا	عالم ہی	نرالا ہے
مفعول	مفاعیلن	مفعول	مفاعیلن
سکتہ میں	پڑی ہے عقل	چکر میں	گماں آیا
مفعول	مفاعیلان	مفعول	مفاعیلن

بحر ہزج اخرب میں نصف اول مصرع میں تسبیغ کا استعمال کر کے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنے کلام میں عروضی تجربہ کیا ہے۔ ایسا تجربہ شاید ہی کسی اردو شاعر نے کیا ہو۔

مندرجہ ذیل نعت بحر ہزج مسدس اخرب مقبوض محذوف پر ہے، جس کے اوزان: مفعول مفاعلن فعولن، مفعول مفاعلن فعولن ہیں۔ ایک مصرع میں تین بار اور ایک شعر میں چھ بار ارکان افاعیل کا استعمال ہوتا ہے۔ مفعول کی جگہ مفعولن اور مفاعلن کی جگہ فاعلن اور مفاعیل بھی آتا ہے۔

فریاد ہے نفس کی بدی سے اللہ اللہ کے نبی سے

دوسری بار ''اللہ'' کی جگہ ''الہٰ'' ہونا چاہیے، غالب گمان ہے کہ نقل کرنے میں مرتب سے سہو ہوا، کیوں کہ تقطیع میں الہٰ پر وزن صحیح ہوتا ہے۔

اللہ اللہ کے نبی سے فریاد ہے نفس کی بدی سے
مفعول مفاعلن فعولن مفعول مفاعلن فعولن

دن بھر کھیلوں میں خاک اڑائی لاج آئی نہ ذروں کی ہنسی سے
دن بھر کھے لوں میں خاک اڑائی لاجائی نہ ذروں کی ہنسی سے
مفعولن مفاعیل فعولن مفعولن مفاعیل فعولن

شب بھر سونے ہی سے غرض تھی تاروں نے ہزار دانت پیسے
شب بھر سو نے ہی سے غرض تھی تاروں نے ہزاردا ت پیسے
مفعولن مفاعلن فعولن مفعولن مفاعلن فعولن

ایمان پہ موت بہتر او نفس تیری ناپاک زندگی سے
ایمان پہ موت بہہ تر و نفس تیری نا پاک زن دگی سے
مفعول مفاعلن فعولان مفعولن فاعلن فعولن

پہلے مصرع میں تسبیغ کی وجہ سے فعولن کی جگہ فعولان کا استعمال ہوا ہے۔

چار زبانوں پر مشتمل نعت:

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی مشہور نعت "**لم يات بظيرك فى نظر**" چار زبانوں پر مشتمل ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

لم يات نظيرك فى نظر مثل تو نہ شد پیدا جانا جگ راج کو تاج تورے سر سوہے تجھ کو شہ دوسرا جانا

(یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کی نظیر محال ہے، آپ کے جیسا کوئی پیدا نہ ہوا۔ دنیا کی سلطنت کا تاج آپ کے سر کی زیب و زینت ہے۔ آپ دونوں جہاں کے شاہ ہیں۔)

البحر علا والموج طغیٰ من بے کس و طوفاں ہوش ربا
منجدھار میں ہوں بگڑی ہے ہوا موری نیا پار لگا جانا

(حوادث زمانہ کا سمندر اٹھان پر ہے اور موجوں میں طغیانی ہے اور میں بے سہارا ہوں اور طوفان ہوش اڑا دینے والا ہے۔ میں بیچ بھنور میں ہوں اور ہوا مخالف ہے۔ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میری کشتی کو پار لگا دیئے)

یا قافلتی زیدی اجلك رحمے بر حسرت تشنہ لبک
مورا جیرا لرجے درک طیبہ سے ابھی نہ سنا جانا

(اے میرے قافلے! اپنے قیام کی میعاد بڑھا دے، دید کے پیاسے میرے چھوٹے ہونٹوں کی حسرت پر رحم کر، میرا دل دھک دھک کر رہا ہے۔ طیبہ سے واپسی کا فیصلہ ابھی نہ سنا۔)

یہ نعت بحر متدارک مخبون ومقطوع مجتمع پر کہی گئی ہے۔ جس کے اوزان ''فِعْلُن فَعِلُن فِعْلُن فَعِلُن'' ہیں۔ یہ ارکان افاعیل ایک مصرع میں آٹھ بار اور ایک شعر میں سولہ بار استعمال ہوئے ہیں۔

آخری شعر کی تقطیع مندرجہ ذیل ہے؛

یا قا	فلتی	زیدی	اجلک	رحمے	برحس	رت تش	ن لبک
فِعْلُن	فَعِلُن	فِعْلُن	فَعِلُن	فِعْلُن	فِعْلُن	فَعِلُن	فَعِلُن
مُرَ جی	یَرَلر	جے در	کدرک	طیبہ	سے ابھی	ن سنا	جانا
فَعِلُن	فَعِلُن	فِعْلُن	فَعِلُن	فِعْلُن	فَعِلُن	فَعِلُن	فِعْلُن

من زار تربتی وجبت لہ شفاعتی ان پر درود جن سے نوید ان بشر کی ہے

حدائق بخشش کے تمام نسخوں میں پہلا مصرع اسی طرح چھپا ہے، جب کہ تقطیع میں ''لہٗ'' کو''لہٗ'' (''ہٗ'' کو ساکن) پڑھنے پر وزن صحیح ہوتا ہے، جب کہ یہاں ساکن نہیں پڑھا جا سکتا ہے۔ غالب گمان ہے کہ ''وجبت'' کے پہلے لفظ''لہٗ'' تھا جو''وجبت'' کے بعد چھپ گیا ہے۔

یہ شعر مرکب بحر مضارع اخرب مکفوف محذوف پر ہے۔

من زار	تربتی ل	ہٗ وَجُبَتْ ش	فاعتی	ان پر د	رود جن س	نویدُ ن ب	شر کی ہے
مفعول	فاعلات	مفاعیل	فاعلن	مفعول	فاعلات	مفاعیل	فاعلن

تسکین اوسط کے اصول کے تحت ''وَجَبت'' کی جیم متحرک کو ساکن کیا گیا ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے کلام میں فنی وعروضی حسن بدرجۂ اتم جود ہے۔

صنائع وبدائع:

صنعت طباق بالحروف:

نام حق پر کرے محبوب دل وجاں قرباں حق کرے عرش سے تا فرش نثار عارض

اس شعر کے دوسرے مصرعے میں حرف ''سے'' اور حرف ''تا'' دو حرف استعمال ہوئے ہیں، جہت معنیٰ میں مختلف ہونے کے سبب دونوں میں طباق ہے۔

صنعت عکس:

خبیث بہر خبیثہ، خبیثہ بہر خبیث　　　　کہ ساتھ جنس کو باز و کلاغ لے کے چلے

عکس فی الکلام یہ ہے کہ کلام کے آخر کو کلام کا اوّل کر دینا یعنی جس حصے کو کلام کا جزو اوّل بنایا تھا اس کو کلام کا جزو ثانی بنا دیا جائے۔ جیسے پہلے مصرعے میں ''خبیث خبیثہ کے لیے، خبیثہ خبیث کے لیے''۔اس شعر میں حضرت رضؔا نے قرآن کی اس آیت سے:**الخبیثٰت للخبیثین و الخبیثون للخبیثات**۔ (پ:۱۸،سورہ:النور،آیت:۲۶) یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ **الجنس یمیل الیٰ الجنس** یعنی جنس اپنی ہی جنس کی طرف مائل ہوتی ہے، اگر یہ قاعدہ کلیہ غلط ہوتا تو اہلیان گنگوہ و تھانہ بھون جنگلی کوے اور زاغ معروفہ اور غیر معروفہ کو حلال قرار نہ دیتے کیوں کہ طالبان حرام ایک جنس ہیں اور مطلوبان حرام ایک جنس اور جنس کو جنس کی طرف ہی میلان ہوتا ہے۔ اس شعر میں یہی بیان ہوا ہے۔ خلاصہ یہ کہ خبیث شخص خبیث کا طلب گار ہے اور مطلوبہ خبیث شئی خبیث شخص کے لیے ہے۔ اسی طرح وہابیہ اور نیاچرہ جن کے اندر انبیا اور اولیا سے بغض کی خباثت ہے ان کو انبیا اور اولیا میں عیب نظر آتا ہے۔ آیت کریمہ:" **الخبیثٰت للخبیثین و الخبیثون للخبیثٰت والطیبٰت للطیبین و الطیبون للطیبٰت**"۔ (پ:۱۸،سورہ:النور،آیت۲۶) ترجمہ: گندیاں گندوں کے لیے اور گندے گندیوں کے لیے اور ستھریاں ستھروں کے لیے اور ستھرے ستھریوں کے لیے۔ (کنزالایمان)

تفسیر: خبیث کے لیے خبیث لائق ہے، خبیثہ عورت خبیث مرد کے لیے اور خبیث مرد خبیثہ عورت کے لیے۔ (خزائن العرفان)

صنعت تلمیح:

کوئی متکلم اپنے کلام میں کسی آیت یا حدیث یا مشہور شعر یا رائج کہاوت یا قصے کی تشریح نہ کر کے ان کی طرف اشارہ کر دے۔ جیسے:

عرش مژدۂ بلقیس شفاعت لایا　　　　طائر سدرہ نشیں مرغ سلیمان عرب

حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے بھی خبر لائی گئی مگر ملکہ بلقیس کی، وہ بھی ملک سبا سے اور خبر لانے والا ایک پرندہ ہدہد تھا مگر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے مقام شفاعت کی خبر لائی گئی، وہ بھی عرش سے اور لانے والا طائر لاہوتی جبرئیل امین ہے۔

تجنیس تام مماثل:

کلام میں دو ایسے لفظ آجائیں کہ انواع میں متحد و متفق ہوں یعنی ایک اسم ہو تو دوسرا بھی اسم، ایک فعل تو دوسرا بھی فعل، مگر دونوں کے معانی مختلف ہوں جیسے:

دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان　　　کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام

مصرع اوّل میں لفظ ''کان'' بمعنی آلہ سماعت اسم ہے اور مصرع ثانی میں لفظ ''کان'' بمعنی معدنیات کے نکلنے کی جگہ اسم ہے اور دونوں لفظ تمام امور میں متحد و متفق بھی ہیں۔

سونا پاس ہے سونا بن ہے، سونا زہر ہے اٹھ پیارے
تو کہتا ہے نیند ہے میٹھی تیری مت ہی نرالی ہے

مصرع اوّل میں پہلا لفظ ''سونا'' بمعنی دھات اسم ہے اور مصرع اوّل کے آخر میں لفظ ''سونا'' بمعنی ''نیند'' اسم ہے اور دونوں لفظ تمام امور میں متحد و متفق ہیں۔

لف و نشر مرتب:

لف و نشر مرتب یہ ہے کہ اس میں تفصیل اشیاء ترتیب کے ساتھ ہوتی ہے۔ جیسے:

دندان و لب و زلف و رخ شہ کے فدائی　　　ہیں در عدن لعل یمن مشک ختن پھول

مصرع اوّل میں چار چیزوں: ۱۔ دندان (دانت)، ۲۔ لب (ہونٹ)، ۳۔ زلف (بال)، ۴۔ رخ (چہرہ) کا ذکر ہوا، مصرع ثانی میں چاروں کی مناسبت سے چار چیزوں کا ذکر ہوا: دندان کی مناسبت سے در عدن، لب کی مناسبت سے لعل یمن، زلف کی مناسبت سے مشک ختن اور رخ کی مناسبت سے پھول کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس شعر میں صنعت لف و نشر مرتب ہے۔

صنائع بدائع کے تعلق سے میرزا امجد رازی کی کتاب ''بدیع الرّضا فی مدح المصطفیٰ'' سے استفادہ کیا گیا ہے۔

حضرت رضؔا کی سحر بیانی:

ملک سخن کی شاہی تم کو رضؔا مسلم　　　جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیے ہیں
اے رضؔا جان عنادل ترے نغموں کے نثار　　　بلبل باغ مدینہ ترا کہنا کیا ہے
گونج گونج اٹھے ہیں نغمات رضؔا سے بوستاں　　　کیوں نہ ہو کس پھول کی مدحت میں وا منقار ہے

یہی کہتی ہے بلبل باغ جناں کہ رضؔا کی طرح کوئی سحر بیاں
نہیں ہند میں واصف شاہ ہدیٰ مجھے شوخی طبع رضؔا کی قسم

حضرت رضؔا کی سحر بیانی دل پر اثر کرنے والی ہے اور سامعین کو مسحور کر دینے والی ہے، کیوں کہ انہوں نے سرکار ابد قرار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مالک ومختار سیدنا محمد رسول اللہ کی مدحت میں اپنے لب کھولے ہیں۔

رباعی: رباعی کو ترانہ یا دو بیتی بھی کہتے ہیں جو بحر ہزج مثمن کے زحافات کے علاوہ کسی بحر میں نہیں کہی جاتی۔ رباعی کے چوبیس اوزان مقرر ہیں۔ بارہ اخرب اور بارہ اخرم کے ان کے علاوہ کسی بھی وزن پر رباعی نہیں کہی جا سکتی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے تراسی (۸۳) رباعیاں کہی ہیں جن میں رباعی مستزاد چار (۴) ہیں۔ ایک حمدیہ رباعی ہے اور تیرہ (۱۳) رباعیات نعتیہ ہیں۔ ان کے علاوہ تمام رباعیاں حضرت عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی منقبت پر مشتمل ہیں۔ پہلی رباعی حمدیہ ہے جو عربی میں ہے اور بقیہ فارسی میں ہیں:

اے ظل الٰہ شیخ عبد القادر اے بندہ پناہ شیخ عبد القادر
اے ظل الٰہی شیخ عبد القادر ! اے بندے کی پناہ عبد القادر !
محتاج و گدائیم و تو ذو التاج کریم شیئاً للّٰہ شیخ عبدالقادر

ہم تیرے محتاج وگدا ہیں تو بادشاہ وکریم ہے۔ اللہ کے لیے کچھ عطا ہو شیخ عبدالقادر

یہ رباعی بحر ہزج اخرب کے بارہ اوزان میں سے ایک پر ہے۔

تقطیع:

اے ظلِّ	الٰہ شی	خ عبدالقا	در	اے بند	پناہ شی	خ عبدالقا	در
مفعول	مفاعلن	مفاعیلن	فع	مفعول	مفاعلن	مفاعیلن	فع

اعلیٰ حضرت قدس سرہ بحیثیت نعت گو حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور حضرت امام بوصیری رضی اللہ عنہ کی نعتیہ شاعری کے ترجمان ہیں۔ میں اپنی گفتگو حضرت رضؔا بریلوی علیہ الرحمہ کے اس مقطع پر ختم کرتا ہوں:

کرم نعت کے نزدیک تو کچھ دور نہیں کہ رضؔائے عجمی ہو سگ حسان عرب

☆☆☆

ڈاکٹر راہؔی فدائی (بنگلور)

بارہویں صدی ہجری کے ایک باکمال نعت گو فارسی شاعر علامہ معؔجز مدراسی

دنیا کی قدیم مہذب زبانوں میں سے فارسی ایک ایسی آریائی زبان ہے جو انتہائی شیریں، بے حد شستہ اور بہت ہی شائستہ ہونے کے علاوہ بڑی سہل الحصول بھی ہے۔ اردو اور عربی کی طرح اس میں تذکیر و تانیث کی پریشانیاں نہیں ہیں، اس زبان کا مزاج لطیف اور اس کی طبع سلیم نازک و سبک ہونے کی وجہ سے اس کا ادبی سرمایہ دوسری معاصر زبانوں کے مقابلے میں بہت زیادہ پُر ثروت و پُر عظمت ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ فارسی زبان و ادب کی ابتدا قبل مسیح چوتھی صدی کے آس پاس ہوئی تھی، بقول مشہور محقق و ماہر لسانیات ڈاکٹر عارف نوشاہی:

> ''قدیم فارسی کی تاریخ دو حصوں میں منقسم ہے، ایک قبل از اسلام دوسرا بعد از اسلام، دورِ قبل اسلام کی فارسی ''پہلوی'' کہلاتی تھی، جس کا رسم الخط وہ نہیں تھا جو اب ہے۔ اس کے اکثر الفاظ متروک و منسوخ ہو چکے ہیں، اس کے چند ہی الفاظ اپنی اصلی حالت میں یا کچھ بدلی ہوئی حالت میں موجود ہیں، جدید فارسی کا عہد ظہور اسلام کے بعد سے شروع ہوتا ہے، اس دور کی چوتھی صدی ہجری میں فارسی زبان میں باقاعدہ تصنیف و تالیف کی ابتدا ہوئی تھی، حالانکہ اس سے پیشتر جستہ جستہ شعرا کے کلام کے نمونے ملتے ہیں۔'' (۱)

قدیم پہلوی زبان کا رسم الخط ''کونی فارم (Cunei Form) تھا، ساسانی سلطنت کے بادشاہ خسرؔو اوّل (متوفی ۵۷۹ء) نے اس کا خط ''خسرو قبادان وریک'' میں بدل دیا، پھر جب مکہ مکرمہ میں اسلام کا سورج بڑے آب و تاب کے ساتھ طلوع ہوا اور اس کی زریں شعائیں عرب سے آگے بڑھ کر عجم کی سرزمین کو منور کرنے لگیں تو اس خیر القرون کے سنہ ۲۲ ہجری مطابق ۶۴۲ء میں فارسی

زبان عربی رسم الخط میں تبدیل ہوگئی۔(۲)

فارسی زبان وادب کی تاریخ میں ''نعت شریف'' کے حوالے سے گفتگو کریں تو یہ سوال پردۂ ذہن پر روشن ہوتا ہے کہ فارسی زبان کا اوّلین نعت گو شاعر کون تھا؟ اس کا جواب ہمیں فارسی شاعری کے باوا آدم ''ابوعبداللہ جعفرابن محمد رود کی سمرقندی'' (ولادت تقریباً ۲۶۹ھ وفات ۳۲۹ھ) کے دیوان میں موجود فصیح و بلیغ کلام کے منتشر عمدہ ترین اشعار سے ملتا ہے۔ یہ اشعار غزل کے رنگ میں پیش کئے گئے ہیں، شاعر نے نادر تشبیہات واستعارات کے توسط سے اپنے محبوب (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کی لاجواب و بے مثال تعریف کی ہے، اپنے اشعار میں شاعر نے اگرچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی کا برملا اظہار نہیں کیا ہے، بلکہ اس نے ایما واشارہ کے ذریعہ اپنے جذبات واحساسات اور اپنی عقیدت مندی کا اظہار کیا ہے ''ہزار بار بشوئم دہن ز مشک وگلاب۔ ہنوز نام تو گفتن کمالِ بے ادبی است'' کے مصداق ادب واحترام کا تقاضا بھی یہی ہے۔ ابوعبداللہ جعفر رودکی کے چند شہکار شعر ملاحظہ ہوں جو رنگِ نعت میں ڈوبے ہوئے ہیں:

''گرفت خواہم زلفینِ عنبرین ترا — بہ بوسہ نقش کنم برگ یاسمین ترا
ہر آں زمیں کہ تو یک رہ بروقدم بہ نہی — ہزار سجدہ برم خاک آں زمین ترا
ہزار بوسہ دہم بر سخائے نامۂ تو — اگر بہ بینم بر مہر او نگین ترا''
''بہ تیغ ہندی گو دست من جدا نکنند — اگر بگیرم روزی من آستین ترا''
''اے روئے تو چو روز دلیلِ موحداں — وے موئے تو چناں چو شب لحد ملحداں''

رباعی:

''بے روئے تو خورشید جہاں سوز مباد — ہم بے تو چراغ عالم افروز مباد
با وصف تو کس چو من بد آموز مباد — روزے کہ ترا نبینم آن روز مباد''

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ پانچویں صدی ہجری کے مشہور ومعروف صوفی بزرگ حضرت ابوسعید فضل اللہ بن ابوالخیر محمد (متوفی ۴۴۰ھ) کو ''ترا'' ردیف والے شعر بہت پسند تھے۔ آپ اپنے اصلاح وارشاد کی مجلسوں میں انہیں بڑی وارفتگی کے ساتھ سنایا کرتے تھے۔(۳)

ابوعبداللہ جعفر رودکی کے بعد حکیم ابوالقاسم فردوسی (ولادت ۳۲۹ھ وفات ۴۱۱ھ) نے اپنی مشہور زمانہ معرکہ آرا مثنوی ''شاہنامہ'' کے آغاز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں ''گفتار اندر ستائش پیغمبر'' کے عنوان کے تحت بڑے ادب واحترام کے ساتھ خراج عقیدت پیش کیا اور

ساتھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں خلفائے راشدین کا بھی ذکر کیا۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:

"ترا دانش و دیں رہاند درست | در رُستگاری بباید تو جست
بہ گفتار پیغمبر راہ جوئے | دل از تیرگی ہا بدیں آب شوئے
چہ گفت آں خداوند تنزیل و وحی | خدا وند امر و خدا وند نہی
گواہی دہم کیں سخن راز اوست | تو گوئی دو گوشم بر آواز اوست
محمد بدو اندروں با علی | ہماں اہل بیت نبی و وصی
کہ خورشید بعد از رسولان مہہ | نتابید ہر کس ز بوبکر بہ
عمر کرد اسلام را آشکار | بیا راست گیتی چو باغ بہار
پس از ہر دواں بود عثماں گزیں | خداوندِ شرم و خداوند دیں
چہارم علی بود جفت بتول | کہ اورا بہ خوبی ستاید رسول" (۴)

برصغیر ہندو پاک میں فارسی زبان کی ابتدا پانچویں صدی کی شروعات میں ہوئی جبکہ ہندوستان کے شمالی علاقوں پر سلطان محمد غزنوی نے اپنا تسلط قائم کر لیا تھا، بقول مؤلف "جنوب کے باکمال فارسی شعرا":

> "سلطان محمود بن سبکتگین غزنوی (ولادت ۳۸۸ھ وفات ۴۲۱ھ) نے شمال مغرب سے ۳۹۲ھ مطابق ۱۰۰۱ء میں ہندوستان پر حملے کئے اور پھر کم مدت (۴۱۲ھ مطابق ۱۰۲۱ء) میں سندھ، ملتان، پنجاب سے لے کر میرٹھ اور نواح دہلی تک کے علاقے اپنے قلمرو میں داخل کر لئے، تقریباً دیڑھ صدی سے زائد عرصے تک سلطان محمود کے جانشیں ہندوستان کے مذکور علاقوں پر حکومت کرتے رہے۔ اس مدت میں ان فاتح حکمرانوں کے ہمراہ ان کی زبان فارسی بھی سب سے پہلے ہندوستان میں پوری شان وشوکت کے ساتھ داخل ہو کر اپنی موجودگی کا احساس دلانے لگی، ہندوستان کے شمال میں اس وقت رائج زبان (سنسکرت، پراکرت، آپ بھرنش وغیرہ) کے مقابلے میں یہ فاتح زبان فارسی اپنی شیرینی، لطافت ونزاکت اور دلکشی ودلربائی کی وجہ سے بہت جلد اپنا منفرد مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئی۔" (۵)

سلطان محمود غزنوی کے بعد اُن کے فرزند سلطان مسعود بن محمود غزنوی اپنے والد کی وسیع وعریض سلطنت کے تنہا وارث وتاجدار مقرر ہوئے۔ اسی دور میں فارسی کے عظیم شاعر مسعود سعد لاہوری کے والد سعد سلیمان غزنی سے سفر کرتے ہوئے شہر لاہور آ کر قیام پذیر ہوگئے، جہاں مسعود کی ولادت

۴۴۰ھ مطابق ۱۰۴۸ء میں ہوئی۔ مسعودؔ نے لاہور کے جید علما سے تعلیم حاصل کی، لاہور کے علمی وادبی ماحول نے مسعود کو شعر وسخن کی طرف مائل کر دیا۔ انہوں نے فن شاعری میں اس قدر مہارت حاصل کرلی کہ اس دور کے سخن وروں میں آپ کی انفرادیت قائم ہوگئی، یہی وجہ تھی کہ آپ کو اپنے ہمنام سلطان مسعود بن محمود کے دربار میں باریابی کا زرّیں موقع حاصل ہوا اور رفتہ رفتہ اپنی خداداد صلاحیتوں کی بنا پر سلطان کے منظورِ نظر ہو کر ان کے مقربین میں شامل ہوگئے۔ مسعودؔ لاہوری نے سلطان کے ہمراہ مختلف جنگی معرکوں میں بھی حصہ لیا اور سلطان کی بزم آرائی سخن میں بھی آپ کا خاص مقام رہا۔ مسعود سعد کا ضخیم دیوان دو جلدوں میں تہران سے شائع ہوا ہے، جس میں انہوں نے اپنے سرپرست حکمرانوں کی تعریف وتوصیف میں طویل طویل فصیح وبلیغ قصیدے تحریر کیے، دیوان میں جابجا نعتیہ اشعار بھی اپنا جلوہ دکھارہے ہیں، بالخصوص رباعیوں میں رنگ نعت نمایاں نظر آتا ہے، یہاں نموتاً چند رباعیات پیش کی جارہی ہیں:

''گرچہ فلک پیش براندہ ست مرا — با بند گراں فرو نشاندہ ست مرا
تا دولبت از دور براندہ ست مرا — جز روئے تو آرزو نماندہ ست مرا''

''اے مدحت تو فرض، و دگر نافلہا — در بخشش تو قافلہ در قافلہا
جنے کہ بصد تیغ کس آنرا نکشاد — کلکِ تو کند عالیہا سافلہا''

'' قبلہ ست بدوستی ندائے تو مرا — جان است براستی ہوائے تو مرا
امروز چوکس نیست بجائے تو مرا — در جملہ چہ بہتر از رضائے تو مرا''

''اے آنکہ مرا قبلہ وثاقِ تو بس است — محرابِ من ابروئے بطاق تو بس است
سر مایۂ عمر اتفاق تو بس است — در جس مرا رنج فراق تو بس است''

'' گر نور فلک چو طبع ما گردد راست — در مدح تو از طبع سخن نتواں خواست
ہر بیت کہ در مدح تو خواہم آراست — درخورد تو نیست بلکہ در طاقت ما است''

'' ہر جاں کہ بود بر تر از آں باشی تو — بخریدہ امت بجان گراں باشی تو
ہر جائے مرا بجائے جان باشی تو — اے دوست بجان نہ رائگاں باشی تو''(٦)

فارسی کے بلند پایہ اس شاعر (مسعود سعد سلمان) کو برصغیر ہندوپاک کے اوّلین نعت گوشاعر ہونے کا اعزاز وامتیاز حاصل ہے۔ مسعود سعد کی وفات سنہ ۵۱۵ ہجری مطابق ۱۱۲۱ء میں ہوئی۔ آپ کے فرزند ابوسعید سعادت ابن مسعود سعد سلمان بھی فارسی کے مایہ ناز شاعر تھے، جن کی وابستگی سلطان

مسعود کے صاحبزادے سلطان بہرام بن مسعود غزنوی (متوفی ۵۴۷ھ) کے دربار سے تھی۔ خواجہ حافظ اور ثنائی نے مسعود سعد کے اشعار پر تضمینیں کہی ہیں مسعود سعد کے قصائد سے ''مشتے نمونہ خروارے'' درج ذیل اشعار پیش ہیں:

''دوش در روئے گنبد خضرا ماندہ بود ایں دو چشم من عمدا
لون انفاس داشت پشتِ زمیں رنگ زنگار داشت روئے ہوا
کلہئے بود پُر ز دُرِیتیم پردۂ پُر زِ لولوئے لالا''
''و ایں آدم و حوّا سبب اصل تو بودند اے اصل تو فخر و شرف آدم و حوّا
بر قبۂ خضرا ہمہ امر تو گردد ہر سعد کہ جاری است بر ایں گنبد خضرا''
'' آن سرو کہ سرو نیستش ہمسر آن ماہ کہ ماہ نیستش ہمتا'' (۷)

برصغیر میں فارسی کے اوّلین نعت گو شاعر (مسعود سعد سلمان) کے تذکرے کے بعد اس امر کی تحقیق اہم ہے کہ جنوبی ہند میں فارسی زبان کے اوّلین نعت گو ہونے کا شرف کس کو حاصل ہے، اس کا براہِ راست جواب معلوم کرنے سے پیشتر یہ جاننا ضروری ہے کہ جنوبی ہند کے بلند پایہ عالم وصوفی امام العارفین سلطان القلم حضرت ابوالفتح سید محمد حسینی معروف بہ بندہ نواز و گیسودراز (ولادت ۷۲۰ھ وفات ۸۲۵ھ) جو خواجہ نصیرالدین چراغ دہلوی (متوفی ۷۵۷ھ) کے خلیفۂ خاص اور علوم و معارف کے مخزن ومنبع تھے، جن کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے خود شیخ چراغ دہلوی نے یہ فرمایا تھا:

''ہر کو مرید سیدِ گیسو دراز شد واللہ خلاف نسبت کہ او عشق باز شد''

(رسالۃ البقاء)

حضرت بندہ نواز نے ایک سو پانچ سالہ طویل عمر پائی اور ایک سو پانچ کتابیں تصنیف کیں، سرزمین گلبرگہ کو آپ کی آخری آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے، سلطان احمد شاہ بہمنی (متوفی ۸۴۰ھ) نے مزار مبارک پر شاندار گنبد تعمیر کروایا۔ حضرت بندہ نواز عربی، فارسی اور دکنی زبان کے بہترین نثار اور اعلیٰ درجے کے شاعر تھے۔ آپ کے والد ماجد قدوۃ السالکین حضرت سید یوسف حسینی راجا معروف بہ ''راجو قتال'' مصنف ''تحفۃ النصائح'' بھی بندہ نواز کی طرح فارسی ادبیات کے ماہر اور فارسی کے باکمال شاعر تھے، آپ کو یہ اعزاز وامتیاز حاصل ہے کہ آپ جنوبی ہند میں فارسی نعت گوئی کے بنیاد گزاروں میں سے ہیں۔ تمام علاقۂ دکن میں آپ نے اپنے کلام بلاغت نظام کے ذریعہ نعتیہ شاعری کی ابتدا فرمائی۔ آپ کا فارسی دیوان مخطوطے کی شکل میں تا حال طباعت واشاعت کا منتظر ہے۔

بقول پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی:

''دیوانِ راجا کے پانچ مخطوطے ''سالار جنگ میوزیم لائبریری'' (حیدر آباد) میں موجود و محفوظ ہیں، جن میں ایک نسخۂ خطی کو اساسی نسخہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ جو ضخامت و قدامت کے اعتبار سے دیگر نسخوں سے مختلف ہے، یہ مخطوطہ نستعلیق میں ۱۴۵، اوراق پر مشتمل ہے اور ہر صفحے پر پندرہ پندرہ سطریں ملتی ہیں اور تاریخِ کتابت ۱۱۳۵ھ تحریر ہے۔ کاتب کا نام محمد مصطفیٰ بن سید غلام محی الدین قاضی جالنہ پور لکھا ہوا ہے جس میں ۳۴۳ غزلیں ہیں۔'' (۸)

پروفیسر شاہد نوخیز صاحب نے مذکورۂ بالا نسخے کے تعارف کے بعد باقی چاروں نسخوں کو بھی اہل ذوق کے استفادہ کے لئے متعارف کرایا ہے، حضرت راجو قتال کا وصال ۵/شوال ۱۳۱۷ھ کو ہوا، آپ کا مزار خلد آباد (اورنگ آباد) میں زیارت گاہِ خاص و عام بنا ہوا ہے۔ مزار شریف پر خوبصور گنبد موجود ہے، آپ کے مقبرے کے قریب مشہور سپہ سالار ''ملک عنبر'' کی قبر ہے۔ راقم الحروف (راہی فدائی) کو خلد آباد کی زیارت نصیب ہوئی، جنوبی ہند کے اوّلین فارسی نعتیہ شاعر ہونے کی حیثیت سے آپ کا کلام خاصہ معنی خیز و مضمون آفریں ہے، یہاں بطور نمونہ چند شعر پیش کئے جارہے ہیں:

''روئے کہ من بدیدم او در عیاں نگنجد	لذّت جمال آن رو، اندر بیاں نہ گنجد''
''ترک دنیا سرّ عبادت، حبّ دنیا سرّ خطا است	آں جمال نازنیں بے ترک دنیا کے بود''
''بے محمد بر در حق یار نیست	بے روائی کبریا دیدار نیست
در دوعالم بے تمثّل صورتے	ای بدر دیدار آن دیدار نیست''
''خورشید ہر دوعالم تاباں شد است مارا	از عرش تا سریّا غلطاں شد است مارا
آن رہ کہ قدسیاں را دشوار سخت آید	از فضل حق تعالیٰ آساں شد است مارا
امروز شاہِ شاہاں، مہماں شد است مارا	جبریلؑ با ملائک درباں شد است مارا''

آپ نے نعتیہ اشعار کے ہمراہ صحابۂ کرام بالخصوص خلفائے راشدین کا بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے:

''جز انبیاء و اولیا، زُہّاد صالح مرداں	فضلے ندارد بر ملک دیگر عوامے از بشر
ہرگز نباشد ہیچ کس پس انبیا بوبکر چوں	از بعد او می داں عمر، پس زان عثمانِ نگر
وز بعد او حیدر بداں گو بود شاہی در جہاں	مسلم شوی، مخلص ہمیں از فض گردی پاکتر'' (۹)

حضرت راجو قتال کے کلام کی رونمائی کے بعد آپ کے فرزند دل بند حضرت بندہ نواز گیسودراز قدس اللہ اسرارہم کے بے شمار نعتیہ اشعار میں سے دو چار شعر حصول سعادت کے طور پر پیش ہیں، ملاحظہ ہوں:

''اے خدا وندے کہ آدم شد منالِ ذات تو چوں محمد ﷺ خود برآمد دود خوش از چوب عود
اے خداوندے کہ خود بخود نظارہ کرد شخص او مرعات شد بہ ششت درگفت وشنود
اے خدوندے کہ جودت نیست جز عین وجود عین تو در عین احمد خویشتن را وا نمود'
''صباح الخیر روئے مہر افروز مساء الخیر جعد شب نما ئیست'
''جمیل من جمال اللہ روئش جمالِ او حدیث اجمال کرد است'
''معشوقۂ من ز نسل آدم نیست حورے ست، پری است یا خود آن ہم نیست
روح القدس است روح روح ایست نورے متمثل است مجسم نیست
در وصفِ چگونگی و چنی جز نقطۂ سرّ اسم اعظم نیست' (۱۰)

آخر میں ذہن کے گوشے سے اس سوال کا ظاہر ہونا بھی فطری ہے کہ لفظ لغت جیسا کہ آج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بیان فضائل وشمائل کے لئے مختص ہے، اس طرح کی تخصیص فارسی ادبیات کے ابتدائی دور میں نہیں تھی تو پھر کب نعت کا لفظ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی گرامی ذات اعلیٰ صفات کے لئے مخصوص کیا گیا اور کس شاعر نے اس کی شروعات کی؟ محققین ادب کی رائے میں چھٹی صدی ہجری کی شروعات تک نعت کا لفظ اپنے لغوی معنی میں بالعموم استعمال ہوتا تھا، لغت میں نعت کے معنے ''صفت''۔''نشان''۔''نشانی''۔''توصیف''۔کے ہیں۔

مسعود سعد (۴۴۰ھ۔۵۱۵ھ) کے یہ دو شعر دیکھیں:

''صفت و نعت او بہ نزد خرد ہمہ آلاء و کبریا باشد'
''روئے ترکان را تا وصف بہ لالہ ست و بہ گل زلف خوباں را تا نعت بہ قیر وساج است'

چھٹی صدی سے پہلے تک شعرا کی عام روش یہی تھی، مگر جب فارسی کے مشہور ومعروف قصیدہ گو سخنور افضل الدین خاقانی بن علی بن عثمان (ولادت ۵۱۴ھ۔وفات ۵۹۶ھ) کا دور آیا تو انھوں نے لفظ نعت کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مختص کر دیا۔اس کی توثیق کے لئے درج ذیل شعر ملاحظہ کریں:

''چوں بہ در مصطفیٰ نائب حسّاں توئی فرض بود نعت او حرزِ امم ساختن'
''چوں شود از نعت تو ایں لب منِ دُرفشاں چوں شود از مدح تو خاطر منِ زرفشاں'

''لا جرم از عشق نعت، و ز شغف مدح تو زآتش خاطر مراست شعر چوں آب رواں''(۱۱)

اس طویل تمہیدی بیان کے بعد آخر میں یہ بات عرض کرنی ہے کہ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ متأخرین شعرا و محققین ادبا کے نزدیک لفظ نعت کا اطلاق حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی اکمل ذات و احسن صفات اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کمالات و معجزات کی مدح و ثنا پر ہی ہوتا ہے، دیگر برگزیدہ کاملین وصالحین کی تعریف کو ''نعت'' کا نام نہیں دیا جائے گا بلکہ ''منقبت'' کہا جائے گا، تو ایسی صورت میں یہ اشکال باقی رہ جاتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف و تعریف میں کہے گئے نو بہ نو مضامین، نادر تشبیہات و جدید استعارات اور انوکھے خیالات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کو ہٹا دیں تو وہ تمام خوبیاں شاعر کے ممدوح و معشوق کے لئے بھی موزوں و موافق معلوم ہوں گی، پھر کس طرح اس شعری تخلیق کو ''نعت'' سے موسوم کرنا صحیح اور جائز ہوگا؟ اگر اس استفسار کے جواب میں یہ کہیں کہ ایسا استعمال صحیح ہے اور وہ تخلیق نعتیہ شاعری کے زمرے میں آئے گی تو سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح کے لئے لفظ نعت کا استعمال مخصوص نہیں رہ پائے گا۔ اور اگر یہ جواب دیں کہ ایسی تخلیقات کو نعت کہتے ہوئے تکلف ہوگا تو ہمارے اکابر شعرا کا بہت سارا نعتیہ کلام تنقید و تعریض کی زد میں آجائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل نظر اساتذہ کرام نے اس کا حل نکالتے ہوئے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس ذات اور منور صفات کی مدح و ثنا میں رطب اللسان ہوتے ہوئے یہ نہ فراموش کریں کہ یہ توصیف سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو رہی ہے، جس کے اظہار کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب الفاظ اشارۃً یا کنایۃً سہی شعر کی زینت بنائیں تاکہ قاری یا سامع کا ذہن نعتیہ نت نئے رنگوں سے روشن و تابناک ہو۔ اس عمل سے یہ فائدہ ہوگا کہ نعتیہ شعر کی معنویت بے کرانی سے ہمکنار ہوگی اور اس کا باطنی مناسبات کا بھی بخوبی ادراک ہو جائے گا۔

ساتویں صدی ہجری کے نصف آخر اور آٹھویں صدی کے نصف اوّل میں جنوبی ہند میں فارسی نعتیہ شاعری کا جو مبارک آغاز ہوا اس کا نورانی تسلسل حضرت سید یوسف حسینی راجو قتال (متوفی ۷۳۱ھ)، سلطان محمود شاہ بہمنی (متوفی ۷۹۹ھ)، سلطان فیروز شاہ بہمنی (متوفی ۸۲۵ھ)، حضرت بندہ نواز گیسو دراز (متوفی ۸۲۵ھ)، خواجہ محمود گاواں (شہادت ۸۸۶ھ)، سلطان یوسف عادل شاہ (متوفی ۹۱۶ھ)، سلطان اسماعیل عادل شاہ (متوفی ۹۴۱ھ)، ملّا ظہوری (متوفی ۱۰۲۵ھ)، ملک الشعراء ملک قمّی (متوفی ۱۰۲۵ھ)، نظام الملک آصف جاہ اوّل آصفؔ (متوفی ۱۱۶۱ھ)، آصف جاہ دوم ناصر جنگ آفتاب (شہادت ۱۱۶۴ھ)، شاہ سراجؔ اورنگ آبادی

(متوفی ۱۱۷۷ھ)، مولانا ندیم اللہ خاں ندیمؔ آرکاٹی (متوفی ۱۱۸۰ھ)، حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی ویلوری (متوفی ۱۱۸۲ھ)، حضرت سید شاہ عبداللطیف ذوقی ویلوری (متوفی ۱۱۹۴ھ)، علامہ میر غلام علی آزدبلگرامی (متوفی ۱۲۰۰ھ)، حضرت سید شاہ مہربان فخری (متوفی ۱۲۰۳ھ)، علامہ باقر آگاہ ویلوری (متوفی ۱۲۲۰ھ)، جامئ دَکن حضرت شاہ کمال کڑپوی (متوفی ۱۲۲۴ھ) وغیرہ باکمال سخنوروں کے نعتیہ مجموعوں اور شعری دیوانوں کا اٹوٹ حصہ بن کر جاری وساری رہا۔ ان پانچ صدیوں پر محیط طویل ترین فاصلہ پوری عقیدت ومحبت سے طے کرتے ہوئے نعت گوئی کا سفر جب بارویں صدی ہجری میں داخل ہوا تو وہاں علامہ غلام محی الدین معجزؔ مدراسی کی فنافی النعت عظیم شخصیت سے روشناسی ہوئی، جس کی وجہ سے نعت گوئی کا سفر بڑی ہی عمدگی اور بے حد وارفتگی کے ساتھ آگے بڑھا اور بڑھتا ہی چلا گیا، علامہ معجزؔ کی نعتیں جوشِ عقیدت کے ساتھ فنی عظمت کی شاہکار ہیں، افسوس کہ اس قیمتی سرمایہ کو آج تک منظر عام پر لانے کی سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی، آپ کا نعتیہ کلام مخطوطوں کی شکل میں کتب خانوں کے خزانوں میں دفن ہوکر رہ گئے ہیں، خدا کرے کہ کوئی صاحبِ عزم وہمت اس طرف توجہ منعطف کرے اور اس پاکیزہ کلام کو منصۂ شہود پر لانے کی سعی مشکور فرمائے۔

ذیل میں علامہ معجزؔ کے بعض حالات وکیفیات پیش کرنے کے علاوہ آپ کے فارسی نعتیہ کلام سے چند نمونے دیئے جارہے ہیں۔

مولانا مُعجزؔ مدراسی، (ولادت ۱۱۷۳ھ وفات ۱۲۲۹ھ): مولانا غلام محی الدین معجزؔ مدراسی کا شمار استاذ الشعرا میں ہوتا ہے۔ آپ قادرالکلام، پُرگو، فصیح وبلیغ سخنور تھے، آپ کا فارسی دیوان ''گلدستۂ اشعارِ معجزؔ'' کے عنوان سے آپ کے فرزند مولانا غلام عبدالقادر ناظرؔ نے اپنے طویل مقدمے کے ساتھ ۱۲۳۲ھ مطابق ۱۸۱۶ء میں ترتیب دیا تھا جو مخطوطہ (۱۷x۱۷۸اص) کی صورت میں کتب خانہ، مدرسہ محمدی، مدراس کی زینت بڑھا رہا ہے۔ (۱۲) آپ کی شاعری نے مدراسؔ کے اکثر شعرا کو متاثر کیا، علامہ باقر آگاہؔ کے بعد مولانا معجزؔ ہی ان کے لئے قابل تقلید نمونہ تھے، علامہ باقر آگاہؔ آپ کے استاذ تھے، علامہ آگاہؔ کا رنگ اور فنی مہارت آپ کے اشعار میں پائی جاتی ہے، آپ کے توسط سے آپ کے شاگرد مثلاً عارف الدین خاں رونقؔ، سید نظام الدین احقرؔ، غلام عبدالقادر ناظرؔ وغیرہ کے کلام میں بھی کمال سخنوری کا عکس جمیل نمایاں نظر آتا ہے۔

مولانا معجزؔ کی ولادت سنہ ۱۱۷۳ھ مطابق ۱۷۵۹ء بمقام آرکاٹ ہوئی، نومولود پانچ سال کے تھے کہ والدہ ماجدہ محترمہ شہربانو کا وصال ہوگیا، نانی بی بی مخدومہ عرف اشرف بی صاحبہ بنت محمد عبداللہ

شہید قلعہ دار تاڑ پتری، آندھرا (شہادت ۱۱۴۵ھ) کی آغوش عاطفت میں آپ پلے بڑھے، مگر افسوس کہ سات سال کی عمر میں والد مولانا محمد ندیم اللہ خاں ندیم آرکاٹی (متوفی ۱۱۸۰ھ) ابن مولانا محمد عبدالقادر جو اپنے دور کے بلند پایہ عالم و شاعر تھے کا سایہ رحمت سر سے اٹھ گیا۔ تاہم نانی صاحبہ نے آپ کی تعلیمی سرپرستی کرتے ہوئے آپ کو شہر آرکاٹ کے جید علما و باکمال اساتذہ کے حوالے کیا، چنانچہ آپ نے وہاں فارسی اور عربی کے علاوہ خوش نویسی میں بھی مہارت پیدا کی جس سے آرکاٹ میں آپ کو ذریعہ معاش مہیا ہو گیا، اس تھوڑی سی کفایت کے باوجود آپ میں حصول علم کی طلب اور تڑپ اس قدر افزوں ہوئی کہ آپ اسی شوق میں سنہ ۱۱۹۰ھ مطابق ۱۷۷۶ء میں جبکہ آپ کی عمر سترہ (۱۷) سال تھی، مدراس کا رخ کیا، مدراس اس وقت نوابان کرناٹک کا پایہ تخت تھا جہاں جید علما و ماہر اساتذہ کی بزم آرائیاں جاری تھیں، مولانا معجز کی نیک نیتی کی وجہ سے قدرت آپ پر مہربان ہو گئی، آپ کے جداعلیٰ محترم محمد حسین معروف بہ شیخ احمد سوانح نگار (متوفی ۱۱۳۴ھ) کے تعارف کی وجہ سے والیِ کرناٹک نواب محمد علی والا جاہ (متوفی ۱۲۱۰ھ) کے بڑے بھائی نواب محمد محفوظ خاں بہادر محفوظ شہامت جنگ (متوفی ۱۱۹۳ھ) نے آپ کو اپنی سرپرستی میں قبول کر لیا۔ (۱۳) اور آپ کو شہر کے نامور و باکمال اساتذہ کی خدمت میں روانہ کر دیا، چنانچہ آپ نے علامہ میر محمد بخش برہان پوری (متوفی ۱۲۰۸ھ) سے منطق، علامہ محمد غوث شرف الملک بہادر (متوفی ۱۲۳۸ھ) سے صرف و نحو وغیرہ مختلف فنون پڑھے اور مرزا عبدالقادر بے دل (متوفی ۱۱۳۳ھ) کے شاگرد کے خوشہ چیں علی دل خاں مروت ابن عظیم الدین خان (متوفی ۱۲۰۱ھ) سے فارسی کی کتب مطولات خصوصاً ''دیوانِ بے دل'' پڑھا اور گہرے لطائف و نکات پر دسترس حاصل کی، علاوہ ازیں مولانا میر محسن امتیاز (متوفی ۱۱۹۹ھ) جو مرزا بیدل کے طرز پر رقعات تحریر کرنے میں ماہر تھے، مولانا سید امیر الدین علی اُدگیری (متوفی ۱۲۰۸ھ) جو فارسی کے بہترین انشاء پرداز اور ''رقعاتِ امیری'' کے مصنف تھے اور نامور شاعر میر مبارک اللہ خاں راغب (متوفی ۱۲۶۹ھ) کے والد ماجد صاحب طریقت صوفی صافی سید عاصم خاں مبارز جنگ بہادر (متوفی ۱۲۱۶ھ) سے بھی آپ نے خوب استفادہ کیا، اور صرف چار سال کی مدت میں فارسی زبان و ادب میں ملکہ حاصل کر لیا۔ (۱۴) بعد ازاں مولانا معجز نے علامہ باقر آگاہ کی صحبت اختیار کی، بقول مؤلف ''تذکرۂ گلزار اعظم'' ''باستفادۂ غوامض و نکات فنون کثیرہ و مشق سخن بحضور مولانا آگاہ رحمہ اللہ پرداخت'' (۱۵) یعنی مولانا معجز نے علامہ آگاہ سے فن شاعری کے لطائف و حقائق اور مختلف فنون کے معارف و نکات حاصل کئے۔ علامہ آگاہ جو استاذ الاستاذہ تھے، زندگی میں

کسی شاگرد کو اپنا جانشین نہیں بنایا تھا، لیکن علامہ کے انتقال (۱۲۲۰ھ) کے بعد اہل سخن حضرات مولانا معجز ہی کو علامہ کا جانشین سمجھنے لگے اور آپ سے اصلاح لینے لگے، یہ سلسلۂ تعلیم و تدریس اور مشغلۂ اصلاحِ سخن تقریباً نو سال تک جاری رہا۔

مولانا معجز کا وصف خاص توکل و استغنا تھا، تنگ دستی میں بھی آپ نے کسی امیر کے آگے دست سوال دراز نہیں کیا اور نہ کسی وزیر کی تعریف و توصیف کی، بلکہ آپ کا کہنا تھا:

''جھکے ہے افسر شاہوں پہ کب میرا یہ سر ازل سے وہ درِ محبوب ﷺ کا بھکاری ہے''

''خار و خس تجھ رہ کا مجھ کو خلعت زرتار ہے خلعتِ شاہی سے دل کو سخت ننگ و عار ہے''(۱۶)

جب آپ کی غیر معمولی قابلیت اور خداداد صلاحیت کی شہرت عام ہوئی تو امیر الہند نواب والا جاہ کے دوسرے فرزند حافظ محمد منور خاں منوؔر معروف بہ امیر الامرا بہادر جنگ (متوفی ۱۲۰۳ھ) نے آپ کو اپنے صاحبزادے عبدالعلی خاں کا اتالیق مقرر کیا جو بعد میں نواب عظیم الدولہ کے لقب سے ملقب ہو کر کرناٹک کے تاج و تخت کے وارث اور والا جاہ سوم کے لقب سے ملقب ہوئے، نواب والا جاہ کی وفات ۱۲۱۰ھ کے بعد ان کے بڑے فرزند نواب غلام حسین خاں معروف بہ عمدۃ الامرا والا جاہ دوم (متوفی ۱۲۱۶ھ) سریر آرائے سلطنت ہوئے تو انہوں نے مولانا معجؔز کو یکسر نظر انداز کر دیا، علاوہ ازیں بعض شہزادوں کے معلم ہونے کی حیثیت سے جو تنخواہ دی جارہی تھی اسے بھی روک دیا، شاید اس کی وجہ امیر الامرا کی اولاد کے ساتھ ان کا قرب خاص ہو، ان مسائل و مصائب کے باوجود مولانا معجؔز نے کسی سے سفارش کی درخواست نہیں کی بلکہ آپ توکل و بے نیازی کے ساتھ اپنی حالت پر جمے رہے، پھر جب عمدۃ الامراء کی وفات کے بعد سنہ ۱۲۱۶ھ میں آپ کے شاگرد رشید نواب عظیم الدولہ (عہد ۱۲۱۶ھ تا ۱۲۳۵ھ) والا جاہ سوم کی حیثیت سے کرناٹک کی باگ ڈور سنبھالی تو انہوں نے اپنے استاذ محترم کی قدر افزائی کرتے ہوئے ریاست کے عہدۂ دیوانی (وزیر اعظم) کے لئے آپ سے درخواست کی، آپ نے نواب صاحب کی پیش کش شکریہ کے ساتھ رد کرتے ہوئے فرمایا میں تو غلام محی الدین ہوں یعنی میں غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا غلام ہوں، دوسروں کی غلامی کیسے کرسکتا ہوں، اس جواب پر نواب عظیم الدولہ نے بُرا نہیں مانا بلکہ اپنے فرزند و جانشین نواب محمد منور خاں معروف بہ نواب اعظم جاہ (متوفی ۱۲۴۱ھ) کو اپنی صحبت میں رکھنے اور ان کی تربیت کرنے کی درخواست کی۔ مولانا معجز نے نواب موصوف کی خواہش کے مطابق نواب اعظم جاہ کی تعلیم و تربیت کا بیڑا اٹھایا جو اپنے والد کے بعد والئ کرناٹک والا جاہ چہارم ہوئے، عظیم الدولہ نے آپ کا مشاہرہ ماہوار ''ایک سو چالیس روپے'' مقرر کر دیا تھا۔ (۱۷)

مولانا معجزؔ کا نکاح محترمہ امین صاحبہ بنت ابومحمد بن حافظ محمد سعید سے ہوا، جن کے بطن سے چار صاحبزادے تولد ہوئے، جن کے نام یہ ہیں، مولانا غلام عبدالقادر ناظرؔ (متوفی ۱۲۴۳ھ)، مولانا غلام رضا (متوفی ۱۲۹۲ھ)، محمد صبغۃ اللہ (متوفی تقریباً ۱۲۲۷ھ) بعہد طفولیت سات آٹھ سال کی عمر میں وفات پاگئے اور مولانا محمد ندیم اللہ خاں (متوفی ۱۲۹۰ھ)۔ ان چاروں میں بڑے فرزند مولانا غلام عبدالقادر ناظرؔ عالم و فاضل ہونے کے علاوہ نامور مصنف و بلند پایہ شاعر کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔ مولانا معجزؔ ۱۲۰۸ھ میں جب کہ آپ کی عمر ۳۶؍سال تھی، زہریلے بخار میں مبتلا ہوگئے تھے، کوئی بھی دوا کارگر نہیں ہو رہی تھی، تمام اطبا مایوس ہوگئے تھے، اس ابتلا و جانکنی کی حالت میں آپ نے ایک مؤثر و دل سوز مناجات رقم کی، جس کی تاثیر یہ ہوئی کہ آپ چند روز بعد ہی مکمل صحت یاب ہوگئے۔ اس طویل مناجات کے اشعار ملاحظہ ہوں:

خدایا بادشاہا کار سازا — خدیوا داورا عاجز نوازا
ہزاراں ایں چنیں انعام و احساں — بعالم می کنی اے ربّ منّان
چہ گردد گر کنی بر من نگاہے — طفیل بادشاہ دیں پناہے
کہ فرمودی بشانس وصفِ لولاک — نمود می نعل پاکش تاجِ افلاک
عجب بیکس غریب و بے پناہم — نباشد جز درت امید گاہم
نہ دنیا دارم اے داور نہ عقبیٰ — متاع من بود بے حاصلی ہا
ندارم ہیچگہ میل عبادت — نہ گاہے فکر تقویٰ دریافت
شدہ اوقات من صرف مناہی — بگویم با کہ ایں حالِ تباہی
گنہ از بندِ بندم می زند جوش — ز جامِ غفلتم سرشار و مدہوش
بظاہر گرچہ در ورد نمازم — سوی عصیاں بود در دل نیازم
بچشم خلق اگر چہ نیک نامم — تو دانائی ز افعال نہانم
بیارم در نظر چوں معصیتہا — شمارم مرگ را از زیست اولیٰ
تو اے ستار زلات و گناہاں — گناہم داشتی از خلق پنہاں
و گرنہ از ندامت پیش عالم — چہ آں می زیستم اے ربّ ارحم
بود ذیشاں کہ گفتم حالت دیں — ز دنیا حالتی دارم بد آئیں
ز عمر من گزشتہ سی و شش سال — ولے ہستم ز رنج دہر پا مال

ندیدم ہیچ گہ روئے فراغی بدل دارم ازیں جاں سوز داغی
ز وضع اہل دوراں بے دماغم ز خون دل بود لبریز ایاغم
خصوص آنانکہ دارند اقتدارے بدل دارم ازیشاں خار خارے
بہ تنگم زیں سیفہانِ خر اطوار بجانم زیں سگان مردم آزار
نہ ایناں را بحالِ کس نگاہے نہ زیشاں بے پناہی را پناہے
اگر یازد کسے از تشنگی جاں دم آبی توقع نیست زیشاں
ازیں بے دستگاہی آہ صد آہ کہ پیش شاں روم شام سحرگاہ
میسر نیست با ایں جستجو ہا فراغ دل ز قوت اے رازقِ ما
ازیں ذلت کشی افسوس افسوس ازیں کربت کشی افسوس افسوس
بود حال من بیکس بدینساں بدہ داد من اے داوارِ یزداں (۱۸)

بیماری سے صحت یاب ہونے کے اکیس (۲۱) سال بعد بتاریخ ۲۴؍شعبان المعظم ۱۲۲۹ھ بوقت عصر آپ واصل بحق ہوئے، وفات سے پیشتر آپ نے رمضان شریف کے فرض روزوں کے علاوہ شوّال کے کئی روزے رکھے، مسجد انوری، مدراس میں نماز جنازہ ادا کی گئی، امرا، وزرا، علما، صوفیا اور عوام وخواص نے جنازے میں شرکت کی، مدراس کے علاقہ میلا پور میں مولانا سید احمد اللہ کے مزار کے بازو دفن کئے گئے، آپ کے صاحبزادے حضرت ناظر نے یہ قطعہ تاریخ کہا:

''حضرت محیِ دیں ز صر صر مرگ چوں صبا رفت سوئے باغ نعیم
بود سالار اہل فضل و کمال منصف با صفا و خُلق کریم
ماتم آں جناب بے ہمتا دل ایں مضطرب نمود دونیم
ہاتفم گفت با لبِ افسوس سال مرگ پدر کہ ''درد عظیم'' (۱۹)

۱=۱۲۲۹ ۱۲۲۸+

ایک اور قطعہ تاریخ حضرت معجز کے فرزند نے رقم کیا ہے:

''دریغا حضرت معجز ز دنیا بہ عقبیٰ رفت ہم چوں برق خاطف
بتاریخ رحیلش بیشش و پنج ''غمِ جانکاہ معجز'' گفت ہاتف (۲۰)

۱۲۲۹ھ

جناب ناظر نے مولانا معجز کے اردو کلام کو ''مجموعہ اشعار ہندی'' کے نام سے مرتب کیا اور

دوہزار سے زائد اشعار پر مشتمل فارسی کلیات کو ۱۲۳۲ھ مطابق ۱۸۱۶ء میں ''گلدستۂ اشعار معجز'' کے عنوان سے ترتیب دے کر قلمبند کیا تھا، اس مخطوطہ (17x178) میں چوبیس صفحات مقدمہ، بہتر صفحات پر مشتمل قصائد اور بہتر صفحات میں غزلیں اور قطعات رقم کئے گئے ہیں، یہ قلمی کتاب مدرسہ محمدی، مدراس کے کتب خانہ کی زینت ہے (۲۱)، اسی سے چند شعر یہاں نذر قارئین کئے جا رہے ہیں:

قصیدہ

درنعتِ سلطانِ عبدوازل حضرت احمد مرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ اجمعین

ہر کس کہ زدہ در رہِ تجدید قدم را — از فلس سمک کم نگرد خاتم جم را
سرداری دوراں بنگاہش سرداری است — شوکی شمرد شوکت اقبال و حشم را
آزاد طلب از صفت آز مبّرا است — دارد نعمی طالب ایوان ندم را
ہستی است ہوا تکیہ بوئے محض جنون است — از کف مدہ اے یار تو دامان عدم را
اے آنکہ سر عیش دریں غمکدہ داری — در دل بنما حجلہ نشیں شاہد غم را
پیچی بخمِ زلف بتاں بیہدہ تاکے — دل چاک کن و شانہ بزن زلف الم را
نازک دلی اہل جنوں آہ چہ پرسی — مانند چو شمشیر دودم صبح دودم را
گر ماتم و گر عیش بگور و سرِ خود گیر — دیوانۂ ماکے شمرد لطف و ستم را
اے آنکہ روی پیش خوانین و سلاطین — داری زخساں از پی ناں چشم کرم را
وا کردن لب شمع زباں راست چو گلگیر — ایں شیوہ نہ در خورد بود اہل ہمم را
گنجے است قناعت کہ بردست فنا نیست — حرص است کہ برباد دہد اہل شکم را
از بہر حصول لب نانی برد و ناں، — بے آب کنی نام و نشانِ اب و عم را
رُخ زرد شود ہمچو طلا آنکہ دہد جا — بر سکۂ دل صورت دینار و درم را
از دوستی و دشمنی خلق پرہیز — درخود زکساں جائے مدہ مدحت وذم را
المنۃ للہ کہ بکس نیست نیازم — ہرگز نہ پسندم الم لا و نعم را
گنجینۂ عرش است چو در زیر زبانم — دانم خسکی گنج کَی و خسرو و جم را
عرفی شدہ عرفی بمضامین تیسنم — با اصل تقابل نبود عرف وژم را
در کشور معنی منم امروز سلیماں — برخیز تو اے آصفِ دیدار علم را

نازد بمن ایں فخر و مباہات کہ دارم
گنجینۂ نعت شہ امکان و قدم را

سالار رسل کز رقمِ نام بلندش
شد معنی ایجاد عیاں لوح و قلم را

زیبد بسرش افسرِ لولاک ولعمرک
بر خلق عیاں ساختہ تعظیم قسم را

گشت از پی ارجاع بدیوان شفاعت
از ختم نبوت سند اصناف امم را

محمود ازل کز اثر فعل جمیلش
آب دگر افزود بہ رُخِ حسنِ شیم را

فیض کفش از رشک عطا ساختہ تا حشر
گریاں و تپاں چشم سحاب و دل یم را

در نوع بشر ممکن عام است وجودش
ہم تو ام او ما صدق امکانِ عام را

اے آنکہ شد از ثروتِ میلاد تو دردم
از روئے زمین قعر عدم جائے عدم را

خوں گشت دل عقل بتنقیح مہمات
غیر از تو نہ دریافتہ مقصود اہم را

تا چشمۂ حیوان وجودت شدہ معراج
بسپرد بسیلاب فنا نار عجم را

از پرتو خورشید تو دریا چہ سادہ
در خواب ندیدہ است دگر صورت نم را

از زلزلۂ ہیبت تو خانۂ کسریٰ
چوں دولت او کردہ نگوں سار علم را

گر خصمِ دو چار تو شود رنگ بیارد
گردد چو ز دیدار چہ بود رشک بقم را

گر صَر صر قہرت بدہد صور قیامت
برباد دہد پنبہ صفت سد علم را

از لطف تو تلخابہ شود شہد بحنظل
و زبیم تو خوں شیر شود شیر عجم را

از نطق تو چوں موم گدازد دل خارا
خاصیت تریاق دہد خُلق تو سم را

گر پرتو امداد تو تا بد بضعیفاں
سازد بجوانی بدل ایام ہرم را

گر خضر لبت رشحہ فشاند بسر خاک
دردم بکند رشکِ چمن کاہ خرم را

گر برد زد از گلشن فیض تو نسیمی
چوں گل شگفاند بدمی گوش اصم را

زد از پئے اظہار تجمل بعوالم
تا لشکرِ شان تو بر آفاق خیم را

خورشید بصد چشم باندازہ اوجش
بالا نگری گرد و صد آئین حکم را

رہ داد بخود تا بکف آرد سر رشتہ
آخر ز خجالت شدہ ہمراز قدم را

عرش از پی احراز سعادت بتمنا
وقف سر خود در قدمت ساختہ خم را

مہر دہنم میم تو شد ورنہ بہ تحقیق
از جائے تو دریافتہ ام شان حکم را

معجز تو کجائی و مدیح شہِ لولاک
خاموش دریں حرف مزن بیہودہ دم را

بر درگہ آں رحمت عالم کفِ حاجت — بر دار کہ فیضش بدہد جلوہ کرم را
شاہا بدرت آمدہ ام بے سرو ساماں — انباشتہ در کیسۂ دل مایۂ ہم را
از نقد صرف ساز بدل مایۂ حزنم — مایوس مگرداں من حیران ندم را
از خار کدورت شدہ صحرائے پر آشوب — در داغ دلم جلوہ بدہ باغ ارم را
از الفتِ اغیار تہی ساز ضمیرم — بر صدر حرم جائے مدہ روئے صنم را
از مہر تو لبریز بکن جام وجودم — کز مستی آں پائے زنم عیش و الم را
ہر گز مکن اے مایۂ جاں بخشی عالم — در خاک ہم از ذکر تو خاموش لبم را

احبابِ تو باسازِ طرب خصمِ تو باغم
تا ربط بہ اوتار بود صوت نغم را (۲۲)

فارسی کے بلند پایہ شاعر عرفی کی زمین میں تحریر کردہ اکیاون (۵۱) شعر کا یہ نعتیہ قصیدہ مولانا معجز کے باکمال قصیدہ گو شاعر ہونے پر بیّن دلیل ہے۔

قصیدہ

''درنعت بلبل چمنستان وحدت وگل ریاض نبوت حضرت سید المرسلین صلوٰۃ اللہ وسلامہ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین''

ز تاثیر ہوائش بسکہ مملو شد سراپا یم — برنگ شاخ گل ہر دم سحر خیز است اعضایم
بدست بے خودی گلدستہ بند جلوۂ نازم — بہار قرص گلجوش است از دامان صحرایم
نفس چوں دانۂ یاقوت یکسر عقدۂ خوں شد — بدل تاریخت رنگ عشوہ لعل شوخ رعنایم
فغان دل خراشم نیست از بیہودہ جوشیہا — بیاد جام چشمی قلقل آہنگ است مینایم
گلوئے خامہ راشد طوق قمری تار تحریرم — سخن تا یافت رعنائی ز وصف سرو بالایم
چہ شد گر تیغ ابرویش بقتل من کمر بندد — کہ از لعل لبش ہر دم رسد فیض مسیحایم
چہ ساں بر صفحہ بنویسم تمنائے دل نوراں — زبان خامہ می سوزد زحرفِ شعلہ انشایم
ز بخت تیرہ ام خورشید باشد خارہا در دل — گریباں چاکی صبح است از دامان سہبایم
بہارم فرش پا انداز راہم شد گلستانہا — ز گلزار سر کویش خزاں فرسودہ می آیم
شدم تا ذرۂ مہر جمال عالم آرائش — فلک می افگند چوں سایہ خود را در تہ پایم

شود صد پارہ در یک دم زدن ایں خم مینائی — چکد یک قطرہ گر در ظرف دی از جامِ صہبایم
زخصم قبطی آسا کے شوم اندوہگیں خاطر — کلیم حضرتِ عشقم دل من طور سینایم
ز اوج معنیم واماند خصم بوم طبع من — بریزد طائر فکرش پر از مضمون عنقایم
حسود غول طینت را چہ ذوق از مشرب شعرم — کہ دارد فیضہا از روح قدی فکر عذرایم
ز انفاسم شود روشن شبستان دل تارے — بود ہر نقطۂ شعری ز شعر سحر آسایم
بود ہر حرف من آئینہ دار خط ریحانی — سواد جعد شبرنگی است ہر مضمون سودایم
برنگ زلف مہ رویاں دلا دیز است ہر سطرم — تو گوئی سنبلستان است مکتوب دلارایم
خط من می کشد بر خط خوش خطاں خط نسخے — کہ باشد وصف خوش خط ازل سر مشق املایم
جناب امی دانا کہ کلک کاتب قدرت — بزد نقش سجودش در ازل بر لوح سیمایم
ظہور علم مطلق شاہد بزم حضورِ حق — دو عالم را ازو رونق خدیو دین و دنیایم
محمد نام او محمود عالی تر مقام او — شفاعت فیض عام او شہ دنیا و عقبایم
چو موسیقار ہر مویم کشد آہنگ یکتائی — بباغ مدحتش با بلبل آسا نغمہ پیرایم
شدم تا رفعت اندیش سجود فلک درگاہش — فلک شد پشت خم در آرزوئے بار مجرایم
ز فیض سایۂ بال ہمائے مرحمتہائش — نماید جلوہ از عظم رمیم اقبال دارایم
بعزم فکرت نعتش نفس تابال بکشاید — خیال رفعت شانش کشد از عرش بالایم
مجلّی گشتہ فکر تاز آب گوہر مدحش — گہر در خاک پنہاں شد ز تاب نظم غرایم
دل من طیبہ شد از نزولِ نور مہراو — باستقبال می آید برنگِ ذرہ بطحایم
تمنائے درِآں روحِ اعظم ہر دم از حسرت — زماند سجدۂ شوق از جبین عجز فرسایم
شراب خلد می دارد تمنائے لبم زاں رو — کہ بہر خاک بوسش جام جوش شوق پیمایم
بود ہر دم تمنایم ہمیں زاں شارق وحدت — کہ چوں شبنم کشد سوئے خود از جذب تولایم
شبستان دلم افروز از شمع رُخش یارب — ز نورش رشک قمرا ساز ایں دیجور ظلمایم
بچشم ظاہر ایں دولت کجا ایں عبد عاصی را — ازاں شکل جہاں آرا مشرف کن برویایم
تواں شد ہمچو طوبیٰ سر بلند گلشن امکاں — اگر در حضرتش بخشی بقدر ترتبے جایم
کیم من تا زنم لاف مدیح خاک بوسانش — تکلم در جنابش کی بود مقدور یارایم
سفال چند بر درگاہ شاہ انس و جاں ہر دم — اگر افتد قبول آں جاں زہے شان معلایم

بایں کاسد متاع آمد غلامت بر درت شاہا قبولش کن زروئے لطف عالمگیر مولایم
بجان خستہ معجز چہ در دنیا چہ در عقبیٰ ز کافور کرم مرہم نہ اے نامِ تو احیایم
ازاہیر صلواتِ نخلبند دہر تا محشر
نثار روضہ ات بادا اے درت فردوس مادایم (۲۳)

حضرت معجز نے فارسی کے بلند پایہ قصیدہ گوشاعر خاقانی کے ایک مشہور مطلع:

''صبح دم چوں کلہ بند دآہ دودِ آسائے من
چوں شفق درخوں نشیند چشمِ غمِ پالائے من''

پر زبردست اعلیٰ درجہ کا نعتیہ قصیدہ کہا ہے:

قصیدہ

''درنعت نیر سپہر ثم دنیٰ فتدلیٰ وکوکب برج فکان قاب قوسین اوادنیٰ کہ مہر و ماہ ہر شام پگاہ''

در شب ہجر تو اے خورشید مہ سیمائے من زد بہم نظم کواکب آہ محشر زائے من
چاک زد گردوں گریباں و ملک بیہوش شد در فراقت از سماع نغمۂ غوغائے من
صبح نبود اینکہ می گردد نمایاں کز غمت شب گریباں می درد اے ماہ مہر آرائے من
سرمۂ چشمِ تو کار نالہ ام بالا نمود نیلگوں گردید چرخ از آہ دود آسائے من
کسوتِ بیتابیِ مجنوں بپوشد کوہ و دشت از صبا گر سر زنی ذکر تو اے ایلائے من
خار زارِ وحشتم اما بیادِ جلوہ ات صد چمن دارد نمایاں دامنِ صحرائے من
تا شدم چوں ذرہ محو آفتابت می دمد صبح بینائی ز خاک تیرگی آمائے من
شکوہ ام از کج نگاہی ہا است ورنہ بے سخن راستی می نازد از سرو سہے بلائے من
می چکد از مو بمویم مستی صہبائے عشق طارم تاک است خود گویا ز سر تا پائے من
مغز گردوں آب گردد از حرارت در نفس گر چکد یک قطرہ در کام وے از صہبائے من
سرخوش جام ازل را بادہ و میناچہ کار بادۂ من آفتاب عشق و دل مینائے من
مرحبا اے ساقی مستانۂ بزمِ قدم کز خودم کردی تہی مملوز جاں آسائے من
نفی خود کردم مکرر بہر تاکیدِ عدم شد محقق معنی اثبات در لا لائے من

گشتہ ام از نیستی آئینہ دار ناز حسن
خاک رارشک چمن سازد چمن پیرائے من

سینۂ من سلسبیل خلد بیر نگی بود
جان کوثر می چکد از ساغر لبہائے من

ہمچو ناقص طینتاں بہر چہ نازم بر نسب
کز فروغم گشت روشن گوہر آبائے من

ایں زماں ملک عجم از نوبت من برصدااست
می سزد عرفی کہ گردد کمتریں لا لائے من

تا فسان عرش اعظم از عنایات ازل
می دہد آبی بہ تیغ فکر برق امضائے من

می کند تسخیر ملک نظم بے امداد غیر
ہمچو شاہ تخت خاور فارس یکتائے من

ہمچو شعری گشتہ شعری در محاق رنج وغم
از طلوع مہر فکر آسماں فرسائے من

از ضیائے خود منور کرد شرق و غرب تا
مقتبس شد آفتاب از لولوئے لالائے من

آفتاب معنی اندر ذرۂ من مختفی است
ہاں بچشم کم مبیں در صورت پیدائے من

خاک گشتند ار چہ یکسر لالہ رویان سخن
از خسان خارمشرب اے دل دانائے من

زندہ سازم از صدائے قم باذنی ایں زماں
ہمچو روح اللہ باعجاز دمِ گیرائے من

مشرق نور ہدایت اللہ آسا مطلع
سر کنم در نعت بدر لیلۃ الاسرائے من

مطلع ثانی:

نورِ وحدت قبلۂ دل مقصدِ اقصائے من
آستانش در دوعالم مسجد اقصائے من

مطلعِ دوانِ فطرت مقطعِ نظمِ ظہور
منتخب فردِ رسالت دین من دنیائے من

اے بکویت گررودصد جاں زرفتن باک نیست
چیست غم چوں خود تو باشی مایل احیائے من

در تنِ الفاظ بیجاں نفخ روحِ تازہ کرد
از مضامینِ ثنایت عیسیٰ انشائے من

تا مفسر گشتہ کلکم سورۃ النور ترا
گویدش قرآن معنی قاضی بیضائے من

مصحفِ حسنِ ترا تفسیر کشافِ ازل
کردہ از نور مبیں اے صورت معنائے من

طبع من خندد بکوثر لیک می گریا ندش
آبِ حیوانِ مدیحت کردہ تا اردائے من

در جبیں آدم ار نورت نبودہ کی شدے
قبلگاہ قدسیاں اے لامکاں پیمائے من

زیں شرف برتر چہ خواہد بود کا یزد گویدت
من باسترضائے تو جملہ باسترضائے من

از چہ روسازد کسی وصف تو حیرانم بخویش
اے خدائے اقتدار بندگی سیمائے من

ہست وصفت ممتنع از غیر واجب بالیقیں
پس چہ ساں دریابد آں راعقل ناقص رائے من

نہ فلک با قصر جاہت کمتر است از پایۂ
چوں رسد بروے کمند فکرت ادنائے من

اے شہنشاہ تدلّٰی کشور ادنیٰ سریر / دی بروں از حد وحصر و مدحت واطرائے من
گرچہ دورم از درعرش آستانت لیک دل / باشد از انوار نامت یثرب و بطحائے من
نعمتِ کونین را ہر گز نسنجم با جوے / لذتِ یادِ تو در جانِ من و سلوائے من
باوجود رنج و محنت از کدورت فارغم / بر امید رحمت اے درگہت ملجائے من
اے سگِ درگاہِ سلطانِ رسل دل شاد باش / بر نگینِ دل شد از روز ازل طغرائے من
رحمتی بر حالِ من فرما کہ بس دل خستہ ام / اے مجسم رحمت حق وے درت ماوائے من
بس بود اے بحرِ احسانِ خدائے ذوالمنن / رشحۂ از موج جودت بہر استغنائے من
بےتواے خاقانِ دیں خاقانی من غربتی است / بر درت شاہا گدائے شوکتِ دارائے من
تا بیابت سجدہ کرد اے حامی ہر دو سرا / رو نمی آرد بکس ایں فرق فرقہ سائے من
چشم دارم از تو اے سرمایۂ امن و اماں / بعد مردن ہم کنی خاک درت مثوائے من
در گروہ بندگانِ آستانت روز حشر / تر زباں از مدح خود محشور کن مولائے من
معجزا شانِ تو نبود وصف سلطان وجود / عرض صلواتے براں مختار بے ہمتائے من

ایں ہم از ممکن محال آید بفہم ربّنا
تو مصلی شو بفخرِ آدم و حوائے من (۲۴)

ان غیر معمولی اہمیت کے حامل نعتیہ قصائد کے بعد دو نعتیہ عمدہ غزلیں پیش کی جا رہی ہیں، ملاحظہ ہوں:

غزلیں:

''اے نام تو زینتِ زباں ہا / آئینۂ صورت بیاں ہا
یک پرتوِ جلوۂ جمالت / مہتاب خرابہائے جاں ہا
کرد است بہار شعلہ رنگت / آتش کدہ نذر گلستاں ہا
از بزم تو دور موبمو یم / چوں نے شدہ ہم دمِ فغاں ہا
گم کردہ رہیم در سراغت / پیدا ز تو ہر کجا نشاں ہا
آخر کہ دہد بیا ز معجز / پیغام نیاز خستہ جاں ہا''

''عروج نالہ می دارم بقدر نا رسائی ہا / شکست آرزو کردم نیاز جبہ سائی ہا
سحر خیزم چو بلبل در خیال گلشن رویت / بہ گلزار تمنّا می کنم آتش نوائی ہا

جمالِ خویش بنما اے ہمہ جا جلوۂ حُسنت — ازیں مشتاق بیدل تا کجا صبر آزمائی ہا
دہد بر باد یکسر خرمنِ جمعیّت خاطر — کدامی گشت یارب در جہاں تخم جدائی ہا
نثارِ خاک پایت می کند معجزؔ دل و جاں را — برآ بہر خدا جاناں زوضع بے وفائی ہا'' (۲۵)

علامہ معجزؔ کے کلام میں موجود مضمون آفرینی، شوکت الفاظ، شدت احساس اور صنائع و بدائع کی فراوانی کے علاوہ آپ کی طبع روانی وقدرتِ کلامی آپ کو فارسی ادبیات میں مقام بلند عطا کرنے کے لئے کافی ہے۔

وماعلینا الّاالبلاغ۔ الحمدللّٰہ ربّ العالمین

ماخذ وحواشی:

۱۔ ڈاکٹر عارف نوشاہی (پاکستان) فارسی زبان وادب کے ماہر ومحقق اور کئی کتابوں کے مصنف ومؤلف ہیں، آپ نے ازراہ نوازش راقم الحروف (راہی فدائی) کے سوالات کا جواب مرحمت فرمایا، آپ نے صوتی پیغام کے ذریعہ مذکورہ حقائق کی اطلاع دی تھی۔ جس کی تلخیص مضمون میں پیش کی گئی۔

۲۔ اس کی تفصیل گوگل کے ویکی پیڈیا (Google Wikipedia) میں موجود ہے۔

۳۔ جعفر ابوعبداللہ رودکی دیوانِ رودکی۔ ''شرح احوال و آثارِاو'' تنظیم، تصحیح و نظارت، جہانگیر منصور، انتشارات ناہید تہران (ایران) چاپ دوم ۱۳۸۱ھ ص:۸۳۔۱۶۹
''رودکی'' شہر رودکؔ کی طرف منسوب ہے جو آج ''تاجکستان'' میں واقع ہے۔'' دیوان رودکی، PDF کی صورت میں محترمہ ڈاکٹر لیلیٰ عبدی خجستہ صاحبہ (تہران) کی عنایت سے حاصل ہوئی، راقم الحروف (راہی فدائی) آپ کا شکر گزار ہے۔

۴۔ ''سیمائے زیبائے پیامبر اسلام درشعر فارسی'' یہ تحریر راقم کو محترم ڈاکٹر عارف نوشاہی نے مرحمت فرمائی، راقم آپ کا شکر گزار ہے۔ و نیز ''شاہنامہ'' بکوشش جلال خالقی مطلق۔ دی اسٹیٹ آف نیویارک یونیورسٹی پریس، ۱۳۶۶ھ ص:۱۰ ''شاہنامہ'' کی PDF فائل روانہ کرنے کے لئے ڈاکٹر لیلیٰ عبدی خجستہ صاحبہ کا ممنون ہوں۔

۵۔ راہیؔ فدائی ڈاکٹر، جنوب کے اصحاب کمال (جلد سوم) مشمولہ ''جنوب کے باکمال فارسی شعرا'' الانصار پبلی کیشنز، ریاست نگر، حیدرآباد مطبوعہ ۲۰۲۰ھ ص:۱۸۴۔۱۸۵

۶۔ مسعود سعد سلمان لاہوری، ''دیوان مسعود سعد'' (جلد اول) تصحیح واہتمام دکتور مہدی نوریاں۔ انتشارات کمالی، اصفہان (ایران) خیابانی خاقانی، شرکت آفسٹ، مطبوعہ ۱۳۶۴ ہجری شمسی۔ ص:۳۷۶۔ ۳۷۷۔۳۷۸۔۳۸۶۔۳۸۷۔۴۴۸

۷۔ ایضاً ص:۴۴۔۴۹۔۵۰

۸۔ شاہدنوخیز اعظمی پروفیسر، دیوان فارسی معروف بہ انیس العشاق خواجہ بندہ نواز گیسودراز، تنویر پبلی کیشنز، حیدرآباد (تلنگانہ) مطبوعہ ۲۰۲۲ء۔ص:۱۱۔۱۲

۹۔ ایضاً ص:۱۴۔۱۵۔۱۷۔۱۸

۱۰۔ ایضاً ص:۶۲۔۷۵۔۷۷۔۸۱

۱۱۔ لغت نامہ دھخدا۔ تحقیق نعت۔ محترم ڈاکٹر عارف نوشاہی صاحب کا شکریہ کہ آپ نے لفظ نعت کے استعمال کے تعلق سے لنک (Link) ارسال کیا ہے۔ جزاکم اللہ خیرا

۱۲۔ محمد یوسف کوکن افضل العلماء، عربک اینڈ پرشین اِن کرناٹک ۱۰۱۷تا ۱۹۶۰ء، مطبع امیر اینڈ کو، مدراس، ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۹۷۴ء ص:۲۴۱

۱۳۔ محمد یوسف کوکن افضل العلماء ''خانوادۂ قاضی بدرالدولہ (جلد اول)'' دارالتصنیف، مدراس، مطبوعہ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۳ء ص:۱۹۰

۱۴۔ ایضاً:ص:۱۹۰

۱۵۔ محمد غوث خان اعظم نواب بہادر ''تذکرۂ گلزارِ اعظم''، مطبع سرکاری، مدراس، سالِ اشاعت ۱۲۷۲ھ ص:۳۳۶

۱۶۔ محمد افضل الدین اقبال پروفیسر ''مدراس میں اردو ادب کی نشونما'' مطبوعہ یوسف شرف الدین ادبی و مذہبی ٹرسٹ، حیدرآباد ۲۰۱۰ء (دوسرا ایڈیشن) ص:۱۱۳

۱۷۔ تذکرۂ گلزارِ اعظم، ص:۳۳۷

۱۸۔ خانوادۂ قاضی بدرالدولہ، ص:۱۹۵۔۱۹۶

۱۹۔ ایضاً:ص:۱۹۹

۲۰۔ محمد غوث خان اعظم نواب ''تذکرۂ صبح وطن''، مطبوعہ کشن راج پریس، مدراس ۱۲۵۳ھ مطابق ۱۸۴۲ء، ص:۱۷۹

۲۱۔ خانوادۂ قاضی بدرالدولہ، ص:۲۱۳۔ عربک اینڈ پرشین اِن کرناٹک، ص:۲۴۳

۲۲۔ ایضاً:ص:۲۰۱۔۲۰۲۔۲۰۳

۲۳۔ ایضاً:ص:۲۰۳۔۲۰۴۔۲۰۵۔

۲۴۔ ایضاً:ص:۱۹۱۔۱۹۲۔۱۹۳

۲۵۔ ایضاً:ص:۲۰۵۔

☆☆☆

ڈاکٹرعبدالستار ساحر (کڈپہ، آندھراپردیش)

ڈاکٹر راہیؔ فدائی کی نعتیہ شاعری

عقاید پر مبنی شعری جذبات کو خلوص اور محبت کی شاعری سے تعبیر کیا جا سکتا ہے اس معاملہ میں شاعر کو رب لم یزال کے لطف و کرم کا انتہائی شکر گزار ہونا چاہئے جس کی توفیق سے اس کو توصیف محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف حاصل ہوا۔ نعت گوئی پل صراط کے سفر سے کم نہیں ہے و نیز یہ کوئی آسان تخلیقی عمل نہیں ہے کیونکہ سرور کائنات اور رحمۃ للعالمین کی بارگاہِ مقدس میں نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہوئے حد درجہ احتیاط لازم ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے:

''باخدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار''

اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ نعت گوئی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں ہے۔

اردو کی ابتدا سے لے کر تا حال نعت گوئی علاقائی حد بندیوں سے متجاوز نظر آتی ہے شمال اور جنوب کے بے شمار شاعروں نے بارگاہِ رسالت مآب میں گلہائے عقیدت نچھاور کرنے کی سعادت حاصل کی ہے اس فہرست میں ایسے علاقوں کے شعرا بھی شامل ہیں جنھوں نے اردو مراکز سے دوری کے باوجود اپنے فکر و فن سے اردو کی قد آور شخصیتوں کو اپنی طرف متوجہ کیا و نیز متاثر و مرعوب بھی۔

ڈاکٹر راہی فدائی اردو شعر و ادب کا ایک معتبر نام ہے موصوف کی نظم و نثر کی درجنوں کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں خصوصاً شاعر کی حیثیت سے راہی نے ہمیشہ اپنا لوہا منوایا ہے موصوف نے اردو کی تمام اہم اصناف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی شخصیت سازی اور ان کے تعلیمی و ادبی پس منظر اور پیش منظر میں مذہب اور دینی علوم نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ دراصل موصوف نے اپنی موزونی طبع کے مطابق اصناف اور شعری مضامین کا انتخاب کیا ہے۔

مولانا راہی فدائی نے اپنی نعتیہ شاعری میں حد درجہ صاف اور شستہ زبان استعمال کی ہے۔ والہانہ عقیدت، نیازمندانہ وارفتگی اور دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لگاؤ میں داخلی کیفیت کا بے پناہ

شوق نعت گوئی کے لوازمات ہیں جنہیں موصوف نے اپنی نعتیہ شاعری میں یہ تمام و کمال برقرار رکھا ہے۔اس سلسلے میں انہوں نے چھوٹی اور متوسط بحروں کے ساتھ ساتھ آسان اور عام فہم زبان استعمال کی ہے جو موصوف کے مزاج اور اس کے اصناف یعنی غزل اور نظم کے برعکس کہی جاسکتی ہے۔مثلاً

عرض و لوح و قلم محمد ﷺ کا — خود مکین حرم محمد ﷺ کا

......

پُر نور تیری ذات ہے قرآں ترے صفات — راہی بھلا ہو کس کا ثنا خواں ترے بغیر

بہ قول مولانا قدرت اللہ باقوی:

''راہی نے آیات ربانی واحادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حسین ترجموں سے بھی کام لیا ہے مثلاً" **کنت کنزاً مخفیاً ناحت ان اعرف مخلقت الخق ...... اوّل ما خلق اللہ نوری۔**" کو اس طرح نظمایا ہے۔''

(مصداق از راہی فدائی،تعارف از مولانا قدرت اللہ باقوی،ص:۶۵)

مدت سے ورنہ مخفی و گم نام تھا احد — احمد ﷺ جو آئے ظاہر و مشہور ہو گیا

ایک اور مثال خاتم النّبیین:

نہ آئے گا جہاں میں کوئی مرسل نبی کوئی — خلائق کے لئے خالق کی محبت ختم ہے تم پر

ونیز **سبحان الذی اسریٰ**:

تمہیں تو ہو معزز مہمان لامکاں آقا — شب اسریٰ کی ذی شوکت سیاحت ختم ہے تم پر

مولانا راہی فدائی کی نعتیہ شاعری کی امتیازی خصوصیات صاف زبان، شستہ الفاظ، مانوس تلمیحات اور آیات واحادیث ہیں پروفیسر ظہیر احمد صدیقی نے آپ کے نعتیہ کلام پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''آپ نے نعتیں جس عقیدت اور محبت سے لکھی ہیں مجھے یقین ہے کہ اس کا صلہ بارگاہ رسالت میں ضرور ملے گا۔خدا سب کے دل میں یہ جذبۂ ایمانی پیدا کرے۔''(مصداق،ص:۱۱۱)

اور راقم کا یہ خیال ہے کہ راہی فدائی کی اس عقیدت اور محبت سے بھی ہمیں پیار ہو جائے تو اس کے صلہ میں ہمارا بھی کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ہوگا۔

راہی فدائی نے اپنی نعتوں کو انفرادیت کے زیور سے آراستہ کیا ہے اور ان میں صالح جدت اور

عمدہ کلاسکیت کا حسین امتزاج نظر آتا ہے راہی فدائی کی نعتیہ شاعری میں آورد اور تصنع نظر نہیں آتا اس لئے کہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے عشق میں کسی بناوٹ کا شائبہ تک نہیں ہے نیز موصول کی نعتوں میں تازہ مضمون اور ندرت فکر کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ دوسری اصناف پر طبع آزمائی کے باوجود راہی فدائی کو خالص نعت گو کی حیثیت سے بھی شہرت ومقام حاصل ہے۔

راہی فدائی کی نعتیہ شاعری ہر اعتبار سے منفرد ہے اور مستند بھی۔ اس لئے کہ ان کی نعتوں کا ہر نقطہ دل کی گہرائیوں سے نکلا ہے اور ایک ایک لفظ میں ان کی عقیدت اور ذات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ محبت کا بھرپور اظہار ہے۔ موصوف نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے سب سے جاندار اور انوکھے پہلوؤں کی جانب لطیف اشارے کئے ہیں مثال کے طور پر غیروں اور دشمنوں سے بھی آپ کا بہترین اور نیک سلوک جس نے کئی کافروں کو مسلمان بنادیا:

رنگ لایا اس طرح درس محبت آپ ﷺ کا　　　دشمن جاں تھے عمرؓ فاروق اعظم ہوگئے
خار رشک گل بنے، شعلے بھی شبنم ہوگئے　　　ان کی وہ چشم کرم، اعدا کے سرخم ہوگئے

مولانا راہی فدائی کی نعتیہ شاعری کا تذکرہ موصوف کے کتابچہ یا صاحب الجمال کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا جو کہ مختصر منظوم سیرت طیبہ ہے اور یہ روایت موصوف کے الفاظ میں عربی، فارسی، گجری اور دکنی کی وساطت سے اردو میں عام ہوئی۔ بہ قول پروفیسر محمد علی اثر:

> ''یا صاحب الجمال، ڈاکٹر راہی فدائی کا حضور اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ، سیرت مبارکہ سے متعلق ایک مختصر ترین منظوم نذرانہ عقیدت ہے بارہ ابواب پر مشتمل یہ کتاب گویا دریا کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے ڈاکٹر راہی نے یہ صرف سیرت طیبہ کے اہم واقعات قلم بند کرنے کی کوشش کی ہے بلکہ شاعرانہ حسن وکمال بھی ملحوظ نظر رکھا ہے۔ اس منظوم سیرت کی سب سے اہم خصوصیت ایجاد واختصار ہے۔'' (یا صاحب الجمال، پیش گفتار از پروفیسر محمد علی اثر، ص: ۱۰)

اس کتاب کے چند ابواب کے عنوان یہ ہیں اسلام سے پہلے، ولادت باسعادت، نبوت رسالت، مکی زندگی، ہجرت، مدنی زندگی، شمائل واخلاق النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ۔ بالترتیب اشعار ملاحظہ فرمائیں:

سرور کونین و شاہ دیں پہ ہوں لاکھوں درود　　　جن کی سیرت نے عطا کی زندگی ایمان کو

جب ولادت باسعادت کا وہ لمحہ آ گیا
منھ کے بل بت گر پڑے، شیطان بھی تھرا گیا

جوں ہی شجر عمر پر چالیسویں چھائی بہار
رب نے بخشی آپ کو شک نبوت پُر وقار

آخرش جب ہوگئی رنج و الم کی انتہاء
رب نے فوری آپ کو معراج کا تحفہ دیا

بعدازاں ہجرت کا اذنِ عام رب نے دے دیا
آپ ﷺ نے اس وقت لی راہِ مدینہ طیبہ

نصرت حق سے قبا کی اوّلیں مسجد بنی
جس کی تعریف وثنا قرآن میں خالق نے کی

آپ ﷺ وجہ کن فکاں یا رحمۃ للعالمیں
آپ ﷺ ہی سے ہے سبھی کچھ آپ ﷺ سا کوئی نہیں

مہمانِ لامکاں و میزبان دوجہاں
آپ ﷺ ہیں معشوق حق ،محبوبِ رب العالمیں

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان پر اردو نظم ونثر میں کئی کتابوں کی اشاعت عمل میں آئی ہے اور آتی رہے گی باہم ’’یاصاحب الجمال‘‘ کو منظوم سیرت طیبہ میں گراں قدر اضافہ کہا جا سکتا ہے۔

مجموعی طور پر ڈاکٹر مولوی راہی فدائی کی نعتیہ شاعری کے مطالعہ سے قارئین کو شاعر کے زور بیان اوران کی خاص لفظیات کا بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے علم معرفت، اسلامی تاریخ سے آ گاہی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت واحترام اور والہانہ عشق نے راہی فدائی کی طبیعت میں ایک قسم کی روانی پیدا کی تو موصول نے نعت گوئی کی سعادت حاصل کی۔

☆☆☆

حضرت مولانا نثار احمد نثؔار فدائی باقوی (بنگلور)

ضیاءالملّت حضرت علامہ امانی رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر سوانح اوران کی یادگار مثنوی ’’گلشنِ سیرت‘‘

ضیاءالملّت حضرت علامہ امانی رحمۃ اللہ علیہ کا پورا نام ضیاءالدین احمد، تخلص امانی اور لقب ضیاء الملّت ہے۔ آپ کی ولادت بماہ محرم الحرام ۱۳۱۱ھ مطابق ۱۸۹۳ء بروز یکشنبہ مضافات ویلور شمالی آرکاٹ کے مشہور مردم خیز قصبہ ’پلی کنڈہ‘ میں ہوئی، سلسلہ نسب والد ماجد مولانا الحاج عبدالرحیم ہاشمی بن الحاج بہاءالدین احمد بن محمد راج ہاشمی ہے۔ علامہ امانی رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی دینی تعلیم اپنے ہی وطن پلی کنڈہ کے مدرسہ اسلامی میں حاصل کی، جس کی بنیاد ان کے والد گرامی مولانا عبدالرحیم ہاشمی نے اپنی تعلیم سے فراغت کے بعد رکھی تھی۔ چونکہ مولانا عبدالرحیم ہاشمی نے اپنے وقت کے مشہور زمانہ جید عالم دین حضرت علامہ شیخ عبدالوہاب قادری رحمۃ اللہ علیہ بانی جامعہ باقیات الصالحات، ویلور سے تعلیم حاصل کی تھی اور آپ (والد ماجد) اپنے فرزند عزیز مولانا ضیاءالدین احمد امانی کو بھی تعلیم اپنے شیخ و مربی اور استاذ کل حضرت علامہ شیخ عبدالوہاب قدس سرہٗ بانی جامعہ باقیات صالحات، ویلور (ولادت یکم جمادی الاولیٰ ۱۲۴۷ھ مطابق ۱۸۳۱ھ) (۱) کے مدرسہ (جامعہ) باقیات صالحات ویلور (قائم شدہ سرکاری اعلامیہ کے مطابق ۱۲۷۴ھ مطابق ۱۸۵۷ء) جو مشہور بھی ہے اور متواتر بھی۔ (۲) کے مدرسہ (جامعہ) باقیات صالحات ویلور میں داخل فرمایا۔ تعلیم سے فراغت (۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۷ء) کے بعد مدرسہ باقیات ہی میں، استاذ مقرر ہوئے۔

حضرت امانی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلیٰ حضرت بانی باقیات صالحات ویلور سے شرف تلمذ پایا، شمس العلماء علامہ شیخ عبدالجبار قادری، مولانا عبدالرحیم صاحب شیخ الحدیث، مفتیٔ اعظم حضرت علامہ شیخ آدم صاحب (اپنے وقت کے جید علمائے دین، ماہرین فنون وادب اساتذہ سے بھی خوب فیض پایا) شمس العلماء حضرت علامہ مفتی دوراں شیخ عبدالوہاب قادری بانی باقیات صالحات ویلور کے دست حق

پرست پر بیعت کا شرف حاصل کیا، بعد میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع ہوئے، آخر میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت مولانا سعید کیرنوری سے اجازت وخلافت حاصل ہوئی۔

تقریباً ربع صدی تک اپنی مادرِ علمی مدرسہ باقیات صالحات ویلور میں تدریسی خدمات انجام دیں، حضرت مولا ابوالفضل ضیاء الدین محمد رحمۃ اللہ علیہ صاحب زادہ بانی باقیات ناظم و میرمجلس مشاورت کے سانحہ ارتحال (۱۹۴۰ء) کے بعد اپنی مادرِ علمی کو بادلِ ناخواستہ الوداع کہا اور مدرسہ داؤدیہ، ایروڈ میں دوسالہ خدمت تدریس کے بعد لال پیٹ کے مدرسہ منبع الانوار (قائم شدہ ۱۲۸۱ھ) مکتبی تعلیمی ادارہ کو اپنی خدمات کے لئے منتخب فرما کر اسے اپنی تعلیمی خدمات جلیلہ سے جامعہ کی صورت گری عطا کی، ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۸۶ء مطابق یکم اگست ۱۹۶۶ء کو اس دارفانی کو الوداع کہا، استاذ محترم حضرت علامہ فدوی باقوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''آپ شیخ ملت'' سے سال ہجری ۱۳۸۶ھ اور ''آپ شیخ ملت علامۂ روزگار'' سے تاریخ عیسوی ۱۹۶۶ء بڑے ہی فن کارانہ انداز سے استخراج فرمایا ہے۔ ''گلشنِ سیرت'' کے مصنف شیخ الملت حضرت علامہ ضیاء الدین احمد امانی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۱۲-ھ۱۳۸۶ھ) جنوبی ہند کے یگانۂ روزگار عالم دین، مسند نشین درس وافتاء اورام المدارس مدرسۂ باقیات صالحات، ویلور (ٹمل ناڈو) کے مدرس ہونے کے علاوہ اردو، فارسی اور عربی کے مشہور صاحب طرزِ ادیب اور ایک پرگو قادر الکلام شاعر بھی تھے۔ شاعری کا نہایت اعلیٰ، شستہ، تطہیر اور تہذیب یافتہ ذوق آپ نے پایا تھا۔ عربی و فارسی کی اعلیٰ تعلیم نے آپ کے فطری مذاقِ شعری کے لئے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ درس وتدریس اور افہام وتفہیم کی عالمانہ اور ذہن کو تھکا دینے والی شب وروز کی علمی مشغولیت، لیلائے شاعری کے زلفہائے پریشاں کو سنوارنے کی خدمت مستحسن سے آپ کو باز نہ رکھ سکی۔ اردو کے علاوہ فارسی اور عربی زبانوں پر بھی آپ کو اتنا عبور تھا کہ اہلِ زبان اصحابِ فن کو بھی رشک آئے۔

استاذ گرامی حضرت مولانا نثار احمد صاحب فدویؔ باقوی رحمۃ اللہ علیہ نے انتخاب دیوان امانؔی فارسی پر تبصرہ کرتے ہوئے ملا طاہر غنی اور آزاد بلگرامی ایسے دو اساتذۂ سخن کے ایک ہی مضمون کے بالترتیب ان اشعار:

بہر راحت ہمسائیگاں کردن خوش است — بشنود گوش از برائے خواب چشم افسانہا

محنت ہمسائیگاں برخود گرفتن لازم است — از برائے چشم بینی زیر بار عینک است

کے ساتھ اس مضمون کا حامل حضرت امانؔی کا درجِ ذیل شعر:

رنج بہر عشرت ہمسائیگاں بردن خوش راست — از پئے ذوق زباں دنداں نجاید دانہ را

پیش فرما کر بڑی نکتہ رس بات فرمائی ہے کہ دونوں استادوں کا شعر اپنی جگہ انتہائی بلند و وقیع ہے لیکن حق تو یہی ہے کہ حضرت امانی نے اس خیال کو بہت بلند کر دیا ہے۔ ذوقِ زبان کے لئے دنداں نجاید کہنا ہر طرح مدلل ہے۔

اردو زبان سے آپ کی غیر معمولی دلچسپی اور والہانہ شیفتگی کا ثبوت ملک کے مشہور و موٴقر اردو جرائد میں شائع شدہ آپ کے علمی اور تحقیقی مقالات، اردو کلام، ایک غیر مطبوعہ دیوان (اردو) اور سیرتِ پاک کے موضوع پر بیش بہا اور گرانقدر ''مثنوی گلشنِ سیرت'' ہے:

> ''گلشنِ سیرت کی تصنیف'' کا خیال آپ کے دل میں کیوں کر آیا اور اس تصنیف کا مقصد کیا تھا، خود مصنف کی زبان سے سنئے ''جنوبی ہند میں آج کل سیرۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منظوم پڑھنے کا عام رواج ہو گیا ہے اور سیرت کی متداول کتابیں بڑی مبسوط اور مفصل ہیں جو مقررہ وقت پر ختم نہیں ہوتیں۔ اس لئے مختصر اور عام فہم منظوم سیرت لکھنے کا شوق مدت سے دامن گیر تھا تا کہ شائقین اگر چاہیں تو چار پانچ جلسوں میں ختم کر سکیں۔ اس طرح سیرتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پڑھنے اور سننے کی برکات سے ہر مسلمان بآسانی مالا مال ہو سکتا ہے۔''

حضرت مصنف کا یہ فرمانا بالکل بجا ہے کہ جنوبی ہند کے گاؤں، قریہ و دیہات بلکہ شہروں تک میں ربیع الاول کی آمد کے ساتھ ہی نہایت اہتمام و ذوق وشوق سے مجالسِ میلاد کا انعقاد اور ان میں سیرت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منظوم پڑھنے اور سننے کا رواج اب سے نصف صدی پیشتر تک عام تھا۔ ویسے مسلمانانِ جنوبی ہند کے لئے آج بھی اس ماہِ مبارک کی آمد بہارِ زندگی کی دلنشیں، راحت افزا ساعتوں کا ہراول متصور ہوتی ہے۔ بہار زندگی کی ان مسعود ساعتوں کا استقبال آج بھی اسی ذوق و شوق، جوش و مسرت، خوشی و انبساط اور ادب و احترام کے ساتھ راحت و رافت کا زینہ سمجھ کر کیا جاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ماضی میں منظوم سننے کا شوق زیادہ تھا اور اب منثور، یعنی تقریر دلپذیر کی لذت سے شاد کام ہونا آج کا مذاق عام ہے۔

گلشنِ سیرت کی تصنیف کا زمانہ لگ بھگ آشوبِ ہندوستان کا وہ قیامت خیز زمانہ ہے جو آزادی اور تقسیم وطن کے نام سے موسوم ہے جب کہ جوش نشاط و مسرت سے معمور رنگ و نسل اور مذہب کے فرق و امتیاز کے باوجود قومی یکجہتی کے نشے میں سرشار ہندوستانی مسلمان جذبۂ یگانگت کے

اظہار کے ساتھ رنج ومحن سے لے کر سرِ دار تک کی آزمائشوں کو ہنسی خوشی بہ عزمِ صمیم جھیل کر آزادیٔ وطن کے مقفل دروازے کو کھولنے میں بالآخر کامیاب تو ہو گئے، مگر اس مادر گیتی میں تقریباً ایک ہزار برس سے زائد طویل مدت کی رفاقتِ دیرینہ کے باوجود برادرانِ وطن کے متعصب اصحاب ذہن کے مقفل قلوب کو کھولنے میں غالبًا ناکام رہے جس کے سبب مسلمانانِ ہند پر مصائب کا تسلسل کسی نہ کسی صورت میں اب تک جاری ہے۔ یہ مسلمانانِ ہند کا دل ہی جانتا ہے کہ آزادیٔ وطن ایسے سہانے خواب کی تعبیر ان کے حق میں کس قدر بھیانک نکلی۔ اس وقت ہندوستان میں نہ کوئی مسلمانوں کا سچا ہمدرد تھا نہ کوئی پرسانِ حال اور نہ کوئی دلجوئی کرنے والا، زخموں پر نمک چھڑکنے والوں کی کمی نہ تب تھی نہ اب ہے۔ ایسے نازک اور حساس دنوں میں جب کہ آدمی اپنے ہی سایہ کو اپنا قاتل سمجھنے پر مجبور ہو، دلوں کے رستے ہوئے زخموں پر مرہم لگانا بھی ایک مشکل امر ہوا کرتا ہے، بظاہر کوئی سیاسی قوت ان کے پاس ایسی نہ تھی جو ان کو سہارا دے سکے، ان کے پوری طرح ٹوٹ جانے میں کوئی کسر باقی نہ تھی۔ ان حالات میں قوم کے سچے بہی خواہ دانشوروں، علما، صلحا، شعرا اور ادبا نے اپنے اپنے طور پر اس ذمہ داری کو محسوس کیا اور ہمت وحوصلہ سے کام لے کر شکستہ پائی سے مضمحل اپنی قوم کے سامنے اپنے اسلاف کے کارناموں، ان کے آزمائشوں سے بھرپور واقعات اور ساتھ ہی ان کے بلند کردار کی بے داغ سیرتوں کے نمونے دلچسپ اور سادہ اسالیب شعر ونثر میں پیش کئے تاکہ اپنے اسلاف کے کارناموں کو پڑھ کر ان کے اندر بھی ہمت وحوصلہ پیدا ہو اور ان کے اندر پھر سے یہیں جینے کا شوق اور لگن زندہ ہو۔

زیرِ مطالعہ تصنیفِ لطیف مثنوی ''گلشنِ سیرت'' بھی ان ہی کوششوں میں سے ایک ہے جس میں تاریخی واقعیت کے ساتھ صحتِ روایت کا اہتمام بھی ہے۔ مشکل قوانی اور عربی وفارسی کے مشکل اور عام لوگوں کو جلد سمجھ میں نہ آنے والے الفاظ سے مصنفِ گلشنِ سیرت نے عمداً احتراز کیا ہے تاکہ عام قارئین وسامعین کو مثنوی کی تفہیم میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ سیرت رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گلشنِ زندگی مہکتا اور مہکاتا ہوا ان کی نظروں کے سامنے موجود ہو اور وہ یہ دیکھیں کہ اس گل یکتا کی جہاں گیر خوشبو کو مقید کرنے اور لطافت جہاں آرا کو زینت چمن بننے نہ دینے کے لئے کتنے خار تھے اور کتنے خار دار باڑھ تھے جو آپؐ کو چاروں جانب سے گھیرے ہوئے تھے، مگر کس طرح، کس حلم وصبر، متانت وسنجیدگی، تدبیر، حکمت، دشمنوں کے ساتھ حسنِ اخلاق اور کریمانہ برتاؤ، اپنوں کے ساتھ گہری اپنائیت، نرمی اور تواضع کا مظاہرہ، موعظت ونصیحت اور ان سب کے ساتھ بے پناہ ہمت وشجاعت کے ذریعے ان خون کے پیاسے دشمنوں کی تمام تر تدبیروں کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

ناکام بنایا اور انہیں اپنے زیر اثر لے لیا۔ تاریخ عالم کی اس سب سے بڑی سچائی اور سچائی پسند تمام عالم میں برگزیدہ شخصیت کے احوال و کوائف اور واقعاتِ زندگی کو بالتفصیل تاریخی واقعیت کے مطابق صحتِ روایت کے اہتمام اور متعلقہ افراد واقعہ کے نام مع ان کے قبائل اور ان کے وصفِ ذاتی کے ذکر اور مقامات کی تصریح کے ساتھ حضرت امانؔی نے جس حسن سلیقہ اور علمی وقار کے ساتھ افراط وتفریط سے اپنا دامن بچا کر مثنوی کے انداز میں شعری قالب عطا کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے:

مرے دل میں یہ تھا مدت سے ارماں کہ کرلوں مغفرت کا اپنی ساماں
حبیبِ حق کی لکھوں سیرتِ پاک کروں حاصل سکونِ جانِ غمناک

گلشنِ سیرت پاک کی تصنیف کا ایک سبب یہ بھی ہے۔ ذکرِ رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مغفرت کا ذریعہ بھی ہے اور تسکینِ جان کا سبب بھی۔ اس مثنوی کی ایک اہم اور امتیازی خصوصیت، عام فہم ہونے کے علاوہ ایک یہ بھی ہے کہ رسولِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے احوال وواقعات کا ذکر، آپ کی سیرت مبارکہ بشمول آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شمائل، عادات وخصائل کی تفصیلات بیان کرنے میں مصنف نے نہ کسی بے سند بات کا سہارا لیا ہے اور نہ کسی غیر معتبر ضعیف روایت کو شاعرانہ حسن بیان دے کر لطفِ سخن کو دوآتشہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ گلشنِ سیرت کا یہ وہ خاص امتیازی وصف ہے جو دیگر منظوم تصنیفاتِ سیرت میں اس کتاب کو ممتاز درجہ عطا کرتا ہے۔ اس امتیازی وصف کی جانب مصنف نے گلشنِ سیرت کی مناسبت ورعایت کرتے ہوئے گلِ سیرت کا بے خار گلشن کہہ کر اشارہ کیا ہے:

زباں بس سہل ہو مطلب بھی روشن گلِ سیرت کا ہو بے خار گلشن

صحت روایت کا اتنا خیال اور اسے نظم کرنے میں اتنی احتیاط کہ ضرورت شعری کے تحت اصل مفہوم سے ایک دو لفظ بھی زیادہ لانے کی جہاں کہیں ضرورت ہوئی، حضرت امانؔی نے قوسین میں اسے نمایاں فرما دیا ہے تا کہ قاری کو معلوم ہو جائے کہ یہ الفاظ روایت کے مفہوم ومعنی سے زائد ہیں۔ حضرت عبد المطلب نے چاہِ زمزم کی تلاش وجستجو کا عزم کیا تو دیگر اہلِ قریش نے اس مبارک مہم میں آپ کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا اور یہ کام چونکہ تنہا آپ کے بس کا نہیں تھا آپ نے منت مانی کہ اگر مجھے دس فرزند عطا ہوں تو میں ان فرزندوں کو ساتھ لے کر یہ کام ضرور سرانجام دوں گا، اور چاہ زمزم کے نکل آنے پر ان دس میں سے ایک فرزند کی قربانی اللہ کے نام پر پیش کروں گا۔ اس موقع کے اشعار ملاحظہ ہوں، جن میں حضرت امانؔی نے روایت کے معنوی ربط وتسلسل کو بحال رکھتے ہوئے ضرورت شعری کے

تحت روایت کے مفہوم کو واضح کرنے والے لفظ اور ایک پورے مصرعہ کا اضافہ کس خوبی سے کیا ہے:

یہ منت مانی میرے دس ہوں فرزند ۔۔۔ کریں سب مل کے اس میں سعی دو چند
نکالوں ااور میں یہ کھود کر چاہ ۔۔۔ کروں گا اک پسر قربان (واللہ)
خدا نے دے دئے دس ان کو فرزند ۔۔۔ (قوی باز و حسیں شکل و خرد مند)

نعتیہ شعر شاعر کے دلی جذبات، سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مخلصانہ محبت و معمور بہ سرشاری، عقیدت کے سچے اظہار کا وسیلہ جلوہ آرائیوں سے مملو، صبح دم تازہ گلاب کی پتیوں پر رقص فرما شبنمی قطرات کے پاکیزہ منظر کا عکس نمایا کرنے والا دلکش ادا اسلوب ہے جس میں کہیں کہیں سرکار کے شمائلِ مبارکہ کا تذکرہ شاعر کے حسن تخلیل اور حسن عقیدت کے امتزاج کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے اور کہیں شاعر ممدوح (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی مدح سرائی میں حسن تخلیل کی کرشمہ سازی کی بدولت جذباتِ عقیدت کو تسکین کا سامان فراہم کرتے ہوئے ایک خوب صورت اور دلکش پیرایۂ بیان عطا کرتا ہے۔ نعتیہ شاعری کا یہ خالص محبت کے پھول کھلانے والا اسلوب بصارت کے لئے نظر افروز اور سماعت کے لئے حلاوت بخش ہے۔

حضرت امانؔی نے یہ منظوم سیرتِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عوام کے ذوق و معیار کو پیش نظر رکھ کر رقم فرمائی ہے۔ عربی و فارسی کے مشکل اور بعید الفہم الفاظ، تشبیہ و استعارات اور کنایات وغیرہ ایسے علمی و فنی لوازماتِ حسنِ شعر سے عمداً احتراز فرمایا ہے۔ لیکن اس کوشش کے باوجود کہیں کہیں زورِ طبیعت، سخنورانہ جوش اور اظہار حقیقت کے کیف زا لمحاتِ عقیدت و محبت کو بسرعت گرفت میں لانے کی امنگ نے اس پابندی کو قبول نہیں کیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ جذبۂ دروں کی تپش عشق نے جہاں کہیں اظہار پایا ہے لطفِ شعر دوبالا بلکہ دو آتشہ ہو گیا ہے۔ ولادت باسعادت کے ذکرِ سعید کے موقع پر حضرت امانؔی کا وجدان سے پر اندازِ بیان ملاحظہ فرمائیے:

نزولِ رحمتِ باری کا تھا وقت ۔۔۔ درودِ فوج سرکاری کا تھا وقت
زمیں پر ہو رہی تھی نور باری ۔۔۔ بڑی ہی منتظر تھی خلق ساری
ہوا پیدا شہنشاہ دو عالم ﷺ ۔۔۔ سرور آدم و اولادِ آدم
ہوا پیدا حبیبِ خاص داور ۔۔۔ ہوا پیدا کلیدِ بابِ رحمت
ہوا پیدا گلِ باغِ امانت ۔۔۔ ہوا پیدا درِّ کانِ صداقت
ہوا پیدا چراغِ بزمِ آفاق ۔۔۔ ہوا پیدا امیدِ جانِ مشتاق

ہوا ہے مطلعِ انوار پیدا ہوا ہے منبعِ اسرار پیدا
ہوا ہے قدوۂ ابرار پیدا ہوا ہے زبدۂ اخیار پیدا
ہوا ہے دین کا سردار پیدا ہوا ہے قافلہ سالار پیدا
امام الانبیاء پیدا ہوا ہے ہمام الاصفیا پیدا ہوا ہے
قوام الاتقیاء پیدا ہوا ہے نظام الاولیاء پیدا ہوا ہے
سراج السالکیں پیدا ہوا ہے علاج الہالکیں پیدا ہوا ہے
مریضوں کی شفا تشریف لائے کمالِ اصطفیٰ تشریف لائے

گلشنِ سیرت کی ایک اور خوبی اور فنی لحاظ سے مصنف کا کمال یہ ہے کہ قبائل ومقاماتِ عرب کے ناموں کے علاوہ دو سو سے زائد افراد واقعہ کے نام مصنفِ کتاب نے مناسبت واقعہ کے لحاظ سے منظوم فرمائے ہیں۔فنِ شاعری میں عروض کے واقف کار جانتے ہیں کہ اس کثرت کے ساتھ عرب کے مقامات،قبائل اور افرادِ واقعہ کے عربی ناموں کو لغات لفظ کی صحت کے اہتمام کے ساتھ موزوں کرنا اور وہ بھی اس حسن ادا کے ساتھ کہ نہ زبانِ شعر مجروح ہو نہ شعر کی روانی وسلاست میں فرق آئے اور نہ قاری کو ضیقِ مضمون کی شکایت ہو جوئے شیر لانے کے برابر ہے۔اولادِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور امہات المومنین کے بیان سے درجِ ذیل اشعار بطورِ نمونہ بالترتیب ملاحظہ ہوں:

(۱)

نہ کی شادی کسی سے تھیں یہ (حضرت خدیجہ) جب تک ہوئی اولاد انہیں بی بی سے بیشک
وہی زینب، رقیہ، ام کلثوم چہارم فاطمہ زہرا سے موسوم
خدائے پاک کا گھر بن رہا تھا ہوئیں زہرا اسی اثنا میں پیدا
یکم قاسم تھے عبد اللہ دوم تو ابراھیم تھے فرزندِ سوم
مگر فرزند ابراھیم اعلیٰ ہوئے تھے ماریہ سے ایک پیدا
حبیبِ حق کی یہ ام ولد تھیں تو ان میں خوبیاں بھی بے عدد تھیں

(۲)

نبی ﷺ کی بی بیاں گیارہ تھیں جملہ خدیجہ اور سودہ بنتِ زمعہ
جناب عائشہ تھیں بنتِ صدیق عمر کی بیٹی حفصہ (جانِ تحقیق)

خزیمہ کی تھیں دختر زینبؓ پاک ۔۔۔ صفیہ اور سلمہ (جان اور اک)
جو کی صبر و سکون سے فتح حاصل ۔۔۔ ہوئیں زوجیتِ سرور ﷺ میں داخل
جویریہ کی شدت ہو گئی دور ۔۔۔ ہوئیں جب شفقتِ سرور ﷺ سے مسرور
نہم ام حبیبہ نیک مشرب ۔۔۔ دہم میمونہ، بنتِ جحش زینب
نبی ﷺ کی بی بیاں بیوہ تھیں ساری ۔۔۔ مگر تھیں عائشہ اک ان میں کنواری

ملک عرب

عرب کا ملک ہے شبہ جزیرہ ۔۔۔ تو اس کی وضع میں ہے عقل خیرہ
بڑا حصہ ہے ریگستاں عرب کا ۔۔۔ زیادہ ہے پہاڑوں کا بھی حصہ
جو ہے کوہِ سراۃ ان سب سے لمبا ۔۔۔ یمن سے شام تک طول اس کا
بلندی ہر جگہ کچھ بیش و کم ہے ۔۔۔ تو اونچی چوٹی اسی سو قدم ہے

اس پوری مثنوی گلشنِ سیرت (بشمولِ حصہ اوّل و دوم) میں گنتی کے صرف چار مقامات ایسے ہیں جہاں واقعہ کے ناموں کو موزوں کرنے میں مصنف کو بحر کی رعایت کرنی پڑی ہے۔ مصنف کی یہ علمی دیانت ہے کہ بحر و وزن کی رعایت کرتے ہوئے ناموں کے تلفظ میں ذرا سی ترمیم و تخفیف کی جہاں ضرورت پڑی ہے حاشیہ میں اس کی نشان دہی کے ساتھ اصل تلفظ کی وضاحت بھی کر دی ہے۔ بطورِ مثال ذیل کے صرف دو شعر مع حاشیۂ مصنف ملاحظہ ہوں:

ہوئے (۱) سمرہ بھی پیش ان کو جوتھی آس ۔۔۔ جو رافع کو پچھاڑا ہوگئے پاس
دیا کھول اس کو جاگ اٹھا جو بدوی (۲) ۔۔۔ تو فوراً آگئی جنگل سے ہرنی

(۱) سمرہ کے میم مضموم (سَمُرَہ) پڑھنا چاہئے، مگر اس بحر میں ساکن ہی موزوں ہوسکتا ہے۔
(۲) جاگ اٹھا سے مراد آنکھ کھولنی ہے جس کا مطلب فتح عین ہے یعنی بدوی کی دال (عین کلمہ) کو فتح (بَدَوی) پڑھنا چاہئے۔ مگر اس بحر میں ساکن ہی موزوں ہوسکتی ہے۔

حضرت امانیؔ گلشنِ سیرت کے شروع میں ملک عرب اس کے حدودِ اربع طبعی حصے، حجاز عرب کا رقبہ، عرب کے معنی، اعراب، اقوام عرب، مذہب عرب، بازار عرب، آبادی مکہ، سفایا اور فادہ، ہاشم بن عبدِ مناف، خصوصیات و فضائل عرب، بنی اسمٰعیل، قریش اور قریش کے لغوی معنی کے عناوین کے تحت اتنی اہم، جامع، مستند اور ضروری معلومات قارئین کتاب کو بہم پہنچائی ہیں کہ عوام تو عوام، اصحابِ علم و فہم، تاریخ داں اور جغرافیہ داں بھی انہیں پڑھ کر جغرافیہ اور عمرانیاتِ عرب پر مصنفِ کتاب کے تعمقِ نظر

کی بے ساختہ داد دینے پر اپنے آپ کو مجبور پائیں گے، نمونے کے طور پر ملکِ عرب کے حدودِ اربعہ اور اقوامِ عرب کے عنوانات سے تاریخ، جغرافیہ اور عمرانیات عرب ایسے تحقیقاتی نوعیت کے پیچیدہ مسائل کو مختصر اور عام فہم الفاظ میں عقدہ کشائی کرتے ہوئے حضرت امانی کا مخصوص اندازِ گل افشانی گفتار ملاحظہ ہو:

حدودِ اربع

حدودِ اربعہ بھی جان لو تم — عرب کی مغربی جانب ہے قلزم
خلیج فارس و عماں ہے شرقاً — جنوباً بحر ہند اے کاملِ فن
شمالی حد عرب کی صاف سمجھو — فراتِ صافی و ملک حلب کو

اقوامِ عرب

عرب کی قوم کہنہ بائدہ تھی — نہیں باقی ہے اب اس کا نشاں بھی
قبائل مختلف تھے اس کے آباد — انہیں میں تھے ثمودِ سخت اور عاد
عرب کی عاربہ ہے قسم دوم — یہ باشندے ہیں اصلی جان لو تم
کہو قسمِ سوم مستعربہ کو — انہیں اولادِ اسمٰعیل سمجھو
پیمبر ھود کے بیٹے تھے قطحان — بنے ملکِ عرب کے یہ تو سلطان
پسر ان کے تھے یعرب اور جرہم — یہ دونوں عاربہ تھے جان لو تم
بنی یعرب سے تھے اوس اور خزرج — یونہی قومِ خزاعہ خادمِ حج
یمن کے تھے بنی یعرب ہی سلطان — انہیں میں سے تھی بلقیس سلیماں
بنی عدنان جو تھے آلِ اسمٰعیل — وہی مستعربہ کہلائے بے قیل

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ سے مدینہ منورہ واپسی کے معاً بعد کئی شاہانِ مملکت و سلاطین جہاں کے نام ۷ رہجری میں دعوتی خطوط ارسال فرمائے تھے، حضرت امانی نے ان مکتوباتِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مضامین دعوت کی ترجمانی اور مکتوب الیہ کے ردِعمل کا اظہار صرف ایک دو شعر میں بہت ہی صاف اور دلنشیں پیرائے میں کیا ہے۔ شاہِ حبشہ اصحمہ نجاشی اور شاہِ روم ہرقل کے نام مکتوباتِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مضامین اور ان کے مکتوب الیہ کی کیفیت ردِعمل کو مصنفِ کتاب حضرت امانی کے بجے تلے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے اور سادگی و پرکاری سے معمور اس طرزِ ادا اور عام فہم اندازِ بیان میں مصنف خوبصورت پیرائے اظہار کی داد دیجئے:

نجاشی کے نام

نجاشی (اصحمہ) کو دی جو دعوت ــــ دلائی دین کی باتوں کی رغبت
رکھا آنکھوں پہ خط، بیٹھک سے اترا ــــ پڑھا کلمہ، رہا دین اس کا اچھا

ہرقل کے نام

یونہیں ہرقل شہ رومی کو لکھا ــــ ہوا خوفِ رعایا سے وہ پسپا

مؤرخینِ اسلام کے درمیان اس بات میں سخت اختلاف پایا جاتا ہے کہ وہ شاہِ حبش نجاشی جس کے پاس حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن امیہ الضمری کی سفارت میں مکتوب گرامی ۷ر ہجری میں ارسال فرمایا تھا، یہ وہی شاہ حبش نجاشی ہے ۹ر ہجری میں جس کے انتقال کی اطلاع ملنے پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غائبانہ نمازِ جنازہ ادا فرمائی تھی۔ بعض اصحابِ سیر کا دعویٰ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جسے مکتوب گرامی بھیجا تھا وہ مسلمان نہیں ہوا تھا۔ یہ دوسرا شاہِ حبش ہے جو مسلمان ہوا تھا، اور اس کے انتقال کی اطلاع پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے غائبانہ نمازِ جنازہ ادا فرمائی تھی، لیکن بعض دیگر اصحابِ سیر نے شاہِ حبش نجاشی کو جسے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مکتوب گرامی ارسال فرمایا تھا اور اس واقعہ (ارسالِ مکتوبِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے دو سال بعد 9ر ہجری میں جس شاہِ نجاشی کے انتقال پر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ پڑھی وہ ایک ہی ہے کوئی دوسرا نجاشی نہیں۔ گلشنِ سیرت کے مصنف حضرت امانی کا رجحان بھی اسی جانب ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اصحمہ شاہ نجاشی کو خط بھیجا جسے پڑھ کر اس نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا اور ۹ر ہجری میں اسی شاہ نجاشی اصحمہ کے انتقال کی اطلاع آنے پر مدینہ منورہ میں آپ نے غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی۔ اس وضاحت کے بعد نجاشی کے نام مکتوبِ رسالت کے درجِ بالا اشعار دوبارہ ملاحضہ فرمائیں اور پھر نجاشی کے انتقال پر غائبانہ نمازِ جنازہ کی ادائے گی کی بابت حضرت امانی کا یہ شعر ملاحظہ فرمایئے:

نجاشی کا ہوا دنیا سے جانا ــــ پڑھی شہ ﷺ نے نمازِ غائبانہ

تکلف و تصنع سے مبرا اندازِ بیان، حشو و زوائد سے پاک، عوام الناس کے ذہن و دماغ سے قریب تر الفاظ، محاورات، ضرب الامثال اور تشبیہات کا محل و برجستہ استعمال، واقعہ کے وقوع پذیر ہونے کے وقت کے تاریخی حالات ماحول، کیفیات و احساسات کو نمایاں کرنے والی منظر کشی، الفاظ کی ایسی خاص ترتیب و نشست اور اتنی روانی کہ مثنوی کے اشعار پڑھتے ہوئے عمدہ نثر کا گمان

گزرے۔مثنوی گلشنِ سیرت کی یہ وہ خصوصیات ہیں جو ادبیاتِ اردو میں مصنفِ کتاب حضرت امانؔی کے ادبی معیار ومقام اوران کے دراکانہ تخلیقی ذہن اور عالمانہ شان کا پتہ دیتی ہیں،گلشنِ سیرت کے امتیازی وصف میں......''ہرقل وابوسفیان کا مکالمہ'' سے ہرقل شاہِ روم کا ابوسفیان سے استفہامیہ خطاب ملاحظہ فرما کر آپ بھی محفوظ ہوں:

کہا شہ نے اگر یہ جھوٹ بولیں — توباقی لوگ ان کے کان کھولیں
''بتاؤ تم نسب اس کا ہے کیسا؟ — کبھی پایا ہے تم نے اس کو جھوٹا؟
کوئی اس کے بڑوں میں بادشہ تھا؟ — کیا دعویٰ کسی نے پہلے ایسا؟
شریف اس کے ہیں تابع یا ہیں بیکس؟ — کوئی اس دین سے ہوتا ہے واپس؟
جماعت بڑھ رہی ہے،گھٹ رہی ہے؟ — ہمیشہ تم ہو غالب یا وہی ہے؟
خلافِ عہد بھی کرتا ہے تم سے؟'' — جوابات ان کے باترتیب یہ تھے

جب مصنف نے شعر کی تکمیل کے لئے جوابات کا ذکر فرماہی دیا ہے تو آپ بھی ابوسفیان کے جواب باصواب سے محفوظ ہولیں:

''وہ سچے ہیں نسب ان کا ہے اچھا — نہ شاہی تھی نہ دعویٰ ہی ہوا تھا
غریبوں ہی کی ہے پہلی اطاعت — تو ان کی روز بڑھتی ہے جماعت
نہیں منہ پھیرتا ہے ان کا طالب — کبھی وہ، ہم کبھی رہتے ہیں غالب
انہوں نے ہم سے بدعہدی نہیں کی — نہیں معلوم حالت آج کل کی''

اس کتاب سے اور بھی ایسی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں مگر احساسِ طوالت دامن گیر ہے۔

مثنوی گلشنِ سیرت پر تقاریظ لکھنے والوں میں مصنف کے ہم عصر مشاہیر علمائے دین متین، اساتذۂ جامعات، دانشورانِ وقت، اربابِ فکر وفن اور ہندوپاک کے مشہور ومعروف ادبا وشعرا کے اسمائے گرامی شامل ہیں جو کتاب کے معیار اور مصنف کے علمی وقار اور ادبی مقام کے ثبوت کے لئے سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان تقاریظ نگاروں نے کتاب کا علمی ونقطۂ نظر سے دلچسپ ونتیجہ خیز انداز میں جائزہ لے کر مصنف کی صلاحیتوں کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہوئے کتاب کے معیار و افادیت اور مصنفِ کتاب حضرت امانؔی کے علمی وقار کے شایانِ شان ادبی مقام ومرتبہ کی جانب اشارے کئے ہیں۔ان تقاریظ کے مطالعے سے حضرت امانؔی کی وقیع علمی وادبی خدمات،اصحابِ علم و فضل سے آپ کے گہرے روابط کا پتہ چلتا ہے۔چونکہ مثنوی گلشنِ سیرت کی تصنیف کا اہم مقصد

سیرتِ پاک کے بیان سے مشامِ جاں کو معطر کرنا ہے اور اس مقصد کے حصول کا انحصار زیادہ تر صحیح روایات کے انتخاب اور اشعار میں مضمون روایت کو صحیح صحیح باقی رکھنے پر ہے۔صحت روایت کے ساتھ صحتِ مضمون کے اہتمام میں مصنف کو سراہتے ہوئے مفتی اعظم مفسر قرآن حضرت علامہ محمد شفیع دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ مصنف معارف القرآن لکھتے ہیں:

''امابعد اوائل ربیع الثانی ۱۳۶۶ھ میں احقر مدارس حاضر ہوا تو مولانا ضاء الدین احمد صاحب امانی کی گلشنِ سیرت سے مشامِ جاں کو معطر کرنے کا شرف حاصل ہوا۔سفر کی تھکان اور وقت کم ہونے کے سبب یہ نیت کر کے دیکھنا شروع کیا کہ چند اشعار پر اکتفا کروں گا مگر ماشاء اللہ اشعار اس قدر لزیز اور پر لطف ہیں کہ ایک کافی حصہ دیکھا،مگر چھوڑنے کو جی نہ چاہا،نظم میں مضمونِ روایت کو صحیح باقی رکھنا آسان کام نہیں لیکن اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مؤلف سلمہٗ کو کہ باوجود بحر چھوٹی ہونے کے نہایت سلیس اور صحیح نظم کر دیا۔''

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سابق شیخ الحدیث جامعہ دارالسلام،عمر آباد نے کتاب کی اس خوبی کے ذکر کے ساتھ مصنف کے کمالِ ہنر کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:

''کتاب گلشنِ سیرت مؤلف مولانا ضیاء الدین صاحب امانی صدر مدرس مدرسہ منبع الانوار، لال پیٹ (جنوبی ہند) ایک بے نظیر،سہل اور سلیس نظم ہے جس کو مؤلف ممدوح نے بہ کمال عرق ریزی منظوم فرمایا ہے۔کتاب کیا ہے گویا سیرۃ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ایک بہترین آئینہ ہے جس میں سیرت خالد وخال کو نہایت صحیح طور پر نمایاں فرمایا ہے،زبانِ اردو میں اس عمدگی وخوبی سے بہ شکل نظم مرتب شدہ کوئی کتاب سیرت کی ہمارے نظر سے نہیں گزری۔شاہنامۂ اسلام قدیم وجدید کو پڑھنے کے بعد اگر کوئی اس کتاب کو پڑھے گا تو ضرور اس (گلشنِ سیرت) کو ان دونوں (شاہنامۂ اسلام قدیم وجدید) پر فضیلت دے گا۔یہ کتاب حشو وزوائد اور ضعیف وموضوع روایات سے پاک ہے اور اس کی یہ خوبی اہلِ علم کی نگاہ میں نہایت قابلِ قدر ہے۔''

اس کتاب کی اہمیت،افادیت اور اس کے رطب ویابس سے پاک ہونے کی جانب حضرت مولانا الحاج حافظ عبد الواجد صاحب ناظم وشیخ الحدیث جامعۂ دارالسلام،عمر آباد نے مختصر طور پر ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

''میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اتنی سہل اور صحیح سیرت نظم میں
آج تک نہیں لکھی گئی، کتاب رطب و یابس سے پاک ہے اور ہر مسلمان کے
گھر میں اس کا ہونا ضروری ہے تاکہ مسلمان عورتوں کو خصوصیت کے ساتھ
آپ ؐ کی سیرت کا علم ہوجائے اور ان کے ذریعے بچوں کی اخلاقی حالت کی
اصلاح ہوجائے۔''

حضرت امانی کے ساتھ استاذ محترم حضرت استاذ الاساتذہ مولانا شیخ آدم صاحبؒ مفتی اعظم و سابق ناظر مدرسہ الباقیات الصالحات ویلور نے اپنے شاگرد رشید کی اس تصنیفِ رشید پر اپنی بے انتہا خوشی و مسرت کے اظہار کے ساتھ کتاب کی اہمیت اور اس کی ضرورت پر اظہارِ خیال فرماتے ہوئے کتاب کے اختصار یعنی سمندر در کوزہ ہونے کی کیفیت، اس کا سبب اور عوام کے لئے کتاب کے مفید عام فہم ہونے کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا ہے؛

''الحمد للہ عامۃ المسلمین اور اختصار پسند طبائع کے عموی استفادہ کو مدنظر
رکھتے ہوئے مولوی فاضل ضیاء الدین احمد صاحب امانی نے گلشنِ سیرت کے
نام سے جو کتاب لکھی وہ منظوم ہونے اور اس کی زبان سہل اور عام فہم ہونے
کی وجہ سے بہت ہی مفید ہے، جس کے مضامین بآسانی حفظ ہوسکتے ہیں۔''

ان مشاہیر علمائے گرامی کے علاوہ حضرت مولانا الحاج سید شاہ ابوالفتح عبدالقادر قادری رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین حضرت مکان قطب ویلور و صدر مجلس مدرسۂ لطیفیہ، ویلور، حضرت العلام مولانا حبیب اللہ صاحب قادری نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سر قاضی اہل سنت والجماعت مدرس ایسے نامور اکابرین وقت و صاحبانِ علم و فراست نے صحتِ روایت و صحتِ مضمونِ روایت کے اعتبار سے عمومی افادے کے لئے اپنی طرز کی واحد صحیح کتاب قرار دیا ہے اور اپنی سند تصدیق کے ذریعے اطمینان کا اظہار فرما کر کتاب کی وقعت میں اضافہ اور علمی لحاظ سے مصنفِ کتاب کے ثقہ اور بلند پایہ شخصیت ہونے کا اعتراف فرمایا ہے۔

اردو شعر و ادب میں حضرت امانی کا کیا مقام ہے اور خود آپ کی یہ تصنیف مثنوی گلشنِ سیرت ادبی الحاظ سے اس کا اسلوب، طرزِ ادا، بلاغت و دیگر شعری محاسن کے اعتبار سے کس معیار و مرتبہ کی حامل ہے؟ کس قدر جامع و قابلِ استفادہ ہے؟ اردو شعر و ادب کے اساطینِ وقت و مشاہیر کی زبانی ایک نظر ملاحظہ فرمائیے۔ حضرت مولانا محمد ابوبکر صاحب نظمی مدراس نے گلشنِ سیرت پر اظہار خیال کرتے ہوئے حضرت امانی کا جس انداز میں تعارف کرایا ہے اس کا ایک اک لفظ پڑھنے کے قابل

ہے۔ نظمی صاحب فرماتے ہیں:

''مولانا امانؔی نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مبارک سوانحِ حیات کو ایک مختصر سی مبارک تصنیف کی صورت میں انتہائی جگر سوزی و دماغ ریزی سے نظم کر کے نہ صرف اپنی فطری شاعرانہ قابلیت کی داد طلب فرمائی ہے، بلکہ اپنے لبریز جزباتِ عشقِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہونے کا واضح ثبوت پیش فرمایا ہے۔ یہ عرض کرنا میرا مذہبی وفنی فرض ہے کہ ''گلشنِ سیرت'' کی زبان نہایت ہی شستہ، سادہ وصاف ہے۔ بیان میں سلاست سی سلاست اور روانی سی روانی ہے۔ مضامین کی بے ساختگی مولانا کی کہنہ مشقی اور قادرالکلام کا کھلا اظہار ہے۔ سلسلۂ مضامین ہر طرح سلجھا ہوا ہے۔ بندشیں چست، الفاظ جواہر کی طرح ہیں۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ یہ تصنیف مولانا امانؔی جیسے عصرِ حاضر کے فخرِ دکن، سخن فہم وسخن سنج کی دماغی پیداوار ہے۔ مولانا کی ادبی شخصیت خاص امتیازی درجہ رکھتی ہے۔ آپ کے ادبی وفنی مضامین اکثر علمی رسالوں کا زیور ہوا کرتے ہیں۔ آپ کی نکتہ سنجی کا یہ عالم ہے کہ چوٹی کے اساتذہ کی شارحانہ خامیاں مہذب پیرایے میں بیان کر کے اپنی فن پروری کا ثبوت دیا کرتے ہیں۔ آپ جامعہ باقیات الصالحات، ویلور کے ممتاز استاذ عربی رہ چکے ہیں۔ آج کل مدرسۂ منبع الانوار، لال پیٹ کے صدر مدرس ہیں۔ امید کہ مولانا ممدوح کی اس تصنیف کو سچے دلدادگانِ سیرتِ نبوی ہر طرح کی قدر کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔''

عصرِ حاضر میں اردو شاعری کے مجدد اور اپنی خلاقانہ صلاحیتوں کے باوصف، شاعری میں اپنے طرزِ خاص کے موجد وخاتم، شاعرِ انقلاب حضرت جوشؔ ملیح آبادی گلشنِ سیرت پر اظہارِ رائے کرتے ہوئے جچے تلے مگر اپنے مخصوص حقیقت پسند انداز میں فرماتے ہیں:

''حضرت ضیاء الدین امانؔی کی تصنیف ''گلشنِ سیرت'' پر سرسری نگاہ ڈالنے سے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ امانؔی صاحب نے زبان کی سادگی وسلاست ومعقول اجمال کا اس میں بہت خیال رکھا ہے اور کامیابی کے ساتھ حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرتِ اعظم کے پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ امید کہ اس منظوم سیرت کو اربابِ علم ویقین بڑی گہری دلچسپی

کے ساتھ پڑھیں اور فائدہ اٹھا سکیں گے۔‘‘

ان حضرات کے علاوہ مولانا ڈاکٹر محمد عبدالحق یم.اے.ڈی.یل (آکسفورڈ)، مولانا سید عبدالوہاب صاحب بخاری پروفیسر اسلامی تاریخ و کلچر پریسیڈنسی کالج، پروفیسر عبدالقادر صاحب سروری، صدر شعبۂ اردو عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد، ڈاکٹر نظام الدین صاحب صدر شعبۂ فارسی عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد اور مصورِ فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی دہلی جیسے نامور اربابِ فکر و فن نے گلشنِ سیرت کا لسانی، ادبی و فنی لحاظ سے جائزہ لے کر کتاب کی خوبیوں اور اس کے محاسن کو اجاگر کرتے ہوئے حضرت امانیؔ کی شاعرانہ صلاحیتوں اور طلاقتِ لسانی کی بے ساختہ داد دی ہے اور اعترافِ عظمت کیا ہے۔ مضمون کے اختتام سے پہلے اصحابِ فہم و سخن سنج کے لطفِ ذوق کی خاطر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گلشنِ سیرت کے گلہائے رنگ رنگ سے چند پھول چن کر آپ کی خدمت میں پیش کر دوں جن میں زبان و بیان کی نزاکت، شیرینی، بے ساختگی، لفظی و معنوی مناسبت، فصاحت و بلاغت کے گلشن کو مہکا رہی ہے اور لطفِ سخن کو دو آتشہ کر رہی ہے:

ترا جویا ہے وہ تو بے نشاں ہے ‎ ‎ بڑے چکر میں دن رات آسماں ہے
تری فرقت میں سینہ چاک ہے گل ‎ ‎ ترا ہی گا رہی ہے گیت بلبل
یوں ہی خوش و بہائم مور و ماہی ‎ ‎ تجھی کو ڈھونڈتے ہیں سب الٰہی

صلوٰۃ

درودِ پاک ہو سالارِ کل پر ‎ ‎ محمد مصطفٰے ختمِ رسل پر ﷺ
وہی ہیں باعثِ ایجادِ عالم ‎ ‎ وہی ہیں موجبِ توقیرِ آدم
وہی تو مقصدِ روح الامیں ہیں ‎ ‎ وہی تو رحمۃ اللعالمیں ہیں ﷺ

خلقتِ نورِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہم وسلم

نبی ﷺ بولے نبوت پائی میں نے ‎ ‎ جب آدم آب و گل کے درمیاں تھے
خدا نے جب لیا میثاق مجھ سے ‎ ‎ تو وہ روح و جسد کے درمیاں تھے

ظہورِ نورِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

یہ سارے انبیا تھے آپ کے بعد ‎ ‎ جبینوں سے عیاں تھا نورِ امجاد
رہے اصلاب و ارحامِ مبارک ‎ ‎ محافظ نور کے جدِ نبی ﷺ تک

معزز تھے پیمبر کے سب اجداد رہے گھر نور کی برکت سے آباد

آبادی مکہ

یہی تھیں ہاجرہ مکہ کی بانی خلیل اللہ کی خاتونِ ثانی
رضا اللہ کی مدنظر تھی لبوں پر یہ دعائے پر اثر تھی
انہیں چھوڑا ہے اے جبارِ مطلق ترا گھر پاس ہے جنگل لق و دَق

قربانی اسماعیل علیہ السلام

یہی میں دیکھتا ہوں خوابِ روشن کہ تم کو ذبح کرتا ہوں (یقیناً)
پسر کو تھا اِدھر شوقِ شہادت اُدھر چلتا نہ تھا کچھ زورِ حضرت
چھری چلتی تھی لیکن بے اثر تھی خدا کی مصلحت ہی کار گر تھی
(غضب کا تھا سماں کوشش تھی جاری) یکا یک آگیا فرمانِ باری
کہ روکو ہاتھ آجاؤ اماں میں ہوئے تم کامیاب اس امتحاں میں
امانؔی کیسی عبرت کی گھڑی تھی یہیں سے رسمِ قربانی پڑی تھی

......

نبی ﷺ کے نورِ اقدس کی بدولت بہت تھی خوب عبداللہ کی صورت

......

پسر ان کے جو عبدالمطلب تھے غمِ بیتِ خدا سے مضطرب تھے

......

واقعہ فیل

یہی دادا تھے شاہِ انبیا ﷺ کے یہی تھے منتظم بیتِ خدا کے
پہاڑوں میں چھپے سب شہر والے کیا کعبے کو اللہ کے حوالے

ولادت باسعادت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نرالا وقت تھا انوار والا عیاں تھا صبح صادق کا اجالا
نزولِ رحمتِ باری کا تھا وقت درودِ فوجِ سرکاری کا تھا وقت
زمیں پر ہو رہی تھی نور باری بڑی ہی منتظر تھی خلق ساری

آتش کدۂ فارس

شبِ میلاد بجھ کر پڑ گئی سرد ہوا آتش پرستوں کو غم و درد
اشارہ تھا مٹے گی چیرہ دست وہاں سے ہوگی دور آتش پرستی

حلیمہ سعدیہ

یتیم ﷺ آمنہ تھا زیبِ آغوش تو چل دیں قافلہ کے ساتھ خاموش

......

عرب میں شاعری شغلِ اہم تھی مگر رسمِ نوشت و خواند کم تھی
سوا دس بیس کے امی ہی سب تھے پیمبر ﷺ بھی یونہی امی لقب تھے
مگر گنجِ معانی کے امیں تھے بیاں میں سحر تھا شاعر نہیں تھے
نہ تھے طفلی میں بھی محتاجِ تادیب شریکِ عمر تھی بڑھنے میں تہذیب

شباب

شباب آیا تو رشکِ پیر تھے آپ خصالِ نیک کی تصویر تھے آپ
خیانت سے بہت ہی دور تھے آپ دیانت میں بڑے مشہور تھے آپ

رکانہ کا واقعہ

(دھری شیخی رہی جب کٹ گئی ناک) وہ بعدِ فتحِ مکہ ہی ہوئے پاک

شعب ابی طالب

(صداقت ہر مصیبت سر پہ لے گی طلسم باطل اک دن توڑ دے گی)

جنگ بدر

پئے حملہ یہ سب تیاریاں تھیں یہ در پردہ غریب آزاریاں تھیں

نکاح حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

(سبق لو تم نکاحِ فاطمہ سے دل و جاں صدقے ایسی سادگی کے
وہ تھیں بنتِ نبی ﷺ خاتونِ جنت وہ تھیں سر دفترِ نسوانِ امت
بہت سی بدعتیں بھاتی ہیں ہم کو دکھانا بھی ہے منہ شاہِ امم ﷺ کو)

ہرقل وابوسفیان کا مکالمہ

کہا شہ نے اگر یہ جھوٹ بولیں تو باقی لوگ ان کے کان کھولیں

کہاں تک مثالیں پیش کی جائیں مختصر یہ کہ طلسم سادگی، رنگینیٔ بیان سے آنکھ مچولی میں مصروفِ کار رہے گویا کہ فلکِ مضمون پر ابتدا تا انتہا ایک قوسِ قزح سی لہرا گئی ہے جس کی ضوفشانی کا اثر گلشنِ سیرت کے ہر غنچہ وگل پر نمایاں ہے۔

آبادیٔ مکہ، واقعہ فیل، ولادت باسعات، طلوعِ اسلام، عبداللہ ابن مکتوم، ہجرتِ حبشہ (اوّل و دوم)، معراج، آغاز جنگ (احد)، شہادتِ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سیریۂ رجیع، صلح حدیبیہ، ہرقل وابوسفیان کا مکالمہ، فتح مکہ، خطبۂ عرفات، وفاتِ قیامت آیات، تدفینِ مبارک، اخلاقِ عظیمہ اور معجزاتِ باہرہ "گلشنِ سیرت" کی قدرے طویل نظمیں ہیں، اتنی بھی طویل نہیں کہ قاری یا سامع اکتاہٹ محسوس کرے۔ ان میں بعض نظمیں واقعاتی تأثر کے تعمق کے سبب قدرے طوالت اختیار کرگئی ہیں اور بعض نظموں کو قامت مضمون کی مناسبت سے جزئیاتِ واقعہ کے بیان نے کچھ طوالت دے دی ہے، اور حقیقت ہے کہ اگر ان نظموں کو اور مختصر کردیا جاتا تو لطفِ سخن ادھورا رہ جاتا، صورتِ واقعہ بھی واضح نہ ہو پاتی اور حسن تاثر بھی گھٹ جاتا۔ شاعری میں فکروفن کے ارتباط کے ساتھ واقعاتی جزئیات نگاری ایک مشکل کام ہے اور اس مشکل کام سے بآسانی عہدہ برآ ہونا حضرت امانؔی جیسے صاحبِ کمال و پختہ کار فنکار کا فنی کمال اور زبان و بیان پر کامل اظہارِ قدرت کا ثبوت ہے۔ ان نظموں میں سوز وگداز بھی ہے اور مبنی بر اخلاص شاعر کا جذباتِ عقیدت سے لبریز انداز بھی نمایاں ہے اور یہی ان نظموں کی خصوصیت ہے!

لطفِ سخن کی کمی بیشی میں بحر و وزن کو کافی دخل ہے۔ اہل فن کے نزدیک اس کی بڑی اہمیت ہے۔ مثنویات میں چونکہ واقعاتی تسلسل ہوتا ہے اس بنا پر پوری مثنوی کے لئے ایک ہی بحر و وزن استعمال کیا جاتا ہے تاکہ وحدتِ تاثر بھی باقی رہے۔ یہ دیکھنا شاعر کا اپنا کام ہے اور اس کے ذوقِ نظر پر منحصر ہے کہ اس کے اپنے منتخب کردہ موضوع، مواد اور مضمونِ واقعہ کے لئے کون سا وزن اور کون سی بحر موزوں ہوسکتی ہے۔ غیر موزونیت نہ صرف لطفِ شعر کو مجروح کردیتی ہے بلکہ موضوع و مواد کی اہمیت کو بھی ختم کردیتی ہے۔

حضرت امانؔی کی فارسی شاعری پر استاذ گرامی حضرت مولانا فدوؔی باقوی رحمۃ اللہ نے اپنا گراں قدر و معلومات افزا مقالہ ان الفاظ پر ختم فرمایا ہے۔

''آپ (حضرت امانؔی) کی مشہور مثنوی گلشنِ سیرت تو اس بات کی مقتضی ہے کہ اس پر ایک مستقل مضمون لکھا ئے۔''

استاذ محترم کے ان الفاظ ہی نے گلشنِ سیرت ایسی مفید و بہار آفریں کتاب کے مطالعہ پر مجھے آمادہ فرمایا۔ مصنفِ گلشنِ سیرت حضرت علامہ امانی رحمۃ اللہ علیہ نے مقدمہ سے قبل ''ارمغان غریب بہ دربارِ حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' کے عنوان سے حضرت جامؔی کی سوز و گداز سے پر مشہور نعت:

ز مہجوری بر آمد جان عالم ترحم یا نبی ﷺ اللہ ترحم

کے متصل ہی اپنا ارمغان بھی پیش فرمایا ہے اور یہ سچ ہے کہ بدرگاہِ حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس منظوم سیرت پاک کی مقبولیت سے بڑھ کر مصنف کو اور کس بات کی خوشی یا خواہش ہوگی۔ حضرت امانؔی کے ان ہی الفاظ پر اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں:

غریبے ایستادہ بیں بہ محفل بدستے نامۂ یک دست بر دل
بار در نظم کردہ سیرت تو بیا ورد ارمغاں در حضرت تو
اگر مقبول درگاہ تو آید
امانؔی را ازیں خوشتر چہ باید

فہرست تصانیف حضرت علامہ امانؔی:

۱۔ الفوز العظیم (عربی قصائد)

۲۔ مرثیہ اعلیٰ حضرت (عربی) (بانی باقیات شاہ عبدالوہاب رحمۃ اللہ علیہ کے وصال پر کہا گیا عربی مرثیہ مطبوعہ ۱۳۳۷ھ مطبع کریمی، مدراس)

۳۔ مرثیہ العلامہ عبدالجبار (عربی)

۴۔ الکرب العظیم (عربی مرثیہ جو آپ کے یارِ غار علماہ علمی کی وفات پر کہا گیا تھا، مطبوعہ ۱۳۶۵ھ مطبع آفات پریس، مدراس)

۵۔ کف الخلیل عن الکف فی الدلیل (لا اعلم)

۶۔ البحث الشامل فی البحر الکامل (لا اعلم)

۷۔ انتخاب دیوان امانی (فارسی دیوان کا انتخاب مطبوعہ ۱۳۳۷ھ مطبع شاہ الحمیدیہ، مدراس، کل اشعار تقریباً ۲۳۷)

۸۔ راز سخن (در قواعد) و جواہر الاسناد (در مصلحات)

۹۔ گوہرسنی شرح بسیط ملا طاہر غنی (دیوان غنی کی مبسوط شرح)

۱۰۔ گلزار فاطمہ (عرب ٹمل، آپ کی یہ پہلی تصنیف ہے جو طالب علمی کے دور میں لکھی گئی)

۱۱۔ دیوان امانی (اردو) مخطوطہ

۱۲۔ گلشن سیرت (اردو میں منظوم سیرت، مطبوعہ حصہ اوّل ۱۳۶۷ھ حصہ دوم ۱۳۶۹ھ جملہ صفحات ۱۳۰، دارالاشاعت، بنگلور)

۱۳۔ زجرالامم (ترجمہ قرآن پاک بغیر متن کرنے کے خلاف معرکہ آراء تصنیف، جملہ صفحات ۲۵۶ مطبوعہ ۱۹۸۱ھ مطابق ۱۹۶۲ء دارالاشاعت میل وشارم ضلع شمالی آرکاٹ)

۱۴۔ فرمودات حضرت امانی مرتب مولانا مسعود احمد اسنوی (مطبوعہ ۱۹۹۲ء مدورائی نیلائم، مدراس جملہ صفحات ۱۲۶)

۱۵۔ بکاءالدم علی حضرت الشیخ آدم (عربی) مرثیہ

۱۶۔ نوحہ غم

۱۷۔ نالہ درد

۱۸۔ فلاح یار

۱۹۔ نقش امانی جواب شبلی نعمانی

۲۰۔ مشورہ سخن

حواشی:

۱۔ مجد دجنوب، تصنیف حضرت علامہ فدوی باقویؒ، مطبوعہ ۱۹۷۴ء

۲۔ صد سالہ نمبر باقیات صالحات ویلور، ۱۹۷۴ء

۳۔ ڈیڑھ سو سالہ نمبر، باقیات صالحات ویلور کے موقع پر شائع شدہ، ۲۰۱۳ء

۴۔ حضرت علامہ امانیؒ پر مولانا ڈاکٹر راہی فدائی باقوی کے مضمون ''ماہر غالبیات علامہ امانی'' علامہ امانی سے متعلق تاریخوں کا اندراج، مطبوعہ: ''جنوب کے اصحابِ کمال'' جلد دوم سے ماخوذ۔

☆☆☆

مولوی حافظ ڈاکٹر بشیر الحق ابن محمد نور آلِ قریشی (ویلور، تمل ناڈو)

بارہویں صدی ہجری کے مایہ ناز نعت گوشاعر حضرت شاہ قربیؔ ویلوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

بارہویں صدی ہجری میں سرزمین جنوب میں جو نابغۂ روزگار شخصیتیں ظہور میں آئیں، ان میں حضرت سید شاہ ابوالحسن قربی قادری بیجاپوری ثم ویلوری کی ذاتِ گرامی ممتاز اور منفرد نظر آتی ہے، آپ اپنے وقت کے جید عالم باعمل، فاضلِ بے بدل، صوفی باشرع شریف، صاحب ترتیب، عربی و فارسی اور اردو کے بلند پایہ مصنف اور فارسی و اردو کے اوّلین صاحب دیوان شاعر تھے، آپ نے تعلیم وتزکیہ، درس و تدریس، تصنیف و تالیف، دعوت و اصلاح، تجدید و احیاء اور شعر وسخن کے حوالہ سے جو گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، ان کے اثرات اور باقیات آج بھی روشن ہیں اور یہ علمی آثار تاریخ جنوب کا ایک مستقل زریں باب ہے۔

حضرت قربی کا پیدائشی تعلق کرناٹک کے تاریخی شہر بیجاپور سے ہے اور آپ نے بیجاپور کے ایک ایسے علمی و دینی خانوادۂ سادات حسنی و حسینی میں شب برأت ۱۴ر شعبان ۱۱۱۸ھ ۱۷۰۶ء میں آنکھیں کھولیں جس کے افراد تسلسل کے ساتھ مرتبۂ ولایت ومقام قطبیت پر فائز رہے ہیں جس کی توثیق و تصویب کئی علمی و تاریخی شواہد و دلائل اور اہل علم ودل کے مشاہدات کے ذریعہ ہوتی رہی ہے، بیجاپور کی تاریخ کا وہ دور نہایت روشن اور تابناک رہا ہے جس میں زمام سلطنت عادل شاہی سلاطین کے ہاتھوں میں رہی اور ان کی علم پروری و ادب نوازی، فیاضی وعدل گستری اور رعایا پروری کے باعث یہ شہر صوفیائے کرام، علمائے عظام، سادات کرام، شعراء، ادبا، مصنّفین، مبلغین اور اصحاب ہنر وکامل کا مرکز رہا، ملک کے مختلف مقامات سے اہل علم وفضل اور اصحاب فن و ہنر کی بڑی تعداد کشاں کشاں بیجاپور پہنچی اور اس میں سکونت پذیر رہی اور اہل علم واصحاب تصوف کا علمی و روحانی فیضان ہر سو پھیلتا

گیا، بیجا پور کی اسی تاریخ ساز تہذیبی وثقافتی، علمی وادبی اور دینی وروحانی شناخت کی بنا پر بیجا پور کو دار النور قرار دیا گیا، جس کی نورانیت پر کئی ایک علمی وتاریخی حقائق وشواہد اور آثار موجود ومحفوظ ہیں۔

حضرت قربی کے والد حضرت سید شاہ عبداللطیف نقوی بیجا پوری اور دادا حضرت میراں سید شاہ ولی اللہ قادری اور پر دادا حضرت سید عبداللطیف باپو جی گجراتی اور حضرت قربی کے والد کے نانا حضرت سید ابوالحسن مصنف مخزن السلاسل، یہ سب حضرات کرام آسمان علم وعرفان کے آفتاب ومہتاب تھے جن کی ضیا پاش کرنوں سے بیجا پور کی سرزمین بقعۂ نور بنی رہی۔

حضرت قربی کے والد حضرت عبداللطیف بیجا پوری علم شریعت وتصوف اور سیرت وصورت کے حوالہ سے اپنے تمام، ہم عصروں میں مثالی شخصیت کے مالک تھے، (ضمیمۂ جواہر السلوک ص ۳۶۰)۔

حضرت قربی کی والدہ ماجدہ حضرت ساجدہ بیگم حضرت العلام سید ابوالقاسم کی صاحب زادی تھیں، یہ وہی ابوالقاسم ہیں جن کو علامہ اورنگ زیب عالم گیر شاہ ہندوستان نے منصب پنج ہزاری اور درایت خان کے خطاب سے نوازا تھا، حضرت سید ابوالقاسم درایت خان کو علوم معقول ومنقول، قواعد و اصول اور فروع میں غیر معمولی درک حاصل تھا اور شعر گوئی میں غیر معمولی قدرت ومہارت تھی، یہ دو شعر ان ہی کی تخلیق ہیں:

زچشم سحر پردازت ادائے درنظر دارم نظر بہ گردد از چشم از تو بردارم
از کجا حسن ترا باز تماشا کردیم رشتۂ تار نظر سلسلہ پا کردیم

(دیوان قربی ص ۵ پروفیسر فضل اللہ مطبوعہ ۱۹۶۵ حیدرآباد)

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ عروج جب اپنی حدّ کمال سے ہم آغوش ہوا چاہتا ہے تو اسی وقت سے زوال کے عناصر اور اجزاء قوت پذیر اور طاقت ور ہوتے چلے جاتے ہیں پھر دیر سویر یا بہت جلد ہر کمالے را زوال کا منظر نامہ دیکھنے میں آجاتا ہے۔ زول وپستی کے اس کائناتی ضابطہ ودستور سے بھلا دولت بیجا پور کے والیاں اور حاکماں کیسے مستثنی قرار پا سکتے ہیں، چنانچہ گیارہویں صدی ہجری کے اختتامی دہے میں یہ مضبوط ومستحکم سلطنت زوال پذیر ہوگئی تو ہر طرف سیاسی انتشار وخلفشار، معاشی بحران اور بدامنی کے باعث بیجا پور میں موجود سادات کرام کے اکثر خانوادے اور متعدد علماء وفضلاء صوفیاء وعرفاء شعراء وادباء اور اہل کمال وہنر ترک وطن پر مجبور ہوگئے اسی افراتفری کی فضا میں حضرت عبداللطیف نقوی بیجا پوری اپنی بیوی بچوں اور کم سن فرزند چہار سالہ حضرت قربی اور دیگر افراد واشخاص سمیت ۱۱۲۲ھ میں بیجا پور سے نکل کھڑے ہوئے اور شاہ نور سرا اور آرکاٹ ہوتے ہوئے دس سال کی

مدت میں ۱۱۳۲ھ میں ویلور کے وسیع وعریض اور مضبوط مستحکم تاریخی قلعہ، جس کی تعمیر ۱۵۲۶ء میں راجہ سدا سوار ہا کے دورِ حکومت میں چنابمی نائک ریڈی (آندھرا پردیش) نے کی تھی، اس کی شمالی سمت کے کشادہ میدان میں رات کے وقت فروکش ہوئے اسی شب آپ کے خواب میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تشریف لائے اور اسی جگہ مستقل سکونت کی ہدایت فرمائی اور یہ بشارت سنائی تمہاری اولا دامجاد کے ذریعہ اس جگہ سے ہمیشہ اہل عالم کو فیض پہنچے گا اور اسلام کو فروغ حاصل ہوگا۔ (انوار الاقطاب ویلور مولانا محمد طیب الدین اشرفی مونگیری، بہار ص ۱۳ مطبوعہ ۱۹۶۳ء بنگلور)

صبح بیدار ہونے کے بعد آپ نے رختِ سفر کھول دیا، اور ویلور کو آپ کی ہجرت گاہ ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔

حضرت قربی کی تعلیم وتربیت سے متعلق مرتب دیوان قربی پروفیسر سید فضل اللہ رقم طراز ہیں کہ دس سال کی عمر میں بوستاں شروع کی۔ حسن اتفاق سے انہیں حضرت مولانا محمد حسین بیجاپوری (جوان دنوں آرکاٹ میں سکونت پذیر تھے) جیسے قابل فارسی کے استاذ ملے ان کی مدد سے فارسی کی کتب متداولہ پر عبور حاصل کیا خود استاذ اپنے کم سن شاگرد کی تعریف یوں کیا کرتے تھے۔

من از شہر بیجاپور تا ایں جا رسیدہ ام وہمہ عمر من در تدریس صرف شد اما شاگردے مثل او صاحب فہم و ذہن جودت در حسن ادب وشوق طلب ندیدہ ام (’’تحفۂ احسن‘‘ فارسی قلمی مخطوطہ علامہ باقر آگاہ مدراسی)

میں بیجاپور سے یہاں آرکات پہنچا ہوں، اور میری ساری عمر درس وتدریس میں گذری لیکن قربی جیسا با اخلاق، باذوق اور فطین وذہین طالب علم نہیں دیکھا۔

اسی زمانے میں ویلور کے مشہور عارف باللہ شیخ محمد فخر الدین مہکری نائطی بے خود کے پاس تصوف کی معرکۃ الآراء کتابیں جو فارسی میں تھیں، سب پڑھ لیں، یہ اپنا کلام حضرت قربی کو دکھایا کرتے تھے اور ان کی پسند ہونے کے بعد اپنی بیاض میں نقل کرتے تھے۔ حضرت قربی کو شاعری ورثہ میں ملی تھی، اسکی طرف میلان طبع بھی تھا، یہاں تک کہ ایک باکمال فارسی شاعر بن گئے، ایک دفعہ اپنے استاد بے خود کی مثنوی سن کر فی البدیہہ یہ اشعار کہے:

چوں شنید ایں سخن شوق افزا　　عقل در گوش ضمیر من گفت
کز گل ولالۂ لفظ و معنی　　پیشگی تازہ بہارے بشگفت

استاد نے انہیں بڑی پسند کی نظر سے دیکھا اور فرمایا کہ مجھے آج اپنی محنت کا صلہ مل گیا۔ اور یہ دو شعر اپنی بیاض میں لکھوا لیئے۔ (دیوان قربی ص ۱۰ مطبوعہ ۱۹۶۴ء حیدرآباد)

مولانا عبدالکریم کے شاگرمولانا محمد ساقی جوعلوم عربیہ میں یدطولی رکھتے تھے پاس ہفتہ میں تین دن ویلور سے آرکاٹ جاکرعربی زبان وادب کی تعلیم حاصل کی، ساقی کی مدد سے عربی کتب متداولہ کا مستقل مطالعہ کی اور چند برسوں میں عربی زبان وادب کے عالم وفاضل بن گئے۔(ایضاص۱۰)

بقول نواب غلام غوث خان اعظم نثرعربی بکمال فصاحت و بلاغت تحریری نمود۔حضرت قربی عربی نثر بڑی فصیح اور بلیغ لکھتے تھے(تذکرہ گلزاراعظم)

حضرت قربی نے اپنے والد ماجد حضرت عبداللطیف نقوی اور دیگر نابغۂ روزگار علمی وادبی اور دینی وعرفانی شخصیتوں سے علوم ظاہری و باطنی میں کمال وبصیرت پیدا کر لی، آپ کوعلوم ولایت اور حقائق ومعارف کی پونجی خاندانی ورثہ وترکہ میں حاصل ہوئی آپ نے والد ماجد کے دست حق پرست پر بیعت کی اور ایک سوا کا نے سلاسل میں خلافت واجازت کی نعمت حاصل کی، آپ کے والد بزرگوار نے اپنے نانا حضرت سید شاہ ابوالحسن سے یہ نعمت عظمیٰ حاصل کی۔حضرت ابوالحسن نے ان سلسلوں کوقلم بند کیا ہےاوراس قلمی مخطوطہ کا نام مخزن السلاسل رکھاہےاس نسخہ کے آغاز میں لکھتے ہیں۔

امابعد فیقول الفقیر المتفقر الی ذی المنن ابوالحسن ابن السید عبدالقادرابن شاہ ابوالحسن قادری غفر لہ اللہ ذنوبھم وستر عیوبھم ان ھذا الکتاب المبارک المسمی بہ مخزن السلاسل فی الباس خرق فرق المشائخ الصوفیۃ مشتملۃ علی ماۂ ۃ واحدی تسعین سلسلۃ نسخہ کے اختتام پر رقم طراز ہیں۔یہ متعدد سلاسل رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات تک معنعنہ اور سلسلہ وار بعض مشائخ سے میرے آباءواجداد کی جانب سے مجھ تک پہنچے ہیں۔

حضرت قربی اس نعمت عظمیٰ سے سرفراز ہونے کے علاوہ اپنے عم محترم حضرت سید شاہ محمد علی قادری اور اپنے استاذ فارسی زبان وادب حضرت فخر الدین مہکری نائطی بے خوداورحضرت مخدوم عبد الحق ساوی مدراسی اوران کے شیخ حضرت خواجہ رحمت اللہ نائب رسول اللہ (آندھراپردیش رحمت آباد، نیلور) سے اکتساب فیض کیااورخرقۂ خلافت پہنا۔

حضرت قربی اپنے والد ماجد حضرت عبداللطیف کے وصال ۱۱۵۰ء کے بعد مسند سجادگی پر متمکن ہوئے اور درس وتدریس تعلیم وتزکیہ، دعوت واصلاح اورتصنیف وتالیف کا کام شروع کیا ۱۱۷۹ھ میں خانقاہ کی عمارت بنائی حضرت باقرآگاہ نے خانقاہ سے متعلق ایک تاریخی رباعی موزوں کی ہے:

اے خانقاہِ نوکہ دہد شرح صدور — دل تازہ کند برنگ کعبہ زسرور
گفتند ملک بہ چرخ کایں قبۂ نور — والطور و سنین لبیت المعمور ۱۱۷۹ھ

حضرت قربی کی یہ خانقاہ محض صوفیانہ سلوک کی تربیت گاہ نہ تھی بلکہ اس دور کے مزاج ومنہاج اور ماحول کی مناسبت سے قرآن وحدیث کی درسگاہ، علوم وفنون کا دارالعلوم، مصالح عوام اور فقہی مسائل کے لئے دارالافتاء، دعوت وتبلیغ کے لئے افرادسازی کا قلعہ، زبان وادب کی مجلس اور شعروسخن کی بزم تھی۔

حضرت قربی سے درس وتدریس کا سلسلہ چاروں طرف پھیلا، بے شمار علماء سند علمیت سے سر فراز ہوئے اوران گنت لوگوں نے سلوک کی تربیت پائی، حضرات علماء کی ایک بڑی تعداد خلافت و اجازت سے بہرہ ور ہوئی۔

ویلور اور اسکے گردونواح میں جتنے بھی فارسی زبان کے ادیب و فاضل ہوے وہ سب حضرت قربی کے بلاواسطہ یا بالواسطہ شاگرد ہوئے ہیں۔ اکثر مردمان تدرس نسخ متداولہ فارسیہ از حضرت (قربی) ایشاں حظ کامل ونفع شامل گرفتہ اند، ودریں ملک ہرکہ است از شاگردان ایشاں است، یا شاگرد شاگردان ایشاں (تحفۂ احسن علامہ باقر آگاہ مدراسی)

حضرت قربی شاعری وسخن شناسی اوراصلاح شعری میں یگانہ آفاق تھے، اردو اور فارسی میں آپ کے دو ضخیم دیوان ہیں۔ آپ ادیبوں، شاعروں اور مصنفوں کی سرپرستی اور رہنمائی فرماتے تھے اوران کے کلام کی اصلاح پوری توجہ اورانہماک کے ساتھ فرماتے تھے۔ حضرت باقر آگاہ نے ترچناپلی سے اپنا کلام آپ کی خدمت میں بھیجا تو روبرو حاضر ہونے کی ہدایت دی اور لکھ بھیجا کہ بعض مقامات اصلاح طلب ہیں، آپ سامنے رہیں تو نشاندہی آسان ہوسکتی ہے۔ بعض محال اصلاح طلب است اگر درحضوری بودند، ظاہر کردہ می باشد،

حضرت آگاہ نے حضرت قربی سے اپنی شاعری کی اصلاح سے تعلق اس شعر میں اعتراف کیا ہے:

بود ہر بیت من آئینہ داردیدہ آگاہ   کہ بروجہ حسن کسب سخن ازابوالحسن کردم

حضرت قربی کے فرزند سعید وخلیفہ رشید حضرت ذوقی ویلوری جن کی شاعری کا دفتر تین لاکھ سے زائد اشعار پر مشتمل ہے اوران کی شعرگوئی خرق عادت کے طور پر وجود میں آئی ہے۔ آپ بھی حضرت قربی سے اپنے کلام کی اصلاح وتصحیح کے بعد ہی مجموعہ اشعار میں شامل کرتے تھے۔ ماہرسخن کہ می گفتیم اوّل سمع شریف آں حضرت (حضرت قربی) می رسانیم، بعدازاں داخل مجموعہ اشعارمی کردیم (انشائے لطف اللّٰہی)

حضرت قربی نے مختلف علوم وفنون کے اندر عربی، فارسی اوراردو میں کتابیں لکھی ہیں، آپ کی زیادہ

تر تصنیفات فارسی میں ہیں اکثر کتابوں کا موضوع تصوف ہے، آپ کی تصانیف سے کی حقہ استفادہ کے لئے علوم شرعیہ اور فارسی ادب سے واقف ہونے کے علاوہ تصوف کی اصطلاحات کی جان کاری نہایت ضروری ہے کیونکہ آپ کی کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس میں فن تصوف کی اصطلاحات اور صوفیانہ افکار و خیالات کا استعمال نہ کیا ہوحتیٰ کہ آپ کی منظوم تصنیفات بھی اسی مزاج ومنہاج سے ہم آہنگ ہیں۔

حضرت قربی نے فارسی اور اردو دونوں میں شاعری کی ہے آپ کی شاعری صوفیانہ حقائق و معارف اور وجودی افکار و دعقائد سے بھری ہوئی ہے آپ آں کے دو دیوان مشہور ہیں، ایک فارسی اور ایک اردو میں حضرت را دو دیوان است یکے فارسی و یکے دکن مشہور است،۔

حضرت قربی کا فارسی دیوان نایاب ہے آپ کی فارسی شاعری کا بڑا حصہ مختلف تذکروں، تحفۂ احسن مصنف مولانا باقر آگاہ، ''انشائے لطف اللّٰہی مصنف حضرت ذوقی "تذکرۂ صبح وطن'' اور آپ کی اولاد امجاد کے قلمی نسخوں اور بیاضوں میں محفوظ ہے ایک سو اشعار پر مشتمل ''بحرالاسرار'' نامی منظوم تصیف ہے جسے پروفیسر یوسف کوکن عمری سابق صدر شعبہ عربی فارسی اردو، مدراس یونیورسٹی نے اپنے اردو رسالہ حضرت قربی میں نقل کیا ہے۔

اردو زبان میں حضرت قربی کا ایک دیوان اور پانچ تصنیفات ہیں۔

(۱) معراج نامہ (۲) بدعت نامہ (۳) ہدایت نامہ (۴) نمک نامہ (۵) رحیما

آپ کا دیوان حمد اور نعت سے شروع ہو کر مناجات پر ختم ہو رہا ہے ۸۸ ی رغزلیات اور ۱۹۷۶ر ابیات ہیں، ترتیب ردیف وار ہے ایک قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد میں ہے حضرت قربی نے اپنا یہ دیوان ۱۱۵۱ھ ۴۰ے۱ء میں مرتب کیا ہے جب کہ ان کی عمر ۳۴ رسال تھی پروفیسر فضل اللہ نے ایک مبسوط مقدمہ کے ساتھ ۱۹۶۴ء میں یہ دیوان حیدرآباد سے شائع کیا ہے۔

حضرت آگاہ نے دیوان قربی پر ایک جامع اور مختصر تبصرہ سپرد قلم کیا ہے، درج ذیل ہے یک دیوان است کہ بسیارے حقائق و معارف دراں درج کردہ، ومع ذلک محتوی علی انواع البلاغۃ والضائع ومشتمل علی اصناف الفصاحۃ والبدائع (تحفۂ احسن قلمی مخطوطہ)

حضرت قربی کے دیوان میں حقائق اور معارف کا ایک جہاں آباد ہے اور وہ بلاغت وصنائع کی اقسام سے بھرپور ہے اور فصاحت و بدائع کی اضاف پر مشتمل ہے۔

ڈاکٹر احتشام الحق ندوی سابق پروفیسر ترو پتی یونیورسٹی آندھرا پردیش لکھتے ہیں۔

حضرت قربی کی زندگی کا اثر آپ کی شاعری پر پوری طرح عکس فگن ہے آپ نے اپنے اردو

دیوان میں اپنے عارفانہ تجربات، ذات باری تعالیٰ سے عشق ومحبت وحدت الوجود، اس کے لئے سوز دروں اور تڑپ، وصال کی تمنا، اسکی رحمتوں کے خزانے، اسکی عظمتوں کے جلوے، اس کی شان جبروت وجلال، اس کی محبت وشفقت کے نظارے اور اسکی وحدت کے مشاہدے، آپ کی شاعری کی روح اور کمال فن کا سرمایہ ہے اور اسی سے آپ اپنی شاعری کا تانہ بانہ تیار کرتے ہیں۔ (سخنوران ویلور ص ۱۷ ڈاکٹر مظفر شہ میری مطبوعہ ۱۹۸۹ء وانم باڑی)

ڈاکٹر نجم الہدیٰ سابق پروفیسر عربی، فارسی اردوو مدراس یونیورسٹی، چنئی نے خواجہ میر درد اور حضرت قربی کا تقابل کراتے ہوئے لکھا ہے یہ دونوں صوفی حضرات کی زندگی اور شاعری میں ہم آہنگی ہے اور دونوں حضرات کی عملی زندگی اور کلام متصوفانہ میں سرموفرق نہ تھا (تصوف اور کلام قربی ص ۱۴ مطبوعہ ۱۹۸۴ء پٹنہ بہار)

حضرت قربی کا سارا خاندان صوفیا نہ رہا۔ تصوف ان حضرات کی زندگیوں کا جزلا ینفک رہا۔ حضرت قربی وحدۃ الوحود کے قائل تھے، اپنے دیوان میں متعدد مقامات پر اس مسئلہ کو دل نشیں انداز میں پیش کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

خدا نما جو ہوا، میں تو کچھ نہیں ہے عیب — کہ ہر ذرہ ہے جہاں میں خدا نما اے دوست
نہیں ہے غیر حق موجود جگ میں — تجلی اس کی سارا انجمن ہے
ظہور دوست ہے کیا خار و کیا گل — وہی ہے کیا چمن ہے کیا دمن ہے

حضرت قربی کو ذات باری تعالیٰ سے غیر معمولی اور والہانہ عشق تھا۔ جس کے لطیف جذبات و احساسات سارے دیوان پر اثر انداز ہیں:

صورت لفظ وعبارات و معانی اندر — جلوہ گر تو نجھ ہوا ہے مرے دیوان میں آ

حضرت قربی کے عہد کی شاعری کا ایک مزاج ومنہاج یہ رہا ہے کہ حضراتِ شعراء شاعری کی مختلف اصناف میں حمد باری تعالی، نعت حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور شیخ جیلان و پیر پیراں حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کی شان میں چندموزوں شعر شامل کرتے ہیں اور بعض شعرائے کرام اپنے پیراں طریقت اور اساتذۂ کرام کی تعریف وتوصیف میں بھی چند شعر داخل کرتے ہیں، حضرت قربی کے دیوان میں حمد ونعت اور مناجات کے اشعار بڑی مقدار میں پائے جاتے ہیں آپ کی نعت گوئی کا ایک منفرد پہلو یہ ہے کہ آپ کے نعتیہ اشعار میں سرور عالم سیدنا محمد عربی ہاشمی ومطلبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی متعدد صفات بےنظیر اور مختلف مقامات بے مثیل اور بعض عقائد اہل سنت وجماعت کی

نشاندہی ہوتی ہے۔ مثلاً نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات قدسی صفات بلا واسطہ حسن ازل کی مظہر ہے۔ آپ ازل سے اللہ تعالیٰ کے حبیب وقریب اور سرّ غریب ونقیب ہیں، اور نور عیاں اور آپ دو عالم کے اعیان ہیں۔ اور آپ افضل الخلائق وشافع محشر ہیں اور ایک وصف بے مثال یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ علم غیب عطائی کے باعث آپ اپنی وفات شریف کے بعد امت کے احوال سے آگاہ اور مطلع رہتے ہیں۔ جس کی توثیق وتصویب خود آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے فرمائی ہے۔ **تعرض علیّ اعمالکم۔**

دیوان قربی میں مناجات پر محیط تقریباً پچاس شعر موجود ہیں۔ جن میں حضرت قربی رب کریم جل جلالہ سے دعا وفریاد، التماس والتجاء اور توسل واستغاثہ کا دامن تھامے نظر آتے ہیں، آپ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ میں جن لفظوں کا استعمال کیا ہے ان کے ذریعہ توسل نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شرعی حیثیت بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔

حضرت قربی کی نعت گوئی سے متعلق آپ کی ایک مستقل بالواسطہ منظوم تصنیف معراج نامہ ہے اور یہ صرف معجزۂ معراج مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شارح نہیں ہے بلکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شمائل وفضائل اور محامد کی بھی ترجمان ہے۔ حضرت قربی کا یہ غیر مطبوعہ معراج نامہ ایک سو چالیس ۱۴۰/اشعار پر مشتمل ہے اور اسکے جملہ اشعار ڈیڑھ ہزار سے زیادہ ہیں۔

آپ کی تصنیفی روش کے مطابق یہ قلمی معراج نامہ حمد سے شروع اور نعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ختم ہو رہا ہے اور اس کا ایک نسخہ اسٹیٹ لائبریری (مخطوطہ نمبر ۱۸۰) حیدرآباد میں محفوظ ہے:

سرانا خدا کو سزا وار ہے　　کہ ہر ذرہ اس کا نمودار ہے
ہر ایک ذرہ رکھتا ہے اسکا اثر　　ہے دال اس کی صفات پر
کیا ختم میں ذکر معراج کا　　بنام محمد نبی مصطفیٰ ﷺ

نعت ومناجات کے چند شعر ملاحظہ کیجئے:

ہے احمد و محمد ﷺ سرخیل انبیاء کا　　بے میم احد کو آیا ہے عین او خدا کا
وہ شاہ عرب ہے بے عین عین رب ہے　　جو کچھ کہے سو سب ہے دُرِ لجۂ صفا کا
ہے ذات اس کی مطلق اوچ عبد ہور وہی حق　　حق سوں کہتا ہوں یو حق نیں یوں بچن ریا کا
اوچ آسمان زمین او بحر و دُرِّ ثمینِ او　　در ہر مکان مکین او کل باغ اصطفنا کا
حسن ازل کا مظہر بے واسطہ او سرور　　ہر حسن جگ میں یکسر ہے پرتو اس بہا کا

او افضل البشر ہے او شافع محشر ہے | ہر جا وہی نشر ہے سالار اصفیاء کا
جو جگ منے ہے پیدا جو چیز ہے ہویدا | ہے اس کے مکھ کی شیدا اواصل ہے والا کا
شاہ جہاں وہی ہے نورعیاں وہی ہے | مقصود جان وہی ہے عشاق بے نوا کا
جو چیز ہے جہاں میں جو نام ہے وہاں میں | جو ہے عیاں نہاں ہے وہ نام مصطفیٰ ﷺ
کیا عشق کہنہ و نو اس عشق کا ہے پر تو | ہے خلق میں تک و دو اس عشق اس ہوا کا

قربیؔ تو بے نوا ہے دل میں تری ہوا ہے
قربان ترا ہوا ہے دے قرب اسی خدا کا

ہے محمد حبیب مولا کا | ہے ازل سوں قریب مولا کا
کُنہ اس کا نہیں کیسے معلوم | او ہے سرّ غریب مولا کا
افضل الانبیاء محمد ﷺ ہے | سب پو فضل عجیب مولا کا
قاف تا قاف سب مطیب | اس سوں آتا ہے طیب مولا کا
دین مطلق کی دعوت حق میں | او ہے ہر جا مجیب مولا کا
دفع کرنے شرارۂ دوزخ | ہے او مفضل نقیب مولا کا
نہِ کے آداب اس سوں سیکھ تمام | ہے او سرور ادیب مولا کا
رغبت اس کی متابعت کا کر | مصطفیٰ ﷺ ہے رغیب مولا کا
گلشن وحی میں او افصح ہے | نغمہ زن عند لیب مولا کا
بوج اس سوں حساب رشتے کا | او ہے قربیؔ حبیب مولا کا

......

عین اعیان دو عالم ہے محمد مصطفیٰ ﷺ | مہر موج استقامت ماہ برج اصطفا
پرتو اس کے ہے حقیقت کا یو سب ذراتِ خلق | آفتاب چرخ وحدت کا، ہے عکس حق نما
عین ہر ذرّہ محمد ﷺ فی العیاں دیکھے گا توں | گر تو اشیاء کی حقیقت کوں کرے گا (سامنا)
تن محمد جان محمد صورت و معنی وہی | یو معما ہے سمجھ کامل سوں اس کا مدعا
نہِ کی لذت سوں محمد ﷺ نام کر ہر چیز کا | ہے حقیقت میں محمد ﷺ عین ہر شئ اے فنا

ملتجا جس چیز کوں جنگ میں کرے گا اپنا
تو یقین سوں بوج تیرا ہے محمد ﷺ ملتجا

دانش مطلق کا منبع یا محمد ﷺ تو نچھ ہے　قربی قربان کو تیرے علم مطلق کر عطا
شہ دوسرا میں تمہارا ہوں　بھلا اور بُرا تمہارا ہوں
کرم تم کریں نا، تو کہاں جاؤں میں　بجز در تمہارے کدھر جاوں میں
بھکاری ہوں میں حق کے درگاہ کا　وسیلہ مجھے تم سے ہے شاہ کا
کیا تم کو رحمت جہاں واسطے　یو رحمت رہے عاجزاں واسطے
خودی سوں نہایت میں عاجز ہوا　تو اے رحمت اس وقت پر کام آ

خدا ہے کریم اور تم ہو کریم
یو دونوں کریماں منے یک یتیم

الٰہی بھکاری ہوں تجھ درکا　گھر آیا تیرے در پو لے بارکا
محمد ﷺ کا صدقہ مجھے کر عطا　نہ محروم کر مجھ کرم سوں اتا
میں تیرے کرم کے اوپر دھر نظر　محمد ﷺ کا صدقہ منگیا عرض کر
نبی ﷺ کی محبت سوں تن میں رکھیا　میں صدقہ ترے پاس اس کا منگیا

حضرت قربی کی عربی زبان میں کسی مستقل تصنیف کا سراغ نہیں لگا ہے آپ نے عربی میں خطبات جمعہ تحریر کیا ہے، چند خطبہائے جمعہ در عربی انشاء کردہ اند (تحفۂ احسن) بعض فارسی کتابوں کا ترجمہ حضرت مولانا محمد طیب الدین اشرفی مونگیری بہار نے کیا ہے۔ وہ شائع ہو چکی ہیں۔

(۱) میزان العقائد (۲) خلاصۃ العرفان (۳) لب السلوک (۴) رسالۂ اثبات وجود حقیقی

(۵) حق المعرفۃ (۶) کیمیائے سعادت (۷) رسالۂ وجدان (۸) رسال برہان قاطع در بیان توحید جامع

(۹) رسالۂ تحفہ الذاکرین (۱۰) رسالۂ حق الحق (۱۱) رسالۂ عین العیان (۱۲) رسالہ جمع الجمع (۱۳) رسالۂ تجدد امثال (۱۴) رسالۂ دلیل محکم (۱۵) رسالہ حلال در حل مسئلہ عینیت و غیریت (۱۶) رسالۂ توفیق (۱۷) منہج التحقیق فی افضلیۃ الصدیق (۱۸) رسالہ دلائل المنیقۃ فی رد مذھب شیعۃ الشنیعۃ (۱۹) رسالہ مظہر کل (۲۰) رسالہ محکم فی توحید الاقوم (۲۱) رسالہ بسم اللہ (۲۲) رسالۂ تقویۃ الایمان (۲۳) ردملحدان مبتدعان (۲۴) رسالۂ ظہور ذات و مراتب آن۔

مذکورہ کتابوں سے متعلق تعارف وتبصرہ راقم الحروف کی کتاب حضرت قطب ویلور اور ان کے خلفاء کے علمی وادبی کارنامے (ص ۶۶ تا ۷۲) میں ہے مطبوعہ تمل ناڈو اردو پبلکیشر، چنئی ۲۰۰۴ء

حضرت قربی کی سیرت وشخصیت اور اخلاق وعادات سے متعلق بہترین اور جامع مرقع حضرت آگاہ نے اپنی فارسی تصنیف تحفۃ احسن میں پیش کیا ہے، حضرت آگاہ آپ کے شاگرد اور خلیفہ ہیں اور آپ کا یہ چشم دید بیان ہے بلاشبہ یہ شہادت عینی کی حیثیت رکھتا ہے، ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔

حضرت قربی کی سخاوت اور وادودہش کا یہ عالم تھا کہ کوئی بھی سائل آپ کے در سے خالی ہاتھ نہیں لوٹا آپ، حلیم الطبع اور سلیم الفطرت تھے، کبھی کسی شخص پر سوائے امور شریعت کی خلاف ورزی کے خشم آلود نہیں ہوئے۔ مزاج میں حد درجہ تواضع وانکساری تھی، لوگ آپ سے ملنے آجاتے تو ان کے لئے تواضعاللہ کھڑے ہوجاتے تھے اور ان کی دل جوئی کی خاطر نشاط انگیز گفتگو فرماتے، اگر کسی شخص سے غلطی سرزد ہوجائے تو چشم پوشی فرماتے اور نظر انداز کرتے، خلوت ہو یا جلوت کبھی کسی کی عیب چینی اور برائی نہیں کرتے تھے آپ میں ظاہری نمائش اور نام ونمود کا نام ونشان نہ تھا، طبیعت میں بڑی خودداری تھی اور استغناء کا یہ عالم تھا کہ کبھی کسی امیر اور دولت مند کے دروازے پر حاضر نہیں ہوئے اور نہ ہی کسی شخص سے کسی چیز کے امیدوار اور طالب رہے ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے۔ ایک مرتبہ مدراس کے حکمران نواب محمد علی والا جاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گراں قدر پیش کی تو آپ نے شکریہ کے ساتھ واپس کردیا اور فرمایا:

شاہی و ملک شاہی قربی جو نے نسجد ‎ ‎ در ملک فقر دستے بالا دست بوریا

رقم امر بالمعروف ونہی عن المنکر حق گوئی وبا کی، عدل وانصاف اور رعایا پروری وانسانیت نوازی یہ تمام کام آپ کے معمولات میں تھے۔ آپ کی مجلس میں عموماً علم شریعت اور اسرار ومعرفت کا ذکر رہتا۔ اگر کوئی شخص دنیاوی گفتگو شروع کرتا تو اسکی دل جوئی اور دل بستگی کے خاطر سن لیتے پھر عمدگی کے ساتھ بات کا رخ موڑ دیتے۔ زندگی بھر پنج گانہ فرض نمازوں کی ادائیگی میں پوری طرح پابند تھے۔ صاحب ترتیب تھے صرف ایک مرتبہ ۱۱۶۵ھ میں بخار آگیا اور اس میں شدت کی وجہ سے بے ہوش ہوگئے تھے جس کی وجہ سے نماز عصر اور مغرب قضا ہوگئی تھی، مرض الموت کے ایام میں اشارہ سے نماز ادا فرماتے تھے، مختصر یہ کہ حضرت قربی خلق نبوی کا پیکر اور جامع تھے۔

حضرت قربی نے اپنے چچیرے چچا حضرت سید محمد علی قادری المعروف دیوان صاحب کی صاحب زادی امۃ الوکیل عرف ماں صاحبہ سے نکاح کیا جن کے بطن سے دو صاحب زادے حضرت سید شاہ عبداللطیف ذوقی ویلور، حضرت سید شاہ علی محمد قادری اور تین صاحب زادیاں ساجدہ بیگم عرف بیگم صاحبہ، سیدہ جمیلہ سیدہ عائشہ تولد ہوئیں۔ آپ کی شریکِ حیات امۃ الوکیل ۴؍رمضان ۱۱۷۵ھ کو روز

دوشنبہ دنیا سے رخصت ہوگئیں اور آپ ۲۰ رمضان ۱۱۸۲ھ شب پنج شنبہ سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔

حضرت قربی کی وفات حسرت آیات پر متعدد اہل علم نے قطعات تاریخ وفات کہی ہے۔آپ کی مزارِ مبارک پر تعمیر شدہ قبۂ اقطاب ویلور پر حضرت باقر آگاہ مدراسی کا قطعہ تاریخ رحلت کندہ ہے:

رکن الدین شاہ ابو الحسن قربی پیشوائے مقربان الٰہی

چوں کہ دریافت قرب حق سالش غاب قطب البلاد گفت آگاہ ۱۱۸۲ھ

حاصل کلام! حضرت قربی فارسی خدمات کے لحاظ سے آپ کی شخصیت اس علاقہ میں مینارۂ نور جیسی ہے جس کی ضیاپاش کرنوں سے یہاں کا ذرہ ذرہ ماہ تاباں بن گیا اور جب بھی اس دیار میں فارسی شعر وادب کی بات ہوگی تو اپ کے ذکر کے بغیر وہ ادھوری اور نامکمل رہے گی، اردو زبان وادب میں آپ کے دیوان کو وہ رفعت وعظمت اور قدامت حاصل ہے کہ اسی کی بدولت یہاں اردو شاعری کو فروغ اور عروج نصیب ہوا، سلوک وتصوف کی دنیا میں آپ کی جلیل القدر خدمت ناقابل فراموش ہیں۔آپ کی ذات گرامی سے ہزاروں انسان تزکیہ نفس اور تطہیر قلب کی نعمت سے بہرہ ور ہوئے۔ شرک وبدعت کی۔ بیخ کنی اور احیائے سنت کے دشوار ترین محاذ پر آپ کو دیکھیں تو یہاں بھی آپ طاغوتی قوتوں سے برسر پیکار نظر آتے ہیں۔آپ کا لائق ستائش اور قابلِ تقلید کام یہ رہا کہ آپ نے علمی ودینی اور اصلاحی دعوتی جدوجہد کو دوام واستمرار بخشنے کے لئے کئی افراد واشخاص کی تربیت ظاہری اور تزکیہ باطنی فرمائی۔ جس کی وجہ سے تمل ناڈو میں ایک مکتبۂ فکر وجود میں آیا۔ جسے آپ کے بعد آپ کی اولاد اور خلفاء نے سارے جنوب میں پھیلایا۔

حضرت قربی کا دور ہندوستان کی اسلامی تاریخ کے باب اصلاح وتجدید میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، یہی وہ زمانہ تھا جس میں شمالی ہند کے اندر بھی اصلاح ودعوت کی لہر چلنے لگی اور حضرت قربی کے معاصر حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی ذات گرامی سے وہاں بھی ایک مکتبۂ فکر وجود میں آیا جسے آپ کے بعد آپ کی اولاد اور خلفاء نے سارے شمال میں پھیلا دیا۔اور وہ آج فکر ولی اللہی کے حوالہ سے معروف ہے۔اور اہلِ سنت وجماعت کے تمام طبقوں میں مستند ومعتمد ہے۔

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

☆☆☆

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزؔاد فتح پوری (فتح پور، یوپی)

آذربائیجان کا قدآور شاعر حسّان العجم خاقانؔی اوراس کی نعتیہ شاعری

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت مبارکہ کے اکیسویں سال مقام نہاوند پر عرب وایران کے مابین ایک فیصلہ کن تاریخی جنگ ہوئی، جس کو اہل عرب نے فتح الفتوح کا نام دیا، جس کے بعد ایرانی سلطنت خلافت کے تابع ہوگئی۔ اس خلافت کی مدّت دوسوسال ہے۔ اس دوران ایرانی علم و ادب، عربی علم وادب سے کافی اثر پذیر رہا، لیکن یہ بھی ایک نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ اس نے عربی زبان وادب کو بھی متاثر کیا۔ دوبیتی جس کو عربی میں رباعی کہا جاتا ہے، فارسی ہی سے عربی میں آئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی بہت سے ایرانی النسل علماء نے عربی زبان وادب پر اس قدر ملکہ حاصل کیا کہ عربی زبان وادب پر ان کے نقوش کافی گہرے ہیں۔ مثال میں عبداللہ بن مقفّع، امام ابوحنیفہ، سیبویہ، بشار بن برد، مشہور شاعر ابونواس اور موسیٰ بن شاکر خوارزمی کے اسمائے گرامی پیش کئے جاسکتے ہیں۔

عباس مروزی نے، جو کہ ایران کی آزادی سے پیشتر کا شاعر ہے اور جس کا نام تذکرہ نگاروں نے ابوحفص سغوری کے ساتھ رقم کیا ہے، اپنی ایک شعری کاوش میں لفظ نعت کا استعمال کیا ہے ملاحظہ ہو:

کس بریں منوال پیش من چنیں شعرے نگفت ورزبانِ فارسی را ہست تا ایں نوع بیں
لیک زاں گفتم من ایں مدحت ترا تا ایں نعت گیرداز مدح وثنائے حضرت تو زیب وزیں

(تاریخ ادبیات ایران، مبارزالدین رفعتؔ، صفحہ ۵۱، ندوۃ المصنّفین، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی)

لیکن یہ استعمال معروف اصطلاحی معنی میں نہیں ہے، بلکہ وہ صرف مدح کے معنی میں ہے۔

متقدمین، متوسطین اور متاخرین شعرا میں سے تقریباً تمام شعراء نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے متعلق اشعار کہے ہیں، لیکن افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کیا جاتا ہے کہ رودکیؔ، فرخیؔ، منوچہریؔ، کے ایسے عظیم شعرانے امراوسلاطین کے تملّق اوران کی جھوٹی مدح میں آسمان و

زمین کے قلابے ایک کر دیئے لیکن انہیں نعت کے ایسے مقدس موضوع پر خامہ فرسائی کی توفیق نہیں ہوئی۔ فارسی میں نعت گوئی کا باقاعدہ آغاز تیسری صدی ہجری میں ہوا۔

(تاریخ ادبیات ایران، مبارز الدین رفعتؔ، صفحہ ۵۱ و فارسی شعرا و نعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم (مضمون از پروفیسر ضیا احمد بدایونی)

واضح ہو کہ فردوسیؔ سے پیشتر کسی شاعر نے مدحِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر لب کشائی نہیں کی، راقم الحروف، اپنی معلومات کی رو سے فردوسیؔ کو فارسی کا اوّلین نعت گو شاعر مانتا ہے، گو کہ اس کی نعت رسمی ہے۔ فردوسیؔ کے بعد سنائیؔ کے ہم عصر سیّد حسن غزنوی کا نام آتا ہے، جس کی نعتیں والہانہ عقیدت اور دلکش لطافت سے لبریز ہیں۔

سلجوقی عہد کا دوسرا لائق ذکر شاعر حکیم سنائی ہے، جو ایک زبردست صوفی شاعر تھا اور اس نے نعت کے دامن میں کافی وسعت پیدا کی ہے۔ وہ صحیح معنوں میں فارسی نعت گو شعراء کے مابین امام النّاعتین کے لقب سے ملقب کئے جانے کے لائق ہے۔ ایران کے مشہور شاعر نعت عطاؔر نے نعت کے تحت شفاعت طلبی اور اعترافِ عجز کے مضامین داخل کئے ہیں۔

آذر بائیجان کا مشہور شاعر خاقانیؔ، ایرانی شعرائے نعت میں ایک نمایاں مقام کا حامل ہے، جسے اوائل عمر ہی سے نعت میں شغف تھا اور اس نے اس میدان میں طرفگئی خیالات کے جوہر دکھلائے ہیں، اس نے نعت کو متانت، رفعت تخیل، زور بیان اور مدلّل طرز اظہار عطا کیا، اس نے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلّقین و متعلّقات کو عنوان بنا کر کئی عمدہ نعتیہ قصائد لکھے ہیں۔ خاقانیؔ کی نعتوں میں بہت شعریت ہے۔ اس نے نادر تشبیہات و استعارات اختر ع کئے، نعت کے بحور کو طرفگی عطا کی اور مقامی رنگ، عصری ماحول اور سوانح حیاتی عناصر کو نعت میں داخل کر کے اس کو مذہبی دائرے سے باہر نکالا اور اسی نے نعت کو ایک صنف سخن، کی حیثیت عطا کی۔ اس کی نعتوں میں بلا کا درد اور سوز و گداز ہے۔

راقم کے نزدیک خاقانیؔ کا شمار ایران کے اُن چند گنے چنے نعت گو شعراء میں ہوتا ہے، جنہوں نے نعت کو ایک مستقل صنف سخن کی حیثیت عطا کی۔ جامیؔ نے اسے معراج کمال پر پہنچایا اور قدسیؔ نے نعت میں تغزّل کے مفید اضافے کئے۔

شعرائے متاخرین میں قاآنیؔ ایک کامیاب مرقّع نگار شاعر ہے۔ راقم کا مقصد آذر بائیجان کے نعت گو شاعر خاقانیؔ پر تحقیقی و تنقیدی خیالات کا اظہار ہے۔

خاقانیؔ کا نام افضل الدین ابراہیم ہے جس کے والد کا نام علی ہے۔ اس کی ماں نسطواری

عیسائی، طباخ نسب تھی، جو بعد میں مشرف بہ اسلام ہوگئی تھی۔ اس کا باپ بڑھئی اور دادا بنکر تھا، اس کی تصنیف ''تحفۃ العراقین'' میں ان سب کا ذکر خیر کیا گیا ہے۔ اس نے اپنے دادا کے پیشہ کی وضاحت ''تحفۃ العراقین'' کے صفحہ ۱۸۵؍ پر اس طرح کی ہے:

جلاہہ نژادم ز سوئے جد　　　در صنعت فن کمال ابجد

اس نے ''تحفۃ العراقین'' کے صفحہ ۱۸۸؍ میں اپنی والدہ محترمہ کی بابت لکھا ہے:

ہشتم ز پئے غذائے جانور　　　طبّاخ نسب ز سوئے مادر

خاقانؔی کی پیدائش ۵۲۰ھ میں دارالادب شروان میں ہوئی، اس کی تربیت اس کے والد نے کی۔ اس کے اساتذہ میں اس کے چچا میرزا کافی الدین عثمان کو اہم مقام حاصل ہے، جسے فلسفہ اور حکمت میں امتیاز حاصل تھا۔ وہ پیشہ کے اعتبار سے طبیب تھا۔ خاقانؔی نے حکیم ابوالعلیٰ گنجوی کے آگے بھی زانوئے تلمذ تہ کی تھیں، جو رشتہ میں اس کا خسر تھا۔ حکیم موصوف کے سن وفات کی بابت شدید اختلافات ہیں، لیکن راجح قول کے مطابق یہ ۵۹۲ھ کا واقعہ ہے۔

حکیم افضل الدین خاقانؔی نے اوّلاً حقائقؔی بعدۂ خاقانؔی تخلص اختیار کیا۔ اس کا شمار نعت کے صفِ اوّل کے شعرا میں ہوتا ہے۔ وہ منبع نعت سے اپنے والہانہ عشق اور پنے لاثانی طرزِ اظہار کے باعث بجا طور پر حسّان العجم کے لقب سے ملقب کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت ضیاء احمد بدایونی فرماتے ہیں:

> ''اس کو شروع سے نعت سے ذوق تھا، اس لئے اس کے چچا مرزا کافی نے اس کو حسّان العجم کہہ کر پکارا۔''
>
> (فارسی شعرا اور نعت رسول۔ مضمون پروفیسر ضیاء احمد بدایونی)

خاقانؔی کو اپنے تخلص پر فخر تھا، جس کا اظہار اس نے اپنے مختلف قصائد میں کیا ہے:

مصطفیٰ خاطر و حسّان عجم مدح سرائے　　　پیش سیمرغ خمس طوطی گو یا بینند
گر چہ حسّان عجم را ہمہ جا جاہ دہند　　　جاہش آں بہ کہ بخاک عرش جا بینند

(کلّیاتِ خاقانؔی ج ا، ص ۲۳۰)

سخن گفتن بلکہ ختم ست می بینی و می پرسی　　　فلک را کہ می گوید بخاقانی خاقانی
گر چہ مہر احمد مختار خواند ایں چنیں شعری　　　ز سدرہ بر ایں ندا آید کہ قد احسنت حسّانی

(کلّیاتِ خاقانؔی ج ا، ص ۲۰۹)

گر زیں سخناں سحر کردار حسّان عرب شدے خبر دار
بانگش زندی ز عالم پاک حسّان العجم فدیناک

(تحفۃ العراقین ص۱۶۳ر مطبوعہ نول کشور واقع کان پور)

مشہور شاعر نعت مولانا عبدالرحمٰن جامؔی، حکیم خاقانؔی کی بابت اپنی وقیع رائے سپردِ قلم کرتے ہوئے اپنی مشہور کتاب ''بہارستان'' میں یوں رقم طراز ہیں:

''خاقانؔی شروانی علیہ الرحمہ بسبب کمالے کہ در صنعت شعر داشتے اورا حسّان العجم کردہ اند۔ از ہمہ شعراء در اسلوبِ سخن ممتاز است و دراں شیوۂ غریب بے انبار در مواعظ وحِکم طریقۂ سنائی سپردہ است دراں معنی گوئے سبقت از اقران ربودہ۔''

(بہارستان جامؔی: مولانا عبدالرحمٰن جامؔی صفحہ ۹۹)

ترجمہ از راقم: خاقانؔی شروانی علیہ الرحمہ کو اس کمال کی وجہ سے جو اسے صنعتِ شعر میں حاصل ہے، حسّان العجم کہا جاتا ہے۔ وہ اسلوب سخن میں تمام شعراء میں ممتاز ہے اور اسے اس بے انبار نادر اسلوب میں مواعظ وحِکم کے باب میں روشِ سنائی سپرد کی گی ہے اور وہ اسی لئے اس شعبہ میں تمام قرون (عہدوں) میں گوئے سبقت لے گیا ہے۔

خاقانؔی کو مذہبیات سے خصوصی دلچسپی تھی۔ موصوف قرآن واحادیث اور مذہبی مسائل وواقعات سے بخوبی واقف تھے۔ ان کی اکثر تلمیحات مذہبی ہوتی ہیں۔ انہوں نے مذہبی مقامات مقدسہ پر کافی توانا نعتیں لکھی ہیں، جو قصیدے کی ہیئت میں ہیں اور ان کے یہ نعتیہ قصائد ان کے عقائد کی پختگی، مذہبیات سے ان کی غیر معمولی وابستگی اور شفتگیٔ جذبات کو ظاہر کرتے ہیں۔ انہوں نے ۵۵۱ھ میں مکہ معظّمہ کی زیارت کا شرف حاصل کرنے پر بیت الحرام کی مدح میں ایک جاندار قصیدہ لکھا تھا، جو ان کے سبک کا اچھا نمونہ ہے۔ اس قصیدہ کا مطلع درج ذیل ہے:

صبح از حمائل فلک آ ہیخت خنجرش کیمخت کوہ ادیم شد از خنجر زرش

جو تجدید مطلع کے ساتھ کافی مشہور ہے۔ ایک سو نو اشعار پر مشتمل اس قصیدہ کو خواص کعبہ نے آب زر سے رقم کیا تھا۔

(تاریخ ادبیات ایران از ڈاکٹر رضا زادہ شفق، ترجمہ مبارز الدین رفعتؔ، صفحہ ۲۶۰)

خاقانؔی کا کلام ایران کے نعت گو شعرا میں منفرد ہے۔ ان کی شاعری بھی محکم واستوار ہے۔ ان

کی شاعری الفاظ و معانی کے نقطۂ نظر سے غیر معمولی طور پر بلند اور لطافت سے لبریز ہے۔ ان کی شاعرانہ خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ ہے کہ وہ شارع عام سے ہٹ کر چلنے کی کوشش کرتے اور ایسے دقیق اور گہرے معانی، کو جو عام تخیل و تفکر سے بالا تر ہوتے ہیں، نہایت جامع و مانع الفاظ کے قالب میں ادا کرتے ہیں۔ خاقانی کو عربی پر بھی، فارسی ہی کی طرح، مکمّل دسترس حاصل تھی۔ موصوف کے کلام کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اقلیم سخن کے بادشاہ تھے۔ وہ ہر دو زبانوں کے الفاظ اور ان کی تراکیب کے استعمال پر مساویانہ اور حاکمانہ قدرت رکھتے تھے۔ ان کی نعتوں میں قرآنی آیات، احادیث مکرمہ، ضرب الامثال اور اشارات و کنایات، صنائع و بدائع اور استعارات و تلمیحات کی فراوانی ہے۔ تجنیس، ایہام، اور صنائع و بدائع کا استعمال مافی الضمیر کے بخوبی استعمال کی خاطر ہوا ہے۔ جدّت طرازی اور بداعت اسلوب ان کے کلام کے مابہ الامتیاز عناصر ہیں۔ جیسا کہ وہ خود کہتا ہے:

مرا شیوۂ خاص تازہ است و داشت ہماں شیوۂ با ستاں عنصری
شاعر منطق منم خوان معانی مراست ریزہ خور خوا ن من رودکی و عنصری
زندہ چو نفس حکیم نام او من زگی گشتہ چو مال کریم حرص من از اندکی

ایک دوسرے قصیدے میں وہ اپنی جدّت طبع اور اپنے بدیع اسلوب نگارش کا اعلان بایں طور کرتے ہیں:

ہفت اقلیم سخن را بہتر از من پادشاہ در جہان ملک سخن رانی مسلّم شد مرا
مریم بکر معانی را منم روح القدس عالم ِ ذکر معانی را منم فرماں روا
شہ ظفان عقل را نایب منم نعم الوکیل نو عروس فضل را صاحب نعم الفتی
درع حکمت پوشاں و بےترس گویم القتال خوان فکرت سازم و بے بخل گویم الصّلا
من ہمی در ہند معنی راست ہم چوں آدم ویں خزاں در چنیں صورت راست چو مردم گیا

خاقانی نے اپنے اکثر قصیدوں میں قافیہ کے ساتھ ردیف کا بھی التزام کیا ہے۔ اس نے اپنے اکثر و بیشتر قصائد کی تشبیب میں جلوۂ صبح، طلوعِ آفتاب، عشق و محبت، مناظر قدرت اور تصوّف کے مضامین نظم کئے ہیں۔

خاقانی نے اپنے اس مشہور قصیدہ کی تشبیب میں جس کا مطلع درج ذیل ہے، اپنے خیالات کئی طرف مبذول کئے ہیں:

ہر صبح سر زنش گلشن سودا بر آورم و ز سور آہ صور آوا بر آورم

اس نے باغِ عشق میں آنے کے بعد آسمان پر حملہ کرنے کا مضمون نظم کیا ہے اور اپنے خیال کو آفتاب کی روٹی کی جانب مبذول کیا ہے پھر اس پر تبرّا کیا ہے۔ اس قصیدہ میں ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں قصیدے کے اجزائے ترکیبی میں سے گریز کا فقدان ہے۔ شاعر موصوف تشبیب کے بعد ۶۲ ویں شعر میں براہِ راست مدح میں منہمک ہو جاتا ہے:

امسال گر نہ کعبہ مرا باز داشت شاہ زیں حسرت آتشی زسودا بر آورم

(کلیّاتِ خاقانی، ج ۱، صفحہ ۱۷)

ایسا لگتا ہے کہ اس شعر سے اوپر چند اشعار اور رہے ہونگے جن کے مابین گریز کے اشعار بھی ہونگے، جنہیں امتدادِ زمانہ نے محو کر دیا ہوگا۔ زمانہ کی درازی نے شاعروں کے کلام میں بہت کچھ تصرّف و تغیّر اور کمی و بیشی کی ہے۔ عرفی کے ایک قصیدہ میں تشبیب موجود ہے، لیکن مدح کا فقدان ہے۔ عرفی کے اس قصیدہ کا مطلع درج ذیل ہے:

ائے بر زدہ دامنِ بلا را سرور پئے خویش دادہ مارا

مطلع ذیل کے حامل قصیدہ میں فنافی اللہ کا مضمون بحسن وخوبی نظم کیا گیا ہے:

قحط وفا ست در بنہ آخر الزماں ہاں اے حکیم پردۂ عزلت بسیار زباں

اس کا اندازِ بیاں اس قدر بلیغ ہے کہ علائق دنیوی سے بے رغبتی کا جذبہ قاری و سامع کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ درحقیقت خاقانی نے مضامین تشبیب میں کافی وسعت پیدا کی ہے۔ خاقانی کی اپنی یہ انفرادیت ہے کہ اس نے ہر قصیدہ میں تشبیب کے حصّہ کو بھی کارآمد بنایا ہے اور یہ بات واضح کر دی ہے کہ تشبیب میں جملہ مضامین بیان کئے جا سکتے ہیں۔

خاقانی اپنے نعتیہ قصائد میں اپنی ذات اور اپنے عصر سے متعلق عناصر اس قدر کثرت سے جمع کرتا ہے کہ قاری اس کی زندگی، اس کی عصری معاشرت اور تاریخی احوال سے ربط قائم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ بادشاہِ وقت نے اسے قید خانہ میں ڈال دیا تھا اور اس پر تہمت لگائی گئی اور اسے حج بیت اللہ سے روک دیا گیا، اہلِ شروان نے اس کی قدر و قیمت نہیں پہچانی۔ لوگوں کو اس سے حسد تھا۔ اس نے ساری زندگی پریشاں حالی مالی اور دشواریوں میں گزار دی، اس نے قید و محن کی مشقتیں برداشت کیں مگر عزتِ نفس کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اس کی ہمّت سدا بلند رہی۔ نامور امرا کے عیوب برملا بتلاتا تھا اور اپنے دنیوی ممدوحین کو عدل و انصاف اور سخاوت و دانشوری کی دعوت دیتا تھا۔ اس کی ذات میں دینداری کا جذبہ سدا رواں دواں رہا۔ اجمالاً یہی وہ محرّک وعوامل ہیں، جنہوں نے شاعر کی افتادِ طبع

سے مل کر اسے نعت کی طرف لگا دیا اور اسے ایک کامران نعت گو بنا دیا۔

حکیم خاقانی کی نعتوں میں خودداری کی تعلیم، بے ثباتی دنیا کے مضامین، فقر و استغنا سے رغبت، تملّق سے گریز، فکری صلابت، ایجاز کی غرض سے تلمیحات کا بکثرت استعمال، جذبہ کی طہارت، پاسِ ادب، پختگیٔ عقائد اور اس میں خلوص، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے شکایت کرنے میں جذبات کی طہارت، قلب کی صداقت اور اس میں سوز و گداز۔ یہ کُل باتیں مل جُل کر نعت کے صوری و معنوی حسن کو دوبالا کرتی ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ بات بھی لائقِ ذکر ہے کہ ان کی نعتوں کے وہ خصائص جو ماقبل میں بیان کئے گئے ہیں، شاعر کی حیات کے ان واردات سے جنہوں نے اس کی شخصیت کی تعمیر میں معاونت کی ہے یا جو اس کی سرشت میں داخل تھے، سبب مسبّب اور علّت و معلول کا علاقہ رکھتے ہیں۔ مذکورۃ السّبق معروضات کی توضیح کی خاطر، شاعر کے اس مشہور نعتیہ قصیدہ کے مختلف مقامات سے چند اشعار نقل کئے جا رہے ہیں، جس کا مطلع درج ذیل ہے:

ہر صبح سر ز گلشن سودا بر آورم — و ز صور آہ بر فلک آوا بر آورم

اشعارمنقولہ:

چوں عیش تلخ من بقناعت نبود خوش — زاں حنظل شکر شدہ حلوہ بر آورم

(کلّیات خاقانی، ج ا، ص ۱۶)

در ظاہرم جنابت و در باطنت حیض — آں بہ کہ غسل ہر دو بیک جا بر آورم

امسال گر ز کعبہ مرا باز داشت شاہ — زیں حسرت آتشی ز سویدا بر آورم

گر بخت باز بر در کعبہ رساندم — کا حرام حج و عمرہ مثنّا بر آورم

(کلّیات خاقانی، ج ا، ص ۱۷)

دیباچۂ سراچۂ کُل خواجہ رسُل — کز خدمتش مراد مہنّا بر آورم

سلطان شرع خادم لالای رو بلال — من سرا بپابوسی لالہ بر آورم

(کلّیات خاقانی، ج ا، ص ۱۸)

شاعر نے آخر کے مذکورہ بالا اشعار میں سے پہلے شعر کے مصرعہ اولیٰ میں جناب رسالت مآب کے تقدّم بالشّرف اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تقدّم بالعلّیت کو نظم کیا ہے۔ مصرعہ معرض بحث، حدیث نبوی" **اوّل ما خلق اللّٰہ نوری**" کا آزاد ترجمہ ہے۔ دوسرے شعر سے جو پاس ادب مترشّح

ہو رہا ہے، وہ قابلِ توجہ اور لائقِ مدح ہے۔ شاعر کا قول ہے کہ اس کا یہ مرتبہ کہاں کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے قدم ہائے مبارکہ کا بوسہ لے سکے، پاسِ ادب مانع ہے، اس لئے وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے غلام حضرت بلال کی قدم بوسی پر اکتفا کرتا ہے۔

شاعر نعت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اثرات وعواقب بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ آپ کی ذات اقدس فیوض و برکات کا خزینہ ہے۔ اگر وہ سیلون (سری لنکا) کے ایسے گرم وخشک مقام پر نعت خوانی کرے، تو اس کا اثر یہ ہوگا کہ وہ لنکا جہاں حضرت آدم علیہ السلام جنّت سے نکالے جانے کے بعد مقیم تھے اور جو ان کی آخری آرام گاہ ہے اور جس کی آب و ہوا گرم وخشک ہے، اگر وہاں بھی نعت نبی پڑھی جائے، تو سیلون کی وہ جگہ متبدّل بہ بہشت ہو جائے گی اور صرف بہشت ہی نہ ہو جائے گی بلکہ وہاں چشمۂ کوثر بھی رواں دواں نظر آئے گا۔ اب متعلق شعر سماعت فرمائیں:

گر مدحتش بخاکِ سراندیپ ادا کنم　　کوثر ز خاک آدم و حوّا بر آورم

دیکھئے وہ وقت کب آئے گا، جب میں بارگاہِ اقدس میں پہنچ کر یہ آواز نکالونگا کہ اے فریادرس! میری فریاد سماعت فرمایئے:

کے باشد آں زماں کہ رسم بارحضرتش　　آواِ زِ یا مغیث اغثنا بر آورم

(کلّیات خاقانی، ج۱، ص۱۸)

شاعر اپنے اس شعر میں، جو مندرجہ ذیل ہے، کہتا ہے کہ اس کے دندان، عزامت کے پتّھر سے توڑ ڈالے گئے اور وہ اس قابل نہیں رکھا گیا کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح کر سکے، لیکن اسے اپنے دکھ کی پرواہ نہیں ہے، اسے اس کی بھی فکر نہیں ہے کہ وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح کیسے کرے گا، وہ آپ سلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح ضرور کریگا بلکہ دوگنی کرے گا:

دندانم از سنگ عزامت شکستہ اند　　وقت ثنائے خواجہ ثنایا بر آوردم

(کلّیات خاقانی، ج۱، ص۱۸)

اس کی وجہ یہ ہے کہ میری مادر طبع نے قسم کھائی ہے کہ وہ آپ کی مدح میں ایک شکم سے جوجوزا کی طرح دو بچے جنے گی۔ امسال مجھے آپ کی زیارت سے روک دیا گیا۔ جس کی وجہ سے وہ بارگاہ نبوی حاضر نہ ہو سکا۔ آئندہ سال وہ آپ کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل ہو کر دو قصیدے پیش کرے گا:

سوگند خورد مادر طبعم کہ در ثناش　　از یک شکم دو گانہ چو جوزا بر آورم

(کلّیات خاقانی، ج۱، ص۱۸)

خاقانؔی کی ایک نعتیہ جبلّت یہ بھی ہے کہ وہ نعت میں ایسا اندازِ بیان اپناتا ہے، جو قاری سے قدم قدم پر نظر کی گہرائی اور گیرائی کا تقاضہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہ مستقبل میں اپنی تمام شاعرانہ صلاحیتیں نعت اور صرف نعت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں صرف کرے گا، کیونکہ وہی وسیلۂ نجات ہے۔ وہ اس مفہوم کو بخوبی ادا کرنے میں کسی قدر ژرف نگہی کا طلب گار ہے:

اسمائے طبع من بنکاحِ ثنائے اوست　　زاں فال زاختر اسما بر آورم

امروز کز شناش مرا ہست کوثری　　رخت از گومسور بہ ثریّا بر آورم

فردا من از شفاعت او کار آں سرای　　در حضرت خدای تعالیٰ بر آورم

(کلّیات خاقانؔی ، ج۱، ص۱۸)

شاعر نے اپنے اس مشہور قصیدہ میں، جس کا مطلع رقم ذیل ہے:

صبحدم چوں کلہ بند آہ دود آسائے من　　چوں شفود رخوں نشیند چشم شب پیائے من

کئی سوانح حیاتی عناصر نظم کئے ہیں۔ وہ اس قصیدے کے شعر نمبر ۵۱/ میں اپنے والد کے بڑھئی ہونے اور اپنی والدہ کے عیسائی ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس نے شعر نمبر ۸۴/ میں اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ اس کی تربیت اس کی والدہ کی رہینِ منّت ہے۔

معرض بحث حبسیہ قصیدہ کے آخری دو اشعار خالص نعت کے اشعار ہیں جن میں بھی اس نے اپنے سوانح حیاتی عناصر جمع کئے ہیں:

از مساف بو لہب فعلانہ پیمانم عناں　　چوں رکاب مصطفیٰ شد مقصد و ملجائے من

قاسم رحمت ابوالقاسم رسول اللہ کہ ہست　　در دلائے او خدیو عقل و جاں مولائے من

(کلّیات خاقانؔی، ج۱،ص۱۰۶)

خاقانؔی کا کہنا ہے کہ چونکہ اس کا مقصد و ملجا رکاب مصطفیٰ ہے، اندریں صورت وہ ابولہب کی سی حقیقت رکھنے والے کینہ پروروں کی جنگ سے منہ نہ موڑے گا، جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بولہب کی دشمنی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی مہم جاری رکھی اسی طرح وہ اپنے اعدا کی دشمنی کی پرواہ کئے بغیر اپنے مقصد میں لگا رہے گا۔ تم جانتے ہو کہ محمد مصطفیٰ کون ہیں، وہ اللہ کے پیغمبر ہیں جن کی رکاب میری پناہ گاہ ہے۔ وہ رحمت بانٹنے والے ہیں۔ جن کی کنّیت ابوالقاسم ہے، آپ عقل و جان کے بادشاہ ہیں۔

مندرجہ ذیل اشعار سے پہلے میں فقہی اور دوسرے میں ہیئتی اصطلاح مستعمل ہے، جبکہ تیسرے

میں قرآنی اصطلاح کا دلکش استعمال ہے:

حیف بر حور و جنابت بر ملائک بستہ ام　　گر ز خون دختراں رَز بود صہبائے من
دست من جوز و کلکر حوت و معنی سنبلہ　　سنبلہ زائد ز حوت از جنبش جوزای من
شاعراں را گرچہ غاوون کوند در قرآں خدای　　ہم از ایشاں بود وجہ استہزای من

(کلّیاتِ خاقانی، ج ا، ص ۱۰۶، ص ۱۰۹، ص ۱۰۶ و ص ۲۰۰)

خاقانی نے اپنے ایک نعتیہ قصیدہ کے پچاسویں شعر میں نعت کے ضمن میں منقبت صحابہ لکھی ہے، جس میں انہوں نے خلفاء کی تعداد چار بتلاتے ہوئے کہا ہے:

چار یارش تاجِ اصفیا شدند　　نداشت ساعد دیں پارہ داش پارہ

(کلّیاتِ خاقانی، ج ا، ص ۲۰۳)

ان کا یہ نظریہ اور فیصلہ ناروا اور غلط ہے اور حدیث افضل البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برخلاف ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مدّتِ خلافت بتلائی ہے، عددِ خلفاء کا تعین نہیں فرمایا۔ حضرت سفینہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث مکرمہ کے مبارک الفاظ ہیں: "**الخلافة بعدی ثلٰثون سنة ثم ملك بعد ذالك**" یعنی خلافت میرے بعد تیس سال ہے پھر اس کے بعد شہنشاہیت ہے۔ اس تیس سالہ مدّت میں حضرت ابوبکر و عمر، عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے علاوہ حضرت حسن ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی ہیں۔ اس طرح خلفاء کی تعداد پانچ ہے۔ (حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ از راقم، صفحہ ۸۱)

واضح ہو کہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدّتِ خلافت ۲۱ ر رمضان ۴۰ھ سے ۱۲ ر ربیع الاوّل ۴۱ھ تک ہے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال ۱۲ ر ربیع الاوّل ۱۱ھ کو ہوا تھا، اس طرح بموجب حدیث اس تیس سالہ مدّت کا نقطۂ اختتام ۱۲ ر ربیع الاوّل ۴۱ھ ہے۔ ۱۱ھ + ۳۰ = ۱۲ ر ربیع الاوّل ۴۱ھ بایں طور حضرت امام حسن کی مدّت خلافت ۵ ر ماہ ۲۱ ر دن ہے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملوکیت سے دست برداری کے صلح نامہ پر اپنے دستخط ۲۵ ر ربیع الاوّل ۴۱ھ کو ثبت فرمائے تھے اور یوں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۱۳ ر دنوں تک مملکت اسلامیہ پر حکومت کر کے ملوکیت سے دستبرداری کی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت سے دستبرداری نہیں کر سکتے تھے کیونکہ نبی خاتم الانبیاء والمرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۂ سوم کو عزّت کی قمیص یعنی خلعت خلافت اُتارنے سے منع فرمایا تھا۔ تیرہ دنوں کا عرصہ صلح کی تیاری میں لگا۔ اس طرح آپ صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ''یار''یعنی خلفاء کی تعداد چار نہیں پانچ ہے۔

خاقانی نے ''تحفۃ العراقین'' میں ایک مقالہ کے تحت مختلف عنوانات قائم کر کے متعدد نعتیں لکھی ہیں۔اس نے ایک مثنوی حکیم سنائی کی ایک نعتیہ مثنوی سے متاثر ہوکر لکھی ہے، جوکہ ایک دیدہ زیب مثنوی ہے۔اس نے اپنی ایک معراجیہ مثنوی میں سب سے پہلے براق نبوی پر طبع آزمائی کی ہے،اس کی یہ مثنوی ''تحفۃ العراقین'' میں مشمول ہے۔

خاقانی سے پیشتر نعتیہ اشعار میں سگ اور اس کے خواص ولوازم کا ذکر نہیں ملتا اور جہاں تک نعتیہ اشعار میں کتے کو موضوع سخن بنانے یا اسے مشبہ بہ یا مستعار منہٗ بنا کر منظّم نعت کہنے کا مسئلہ ہے،تو یہ بات مسلّم ہے کہ خاقانی نہ صرف یہ کہ اس طرز کا موجد ہے، بلکہ وہ اس کا خاتم بھی ہے۔شاعر موصوف نے اپنی اس شعری کاوش میں ''دم لابہ''''قلادہ''''سگِ تازی''''صید''''نخچیر''''پاسبانی'''' کشیدۂ درجل''''کشیدہ از سر دل''''چرب تر''''نجس''''پاک''''سنگ زنی''''سنگ اسیر فرماں'''' حلقہ''''زنجیر''''سگ آدمی صفت باز''وغیرہ تراکیب واصطلاحات جمع کر کے ایک عمدہ سگ نامہ تیار کیا ہے بالخصوص شاعر نے موافق ماحول پیدا کر کے اپنے کو''سگ صفت باز'' کہہ کر موضوع کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا ہے۔اس سگ نامہ سے صرف آٹھ اشعار ہدیۂ قارئین ہیں:

هستم سگکی ز جنس جستہ — بر شاخ گل ہوات بستہ
از مدح تو با قلادہ بدر — زنجیر وفا بحلقم اندر
نکنم دم لابہ بر در کس — پیشش تو کنم، اگر کنم بس
خود را بقبول رایگانت — بستم بطویلہ سگانت
بختم نہ بود دولتے عجب داد — گر دون سگ نازیم لقب داد
احسنت شہا کہ پیش فرما — تازی سگ تست پاری خواں
ہر صید کہ چرب تر شمارم — زندہ بدر ثنات آرم
آں شیر دلاں کہ نطق دارند — خاقانی را سگ تو خوانند

(تحفۃ العراقین،صفحات ۱۴۳،۱۴۴،۱۴۵)

خاقانی کے قصائد کی بحریں عموماً طویل ہوتی ہیں۔اس نے مضارع مثمن اخرب مکفوف، مضارع اخرب، مکفوف، رمل مثمن مقصور، ہزج مثمن سالم، مضارع مثمن محذوف، مضارع مثمن مکفوف، رمل مثمن محذوف، رجز مکسوف، مطوی موقوف، رمل مخبوں مقطوع، رمل مثمن مقصور، مجتث

مثمن، قصور، مخذوف، مجتث محذوف، مجتث مثمن مقسور، مضارع مثمن اخرب مکفوف، منسرح مطوی مکفوف بحروں میں طبع آزمائی کی ہے۔

مثال میں چند نعتیہ قصائد کے مطلعے مع ارکان رقم ذیل ہیں:

ہر صبح سر ز گلشن سودا بر آورم — وزصور آہ بر فلک آوا بر آورم
مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات — دوبار

شب رواں چوں رخ صبح آئینۂ سیجا بینند — کعبہ را چہرہ دراں آئینہ پیدا بینند
فاعلاتن، فعلاتن فعلاتن فعلان — دوبار

صبح دارم کا فتابی در نہاں آوردہ ام — آفتابم کز دمِ عیسیٰ نشاں آوردہ ام
فاعلاتن، فاعلاتن، فاعلاتن فاعلات — دوبار

قحط وفا است در نبۂ آخر الزماں — ہاں اے حکیم پردۂ عزت بسازہاں
مفعول فاعلات مفاعیل فاعلات — دوبار

ہر صبح پای صبر بدامن در آورم — پر کار عجز گرددل و تن در آورم
مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن — دوبار

جوش صورت بردکن درصف مرداں دراز — دل طلب کز دار ملک دل تواں شد بادشاہ
فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن — دوبار

زد نفس سر بمہرہ صبح طمع نقاب — خیمۂ روحانیاں گشت معنبر طناب
مفتعلن فاعلن مفتعلن فاعلن — دوبار

مقصد اینجاست نداری طلب اینجا شنوند — بختیاں را جرس صبحدم آوا شنوند
فاعلاتن فعلاتن فاعلات فعلن — دوبار

صبحدم چوں کلہ بند د آہ دود آسائے من — چوں شفق درخوں نشیند چشم شب پیائے من
فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن — دوبار

عروس عافیت آنگہ قبول کرد مرا — کہ عمر بیش بہا دادہش بشر بہا
مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلن — دوبار

سر بر فقر ترا سر کشد بتاج وفا — تو سر بجیب ہوس درکشیدہ اینت خطا
مفاعلن، فعلاتن، مفاعلن فعلات — دوبار

ای پنجہ توبہ کوفتہ در دار ملک ولا لا بر چہار مالش وحدت کشد ترا
مفعول فاعلاتن فاعیلن فاعلن دوبار
سنّت عشاق چیست برگ عدم ساختن گوہر دل از تف بجمد غم ساختن
مفتعلن فاعلن مفتعلن فاعلن دوبار
طفلی ہنوز بستہ بہ گہوارہ فنا سرحدُن زماں شوی از ہمہ جدا
مفعول فاعلاتن مفاعیل فاعلن دوبار

اس نے اپنی ایک نعتیہ کاوش ترجیع بند کی شکل میں کہی ہے، جس کی بحر، بحر ہزج سالم مثمن ہے، پہلے بند کا مطلع ہے:

دلا از جان و جاں تا کی بکی جویاں جاناں شو چوں سلطاں اوست بر جانہا غلام خاص سلطاں شو
مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن دوبار

سابقہ معروضات کی بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ خاقانی کی نعتیہ شاعری میں زہد وعزلت دینداری و شیفتگیِ عشق اور وفور جذبات کا برملا اظہار ہے۔ اس نے ہر جگہ روحانیت اور ایمان کی بنیادی اہمیّت پر زور دیا ہے۔ وہ سدا حکمت یزداں کو حکمت یوناں پر ترجیح دیتا ہے۔ جہاں تک نگارش اسلوب کا سوال ہے، اس نے اپنی کاوشوں میں مختلف مذہبی و نیم مذہبی، تاریخی، فقہی، طبّی و فلکی، ہیئتی و منطقی، اصطلاحات جمع کر کے، انہیں دقیق بنا دیا ہے۔ الفاظ میں شکوہ، کلام میں پختگی، بیان میں زور، فکر میں لطافت، تخیّل میں بلندی، تشبیہات واستعارات میں ندرت، فکر میں صلابت، طرزِ اظہار میں خلوص اور اسلوب میں بداعت ہے نیز صنائع و بدائع کا استعمال فطری ہے۔ واقعہ نگاری، مرقع نگاری، منظر نگاری، جذبات نگاری، میں صداقت، لہجے میں قناعت وسنجیدگی اور جوش میں واقفیت نے اس کی نعتیہ کاوشوں میں ایک خاص قسم کی شان پیدا کر دی ہے۔ اس کی تشبیہات واستعارات میں تحرک وتموج ہے اور وجہ شبہ عموماً کئی چیزوں سے حاصل ہوتی ہے تشبیہات زیادہ تر مرکّب ہوتی ہیں، اسے علم معانی و بیان اور صنائع وبدائع پر حاکمانہ قدرت حاصل ہے۔ عصری حالات، مذہبی معلومات، قرآنی آیات اور اسلامی واقعات، انبیائے سابقہ اور امم ماضیہ کے قصص و واقعات اور ان کے متعلقات سے کماحقہٗ واقفیت کے بغیر، ان کی نعتیہ کاوشوں کو سمجھنا دشوار اور بسا اوقات ناممکن ہو جاتا ہے۔ سریانی وعبرانی اصطلاحات، نصرانی عقائد مذہبی کتب مقدسہ توریت، زبور وانجیل کے حوالوں نے بھی اس کے کلام کو عام قاری کی علمی سطح سے کافی اوپر اُٹھا دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وقیع علمی وادبی، دینی وتاریخی معلومات

بغیر، اس کے کلام سے کماحقہٗ مستفید ہونا مستبعد ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے قاری کی دانشمندی اور سخن شناسی کا قدم قدم پر امتحان لیتا ہوا نظر آتا ہے، جیسا کہ وہ خود اپنے ایک شعر میں کہتا ہے:

بادشاہ نظم و نثرم درخراسان و عراق   کاہل دانش راا ز ہر لفظ امتحاں آوردہ ام

(کلّیات خاقانی، ج۱، ص۲۱۷)

خاقانی کی نعتوں میں مضامین کے اعتبار سے کافی وسعت ہے۔ اس نے نعت میں رنگا رنگ مضامین داخل کئے۔ اس نے نعتیہ کاوشوں کے ضمن میں پند و نصائح اور اخلاقی تعلیمات بھی دی ہیں۔ اس میں دینداری کا جذبہ کافی شدید تھا۔ وہ ظاہر پرستی، تلبیس اور تملّق سے دور بھاگتا اور حق پرستی کی دعوت دیتا ہے، اس نے نعت کی ساخت میں بھی وسعت پیدا کی، اس میں خود شناسی بھی اعلیٰ پیمانہ کی تھی۔ اس نے بجا طور پر کہا ہے:

ہم نعت حضرت نبوی کاں نکوتر ست   کیں لعل ہم بطوق بکہ فرق در آورم

(کلّیات خاقانی، ج۱، ص۲۰۴)

☆☆☆

انور بھدرکی (بنگلور)

''دبستان نعت'' کے اداریے
(گزشتہ چھ اداریوں کا لیکھا جوکھا)

'' دبستان نعت'' زیرِ نگرانی-جناب فیروز احمد سیفی، اور جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری کی ادارت میں جنوری 2016 سے منظر عام پر آ کر دنیا بھر کے قارئین کی داد وتحسین حاصل کر چکا ہے۔اب تک اس رسالے کے چھ شمارے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ ہماری دلی دعا ہے کہ اس کا سلسلہ چلتا رہے۔سارے رسالے مجھے دستیاب ہوئے ہیں جس کے لئے میں جناب فیروز احمد سیفی اور ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب کا ممنون ومشکور ہوں۔

یہ میری عادت میں شامل ہے کہ جب بھی کوئی رسالہ اٹھاتا ہوں سب سے پہلے اداریہ پڑھتا ہوں۔جس انداز میں ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب نے اپنے اداریے کے ذریعے اپنی بات رکھنے کی کوشش کی ہے وہ صرف قابلِ تعریف ہی نہیں ہے بلکہ قابلِ تحسین وقابلِ تعظیم تو ہے ہی قابلِ تقلید بھی ہے۔انہوں نے اداریے کو اس انداز میں لکھا ہے کہ چھ رسالوں میں کس اداریے کو اچھا کہا جائے اس کے لئے میں نے ہر اداریہ کو کئی بار پڑھا لیکن کس اداریہ کو اچھا کہوں سمجھ سے پرے ہے۔پھر بھی اتنا ضرور کہوں گا کہ ہر اداریہ کا Taste اپنی جگہ قائم ہے اور ایک دوسرے سے بہتر بھی۔

ڈاکٹر سراج احمد قادری کے اداریے کو دو ٹکڑوں میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا حصہ ان کے نقطہ نظر پر مشتمل ہے اور دوسرے حصے میں، رسالے میں شامل ایک ایک مضمون پر انہوں نے کھل کر اپنی رائے رکھا ہے۔جو کہ میں نے کسی اور رسالے کے اداریے میں کم دیکھا ہے۔ایک ایک مشمولات کا تجزیہ نہایت دیانتداری سے کیا ہے۔یہی انوکھا پن انہیں ایک قابل فہم مدیر کی صف میں کھڑا کرتا ہے جس کے لئے مبارکباد کے مستحق تو ضرور ہیں۔اخبار اور رسالوں کے اداریے میں فرق کو بڑی آسانی

سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ ایک اچھا اداریہ قارئین کو موجودہ واقعہ اور مسائل پر مختلف نقطۂ نظر فراہم کرنے میں مدد کرتا ہے اور یہ فیصلہ کرنے میں معاون ہوتا ہے کہ کون سا نقطۂ نظران کے لئے ذاتی طور پر معنی رکھتا ہے۔

اداریہ کی اہمیت:

(۱)- اداریہ کا بنیادی مقصد قارئین کو ایسے مسائل کے بارے میں نقطہ نظر سے آگاہ کرنا ہے جن کا شاید اشاعت میں کسی اور جگہ پر گہرائی سے احاطہ نہیں کیا گیا ہو۔

(۲)- اداریہ کا مقصد صرف خبر دینا نہیں ہے۔ زیادہ تر لوگ خبروں سے زیادہ چاہتے ہیں۔ وہ معلومات اور تبصرہ بھی چاہتے ہیں۔ اس طرح اخبارات اور رسالے اپنے قارئین کو ایسے اداریے فراہم کرتے ہیں جو قومی یا مقامی مفاد کے مسائل پر اپنی رائے دیتے ہیں۔ لیکن رسالوں کی بات کچھ الگ ہے۔ رسالوں میں پالسی پر بحث ہوتی ہے۔

(۳)- اداریے Liberal یا قدامت پسند نقطہ نظر سے لکھے گئے ہوں تو بہتر ہے۔ اداریے ہمارے ارد گرد رونما ہونے والے موجودہ مسائل، حکومتی پالسیوں اور پروگراموں کے بارے میں معلومات فراہم کرتے ہیں جو سیاست کے بارے میں جاننے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔ اگر کوئی زیادہ دلچسپی نہیں رکھتا ہو پھر بھی اداریہ اسے باہر کی دنیا کے بارے میں آپ ڈیٹ کرتا رہتا ہے جو بہت سے لوگوں کے لیے ایک دلچسپ سیکشن بھی ہے۔

(۴)- جیسا کہ اداریے مدیر کے ذریعے لکھے جاتے ہیں تاکہ قارئین کو سمجھایا جا سکے کہ کسی مسئلے کا ایک رُخ دوسرے سے بہتر کیوں ہے۔ قارئین اداریوں سے اختلاف کرسکتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ انہیں اپنے نقطہ نظر کے علاوہ کسی اور نقطہ نظر کی وضاحت نہیں دی گئی۔

(۵)- ایک اچھا اداریہ رائے ساز، مصالحتی اور متوازن ہوتا ہے۔ پہلا معیار یہ ہے کہ ایک اچھا اداریہ رائے ساز ہوتا ہے اور ایک معروضی تجزیہ کی مانند بھی۔ اس میں لازمی طور پر مدیر کی اپنی رائے کا اظہار بھی ضروری ہے۔ مدیر کو تنقیدی طور پر تجزیہ کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور مختلف آراء، تجزیوں اور شواہد کو تلاش کرنا چاہئے۔ اسے کسی مسئلے پر ایک تازگی بخش نقطہ نظر پیش کرنا چاہئے تاکہ جب تحریروں پر رائے دی جائے تو توازن برقرار رکھا جا سکے اور واقعات و متضاد آراء کے معروضی تجزیہ کی بنیاد پر نقطہ نظر مرتب کرنے کی کوشش ہو۔ ایک اچھا اداریہ متوازن ہوتا ہے۔ اس سے مدیر کے متوازن نظریے کا بھی بخوبی پتہ چلتا ہے۔

(۶)-یقیناً اداریہ روایتی انداز میں ادبی زبان میں لکھا جاتا ہے۔اداریہ اپنی مثال آپ ہونا چاہئے۔فکر زبان سے مزین ہوسکتی ہے، اس میں ڈوبی ہوئی نہیں۔جیسے کہ خوبصورت لباس میں کسی خاتون کی خوبصورتی ابھر سکے نہ کہ خاتون کی خوبصورتی لباس میں ڈوب جائے۔زبان کو لوازمات کے بطور استعمال ہی اداریے کو ابھارتی ہے اور اداریے میں کشش بھی پیدا کرتی ہے۔

ادارتی تحریر کی خصوصیات:

اداریہ ایک ایسا مضمون ہوتا ہے جو کسی مسئلے پر اخبار یا رسالے کی رائے کو پیش کرتا ہے۔ٹھیک ایک وکیل کے انداز میں مدیر ایک دلیل استوار کرتا ہے اور قارئین کو اسی انداز میں سوچنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اداریے کا مقصد رائے عامہ کو متاثر کرنا اور تنقیدی سوچ کو فروغ دینا بھی ہوتا ہے۔بعض اوقات لوگوں کو اس مسئلے پر غور و فکر کرنے کی دعوت بھی دینا ہوتا ہے۔خلاصہ یہ کہ اداریہ کسی رائے کو ابھارنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔ایک اچھے اداریے میں یہ ساری چیزیں ہونی چاہئے، جیسے:

(۱)-اور مضامین کی طرح اداریے میں بھی تعارف، متن اور اختتام ہونا لازمی ہے۔

(۲)-مسئلے خصوصاً پیچیدہ مسائل کی معروضی وضاحت ضروری ہے۔

(۳)-مدیر کا اپنا نظریہ اور بروقت خبروں کا پہلو در پہلو اور زاویہ در زاویہ تشریح کا ہونا۔

(۴)-مخالف نقطۂ نظر سے براہ راست تردید ہونی چاہئے۔

(۵)-مدیر کی رائے پیشہ ورانہ انداز میں پیش کی گئی ہونی چاہئے۔

(۶)-اداریے میں مسائل شامل ہوتے ہیں نا کہ شخصیت بلکہ نام نہاد اوچھے ہتھکنڈوں سے گریز ضروری ہے۔

(۷)-اداریہ، تعمیری تنقید اور حل پیش کر کے حالات کو بہتر بنانے میں مددگار رہنا چاہئے۔

(۸)-ایک اچھا اداریہ جامع اور ٹھوس نتیجہ ہوتا ہے جو مدیر کے رائے کا مضبوط طریقے سے خلاصہ کرتا ہے۔

اداریوں کی قسمیں:

(۱)-وضاحتی اور تشریحی: مدیر کسی مسائل اور کوشش کو تشریحی انداز میں اور وضاحت کے ساتھ پیش کرتا ہے۔تشریحی اداریہ اس کی وضاحت کرتا ہے کے خبروں کی تقریب یا موجودہ مسائل میں کس خبر کو اہم سمجھا جاتا ہے۔یہ خبروں کی مرکزی کردار، عوامل، کئے گئے اقدامات اور دیگر تفصیلات جیسی

معلومات پر روشنی ڈالتا ہے۔اس میں حقائق اور اعداد وشمار کی بنیاد پر تشریح کی گئی ہوتی ہے۔اس طرح کے اداریے میں ذاتی رائے بیان نہیں کیئے گئے ہوتے ہیں۔

(۲)-تنقیدی: ایسے اداریے حالات اور مسئلے پر تعمیری تنقید کرتے ہیں اور ان کے حل فراہم کرتے ہیں۔اس طرح کے اداریے میں خبر کی اچھی اور بری خصوصیات کو مدیر اپنے نظریے سے پیش کرتا ہے۔جس میں بعض اوقات آخر میں مدیر مسئلے کا حل بھی شامل کرتا ہے۔لیکن یہ اس کے اپنی رائے ہوتی ہے نہ کہ عام رائے۔

(۳)-ترغیبی: ایسے اداریے میں شروع سے ہی قارئین کو مخصوص اور مثبت اقدام کی ترغیب دی جاتی ہے۔

(۴)-تعریفی: ایسے اداریے لوگوں اور تنظیموں کی تعریف کرتے ہیں جو تعریف کے مستحق ہوں۔آجکل اسی طرح کے اداریوں کی بھرمار ہے جس میں مصلحت پسندی سے کام لیتے ہوئے مدیران کسی خاص تنظیم یا پھر کسی خاص بااثر یا رسوخ دار شخصیت کی تعریف وتوصیف سے کام لیتے ہیں۔

(۵)-تفریحی: تفریحی اداریے وہ ہوتے ہیں جن میں ان موضوعات کو شامل کیا جاتا ہے جو قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوتے ہیں۔ایسے موضوعات جو فطرتاً ہلکے پھلکے ہوں اور تفریح کے طور پر محظوظ کرتے ہوں۔

اداریوں کو اخبار اور رسالے کا دل اور روح سمجھا جاتا ہے۔ادارتی مضمون کے بغیر اخبار یا رسالہ ادھورا مانا جاتا ہے۔اس میں مدیر نہ صرف اپنا نقطہ نظر بیان کرتا ہے بلکہ موضوعات پر تنقید اور تعریف بھی کرتا ہے۔اداریہ ہلکا پھلکا، دلچسپ، فکر انگیز ہونا چاہئے اور اس میں ایک وقت میں ایک ہی موضوع کو زیرِ بحث لایا جانا چاہئے۔اداریے کو اخبار یا رسالے کی پالیسیوں کا عکس بھی کہا جاتا ہے۔یعنی اگر کوئی مدیر اداریہ لکھ رہا ہے تو عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ اخبار یا رسالے کا نظریہ ہے۔اداریوں کو متاثر کن اور تحریکی بھی سمجھا جاتا ہے۔اداریہ اخبار یا رسالے کی اقدار اور پالیسیوں کو ظاہر کرتا ہے۔اس لئے ان مضامین کی معروضیت کی اہمیت کو مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

اردو میں صحافت کی تاریخ زیادہ قدیم نہیں ہے۔تقریباً اردو صحافت کی دوسو سالہ تاریخ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اردو صحافت کے ساتھ ساتھ اداریہ نویسی کی تاریخ بھی اتنی ہی رہی ہے۔لیکن پہلے پہل اردو صحافت میں اداریہ نویسی کو اتنی سنجیدگی سے نہیں لیا گیا۔زیادہ تر رسائل وجرائد کے اداریے تعریف وتعارف تک محدود رہے۔ بعد میں اس کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے کچھ مدیران نے اداریہ کو سنجیدگی

سے لیا اور معیار میں بھی بڑی حد تک تبدیلیاں ہوتی گئیں۔

اداریہ کی نوعیت دراصل کسی مضمون یا مقالے کی مانند ایک عام فہم تحریر ہی ہوتی ہے۔ رسالوں میں کتابی سلسلہ یا پھر خاص نمبروں میں کئی صفحوں میں اداریے لکھنے کا چلن چل پڑا ہے۔ اداریہ نویسی کے تعلق سے جناب ابرار رحمانی اپنی کتاب ''اداریہ نویسی اور میرے اداریے'' میں فرماتے ہیں:

> ''اداریہ کسی اخبار یا میگزین کے ایڈیٹر کی اپنی رائے ہوتی ہے۔ یہی وہ کالم ہے جس میں ایڈیٹر اپنی بات قارئین کے سامنے رکھتا ہے۔ جس کے جواب میں قارئین اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہیں۔ جس کی روشنی میں ایڈیٹر اپنے رسالے میں خوبی وخامی کا محاکمہ کرتا ہے اور حسب ضرورت اس کی اصلاح کی سعی کرتا ہے۔ اس طرح کسی رسالے کا اداریہ ایڈیٹر کا اپنا کالم ہوتا ہے جب کہ مراسلات قارئین کا کالم ہوتا ہے۔ کسی بھی رسالے کے لئے یہ دو ایسے کالم ہیں جن پر اڈیٹر اور قارئین آمنے سامنے ہوتے ہیں اور جہاں افہام وتفہیم کا بھرپور موقع فراہم ہوتا ہے۔ اگر ایڈیٹر سمجھدار ہو تو اپنے قارئین کے جذبات اور احساسات کو سمجھ کر ان کے مطالبات اور شکایات دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ قارئین بھی اپنی پسند و ناپسند کا اظہار کر کے اپنے ذوق کی تسکین کرتے ہیں۔''

(اداریہ نویسی اور میرے اداریے-از: ابرار رحمانی-ص:13-12)

جہاں تک ''دبستانِ نعت'' کی اداریہ نویسی کی بات ہے ان میں وہ سارے لوازمات شامل ہیں جو ایک اچھے اداریے میں ہونی چاہئے۔ چونکہ شمارہ جنوری تا جون 2016 ''دبستانِ نعت'' کا پہلا شمارہ تھا اس غرض سے ڈاکٹر سراج احمد قادری نے نہایت پُرخلوص انداز میں رسالے کو جاری کرنے اور اپنی پالسی کی بابت بات کرتے ہوئے تین باتوں کو پیش کیا ہے۔ جس سے رسالے کی مقصدیت ابھر کر سامنے آتی ہے۔ جو اس طرح ہیں:

> (۱)-''اس مجلّے کو پیش کرنے کا ہمارا بنیادی مقصد حمد ونعت کے فروغ وارتقاء کے حوالے سے ادبا، شعراء اور محققین کی ان کاوشوں سے اہلِ علم کو روشناس کرانا ہے جو اب تک ناقدینِ ادب کی نگاہِ توجہ سے محروم رہی ہیں۔''
>
> (۲)-''آج بھی اردو زبان وادب کا گراں قدر سرمایہ مخطوطات کی شکل میں یونیورسٹیز اور دیگر کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔ انہیں مخطوطات میں

نعتیہ ادب کے گلِ سرسبد شعرائے کرام کے مسوّدے اور بیاضیں بھی ہیں جن کو اب تک اہلِ علم کے درمیان متعارف نہیں کرایا جا سکا۔ ہماری کوشش ہے کہ ان تک رسائی کر کے منصۂ شہود پر لا کر اہلِ علم و فن کے درمیان متعارف کرایا جائے جس سے کہ نعت کی عظمت کی جیوتی اُن کے دلوں کو جگمگا سکے، اور وہ اس عظیم فن کی جانب متوجہ ہو سکیں۔''

(۳)۔''جب ہم اپنے گرد و پیش اور ماضی کے دریچوں میں جھانک کر دیکھتے ہیں تو ہمیں ایسے نعت گو شعرائے کرام اور نعتیہ ادب پر لکھنے والے دکھائی دیتے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو فروغِ نعت کے لئے وقف کر رکھا تھا یا وقف کر رکھا ہے۔ مگر افسوس صد افسوس کہ اس کے باوجود اہلِ علم و ادب کی نگاہِ توجہ آج تک ان پر نہ پڑ سکی یا ابھی تک وہ ان کی نظروں سے اوجھل ہیں۔....ایسے ہی اہلِ فن کی نمایاں تصویر آپ اس جریدے کے 'گل ہائے عقیدت' میں ملاحظہ کریں گے۔ ہمارے منشور میں ایسے تمام نعت گو شعراء اور قلم کاروں کی تخلیقات کو ناقدینِ ادب کی پارکھ نظروں سے گزار کر اُنکا ادبی مقام و مرتبہ متعین کرنا ہے۔'' (دبستانِ نعت-شمارہ جنوری تا جون 2016-ص:9)

ڈاکٹر سراج احمد قادری کا پہلا اداریہ 400 صفحات کے رسالے میں 9 صفحات پر مشتمل ہے۔ جس میں انہوں نے رسالے کو جاری کرنے کے مقاصد کو مفصل انداز میں واضح کیا ہے۔ اور اج تک ان وعدوں کو برلانے کی کوشش میں پیہم کوشاں ہیں اس کے دوش بدوش رسالے کی معیار کو بلند تر کرنے میں بھی کامیاب و کامران رہے ہیں۔ یہ ایک خوشی کا مقام ہے کہ یہ رسالہ اپنی نوعیت کا واحد رسالہ ہے جس میں صرف اور صرف حمد، نعت، مناجات، سلام اور اسی طرز کی منظومات اور انہیں سے سروکار رکھنے والے مضامین ہی شامل کئے جاتے ہیں۔

اپنے مقصد کا اظہار کرنے کے بعد ڈاکٹر سراج احمد قادری نے نعت کے تعلق سے چند باتیں تحریر کی ہے بعد ازاں انہوں نے رسالے میں شامل چھ ابواب کے تعلق سے تفصیلی گفتگو کی ہے اور سارے مقالہ نگاروں کا تعارف کراتے ہوئے ان کی منظومات اور ان کے مضامین پر روشنی ڈالنے کی کوشش قابلِ تعریف ضرور ہے۔

اس شمارے کی خاصیت یہ رہی ہے کہ اپنی پہلی کاوش سے ہی ڈاکٹر صاحب نے نعت کو ایک

الگ صنف کے طور پر اردو ادب میں جگہ دلانے کے در پے رہے ہیں اور ہر شمارے میں انہوں نے کہیں نہ کہیں اس پر بحث کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں:

''نعت ایک ادبی صنف ہی نہیں کہ جس میں معنی و بیان کے ساتھ اوزان وبحور کی پابندی ہی کافی ہے بلکہ نعت ایک تہذیب، ایک ثقافت، ایک کلچر، ایک صالح فکر اور شعور وادراک کا نام ہے جس کا حکم ہمیں اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیا ہے''

(دبستانِ نعت-شمارہ ۶، جنوری تا دسمبر 2021-ص:9)

حتی الامکان رسالہ ''دبستانِ نعت'' جاری کرنے کا مقصد ہی حمد اور نعت کو اس عروج تک لے جانا ہے جہاں آج تک کسی بھی صنفِ ادب کی رسائی نہیں ہوئی ہے۔ جناب فیروز احمد سیفی کی اعلیٰ ظرفی، ڈاکٹر سراج احمد قادری کی کاوشِ پیہم کا ثمرہ ہے کہ ''دبستانِ نعت'' کو دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی نصیب ہوئی ہے۔ ملک اور بیرونِ ملک میں اس رسالے کو نہ صرف خلوص سے پڑھا جا رہا ہے بلکہ دن بدن قلم کاروں کی بڑھتی ہوئی تعداد اس کی پزیرائی اور معیار کی تصدیق ہے۔ اس رسالے کی پشت میں ''نعت ریسرچ سینٹر (انڈیا)'' کا ہونا بھی اپنے آپ میں ثبوت ہے کہ اس رسالے کا مقصد ہی حمد و نعت کو اوج ثریا سے پرے لے جانا ہے۔

شمارہ نمبر ۲ جنوری - دسمبر 2017 جو 767 صفحات پر مشتمل ہے اور اس ضخیم رسالے میں اداریے کی غرض ڈاکٹر سراج احمد قادری نے 11 صفحات کا انتظام کیا ہے۔ اس اداریے کو تین خانوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلے حصے میں انہوں نے پھر سے رسالے کو جاری کرنے کے مقاصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ہم مجلّہ 'دبستانِ نعت' اور نعت ریسرچ سینٹر (انڈیا) کے پلیٹ فارم سے پوری دنیا میں بود و باش اختیار کرنے والے محبان رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قدر کرتے ہیں۔ ان کو پلکوں پہ بٹھانا وجہ صد افتخار سمجھتے ہیں۔ ہماری یہی خواہش ہے کہ نعت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اجالا اکناف عالم میں اس طرح پھیلے کہ ہر گھر اور ہر روح اسم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نور سے روشن و منور ہو جائے:

دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے''

(دبستانِ نعت-شمارہ جنوری تا دسمبر 2017-ص:12-11)

اس اداریے کی دوسری خاصیت ڈاکٹر سراج احمد قادری کا وہ اعلان ہے جس میں انہوں نے نعت کو یونیورسٹی کے نصاب میں شامل کیا جانے کے تعلق سے کیا ہے۔ جو اپنے آپ میں کم فخر کی بات نہیں ہے۔اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نصابی طور پر بھی اس صنف کو ایک الگ فن کا درجہ دیا جا چکا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بڑی یونیورسٹیز اس طرف قدم بڑھائیں اور اس پر کام کرنے کی کوشش کریں۔فرماتے ہیں:

> ''مجھے نعت کے ارتقائی فروغ کے حوالے سے اپنے قارئین کرام کو یہ خبر دیتے ہوئے دلی خوشی کا احساس ہو رہا ہے کہ ابھی تک ہم اس بات سے نا بلد تھے کہ نعت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہندوستان کی کسی یونیورسٹی میں شامل نصاب بھی ہے مگر مجلّہ 'دبستانِ نعت' کی ترسیل وابلاغ کے دوران یہ بات معلوم ہوئی کہ دین دیال اُپادھیائے (گورکھ پور یونیورسٹی- گورکھ پور) کے ایم-اے(اردو) میں نعت بطور نصاب شامل ہے۔ نصاب (Syllabus) کے فرسٹ Semester کو یونیورسٹی ویب سائٹ سے ڈاؤن لوڈ کر مجلّہ کے آخر میں شامل اشاعت کیا جا رہا ہے۔''(دبستانِ نعت-شمارہ جنوری تا دسمبر 2017-ص:15-14)

ڈاکٹر سراج احمد قادری نے نعت کو دوسرے یونیورسٹی کے نصاب میں بھی شامل کرنے کی اپیل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''ہم ہندوستان کے تعلیمی کمیشن (یونیورسٹی گرانٹ کمیشن) کے ذمہ دار عہدے داران سے عرض گزار ہیں کہ وہ نعت کے موضوع کو ہندوستان کی یونیورسٹیز میں شامل نصاب کئے جانے کے احکامات نافذ کریں۔ نیز یونیورسٹیز کے اساتذہ سے گزارش ہے کہ وہ نعت کے موضوعات پر زیادہ سے زیادہ تحقیقی مقالات قلم بند کرائیں اور سال میں کم از کم 'نعت' کے موضوع پر ایک سیمینار کا بھی انعقاد کرائیں جس میں دانشوران قوم و ملت نعت کے موضوع پر کھُل کر اپنے نقطۂ نظر کا اظہار کر سکیں۔اس طرح کے سیمینار اور کانفرنسوں کا انعقاد 'نعت' کے لئے نیک شگون ثابت ہو سکتے ہیں۔ ہمارا ادارہ بطور معاون ان کے شانہ بشانہ ہے۔''
>
> (دبستانِ نعت-شمارہ جنوری تا دسمبر 2017-ص:15)

اس شمارے کے اداریے کی تیسری خاصیت یہ ہے کہ ڈاکٹر سراج احمد قادری نے جہاں چند ایک مضامین کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔انہوں نے اپنے اداریے کے ذریعے'نعت ریسرچ سینٹر (انڈیا) کی کارگزاری کو بھی نہایت اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔بعدازاں انہوں نے مرزا افسر بیگ امروہوی، ظہیر غازی پوری، بیکل اتساہی اور ریاض حسین چودھری جیسے مایہ ناز نعت گوشعرا کی سانحاتی وصال پر ان کی ارواح طیبات کے حضور خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ان کے ادب کے تعلق سے تمہیدی گفتگو کرتے ہوئے ان کے تعلق سے مضامین بھی شامل اشاعت کیے ہیں۔

''دبستانِ نعت'' کا تیسرا شمارہ جنوری-دسمبر 2018 ہے جو کہ 640 صفحات پر مشتمل ہے ڈاکٹر سراج احمد قادری نے اداریے کے لئے 11 صفحات رکھ چھوڑی ہے۔اس شمارے میں بھی اس بات کا خلاصہ کیا گیا ہے کہ'نعت' نہ صرف دین دیال اپادھیائے-گورکھ پور یونیورسٹی (گورکھ پور) میں بطور نصاب شامل ہے بلکہ نعت روہیل کھنڈ یونیورسٹی (بریلی) میں ایم۔اے، اردو کے فرسٹ Semester میں شامل نصاب ہے۔اس اداریے کے ذریعے پھر سے انہوں نے یونیورسٹیز کے اساتذہ اور عہدیداران سے نعت کو اور یونیورسٹیز کے نصاب میں شامل کرنے کی اپیل کی ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کو ایک تحریک کی صورت دی جائے۔

اپنے رسالے کے تیسرے اداریے میں بھی ڈاکٹر سراج احمد قادری نے ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق ناگپوری، علامہ اختر رضا خاں اختر ازہری، ڈاکٹر اظہار مسرت یزدانی، مختار عاشق جون پوری، جیسے چند نعت گو ادیبوں کی سانحاتی وصال پر ان کی پاکیزہ ارواح کو خراج تحسین پیش کرنے کا فرائض انجام دیا ہے۔انہوں نے ان شعراء کے تعلق سے گفتگو کرتے ہوئے اچھی جانکاری سے نوازا بھی ہے۔

سب سے بڑھ کر اس شمارے کا اداریہ اس بات کے لئے قابلِ تعریف ہے کہ ڈاکٹر سراج احمد قادری نے اردو ادب کی تنقیدی اقسام کے ساتھ ساتھ نعتیہ تنقید پر بحث کرتے ہوئے تنقیدی اقسام کا خلاصہ کیا ہے۔فرماتے ہیں:

> ''ویسے تو میں نے حمد و نعت اور منقبت کی تنقید کے حوالے سے چند اقسام کا تعین کیا ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ ان اقسام پر سبھی کا اتفاق بھی ہو یہ ایک نقطۂ نظر یا سجھاؤ ہے اس میں ترمیم و تنسیخ کی پوری پوری گنجائش ہے، وہ نکات یہ ہیں۔(۱)-حمد و نعت کی شرعی تنقید (۲) -حمد و نعت میں استعمال روایت و واقعات کی تنقید (۳)-حمد و نعت میں استعمال ہونے والے الفاظ کی

تنقید(۴)-حمد و نعت کی فنی تنقید۔''

(دبستانِ نعت-شمارہ ۳، جنوری تا دسمبر 2018-ص:11)

بات یہیں ختم نہیں ہوئی ہے بلکہ ڈاکٹر سراج احمد قادری نے ایک قدم اور آگے جا کر ان تنقید کو اور بھی وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ جس سے ان کی علمی فصاحت، تحقیقی نقطۂ نظر اور تنقیدی شعور کا اندازہ گزرتا ہے۔ جس سے نعت پر ریسرچ اسکالر کو بڑی آسانی ہوگی اور یہ نعت کے ریسرچ پر ایک میل کا پتھر کی حیثیت کی حامل ہو سکتی ہے۔ اس پر مزید نظر ثانی کرتے ہوئے بہت کچھ کیا جا سکتا ہے اور بہت کچھ کیا جانا بھی چاہیے۔

''دبستانِ نعت'' کا شمارہ نمبر ۴، جنوری-دسمبر 2019 جو کہ 680 صفحات پر مشتمل ہے اور ڈاکٹر سراج احمد قادری نے اداریے کے لئے 10 صفحات مقرر کئے ہیں۔ اپنے اداریے میں انہوں نے نعت پر نہایت تفصیلی بحث کرتے ہوئے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ نعت نگاروں کو کس طرح رہنمائی کی ضرورت ہے۔ مثلاً

> ''نعت گوئی یا نعت خوانی کے تئیں ہمیں اپنی فکر اور نقطۂ نظر کو بدلنا ہوگا اس کی لفظیات، اس کے استعاراتی نظام کے آداب سے ہمیں کماحقہٗ شناسائی حاصل کرنی ہوگی خاص کر بارگاہ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جو آداب قرآن و حدیث نے ہمیں سکھائے ہیں وہ پیش نظر رکھنے ہوں گے بغیر اس کے حقیقی نعت نگاری نہیں ہو سکتی۔ یہاں تو محبت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پاک دامانی کے ساتھ جسم و روح کا باوضو رہنا بھی مشروط ہے۔
>
> نعت کی تخلیق، تحقیق اور تنقید کی حساسیت کو ہم اوج ثریا سے آگے لے جا سکتے ہیں اس کے لئے ہمارے اسلاف کے ادوار و اطوار ان کی نقوش فکر ہماری منزل کی رہنمائی کے لئے بے تاب ہیں، انہوں نے میدان نعت گوئی میں جن جہتوں اور سمتوں کی سراغ رسانی کر اس سفر کو آگے بڑھایا ہے ہمیں ان سے عروج و ارتقاء کی منزلیں صاف دکھائی دے رہی ہیں۔''

(دبستانِ نعت-شمارہ ۴، جنوری تا دسمبر 2019-ص:14)

نعت میں غلو کے مسئلے کو اجاگر کرتے ہوئے ڈاکٹر سراج احمد قادری اپنے اداریے میں یوں رقم طراز ہوئے ہیں:

''میرا اپنا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اگر نعت گو شعراء کے نعتیہ کلام میں کوئی لفظی یا معنوی لغزش در آتی ہے تو اس کا مطلب یہی سمجھ میں آتا ہے کہ نعت گوئی کے لئے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو تقرب شاعر کو درکار ہے وہ اُسے حاصل نہیں۔

اسی طرح نعت گوئی میں غلو کا مسئلہ بھی ہے، میری اپنی فہم وفراست میں غلو یا مبالغے کا حکم دیگر اصناف پر تو عائد کیا جا سکتا ہے مگر نعت پر نہیں، اس لئے کہ یہ اس سے ماورائی ہے بایں سبب کہ اس صنف سخن میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات اور اوصاف کو فکر کا موضوع بنایا جاتا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک باعث تکوین عالمین ہے۔ تو نعت میں مبالغہ کہاں سے اور کیسے ہو سکتا ہے۔ میری اپنی دانست میں نعت میں خلافِ شرع کلمے تو در آ سکتے ہیں مگر کسی شاعر کو یہ قدرت ہی نہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لئے مبالغہ کر سکے۔''

(دبستانِ نعت۔ شمارہ ۴، جنوری تا دسمبر 2019۔ ص:14)

''دبستانِ نعت'' کا شمارہ نمبر ۵، جنوری۔ دسمبر 2020 جو کہ 680 صفحات پر مشتمل ہے اور ڈاکٹر سراج احمد قادری نے اپنے اداریے کے لئے 10 صفحات مقرر کئے ہیں۔ دراصل اس شمارے کا اداریہ دو نقطۂ نظر کو لے کر لکھا گیا ہے۔ پہلا کہ چوتھے شمارے کے اداریے کے جواب میں کچھ مراسلات ملے جن کے جوابات اداریے کا پہلا حصہ ہے اور دوسرا نقطہ نظر نعت اور حمد کے افکار و رجحانات پر کچھ حد تک خلاصہ ہے اور انہوں نے ''مدینہ طیبہ'' کی عظمت و رفعت پر بحث بھی نہایت خلوص وعقیدت سے کی ہے۔ فرماتے ہیں:

''الغرض ایک عاشق رسول کے دل میں مدینہ طیبہ کی جو عظمت و رفعت ہے اس کا بیان لفظوں میں قطعاً نہیں کیا جا سکتا اس کی عظمت شان ہمارے احساس سے ماورا ہے مدینہ طیبہ کا ایک ایک ذرہ عاشقان مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کس درجہ عزیز ہے اس کے لئے ان کے دلوں میں کتنی تڑپ ہے اس کو صرف محسوس کیا جا سکتا ہے بیان نہیں کیا جا سکتا ہے۔

کونین میں وہ کون سی عظمت و رفعت ہے جو مدینہ طیبہ میں نہیں۔ اس

سے بڑی عظمت اور کیا ہوسکتی ہے کہ مدینہ طیبہ میرے آقا مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آخری آرام گاہ ہے۔ آپ کا جسد اقدس خاک مدینہ سے مس ہے۔ خاک مدینہ کو ہی یہ شرف حاصل ہے کہ جسم اطہر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے دامن اقدس میں پھولوں کے گجرے کی مانند سجا کر ناز برداری کر رہی ہے۔ مدینہ طیبہ کے وہ ذرات جو میرے آقا کے جسم اقدس سے مس ہیں عرش اعظم سے بھی افضل ہیں۔''

(دبستانِ نعت-شمارہ ۵،جنوری تا دسمبر 2020-ص:10)

حمد و نعت کے تناظر میں ڈاکٹر سراج احمد قادری کا نقطہ نظر خاصہ اصلاح کن ہے۔ اس بابت انہوں نے تمثیلات کے ذریعے تفصیلی انداز میں اپنے نقطہ نظر پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ قابل تعریف ہے۔ فرماتے ہیں:

''حمد و نعت کا فن اس کے افکار و رجحانات دیگر اصناف کے تناظر میں جدا گانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ حمد و نعت وہ اصناف ادب ہیں جو دیگر اصناف سے مختلف و جدا گانہ ہیں۔ جدا گانہ بایں طور کہ دیگر اصناف میں اعلیٰ اور معیاری شعر کہنے کے لئے اعلیٰ تخیل کی ضرورت ہوتی ہے اگر کوئی ناخواندہ انسان اعلیٰ تخیل کا شعور رکھتا ہے تو وہ اچھے شعر کہہ سکتا ہے۔ مگر نعت کے لئے اعلی تخیل کے ساتھ تبحر علمی بھی ضروری ہے صرف تخیلات کی سربلندی سے معیاری، اچھے نعتیہ اشعار نہیں کہے جا سکتے۔''

(دبستانِ نعت-شمارہ ۵،جنوری تا دسمبر 2020-ص:13)

ڈاکٹر سراج احمد قادری اپنے چوتھے شمارے کے اداریے کے تعلق سے یاد دہانی کراتے ہوئے اس پر کئے گئے ردِّ عمل پر تفصیلی جائزہ لیا ہے اور کچھ ایک اعتراضات کا خلاصہ بھی کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

'''دبستانِ نعت' کے چوتھے شمارے کے ادارئے میں میں نے نعت کے حوالے سے دو نظرئے پیش کئے تھے (۱) نعت میں مبالغہ آرائی (۲) نعت بہت مشکل فن ہے۔ ان دونوں نظریوں کو پیش کرنے سے قبل 'دبستانِ نعت کے تیسرے شمارے کے ادارئے میں حمد و نعت کی تنقید کی اقسام بندی کر کے اس کی چار قسمیں بیان کی تھیں۔ ان سے میرا مقصد حمد و نعت کی تحقیق و تنقید کو

آگے بڑھانا ہے نا کہ اپنی علمی برتری ثابت کرنا۔ مجھے اس بات پر مسرت ہو رہی ہے کہ میرے پیش کردہ نکات اربابِ علم و دانش کی فکر کا موضوع بن رہے ہیں۔''

(دبستانِ نعت-شمارہ۵،جنوری تا دسمبر 2020-ص:12)

اس کے جواب میں جو مراسلے ڈاکٹر سراج احمد قادری کو موصول ہوئے اس کا جواب اس انداز میں دیا ہے۔ جس سے ایک باوقار مدیر کے رول میں انہیں جگہ ملتی ہے۔ فرماتے ہیں:

''مگر چوتھے شمارے میں پیش کئے گئے دونوں نظریوں کے بارے میں دانشوروں کی جو آراء موصول ہوئی ہیں ان میں دو طرح کی ہیں اولاً زیادہ تر لوگوں نے لب کشائی سے چشم پوشی کی ہے، دوسرے کچھ لوگوں نے پہلے نظریے کو دبی زبان سے تسلیم کرتے ہوئے دوسرے نظریے 'نعت گوئی بہت مشکل فن ہے' سے اختلاف کیا ہے اور میرے اسے 'فرسودہ نظریہ' لکھنے پر چیں بہ جبیں بھی ہوئے ہیں۔ انہیں ہونا بھی چاہئے۔ وہ کیوں چیں بہ جبیں ہوئے ہیں میں وہ بھی جانتا ہوں مگر میں ان کی بارگاہوں میں نہایت ہی احترام کے ساتھ عرض کرنا چاہوں گا کہ تحقیق وتنقید کی دنیا میں نظریے تو پیش ہوتے رہتے ہیں۔ تحقیق وتنقید کی دنیا میں کسی بھی نظریہ کو آخری نظریہ نہیں قرار دیا جا سکتا ورنہ تحقیق وتنقید وہیں پر ٹھہر جائے گی۔''

(دبستانِ نعت-شمارہ۵،جنوری تا دسمبر 2020-ص:13)

ڈاکٹر سراج احمد قادری اپنے اداریے میں حمد ونعت کے لئے روایت ودرایت پر بحث کرتے ہوئے مزید تفصیلات فراہم کرتے ہیں اور یوں رقم طراز ہوئے ہیں:

''میری دانست میں حمد ونعت کے لئے روایت ودرایت اور اس کے ماخذ کا مستند ہونا لازمی ہے، اس لئے کہ شاعر جس عنوان کو اپنی فکر کا موضوع بنا رہا ہے اگر وہ غیر معتبر روایت پر مشتمل ہوگا تو اس سے سامع کی طبیعت مکدر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گی اور شعر بدمزہ ہو کر رہ جائے گا۔ دوسرے یہ کہ غیر معتبر روایت سے معاشرے میں ایک غلط چیز کے فروغ کا امکان بڑھ جائے گا۔ اس لئے حمد ونعت میں حفظ مراتب کی پاسداری کے ساتھ روایت کی

پاسداری بھی لازمی ہے۔''

(دبستانِ نعت-شمارہ ۵،جنوری تا دسمبر 2020-ص:15)

''دبستانِ نعت'' کا شمارہ نمبر ۶، جنوری-دسمبر !202 جو کہ 960 صفحات پر مشتمل ہے اورڈاکٹر سراج احمد قادری نے اپنے اداریے کے لئے 9 صفحات مقرر کئے ہیں۔اس اداریے میں انہوں نے خاص کر دو نظریے کو تفصیلاً بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔(ا) حمد و نعت کی اہمیت اور برتریت (۲) حمد و نعت کی شعر فہمی۔فرماتے ہیں:

(ا)''انسان رب تبارک تعالیٰ کی حمد وثنا سے شعوری یا لاشعوری طور پر جز و لا ینفک کی طرح وابستہ ہے اور یہ وابستگی ہونا بھی چاہئے اس لئے کہ جس ذات کریم نے ہماری تخلیق فرمائی ہے اس کا حق ہے کہ ہم اس کے حضور فکر و احساس کا اظہار کرتے رہیں جو شانِ بندگی کے ساتھ جان ادب بھی ہے۔

جس طرح ہم اپنی زیست میں رب تبارک وتعالیٰ کی ہر نعمت پر ظاہری یا باطنی طور پر اس کی حمد وثنا سے ہم رشتہ ہیں کہ ہمارا کوئی بھی عمل اس کی حمد وثنا سے خالی نہیں اسی طرح بعینہٖ نعت نبی کریم اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ہے کہ جہاں کہیں رب کریم کی حمد وثنا جلوہ فرما ہے وہیں پر نعت سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی جلوہ بار ہے جسے ہم کلمۂ طیبہ کے فلسفے سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں۔''

(دبستانِ نعت-شمارہ ۶،جنوری تا دسمبر 2021-ص:9)

جس طرح ڈاکٹر سراج احمد قادری نے نعتیہ تنقید کی جہتوں کا احاطہ کیا تھا اسی طرح حمد و نعت کی شعر فہمی،جس پر ابھی تک کام نہیں ہوا ہے،کام کئے جانے کی سخت ضرورت کو دھیان میں رکھتے ہوئے جس طرح نعتیہ تنقیدی اقسام تعین کیا ہے اسی طرح حمد و نعت کی شعر فہمی کی جہتیں اور سطحیں متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔فرماتے ہیں:

''شعر فہمی کی مختلف جہتیں اور سطحیں ہیں۔جیسے'غزل کی تفہیم کے لئے لغوی معنی کی اتنی اہمیت نہیں جتنی شعری روایت اور رمز و ایما کے آداب کی ہے۔' اسی طرح حمد و نعت کی تفہیم کی بھی کچھ سطحیں ضرور ہونا چاہئے میری دانست میں ان کا تعین تا ہنوز نہیں ہوسکا ہے میں نے ان کی درج ذیل جہتیں اور سطحیں متعین کرنے کی اپنی سی کوشش کی ہے مگر ان جہات یا سطحوں کو حتمی

بالکل نہیں قرار دیا جاسکتا ان کو کلیدی تو کہا جا سکتا ہے مگر حتمی نہیں، نیز ان میں ترمیم و تنسیخ کی بھی مزید گنجائش ہے۔

(۱)-الفاظ و معنی کا در و بست اور ان کی ترفعات۔

(۲)-قرآن و حدیث کا بلیغ علم اور اس کے اسرار و رموز سے واقفیت۔

(۳)-صحابۂ کرام سے لے کر عصر حاضر کے مستند حمد و نعت گو شعراء کے کلام کے امتیازی پہلوؤں سے بہرہ مندی۔''

(دبستانِ نعت-شمارہ ۶، جنوری تا دسمبر 2021-ص:11)

الغرض ''دبستانِ نعت'' کے سارے اداریے ایک اچھے اداریے کی ساری خوبیوں کے ساتھ جلوہ افروز ہیں۔ بیانیہ سادگی، لفظوں کا در و بست، اپنی رائے کو مدلل اور تفصیل کے ساتھ پیش کرنے کا تخلیقی انداز ڈاکٹر سراج احمد قادری کا اپنا ہے۔''دبستانِ نعت'' کی پالیسی حمد و نعت کے فروغ وارتقاء کے حوالے سے ادبا، شعراء اور محققین کی ان کاوشوں سے اہلِ علم کو روشناس کرانا ہے، اسی کو سامنے رکھ کر سارے اداریے لکھے گئے ہیں۔ اداریے میں انہوں نے جس دیانت داری، حق گوئی، بے باکی، غیر جانب دارانہ اور منصفانہ رویہ اپنایا ہے قابل تعریف ضرور ہے۔

یوں تو اداریہ کو رسالے کا چہرہ کہا گیا ہے۔ کہیں کہیں اداریہ کو رسالے کے دل سے بھی موسوم کیا گیا ہے تو کبھی رسالے کی روح اور نبض سے تعبیر کی گئی ہے۔''دبستانِ نعت'' کا اداریہ صحیح معنوں میں رسالے کا چہرہ ہی نہیں دل اور نبض تو ہے ہی جس میں رسالے کی روح کو محسوس کیا جا سکتا ہے۔

''دبستانِ نعت'' کا اداریہ پڑھتے ہوئے ایسا لگتا ہے جیسے جناب فیروز احمد سیفی اور جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری نے جاگتی آنکھوں سے حمد و نعت کو جس مقام تک لے جانے کے خواب سنجویا ہے اس کی حسین تعبیر ہمارے سامنے ہے اور ان کی وسیع و عمیق مطالعہ کی روشنی میں، طویل عرق ریزی کا عطر بیز اور تحقیقات عالیہ کا بیش بہا مرقع بصورت ''دبستانِ نعت''، ہماری آنکھوں کو روشن و منور، مسام جاں کو عطر بیز کر رہا ہے۔ تحقیق و تنقید کی جہتوں، سمتوں اور سطحوں کو ڈاکٹر صاحب نے جس صلاحیت، تندہی اور بیداری کے ساتھ پیش کرنے کی کوشش کی ہے آنے والے وقتوں میں محققین اور نقاد نہ صرف مستفیض ہوں گے بلکہ آنے والی نسلیں نئی راہیں تلاش کرنے میں بھی کامیاب ہوں گی۔

جناب فیروز احمد سیفی کی اعلیٰ ظرفی، ڈاکٹر سراج احمد قادری کی ادبی، دینی اور اصلاحی اداریہ سازی کا ثمرہ، رسالے کو بہتر سے بہتر بنانے کی کاوش کا نتیجہ، انتھک فنی عرق ریزی، بے پناہ تخلیقی لگن،

گہری تحقیقی انہماک، شراکت وسرگرمی، باشعور تنقیدی نظریہ ہے کہ ''دبستانِ نعت'' نہ صرف نہایت کم وقت میں عہد ساز رسالے کے بطور شناخت بنانے میں کامیاب ہوا ہے، ایک رجحان ساز رسالے کے درجے کو پار کر چکا ہے اور Global Arena میں ایک نظریہ ساز رسالے کے بطور اپنی حیثیت کو منوا بھی رہا ہے۔ ان ساری باتوں کے دوش بدوش رسالے کی پزیرائی میں قلمی تعاون فرمانے والے قلمکاروں کی انتھک کوشش کو بھی کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ کئی قلم کاروں نے جس علمی فطانت اور عرق ریزی کا ثبوت دیا ہے وہ بھی قابلِ تعریف ہے۔ آخر میں مجلس مشاورت کے سارے اراکین کو معیاری مجلّہ کے لئے مبارکباد۔ اچھی چھپائی کے لئے پریس کے اراکین بھی بدھائی کے مستحق ہیں۔

یوں تو رسالے کا تجزیہ ہوتا رہا ہے لیکن میری دانست میں نہیں ہے کہ خالص اداریہ پر اور وہ بھی ایک رسالے کے چھ شماروں کے اداریے پر تجزیہ کہیں اشاعت پزیر ہوا ہے۔ میں نے اپنے تئیں ایک منفرد کوشش کی ہے۔ میری رب کریم سے یہی دعا ہے کہ ''دبستانِ نعت'' اپنی راہ میں میل کا پتھر ثابت ہو اور رسالے کو وہ عظیم الشان بلندی نصیب ہو جو آج تک کسی بھی رسالے کو نصیب نہیں ہوئی ہے۔ (آمین)

☆☆☆

غوثیہ سلطانہ (نیوجرسی)

نعت صرف ایک موضوعی صنف سخن نہیں ہے

ڈاکٹر سراج احمد قادری مدیر ''دبستانِ نعت'' ہر سال ایک نئے انداز میں عوام الناس کی خدمت میں یہ مجلّہ پیش کرتے ہیں۔ ہر شخص کے ذہن میں کئی سوالات اوروسوسے آتے جاتے رہتے ہیں۔اس کتاب میں مدلّل جوابات درجات تحریروں سے عوام اہلسنّت کو زیادہ مستفید ہونے کا موقع ملتا ہے۔ رحمۃ للعالمین، سراج السالکین، شمس العارفین کی بارگاہ اور انسان کا مقصد حیات سادہ الفاظ اور سلیس زبان میں پیش کرکے والیٔ امت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشار نظر آتے ہیں۔گویا:

کئے جا کئے جا مدینے کی باتیں یہی ہیں یہی میرے جینے کی باتیں
زمانے کی باتوں سے کیا میرا مطلب؟ یہ باتیں نہیں میرے جینے کی باتیں

اللہ رب کریم عرش عظیم کے مالک اور اس کے حبیب اعظم کے وسیلۂ جلیلہ سے دست بہ دعا ہوں کہ ''دبستانِ نعت'' اسلام و مسلمین کی خدمت کا سلسلہ جاری وساری رہے۔آج کے تیز رفتار دور میں انسانیت خاص نظری وقیاسی فلسفے کی بھول بھلیاں میں حقیقی زندگی سے کوسوں دور ہے۔

نوع انسانی کو اس کتاب کے ذریعہ مقصد حیات، اسلامی تاریخ،تہذیب وتمدن کے اعلیٰ اکابر اور نقد ونظر کے شناوروں وجادۂ رشد وہدایت کے مسافروں میں بانی وموسس نعت ریسرچ سنٹر۔انڈیا، فیروز احمد نیویارک، مدیر ڈاکٹر سراج احمد قادری کا یہ عمل ہمیشہ احترام کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

نعت صرف ایک صنف شاعری یا ایک موضوعاتی اظہار نہیں ہے۔نعت جس کے کئی ہیئت یا ظاہری Form یا پھر کسی ضابطے یا علمائے ادب کا متعین کردہ ذائچہ بھی نہیں۔نعت کی حیثیت آفاقی ہے۔"ورفعنا لك ذكرك" موضوع اور مضمون کا اللہ تعالیٰ نے لحاظ وخیال رکھنے کا حکم دیا ہے۔ تاریخی اعتبار سے نعت گوئی کا فن اور اس کے دو بنیادی وجوہات تھے۔(۱) کفار مکہ کے شعراء کی ہجو گوئی کا جواب تھا۔(۲) حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے حد درجہ والہانہ محبت وعشق۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پر حضرت عبدالمطلب اور والدہ ماجدہ حضرت آمنہ نے

اشعار کہے تھے۔ بتدریج زمانے کے ساتھ ساتھ نعت کے موضوعاتی دائرے وسیع ہوتے گئے۔ عربی، فارسی کے بعد اردو میں نعت گوئی کو خاص اہمیت صوفیانہ شاعری کے نام کے ساتھ جڑا۔ صنف نعت جیسے نازک اور حساس مقام پر جب تک عاشق رسول نہ ہوں نعت گوئی ممکن نہیں۔ بقول جگرؔ:

عشق کی وسعتیں خدا کی پناہ حوصلہ چاہئے وفا کے لئے

نعت عربی لفظ مصدر کے طور پر مستعمل جس کا مادہ۔ ن۔ ع۔ ت معنوی اعتبار سے تعریف و توصیف اپنی اصل اعتبار سے کسی بھی شخص کے لئے آتا ہے۔ مگر نعت کا بیان خوبی کے لئے مستعمل ہے۔

شمیم احمد کہتے ہیں: ''صرف ایسے اشعار جس میں حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و برکات کا ذکر بہ توصیف وعقیدت ہو۔''

خالق کائنات کی محبوب ہستی اور مخلوقات کے لئے باعث تخلیق ارض وسماء رحمۃ للعالمین ہیں۔ اصطلاحاً لفظ نعت سے ایک خاص قسم کی شاعری مراد لی جاتی ہے لیکن نعت اس ایک مضمون یا موضوع کا نام ہے جس میں مناقب، شمائل، فضائل، نثر یا نظم میں بیان کئے گئے ہوں۔ نعت محض ایک صنف شاعری کم ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جمالیاتی مسلسل کا اظہار زیادہ ہے۔ تاریخ کی طرف مژگاں اٹھایئے تو اعلان نبوت سے قبل اور رسول پاک کے بعد اخلاق حسنہ اور آپ کی حیاتِ طیبہ پر کئی تحقیقی مقالے قلمبند ہوئے ہیں۔ ایک صنف سخن کی کئی ہیئتیں اور اس کے ساتھ اصناف سخن کے حدود و ضابطے متعین کئے گئے ہیں۔ علمائے ادب کے متعین کرنے سے قبل نعت کے ضابطے رب العالمین نے متعین کر دیئے ہیں۔ قرآن کریم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو رفعت بخشی ہے۔ اس کے بعد ذکرِ رسول اللہ کی ہیئت کو متعین کرنے والے ہم بندہ ناچیز کیا ہیں؟

''نعت میں ہیئت کی قید نہیں بلکہ حدود کا خیال لازمی جز ہے۔''

عرب میں قصیدہ گوئی کے رواج کے ساتھ قصیدوں کی ہیئت میں عروج حاصل ہوا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہر دور میں شعراء کے مزاج سے میل کھاتے ہوئے اصناف سخن عام ہوتے چلے گئے۔ نعت کہنے کی سعادت ازل سے مختلف ہیئتوں میں جاری رہی اور ابد تک رہے گی۔ وقت کے ساتھ ہر چیز میں تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ یہ دنیا امکانات سے بھری ہوئی ہے۔ خوب سے خوب تر کی تلاش میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اصطلاحات، تشبیہات، استعارات، مدح وثنا، تعریف و اخلاق حسنہ، حیاتِ طیبہ، زہد وتقویٰ، نصیحت، غرضیکہ ہر زاویہ نگاہ سے وسعت پیدا ہوتی گئی۔ بے شک اس زرخیز میدان میں مدارج توطے ہوئے لیکن تاریخی اعتبار سے یونیورسٹی لیول پر صنف نعت کی کسی ادبی شعبے میں پذیرائی نہیں ہوئی اور نہ

ہی اس صنف نعت کو بڑھاوادیا گیاجب کہ مرثیہ، مثنوی میں ریسرچ ہوتی ہے اگر ریسرچ اسکالر ہی نہ ہوں تو اس کی زرخیزی میں اضافہ کیسے ہو؟

نعت کو صرف موضوعاتی شاعری نہیں کہا جا سکتا۔ حالانکہ موضوعاتی شاعری یا موضوعاتی نظموں کی اہمیت اور مرتبہ بھی بہت بلند ہے۔ مثلاً جان ملٹن John Milton کی فردوس گمشدہ......!

نعت کو صرف صنفِ شاعری کہنا نامناسب لگتا ہے۔ نعت ذات اقدس کے جمالیاتی تسلسل کا ان مٹ عنوان و اظہار ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا کاغذی پیرہن جس میں قافیہ، تمثیلات، تخیل، استعاروں کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری ہے تا کہ مبالغہ آرائی کے حدود عبور نہ ہو جائیں۔ کہیں شدّتِ عشق میں جذباتی تجاوز نہ ہو جائے۔ ہیئت کی قید نہیں مگر حدود پسندی کی سخت ضرورت ہے۔ روئے زمین پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم شمع ہدایت کے ساتھ ایک مقدّم منزل ہمارے لئے مغفرت کا راستہ ہے۔ محبوب رب العالمین، ختم المرسلین، زمیں بہ نازشِ عرش بریں حاصل دنیاودیں کی شان ہے:

ہم جیسے عاصیوں کے سروں پر رہا سایہ آپ کا سایہ نہ ان کے ساتھ دیکھا گیا کبھی

دیگر زبانوں کے درمیان زبان اُردو کو یہ اعزاز حاصل رہا ہے کہ اس کی ابتداء نعت گوئی سے ہوئی ہے بلکہ یوں کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ شاعری کا وجود نعت گوئی سے ہوا ہے۔ ایسے میں حمد و نعت کی ہیئت متعین نہیں کی جا سکتی۔

بقول مظؔفر وارثی:

قرآن ہماری منزل، سنّت ہماری راہیں تجھ پہ ہم فدا ہیں تیرے نبی کو چاہیں

حافؔظ لدھیانوی نے حمد و نعت کے ضمن میں خوب شعر کہا ہے:

روشن ہو جمال مصطفیٰ سے یوں قلب کو آئینہ بنادے

فراؔق نے رباعی کی بحر میں خوب کہا ہے:

انوار بے شمار معدود نہیں رحمت کی شاہ راہ مسدود نہیں
معلوم ہے کچھ تم کو محمد کا مقام وہ امت اسلام میں محدود نہیں

غزل، نظم، آزاد نظم، جدید نظم، معریٰ نظم، مسدس، مخمس، قطع، رباعی، مثنوی، ہائیکو قصیدہ، مرثیہ واقعات کربلا سے متعلق ہوتے ہوئے شعرائے کرام نے موضوعاتی تسلسل سے تاریخی ربط کو مربوط کیا ہے۔ محققین کی ریسرچ کے مطابق محمد تغلق کے زمانے میں 1329ء شمالی ہند کے صوفیائے کرام اور

اسلامک مبلغین کے ہاتھوں حمد وثنا اور نعت رسول اللہ کی شروعات اور اصناف سخن کے کئی ہیئتوں جیسے مثنوی قصیدہ غزل کے ساتھ صنف نعت بھی ترقی کے منازل طے کرتی رہی۔

☆ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہر شعبہ زندگی کے لئے بے مثال نمونہ ہے۔ اگر باپ ہو تو دیکھو بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے باپ کیا کیا کرتے تھے۔

☆ اگر شوہر ہو تو یہ دیکھو کہ بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے شوہر کیا کرتے تھے۔

☆ اگر ہم میں سے کوئی حاکم ہے تو یکھو مدینے کے حاکم نے حکومت کیسے کی۔

☆ اگر ہم مزدور ہیں تو دیکھو کہ مکہ کی پہاڑیوں پر بکریاں چرانے والی وہ شخصیت کیا کیا کرتے تھے۔ جنگوں کو کس طرح جیتا۔

☆ شام کی تجارت میں کون سا طریقۂ کار استعمال فرمایا تھا۔

☆ تجارت، زراعت، سیاست، معیشت بھی کی۔ الغرض زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں تھا جہاں ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مثال بن کر نہیں دکھایا ہے۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے خود اپنی جانب سے آپ کو نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔

☆ مگر آج کی حرصی دنیا میں Human Race میں پڑے ہوؤں نے یہ بھلا دیا ہے کہ نبی نے کیا کر دکھایا تھا اور آج حکمران کیا کر رہے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجی گئی ہے جو کسی ایک ذات یا مذہب تک محدود نہیں ہے۔

قدیم دور سے جدید تک۔ مشرق سے لے کر مغرب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کے قائل دانشوران وحکمران جرمن Adolt Hitler جیسے شخص نے کہا ہے:

''صرف ایک ہی نبی ہے جس کی شان کا میں قائل ہوں۔''

سر تھامس کارلائل کا کہنا ہے:

''لفظ محمد فطرت کی آواز کا نام ہے۔ باقی جو کچھ ہے وہ سب ہوا میں دھواں ہے۔''

آٹو سمارک نے خوب کہا ہے:

''مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کے ساتھیوں میں شامل نہ تھا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت نے صرف ایک ہی بار چُنی ہوئی شخصیت کو دیکھا ہے۔ آئندہ

پھر کبھی نہیں دیکھے گی اور میں انتہائی خشوع سے آپ کے آگے جھکتا ہوں۔"

جشنِ میلاد یا یوم پیدائش منانا محض ہماری عقیدت مندی ہے۔ آپ کا ان باتوں سے حق ادا نہیں ہوتا بلکہ حق ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ رب نے آپ کو اس لئے بھیجا ہے کہ ان کی ایسی اتباع کریں جیسی صحابہ کرام کیا کرتے تھے جیسے قدسی، جامی، شیرازی، امیر خسرو، شیخ سعدی، رومی، صوفی منش کا ذکر تاریخ ادبیات ایران میں ملتا ہے۔ جامی جنہیں تصوف سے لگاؤ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دلی وجذباتی لگاؤ تھا۔ آپ کے اوصاف حمیدہ وصفات ستودہ کو نعتوں کو قوالوں نے دل وجان سے زندہ رکھا۔

عرفی قصیدہ نگاری کے ماہر تھے جس کے نزدیک دنیا کا بڑا سے بڑا بادشاہ آنخضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس کے آگے گرد کی بھی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ حضرت امیر خسرو، ہندی کے شاعر نے اپنی تمام مثنویوں میں نعتیہ قصائد ہی سے شروعات کی۔

گلستاں بوستاں کے خالق شیخ سعدی جنہوں نے دو نعتیہ قصیدے ہی کہے ہیں اور وہ گلستاں بوستاں کے ابتدائی حصے میں ملتے ہیں۔ جلال الدین رومیؔ ایک صوفی شاعر کی شہرہ آفاق مثنوی میں نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ فصاحت وبلاغت میں آپ کی سیرت کا بیان دین کے دائرے سے باہر نہ ہو۔ محبت رسول کا ذکر دلوں کو گرما دے اور روح کو تڑپا دے یہی عشق رسول ہے۔ جیسے راحت اندوری نے کہا ہے:

اے نبی آپ کی تعظیم نہیں لکھ سکتا زم زم کوثر و تسنیم نہیں لکھ سکتا
میں اگر سات سمندر بھی نچوڑوں راحتؔ آپ کے نام کی میم نہیں لکھ سکتا

کئی نان مسلم شعرائے کرام نے اپنی شاعری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت ومحبت کا مؤدبانہ اظہار کیا ہے۔ خودستائی یا تعلّی نہیں ملتی۔

چندر بھان خیالؔ کی لولاک، منشی چاند بہاری صباؔ، راجیور یاض، تلک راج پارس، رنجنی کمار گوئل، جیسے نان مسلم شعراء کی واردات قلبی کی ترجمانی، عقیدت اور وارفتگی، تصور خیال سے نعتیں کہی ہیں۔ ریسرچ اسکالرز کے لئے زرخیز میدان ممکن ہے۔ آپ کے اسم مبارک میں لذت محسوس کرتے ہوئے کئی نعتیں لفظ محمد ردیف کی ملتی ہیں۔ ایسے قادر الکلام نعت گو شعراء موجود ہیں جن کے پاس ندرت کلام ملتا ہے۔ زرخیز صنف سخن نعت پر خصوصیت سے ریسرچ ورک ہونا چاہئے:

کام دے جائے تو دے جائے پشیماں ہونا میرے اعمال تو بخشش کے نہیں ہیں قابل

چاند بہاری صباؔ

☆☆☆

عظیم انصاری (کولکاتا)

نعت گوئی: روایت اورفنی ارتقاء

(ارضِ بنگالہ میں اردوزبان وادب کے حوالے سے)

نعت گوئی کی ابتدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہو چکی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ اکثر کفارِقریش ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مطہرہ میں گستاخی کرتے اوران کی شخصیت کے حوالے سے بعض طنزآمیز جملے کہنے کی جرأت کرتے۔ لہٰذا،صحابہ کرام کے نزدیک یہ ضروری سمجھا گیا کہ کفارِ قریش کی گستاخیوں کا دنداں شکن جواب دیا جائے تاکہ وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجو گوئی سے باز آجائیں۔ لہٰذا، وہ صحابۂ کرام جوشعروادب کا نکھرا ہواذوق رکھتے تھے،انھوں نے اپنے فن کو ہرزہ سرائی کے جواب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدحت سرائی بصورت اشعاران کو گوش گزار کرنے لگے۔ حضرت حسان بن ثابت نے نعت گوئی کا مشورہ سب سے پہلے پیش کیا۔ جب حضرتِ حسان بن ثابت نے ہجو گوئی کا جواب لکھنے کی اجازت طلب کی تو حضوراکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے منظوری بھی مل گئی اوراس طرح نعت گوئی کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدحت سرائی میں جو پہلا نام سامنے آتا ہے'وہ حضرت ابوطالب کا ہے اوراس کے بعد حضرت حسان بن ثابت اور حضرت کعب بن زہیر کا۔ ہرزہ سرائی کا جواب دیتے ہوئے اشعار کا مرکزی خیال مدحتِ رسول ہی رہتا تھا۔ رفتہ رفتہ دیگر صحابہ بھی عقیدتِ رسول میں نعت گوئی کرنے لگے اور یہ سلسلہ دراز ہوتا گیا اور آج بھی یہ روایت تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہی ہے۔ نعت کی ابتدا چونکہ حضورِاکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں ہو چکی تھی، لہذا یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ لفظ ''نعت'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی مدح وستائش کے ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ آقائے نامدار محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ کبریائی کے منظوم بیان کو''نعت'' کہا جاتا ہے۔ نعت میں حضورِاکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصائل، اخلاق وکردار کا ذکر نہایت شیریں الفاظ

اور مؤدب لب و لہجے کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ المختصر نعت مجموعی طور سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت، نظام زندگی، عادات واطوار اور تفکرات کی تعریف وتوصیف پر مشتمل ہوتی ہے۔ لہٰذا، فنی واصطلاحی معنوں میں آج نعت محض اس کلامِ موزوں کو کہتے ہیں جو کلیتاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات وکمالات کا احاطہ کرتا ہے۔ غور طلب ہے کہ از روئے فن کسی بھی نعت کا موزوں ہونا لازمی ہے۔ یعنی اگر نثری پیرائے میں رسولِ خدا کی تعریف وتوصیف کی گئی ہے تو از روئے فنِ شاعری اسے ہرگز نعت نہیں کہا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ نعت وہ صنفِ سخن ہے جس کی مثال کسی اور صنف سے نہیں دی جاسکتی۔ فارسی میں عربی کی توسط سے ہی نعت گوئی کی روایت کا آغاز ہوا، اور فارسی ہی کے ذریعے اردو میں اس صنف نے جڑیں مضبوط کیں۔ چوں کہ نعت گوئی کا تعلق فن کے ساتھ عقیدت سے بھی ہے، اس لیے عربی، فارسی اور اردو یا کسی بھی زبان میں اس صنف کا استعمال کسی دوسری ذات یا شخصیت کے لیے نہیں ہوتا۔ یہ وہ معتبر وموقر مظہر ومنور صنفِ سخن ہے جو صرف آقائے نامدار، فخرِ موجودات یا تاجدارِ دوجہاں کی مدحت سرائی کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ عربی لغات لسان العرب اور تاج العروس کے مطالعہ سے نعت کا جو مفہوم ہمارے سامنے آیا ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ نعت وہ صنفِ سخن ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا ذکر ہو۔ عربی میں جو نعت کہی گئی ہیں انھیں اہلِ عرب "مدحتِ رسول اللہ" سے منسوب کرتے تھے۔ اردو وفارسی میں اس کا جو تصور ہے اس کا مکمل اظہار عربی زبان میں نہیں ملتا۔ سچ کہا جائے تو حضورِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرنے والی مدحیہ نظم کو از روئے فن اردو والوں نے بڑی کامیابی سے برتا ہے۔

جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جاچکا ہے کہ نعت عربی زبان کا لفظ ہے جس کے لغوی معنی تعریف و توصیف کے ہیں لیکن اب یہ عربی، فارسی اور اردو زبان میں صرف اور صرف حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مخصوص ہے۔ لفظ ''نعت''، مستقل طور سے ایک مخصوص موضوع یا مضمون کا احاطہ کرتا ہے۔ اس لفظ سے مراد وہ تمام خزائن وذخائر ہیں جو سرکارِ دوجہاں کے فضائل ومناقب، اخلاق وکردار اور ان کی مدح پر مشتمل ہیں۔ مختصراً ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جس ادب پارے میں حضور کی مدح ہو، ان کے سراپا اور ان کے اخلاقِ حسنہ کا بیان ہو، یقیناً وہ نعت کی مقبول ترین صنف ہے۔ یہاں یہ بتاتا چلوں کہ کہ صدیوں تک عربی فرہنگ نویسوں اور شاعروں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم کارناموں، ان کے کردار و جمال اور ان کی زندگی کی تاریخ رقم کرنے کے لیے لفظ ''نعت'' کا استعمال جاری رکھا۔ تاہم بعد کے زمانے میں دوسری اصطلاحات جیسے مدح، مدیح اور نشید جیسے الفاظ نے عربی

زبان میں اپنی جگہیں بنالیں۔ آج کل فارسی، اردو اور برصغیر کی مختلف علاقائی زبانوں میں لفظ ''نعت'' کا استعمال ہوتا ہے۔ ڈاکٹر بشیر الحق لطیفی (ویلور، ٹمل ناڈو) اپنے مضمون ''نعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا معنوی آغاز اور لفظی ارتقاء'' میں یوں رقمطراز ہیں:

> ''بلاشبہ لفظ سے معنی کی پہچان ہے لیکن نعت اس سے مستثنیٰ ہے یہاں معنی سے لفظ کی پہچان ہوئی ہے۔ نعت نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محاسن ومحامد اور فضائل اور شمائل اور کمالات کا اظہار شاعری کے قالب میں ہونے لگا، اور نعت شاعری کی ایک صنف کے روپ میں ابھرنے لگی اور اس کی ادبی حیثیت اجاگر ہوتی چلی گئی۔''

(دبستانِ نعت'' شمارہ ۵، صفحہ 322,321)

اپنی کتاب ''اردو کی نعتیہ شاعری'' میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوم مدح کو نعت کہا ہے۔ جب کہ ممتاز حسین، نعت کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''میرے نزدیک ہر وہ شعر نعت ہے جس کا تاثر ہمیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے قریب لائے جس میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدح ہو، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطاب کیا جائے۔ صحیح معنوں میں نعت وہ ہے جس میں محض پیکرِ نبوت کے صوری محاسن کی بجائے مقصودِ نبوت سے دلبستگی پائی جائے جس میں جنابِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شخصیت سے ایک قلبی تعلق موجود ہو۔ وہ مدح یا خطاب بالواسطہ یا بلاواسطہ اور شعر ونظم ہو یا غزل، قصیدہ ہو یا مثنوی، رباعی ہو یا مثلث مخمس ہو یا مسدس اس سے نعت کی نوعیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ البتہ نعتیہ کلام کی معنوی قدر و قیمت کا دارومدار اس کے نفس مضمون پر ہے۔ اگر اس کا مقصد ذاتِ رسالت کی حقیقی عظمت کو واضح کرنا اور آقائے دو جہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت کی جو اہمیت نوعِ انسانی اور جملہ موجودات کے لیے ہے اسے نمایاں کرنا ہو تو وہ صحیح طور پر نعت کہلانے کا مستحق ہے۔''

(خیر البشر کے حق میں۔ ممتاز حسین صفحہ نمبر 18)

رشید وارثی (کراچی) نے اپنے مضمون نعت گوئی کی مقصدیت و اہمیت اور آدابِ نعت گوئی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعتِ شان کے حوالے سے ان قرآنی آیات اور ان کی تفسیر پر غور وفکر

کرنے کی بات کہی ہے۔(عالمی نعتیہ انتخاب صفحہ نمبر 42اور 43)

1۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔(سورۃ النساء آیت:80)

2۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔(التوبہ:09)

3۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔(التوبہ:04)

4۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار اللہ کا انکار ہے(التوبہ:04)

5۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرام کردہ چیز ہے۔(التوبہ:29)

نعت گوئی کا آغاز یوں تو سب سے پہلے عربی زبان میں ہوا اور اس کے بعد فارسی زبان میں اس کی مقبولیت بڑھی اور پھر اردو اور دوسری زبانوں میں اس کا رواج عام ہوا۔عربی زبان میں جس شاعر نے ابتدائی دور میں بحیثیت نعت گو اپنی شناخت بنائی اور ناقدین جس کا نام حوالے کے طور پر استعمال کرتے ہیں، اس شخصیت کا نام حسان بن ثابت ہے۔علاوہ ازیں صحابہ نعت گو شعراء میں اسود بن سریع، عامر بن اکوع، عباس بن عبدالمطلب، کعب بن زبیر اور نابغہ جعدی کے نام اہم ہیں۔نعت کی مقبولیت فارسی زبان میں حد درجہ رہی۔نعت کو اس درجہ مقبول عام بنانے والے شعراء میں خاقانیؔ، فردوسیؔ، سعدیؔ، نظامیؔ، قدسیؔ، عرفیؔ، جامیؔ اور مولانا جلال الدین رومیؔ کے نام اہم ہیں۔عربی اور فارسی کے بعد اردو شاعری میں بھی نعت گوئی کا رواج عام ہوا بلکہ اردو شاعری کی اعلیٰ ترین قدروں میں یہ صنف شمار ہوتی ہے۔یہاں یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ عربی و فارسی سے کہیں زیادہ اردو میں نعت گوئی کا چلن عام ہوا بلکہ اسے ممتاز مقام بھی حاصل ہے۔بقول مولانا سید ابوالحسن ندوی:

> ’’نعت گوئی عشقِ رسول اور شوقِ مدینہ ہندوستانی شعراء کا محبوب موضوع رہا ہے اور فارسی شاعری کے بعد سب سے بہتر اور مؤثر نعتیں اردو ہی میں ملتی ہیں۔‘‘(کاروانِ مدینہ، مجلسِ تحقیقات ونشریات اسلام، ندوہ لکھنؤ)

نعت گوئی کو مقبول بنانے میں مسلمانوں کا یہ عقیدہ بہت اہم رہا ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر کرنا، ان کی سیرت و شخصیت سے عالمِ اسلام ہی نہیں بلکہ غیر مسلموں تک پہنچانا اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی و تقلید کی ترغیب دینا اور درود و سلام بھیجنا نہ صرف کارِ ثواب ہے بلکہ آخرت میں نجات کا ذریعہ بھی ہے۔چھٹی صدی عیسوی سے لے کر اب تک جہاں کہیں بھی مسلمان مقیم ہیں، چاہے ان کی زبان کچھ بھی ہو لیکن نعت گوئی ان کی زبان و ادب میں ضرور شامل ہے۔پروفیسر اختر الواسع نے سعود عالم کی ایک کتاب ’’قصیدہ بردہ کے اردو تراجم: تحقیق و تجزیہ‘‘ کی پشت پر لکھا ہے:

''نعت ایک اہم صنف ہے۔ نعت گوئی کا باقاعدہ آغاز تو حضرت ابوطالب نے کیا بعد میں اصحابِ رسول نے بھی نعت گوئی کا سلسلہ شروع کیا جس کی توثیق خود پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی۔ نعت گوئی کی روایت عہدِ صحابہ سے موجودہ عہد تک مسلسل قائم ہے۔ صرف تمام مسلم شعراء نے ہی نہیں بہت سے غیر مسلم شعراء نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کا منظوم ترجمہ کر کے فن کو اعتبار بخشا۔''

اردو میں باقاعدہ نعت گوئی کا آغاز سولہویں صدی میں ہوا۔ اردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر سلطان محمد قلی قطب شاہ (1565-1617) نے نعت کی مستقل حیثیت قائم کی۔ اردو میں نعت گوئی کے نئے دور کا آغاز مولانا الطاف حسین حالؔی کے سر جاتا ہے اور جن کا شمار دورِ جدید کے اہم شاعروں میں ہوتا ہے۔ کچھ ناقدین کا کہنا ہے کہ نعت اپنے ابتدائی دنوں میں صرف مدافعت تک محدود تھی لیکن ایسا قطعی نہیں، بلکہ مدحتِ رسول بھی اس کا خاصہ رہا ہے۔

حضور کے عہد میں بہت سی مبارک ہستیاں تھیں جنھوں نے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں شاندار نعتیں کہیں۔ ان ہستیوں کو اس بات کا ادراک تھا کہ شانِ رسالت میں کہنے سے خود ان کی عزت و توقیر میں اضافہ ہوتا ہے اور اللہ کی خوشنودی بھی حاصل ہوتی ہے۔ ان مبارک ہستیوں میں حسان بن ثابت، حضرت عباس بن عبدالمطلب، حضرت کعب بن زبیر کے نام اہم ہیں۔ ان صحابیوں کے علاوہ بھی کچھ اور مبارک ہستیاں تھیں جو حضور کی شانِ اقدس میں نعتیں کہتی تھیں۔ اس زمرے میں کچھ صحابیات کے نام بھی آتے ہیں جن میں حضرتِ صفیہ، حضرتِ عائشہ، حضرتِ عاتکہ، حضرتِ خنسا، حضرتِ فاطمہ الزہرا وغیرہ کے نام اہم ہیں۔ یہاں اس بات کو واضح کرتا چلوں کہ حضرت امام بوصیری نے قصیدہ بردہ شریف لکھا جس کو اتنی شہرت ملی کہ اس قصیدہ کو بنیاد بنا کر بعد کے زمانے میں عربی، فارسی اور اردو کے شعراء نے نعت گوئی کو بامِ عروج پر پہنچا دیا۔

عرب کی سرزمین سے ہوتے ہوئے نعتیہ شاعری کی خوشبو جس زمانے میں ایران پہنچی اس وقت غزل گوئی پورے شباب پر تھی۔ صوفی شعراء نے خصوصی طور سے نعت گوئی میں اپنی دلچسپی دکھائی اور اس فن میں اپنے کمالات دکھانا شروع کئے۔ صوفی شعراء کی دلچسپی نے اسے اعتبار کا درجہ عطا کیا۔ اس پس منظر میں ایران کے تمام معروف شعراء اس صنف میں طبع آزمائی کرنے لگے اور نعت گوئی فارسی زبان کی مقبول صنف بن گئی۔ جب نعتیہ شاعری ایران کی سرحدوں کو عبور کرتے ہوئے ہندوستان پہنچی

تو اس کا والہانہ استقبالیہ کیا گیا اور بہ اعتبارِ موضوع اس کا دائرہ مزید وسیع ہوتا گیا۔ ہندوستان میں نعتیہ شاعری صوفیائے کرام کے روحانی فیوض و برکات کے زیرِ سایہ خوب پروان چڑھی۔ شیخ سیدنا عبدالقادر جیلانی، بابا فریدالدین شکر گنج، خواجہ نظام الدین اولیاء، حضرت امیر خسرو اور مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری جیسی برگزیدہ ہستیوں نے نعت گوئی کو فروغ دینے میں نمایاں کردار ادا کیا بلکہ انھوں نے خود بھی نعت گوئی کے بہترین نمونے پیش کیے۔

نعت گوئی کے آغاز اور ارتقاء میں عربی اور فارسی شاعری کا بلاشبہ بہت اہم کردار رہا ہے۔ ان زبانوں کی وجہ سے اس میں کافی حد تک پختگی آئی اور ان زبانوں سے ہوتے ہوئے جب یہ اردو زبان میں داخل ہوئی تو اس کی رفتار بہت تیز ہوگئی۔ نعت گوئی کے رجحان میں اتنی شدت آئی کہ اردو نعت کے مقابلے میں عربی و فارسی زبانیں پیچھے رہ گئیں۔ اردو زبان کے اوّلین نمونوں میں حضرت خواجہ گیسو دراز کے اشعار کو اوّلین نعتوں میں شمار کیا جاتا ہے لیکن کچھ محققین کی رائے میں فخر الدین نظامی کی مثنوی اردو نعت گوئی کا اوّلین نمونہ ہے۔ قطب شاہی دور میں نعت گوئی کو زیادہ فروغ ملا۔ محمد قلی قطب شاہ نے غزل کی ہیئت میں سب سے پہلے نعت لکھی۔ چونکہ قطب شاہی دور میں عیدِ میلاد بہت جوش و خروش سے منائی جاتی تھی۔ لہٰذا اس زمانے میں منعقدہ تقریبات میں نعتیہ کلام خوب پڑھا جاتا تھا۔ ولیؔ دکنی نے نعت گوئی میں قابلِ ذکر اضافہ کیا۔ اردو زبان میں نعت گوئی کو مقبولِ عام بنانے میں صوفیائے کرام نے زبردست کردار نبھایا۔ میرؔ، سوداؔ، مصحفیؔ کے دور میں اردو شاعری کا نیا دور شروع ہوا اور اس کے ساتھ ہی شمالی ہند میں نعت گوئی کے چلن میں زبردست اضافہ ہوا، اور یہ صنف تیزی سے ترقی کی منازل طے کرنے لگی۔ انیسؔ، دبیرؔ، میر نظام الدین مسنونؔ، میر مہدی مجروحؔ، میر حسن، جرأتؔ، ذوقؔ، انشاء اللہ خان انشاءؔ، نظیرؔ اکبرآبادی کے علاوہ کئی اور بھی شعراء صنفِ نعت کو آگے بڑھانے میں معاون رہے۔

اردو نعت گو شعراء کی ایک لمبی فہرست ہے جس میں قلیؔ قطب شاہ، ولیؔ، مومنؔ، ظفرؔ، غالبؔ، حالیؔ، امیرؔ مینائی، میرؔ حسن، اکبرؔ الہ آبادی، سرورؔ جہاں آبادی، محسنؔ کاکوروی، نصرتیؔ، امجدؔ حیدرآبادی، محمد علی جوہرؔ، حسرتؔ موہانی، ملا وجہیؔ، ظفرؔ علی خان، اقبالؔ، حفیظؔ جالندھری، اصغرؔ گونڈوی، غواصیؔ، بہزادؔ لکھنوی، احسانؔ دانش، ماہرؔ القادری، اسدؔ ملتانی، راجہ محمد، عبداللہ نیازؔ، شورشؔ کاشمیری، اثرؔ صہبائی، نعیمؔ صدیقی، عبدالکریم ثمرؔ، عبدالعزیز خالدؔ، حفیظ تائبؔ، حافظؔ لدھیانوی، اخگرؔ سرحدی، جعفرؔ طاہر، یوسف ظفرؔ، منیرؔ نیازی، شہزادؔ احمد، انجمؔ رومانی، مظفرؔ وارثی، اطہرؔ نفیس، انجمؔ نیازی، عبداللہ خاورؔ، سیمابؔ اکبرآبادی، علامہ حسرتؔ موہانی، جوشؔ ملیح آبادی، علامہ جمیلؔ مظہری، احمد رضاؔ خان بریلوی، احسان

دانشؔ، جگرؔ مرادآبادی، بیکلؔ اتساہی اور سید معراج جامیؔ کے نام اہم ہیں۔

عصرِ حاضر کے شعراء میں نازشؔ پرتاپ گڑھی، یاورؔ وارثی، مولانا قاسمؔ حبیبی، علیمؔ صبا نویدی، مناظرؔ عاشق ہرگانوی، شاعرؔ فتحپوری، فاروقؔ جائسی، نصیر نادانؔ، داغؔ نیازی، ڈاکٹر فرازؔ حامدی، عبدالعزیز خالدؔ، ابراہیم اشکؔ، ڈاکٹر سیفیؔ سرونجی، تابشؔ مہدی، حافظ کرناٹکیؔ، حیدرؔ قریشی اور ساحرؔ شیوی کے نام اہم ہیں۔ یہ تمام شعراء ایسے ہیں جنھوں نے غزلوں اور نظموں کے ساتھ اپنے نعتیہ کلام سے بھی اردو ادب کو مالا مال کیا ہے۔

اردو ادب میں مسلم شعراء کے علاوہ غیر مسلم شعراء نے بھی نعت گوئی میں زبردست خدمات انجام دی ہیں۔ غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی کی ابتدا جنوبی ہند سے ہوئی۔ مسلم شعراء کی طرح ہی انھوں نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اپنی ادبی تخلیقات کا موضوع بنایا۔ یوں تو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان ہمیشہ ہی کچھ باہمی چپقلش رہی، ان کے تہذیب وتمدن میں بھی نمایاں فرق رہا، لیکن بہت حد تک رواداری بھی رہی۔ ہندوستانی تہذیب کی اس انوکھی فضا میں غیر مسلم شعراء نے نعت گوئی میں اپنے جوہر دکھائے اور گنگا جمنی تہذیب کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ کچھ ناقدین کہتے ہیں کہ غیر مسلم شعراء کی نعتوں میں مشکوک و مجہول روایتیں تقریباً نہیں کے برابر ہیں۔ غیر مسلم شعراء کے اندر نعت گوئی کا جذبہ اور عقیدت کے متعلق کیا ہی کہنا۔ دلو رام کوثریؔ کا یہ نعتیہ شعر ان کی محبت و عقیدت کا زبردست مظہر ہے:

کچھ عشقِ محمد میں نہیں شرطِ مسلماں　　ہے کوثری ہندو بھی طلبگار محمد

جسٹس رانا بھگوان داس کے نعت کے کچھ اشعار یوں ہیں:

نبی مکرم شہنشاہِ اعلی　　یہ اوصاف ذاتی و شانِ کمالی
جمالِ دو عالم تری ذاتِ عالی　　دو عالم کی رونق تری خوش جمالی
خدا کا جو نائب ہوا ہے یہ انساں　　یہ سب کچھ ہے تیری ستودہ خصالی

بالمکند عرشؔ ملسیانی جو دنیائے شعر و ادب میں نعت گوئی کی وجہ سے مقبول ہوئے، ان کے یہ اشعار ملاحظہ کریں:

کہہ دل کا حال شاہِ رسالت ماب سے　　ہو بے نیاز ذکر عذاب و ثواب سے
ذکر نبی کروں گا تو کہہ دوں گا حشر میں　　لایا ہوں ارمغان یہ جہانِ خراب سے

راجندر بہاری موجؔ شبِ معراج کے حوالے سے کچھ یوں کہتے ہیں:

نور ہی نور ہے تا عرشِ بریں آج کی رات　　راستہ تکتے ہیں جبریل امیں آج کی رات
دیکھ کر عرش پہ محبوبِ خدا کی آمد　　رک گئی گردش افلاک و زمیں آج کی رات

جگناتھ آزاد کا یہ سلام تو بہت مقبول ہے جس کا آغاز کچھ یوں ہوا ہے:

سلام اس ذاتِ اقدس پر، سلام اس فخرِ دوراں پر　　ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر

کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کے یہ نعتیہ اشعار تو کافی مقبول ہیں:

ہم کسی دین سے ہوں صاحبِ کردار تو ہیں　　ہم ثنا خوانِ شہہِ حیدرِ کرار تو ہیں
نام لیوا ہیں محمد کے پرستار تو ہیں　　یعنی مجبور پئے احمدِ مختار تو ہیں
عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں　　صرف مسلم کا محمد پہ اجارہ تو نہیں

اردو کے زیادہ تر ناقدین اور محققین نے غیر مسلم شعراء کی نعت گوئی پر تبصرہ کرتے ہوئے بہترین خراج عقیدت پیش کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ان نعتوں کو دیکھ مسلم شعراء انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان کا نعت لکھنا صرف اس صنف سے محض وابستگی کا اعلان نہیں ہے بلکہ ان کی تحریر کردہ نعتوں میں محبت اور عقیدت کا مکمل اظہار ملتا ہے۔ نور میرٹھی نے اپنی کتاب ''بہ ہر زماں بہ ہر زباں'' میں جن تین سو چھتیس (336) ہندو شعراء کی نعتوں کو یکجا کر کے ہمارے سامنے پیش کیا ہے، ان میں بعض شعراء کے نام بہت اہم ہیں۔ مثلاً: تلوک چند محروم، آنند نرائن ملا، عرش ملسیانی، جوش ملسیانی، پروفیسر جگن ناتھ آزاد، نریش کمار شاد، لچھمی نرائن شفیق، پنڈت دیا شنکر نسیم، عزت سنگھ، عیش دہلوی، سندر داس شگفتہ لکھنوی، جسٹس بھگوان داس بھگوان، سرور جہان آبادی، کالکا پرشاد، سکھ دیو پرشاد، بسمل الہ آبادی، کنور مہندر سنگھ بیدی سحر اور کالیداس گپتا رضا۔ ڈاکٹر محمد احمد نعیمی (نئی دہلی) اپنے مضمون ''غیر مسلم شعراء کے نعتیہ کلام میں لفظ 'مدینہ' کے استعمال'' میں جن شخصیات کا ذکر کیا ہے، وہ کچھ اس طرح ہیں: منشی سالک رام سالک، مہاراجہ سرکشن پرشاد شاد حیدر آبادی، بابو روشن لال نعیم، رمیش نارائن سکسینہ گلشن بریلوی، وشنو کمار شوق لکھنوی، کرشن بہاری نور لکھنوی، وشنو کمار ماتھر ماتھر اکبر آبادی، سادھو رام آرزو سہارنپوری، لکشمی نارائن سخا جے پوری، بہاری لال شانت، طوطا رام احقر، ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ آزاد، ہری داس اختر، شیام سندر باصر کاشمیری، راجندر نارائن سکسینہ بسمل شمس آبادی، بسنت لال بسنت گڑھ مہاراجوی، رادھا رمن جوش بدایونی، چند پرکاش پاریکھ چندر جیپوری، نرائن داس ٹنڈن دیا بریلوی، رام ناتھ شرما، رمن امروہوی، تیجونت رائے ساحر سنامی، گوبند سرن نگم نفیس لکھنوی، لالہ جگدیش لال زتشی شوق مرادآبادی، مہندر ناتھ اشک نجیب آبادی (دبستانِ

نعت، شمارہ 5، صفحہ 91 سے 112)۔ غیر مسلم نعت گو شعرا میں کچھ اور نام بھی ہیں جو بہت اہم ہیں، مثلاً دلو رام کوثریؔ، برج موہن کیفیؔ، رگھناتھ خطیب، سوم ناتھ سومؔ، فراقؔ گورکھپوری، مہندر سنگھ بیدی سحرؔ، پروفیسر ستنام سنگھ خمارؔ، شیو پرشاد برگؔ، آنند نارائن ملاؔ، سردار کرنیل سنگھ پنچھیؔ، گنیش بہاری طرزؔ اور گلزار دہلوی وغیرہ۔ یہاں یہ بھی بتاتا چلوں کہ ہندوستان میں آج بھی کچھ غیر مسلم نعت گو شاعر ہیں جو نعت گوئی میں مہارت رکھتے ہیں، ان میں ایک نمایاں اور اہم نام چندر بھان خیالؔ کا ہے۔ ان کی سیرتِ پاک پر مبنی ایک طویل نظم ''لولاک'' زبردست تخلیق ہے۔ 146 صفحات پر مشتمل یہ مجموعہ انسانی تہذیب وثقافت کی عمدہ نمائندگی کرتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سیرت پر یہ طویل نظم چندر بھان خیالؔ کو صدیوں زندہ رکھے گی۔ اس نعتیہ مجموعہ کے دوسرے ایڈیشن میں فیروز احمد سیفی ' ڈائیریکٹر/ فاؤنڈر نعت ریسرچ سینٹر، انڈیا لکھتے ہیں کہ:

> ''لولاک میں اسوۂ رسول اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جو فراوانی ہے وہ بے حد و بے کراں ہے جسے عظمتِ انسانی اور ادب وثقافت کا سرچشمہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ نعتیہ ادب کا ذوق رکھنے والوں کے لیے یہ توشۂ آخرت تو ہے ہی، بالیدگی روح کا بہترین سامان بھی ہے۔''

غیر مسلم نعت گو شعراء میں ایک اہم نام کرشن کمار طورؔ کا بھی ہے۔ انھوں نے اسلامی تصوف کا بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا ہے۔ وہ تصوف کے باکمال شاعر ہیں۔ ان کا قلب عشقِ رسول سے معمور ہے۔ ان کا نعتیہ مجموعہ ''چشمۂ چشم "اس کا بین ثبوت ہے۔ اس مجموعہ میں پچیس حمد، پچاس کے قریب نعتیں اور تیرہ سلام شامل ہیں۔ اس فہرست میں ایک اہم نام تلک راج پارس کا ہے۔ موصوف کے اب تک سات نعتیہ مجموعے (الف یا مصطفیٰ، وہی نبی ہے، نور کی زنجیر، نورِ مدینہ، نورِ محمد، نورِ خدا اور احمد مصطفیٰ محمد) شائع ہوکر داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ موصوف کا قول ہے کہ وہ اب تک تقریباً پانچ ہزار نعت لکھ چکے ہیں۔ مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ نعت گوئی کے فن کو غیر مسلم شعراء نے اردو کے ابتدائی دور سے لے کر آج تک نعت گوئی کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

نعت کے موضوعات کی اگر بات کی جائے تو یہ کبھی محدود نہیں رہے، فی زمانہ اس میں تبدیلیاں دیکھنے کو ملتی رہیں۔ البتہ، ابتدائی دنوں میں مدحت، ثواب اور مغفرت تک محدود تھی۔ لیکن وقت کے ساتھ ساتھ نعت گوئی میں بھی دیگر شعری اصناف کی طرح تنوع پیدا ہونا شروع ہوا اور آج بھی جاری ہے۔ اس کا موضوع جس قدر مقدس ہے اتنا ہی اس میں وسعت و ہمہ گیریت بھی ہے۔ اس سلسلے میں

حلیم حاذق کا کہنا ہے کہ:

''نعت کے موضوعات کا احاطہ کرنا بھی ناممکن ہے کیونکہ نعت جہاں حضور رحمتِ تمام صلی اللہ علیہ وسلم کے زلف ولب، سراپا، سیرت، صفات و معجزات اور احکامات و پیغامات کے فکری وفنی اظہار سے عبارت ہے وہیں ہماری ذات نعت و کائنات سے بھی نہایت گہرا تعلق رکھتی ہے جو بنی نوع انساں کے لیے آفاقی ادب کا سرچشمہ ہے جس کے تحت عشقِ الٰہی، محبتِ رسول، احترام نبوت و رسالت، انسانیت شناسی، عرفانِ زندگی، شعورِ بندگی، خودآگہی و خداشناسی، خداوندقدوس کی رضاجوئی کا دائمی طرز فکر وعمل، دنیاوعقبیٰ میں شفاعت اور رحم طلبی، دیدارِ رسول کی حسرت، جوارِ حبیب کی تمنا، اپنے نفس کی مذمت، احساسِ گناہ پر ندامت، اپنی وفا شعاری وخوش بختی کا تحدیثِ نعمت کے طور پر اظہار، زمانے کے مصائب وآلائم سے نجات پانے کے لیے درِ رحمت للعالمین پر استغاثہ وفریاد جیسے موضوعات سے نعت کا فکری نگار خانہ جگمگا تا رہتا ہے۔'' (اصولِ نعت گوئی صفحہ 22)

نعت کے حوالے سے آیئے اب صوبہ مغربی بنگال کی بات کرتے ہیں۔ یہ صوبہ بھی ملک کے دوسرے صوبوں کی طرح ہمیشہ سے شعروادب کا گہوارہ رہا ہے۔فورٹ ولیم کالج کے قیام نے جہاں اردونثر کو رفتار دی وہیں اس نے اردو شاعری کو بھی استحکام بخشا۔انیسویں صدی بنگالہ میں جہاں زیادہ تر نثار ادبی منظرنامے پر چھائے ہوئے تھے، ان میں کچھ شعراء بھی تھے۔ جب نثر کے ذریعہ اردو کی مقبولیت بڑھی تو شاعری کو مزید فروغ حاصل ہوا اور جب شاعری پروان چڑھی تو نعتیہ شاعری کی روایت بھی آگے بڑھی۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر ہمایوں جمیل اپنے مضمون'' مغربی بنگال میں اردو نعت گوئی''میں لکھتے ہیں:

'' سرزمینِ بنگال سے متعلق یہ بات عام طور پر مشہور ہے کہ اسے ہندوستان کے نہایت زرخیز' مردم خیز اور حساس صوبوں میں سے ایک شمار کیا جاتا ہے۔ یہاں کی آب وہوا ہر نووارد کے لیے سازگار ثابت ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے کسی بھی خطہ میں کوئی تحریک ابھر کر سامنے آتی ہے تو اس کے اثر سے بنگال متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔اس کے علاوہ ہر نووارد کو یہ اپنی

پناہ میں لے لیتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی بھٹکتا ہوا بنگال کی سرزمین پر قدم رکھے تو یہ اس سے بھی ایسے شفقت سے پیش آتا ہے کہ وہ یہیں کا ہو کر رہ جاتا ہے۔'' (مغربی بنگال کا شعری و نثری ادب، مرتبین: ڈاکٹر شاہد ساز و ڈاکٹر امتیاز احمد، صفحہ: 104-84)

اسی مضمون میں آگے چل کر ڈاکٹر ہمایوں جمیل لکھتے ہیں:

''فورٹ ولیم کالج کے قیام اور واجد علی شاہ کے ورودِ بنگال کے بعد کلکتہ اور مرشد آباد میں اردو کے نامور ادیبوں کی آمد و سکونت کا سلسلہ برابر قائم رہا اور ان شعراء و ادباء کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔''

بنگال کے شعراء نے جہاں غزل گوئی اور شاعری کے مختلف اصناف پر طبع آزمائی کی وہیں انھوں نے نعت گوئی کو بھی اپنا شیوہ بنالیا۔ فورٹ ولیم کالج کے قیام سے پہلے جن شعراء کا نام نعت گوئی کے حوالے سے لیا جاتا ہے، ان میں محمد فقیہ دردمندؔ، قدرت اللہ قدرتؔ، فرحت اللہ فرحتؔ، میر باقر مخلصؔ، مرزا جان طپشؔ، میر شیر علی افسوسؔ، ماشاء اللہ خان مصدرؔ، انشاء اللہ خان انشاؔ، میر محمد شریف میرؔ، امیر علی آشناؔ، ثریاؔ، عصمت اللہ اتسخؔ، ابوالقاسم محمد شمسؔ، رحمان علی طپشؔ، احسان اللہ شاہینؔ، خواجہ عتیق اللہ شیداؔ، حافظ اکرام ضیغمؔ، خواجہ عبدالغفار اخترؔ اور قاضی عبدالحمید۔ ان کے بعد کے قابلِ ذکر شعراء میں احمد حسین وافرؔ، ناطقؔ لکھنوی، خالدؔ بنگالی، رضا علی وحشتؔ، اشکؔ امرتسری، علامہ جمیلؔ مظہری، عباس علی خاں بیخودؔ، مستؔ کلکتوی، آصفؔ بنارسی، پرویزؔ شاہدی، قمرؔ صدیقی، سید لطیف الرحمٰن، شاکرؔ کلکتوی، جرمؔ محمد آبادی، حرمتؔ الکرام، نوابؔ دہلوی، ڈاکٹر نظام الدین نظامؔ، اعزاز افضل، نصرؔ غزالی، نورؔ پیکر، کیفؔ الاثر، حامیؔ گورکھپوری، علقمہؔ شبلی اور قیصر شمیم وغیرہ کے نام بطورِ خاص لیے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ آج بھی نعت گو شعراء کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے جن کے ناموں کا شمار کرنا فی الوقت ممکن نہیں۔ یہاں یہ بتاتا چلوں کہ سترہویں صدی سے لے کر تقریباً انیسویں صدی کے وسط تک نعت گوئی کسی نہ کسی صورت میں شاعری میں شامل رہی، لیکن اس کے بعد اس صنف کے چاہنے والے شعراء کی تعداد ہندوستان اور ریاستِ مغربی بنگال میں بڑھنے لگی بلکہ 1857 کے بعد تو نعتیہ مجموعہ، رسالہ/ کتابچہ یا کتابی صورت میں شائع ہونے لگا۔ اس سے پہلے حمد، نعت اور منقبت مجموعۂ غزلیات میں روایتی انداز میں شامل رہتے تھے۔ یعنی جوں جوں نعت گوئی کا چلن اردو ادب میں بڑھتا گیا۔ شعراء کے اندر یہ شعور بیدار ہوا کہ باضابطہ نعتِ پاک کی کتاب لائی جائے۔ انیسویں صدی تک تو اس کی رفتار سست

رہی لیکن بیسویں صدی آتے آتے اس کی رفتار بڑھنے لگی اور آج تو نعتیہ مجموعہ تیزی سے شائع ہو رہے ہیں۔ لگتا ہے لوگ ان ناقدوں کو زیادہ توجہ بھی نہیں دیتے جو یہ کہتے ہیں کہ نعت کوئی الگ صنف سخن نہیں ہے۔ اب تک میرے علم کے مطابق مغربی بنگال میں تقریباً 72 سے زائد مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ان مجموعوں میں حمد، مناقب اور قصائد بھی شامل ہیں۔ اب تک جو مجموعے منظر عام پر آئے ہیں، ان کے نام کچھ اس طرح ہیں:

۱۔ قصیدہ درنعتِ سرورِ کائنات (مفتی رحمت علی طپش، کلکتہ، 1857)
۲۔ چراغِ ظلمت (محمد اسحاق، نعتیہ نظموں کا مجموعہ، 1899)
۳۔ الہامِ سحر (صوفیانہ کلام، نعت بھی شامل، 1946)
۴۔ ظہورِ قدسی (آرزو سہارنپوری، ۱۴ سے زائد نعت، 1956)
۵۔ طلوعِ سحر (نوابؔ دہلوی، کلکتہ، 1957)
۶۔ فردوسِ سخن (جرمؔ محمد آبادی، قصائد کا مجموعہ، 1964)
۷۔ نقشِ بقا (بقاؔ نظامی، خانقاہِ برہانیہ، بارگاہِ عشق، مٹیا برج، کلکتہ، 1965)
۸۔ نعت مصطفیٰ (حکیم مولانا محمد مصطفیٰ قیصر قاسمی، تیلینی پاڑہ، 1974)
۹۔ گلہائے عقیدت (نیلوفر ناہیدؔ، کولکاتہ، 1978)
۱۰۔ جام کوثر (حافظ نجم الحسن امامی نجم، کلکتہ، 1980)
۱۱۔ بارشِ عرفاں (آٹھ نعتیہ قصائد، 12 نعتیں، 1981)
۱۲۔ بارشِ عرفاں (سید لطیف الرحمٰن، آٹھ نعتیہ قصائد، بارہ نعتیں، کلکتہ، 1981)
۱۳۔ نغماتِ راہی (جمیل احمد راہیؔ، اعجاز بک ڈپو، ٹکیہ پاڑہ، ہوڑہ، 1981)
۱۴۔ گلدستۂ نجات (مولانا محمد شمیم الزماں قاسمی، ہوڑہ، 1982)
۱۵۔ نعتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم (شعورؔ بھاگلپوری، برن پور، 1983)
۱۶۔ مرکزِ نور (حلیم حاذق، ہوڑہ، 1985)
۱۷۔ فروغِ تجلی (غیر مسلم شعراء کی نعتوں کا انتخاب، مرتبہ: حلیم حاذق، 1988)
۱۸۔ ایمان کی خوشبو (ضمیرؔ یوسف، ذاکر بک سینٹر، ہوڑہ، کلکتہ، 1988)
۱۹۔ انمول نعتیں (معروف شعراء کی نعتوں کا انتخاب، مرتبہ: حلیم حاذق، ہوڑہ، 1989)
۲۰۔ زادِ سفر (علقمہؔ شبلی، حمدیہ و نعتیہ رباعیاں، کلکتہ، 1990)

۲۱۔ روپ روپ تیری تجلی (شمیم انجم وارثی، گارولیا، شیام نگر، 1993)
۲۲۔ صدائے فاراں (ایمن بھاگلپوری، برن پور، 1993)
۲۳۔ نورِ مصطفیٰ (طالب درویشی، کمرہٹی، 1995)
۲۴۔ مدحت کے پھول (محمد احسان مخلص سلطان پوری، کلکتہ، 1999)
۲۵۔ ارمغانِ لطیف (کیف الاثر، نعتیہ قصائد، مٹیا برج 2000)
۲۶۔ انتخاب از حامی گورکھپوری (مرتبہ: حلیم حاذق، ہوڑہ، 2001)
۲۷۔ لوحِ افکار (حلیم حاذق 'ہوڑہ، 2001)
۲۸۔ نغمۂ جاوداں (خالد قمر، 2002)
۲۹۔ رازِ کن فکاں (نور قریشی، ہوڑہ، 2002)
۳۰۔ الہام کی خوشبو (نور پیکر، ہوڑہ، 2002)
۳۱۔ زادِ آخرت (سید رشید علی القادری، 2003)
۳۲۔ مرا آئینہ مدینہ (فراغ روہوی، کلکتہ، 2003)
۳۳۔ لفظ لفظ خوشبو (حافظ نجم الحسن امامی نجم، کلکتہ، 2003)
۳۴۔ صلوعلیہ وآلہ (علقمہ شبلی، کلکتہ، 2004)
۳۵۔ نور لم یزل (ضمیر یوسف، ہوڑہ، 2004)
۳۶۔ ارمغانِ حبیب (طرحی نعتیہ مشاعرہ کا پچیس سالہ انتخاب، مرتبہ: حلیم حاذق، ہوڑہ، 2005)
۳۷۔ بہہ رہی ہے فرات آنکھوں میں (اعزاز افضل، مرتبہ: نعیم انیس، کلکتہ 2007)
۳۸۔ رمزۂ نور (رضا جون پوری 'رشڑا، ہگلی، 2008)
۳۹۔ گلزارِ نعت (قاری فضل الرحمان مخلص اعظمی، کلکتہ، 2008)
۴۰۔ گلستانِ حافظ (الحاج حافظ کرامت الرحمٰن حافظ لکھنوی، ترتیب و مقدمہ: محمد اقبال، 2009)
۴۱۔ آئینۂ محبت (قاری عین الحق عبرت، گلستاں پبلی کیشنز، کلکتہ، 2009)
۴۲۔ لاالہ الا اللہ (نعتیہ قطعات کا انتخاب، مرتبہ: مشتاق دربھنگوی، 2009)
۴۳۔ روشنی کا لمس (اکبر حسین اکبر، کلکتہ، 2010)
۴۴۔ صل علی محمد (مختلف شعراء کے نعتیہ قطعات، مرتبہ: مشتاق دربھنگوی، کلکتہ، 2010)
۴۵۔ حرف حرف خوشبو (شمیم انجم وارثی، گارولیا، شیام نگر، 2010)

۴۶۔ جمالِ مصطفیٰ (طالبؔ درویشی، کمرہٹی، 2011)
۴۷۔ جمالِ نور (منصور نقیب نشیدی' کلٹی، 2013)
۴۸۔ بہارِ رحمت (اسمعیل پرواز، ہوڑہ، 2013)
۴۹۔ حرف حرف خوشبو (عظیم الدین عظیم، رانی گنج، 2013)
۵۰۔ یا نبی سلام علیک (ممتاز انور، کمرہٹی، 2014)
۵۱۔ صدائے روح (معراج احمد معراجؔ' کلٹی، 2014)
۵۲۔ طغرائی محامد (سید شاہ مرشد علی القادری بہ زبانِ فارسی، اردو ترجمہ: محمد ابو طاہر القادری، مرتبہ: ڈاکٹر عبد السبحان، تالتلہ، 2015)
۵۳۔ چراغِ آگہی (عالم انجم' آسنسول، 2015)
۵۴۔ عرفانِ نور (سید علی ظفر شمیم' مٹیا برج، 2015)
۵۵۔ تجلیاتِ حسنِ ازل (پانچ شعراء کے کلام، مرتبہ: شمس افتخاری، ہوڑہ، 2016)
۵۶۔ ماہِ نیم ماہ (سید علی نظر وسیم' مٹیا برج، 2016)
۵۷۔ گلستانِ وارث (سید شاہ مرشد علی القادری ابوالاعلائی منعمی وارثی، مرتبہ: ڈاکٹر احمد معراج، کولکاتہ، 2017)
۵۸۔ نور ہی نور (عبد الرحیم ہلچلؔ چشتی' ہوڑہ، 2017)
۵۹۔ لبِ اظہار کے پھول (امان اللہ ساغرؔ، نعتیہ قصائد، مٹیا برج، 2018)
۶۰۔ ایک نور کی لکیر (حبیبؔ ہاشمی' ہوڑہ، 2020)
۶۱۔ بارگاہِ رسالت میں (ممتاز انور، نعتیہ قطعات، کمرہٹی، 2021)
۶۲۔ صاحب صلی اللہ علیہ وسلم (فوزیہ اخترؔ ردا، کلکتہ، 2021)
۶۳۔ قطرہ قطرہ مشک (شمیم انجم وارثی، گارولیا، شیام نگر، 2021)
۶۴۔ شعاعِ ایماں (محمود راہی اورنگ آبادی، کولکاتہ، 2021)
۶۵۔ سوئے حرا (فیض احمد شعلہ، کمرہٹی، 2022)

جن شائع شدہ کتابوں کی سنِ اشاعت کا پتہ نہیں چل سکا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ انوارِ آگہی نازاںؔ فیضی گیاوی، کولکاتہ
۲۔ صہبائے مدینہ نازاںؔ فیضی گیاوی، کولکاتہ

۳۔ عقیدت کے پھول — شمیم آنولوی
۴۔ رحمتوں کی پھوار — صغیر عالم رہبؔر بہاری
۵۔ نعت ہی نعت — جستؔ سیرام پوری
۶۔ حرا کا چاند — مولانا محمد شمیم الزماں قاسمی، ہوڑہ
۷۔ بارشِ رحمت — مختلف شعراء کا انتخاب، مولانا کوثر امجدی
۸۔ سوغاتِ نعت — مرتبہ: مولانا راہی ضیائی، آسنسول
۹۔ نغمہ زارِ وفا — قاری داؤد طالب، آسنسول

نعت کے حوالے سے مندرجہ بالا مجموعوں کی فہرست سے یہ پتا چلتا ہے کہ 1857 عیسوی میں مفتی رحمت علی طپشؔ نے پہلی بار 25 صفحات پر مشتمل نعتیہ کلام شائع کیا۔ پھر 14 جون 1899 کو محمد اسحاق نے 92 صفحات پر مشتمل نعتیہ نظموں کا مجموعہ شائع کیا۔ مندرجہ بالا دونوں کتابوں کا ماخذ شانتی رنجن بھٹاچاریہ، کلکتہ کی تحقیقی کاوش ''تذکرۂ تصانیفِ اردو بنگالہ'' جس میں 1798 عیسوی سے 1899 عیسوی تک مختلف موضوعات پر 588 کتابوں اور 76 مصنفین کا تذکرہ شامل ہے۔ اس کے مکمل ہونے کی تاریخ 31/اگست 1966 ہے۔ یہ ہنوز شرمندۂ اشاعت ہے اور بزمِ نثار، کولکاتا کے کتب خانے کی ملکیت ہے۔ یہاں یہ بتاتا چلوں کہ اس بزم کے سکریٹری اشرف احمد جعفری صاحب ہیں۔ نواب دہلوی کے 34/صفحات پر مشتمل نعتیہ مجموعہ ''طلوعِ سحر'' اس لیے اہم ہے کہ یہ ملک کی آزادی کے بعد 1957 عیسوی میں منظرِ عام پر آئی اور نواب دہلوی کا شمار شہرِ نشاط کے اساتذہ شعراء میں ہوتا تھا۔ نواب دہلوی جنوری 1913 میں دہلی میں پیدا ہوئے اور اپنے والد کے ساتھ کلکتہ آئے اور یہیں پر انھوں نے اپنی آخری سانس لی۔ وہ آرزوؔ لکھنوی کے شاگرد تھے۔ 1974 میں شائع شدہ نعت کا مجموعہ ''نعتِ مصطفیٰ''، جسے حکیم مولانا محمد مصطفیٰ قیصر قاسمی صاحب، ساکن تیلنی پاڑہ، نے لکھا تھا، وہ بھی کافی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ کتاب یکم شعبان 1394 ہجری بمطابق 20 اگست، 1974 میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کی تقریظ لکھنے والوں میں معروف شاعر جرم محمد آبادی اور نواب دہلوی کے ساتھ اس وقت کے جید عالمِ دین مولانا کفیل احمد قادری تھے۔ حکیم مولانا محمد مصطفیٰ قیصر قاسمی مشہور شاعر، ادیب اور صحافی مشتاق احمد حامیؔ کے بڑے بھائی اور ڈاکٹر شاہد اختر، سابق صدر شعبۂ اردو، ہگلی محسن کالج کے سمدھی تھے۔

مغربی بنگال کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے اگر گفتگو کی جائے تو سب سے پہلے ذہن میں جو نام

ابھر کر سامنے آتا ہے وہ حلیمؔ حاذق کا ہے، جو بنگال کے معروف شاعر حاذقؔ انصاری کے صاحبزادے ہیں۔ ان کے بڑے بھائی کلیمؔ حاذق بھی ایک خوش فکر شاعر اور معروف ناقد ہیں۔ لہذا یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ حلیمؔ حاذق کو شاعری ورثے میں ملی ہے۔ ان کے اب تک دو نعتیہ مجموعے ''مرکزِ نور (1985) اور ''لوحِ افکار (2001) منصۂ شہود پر آ کر داد و تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ ان کی نعتیہ شاعری میں جہاں حضور سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت والفت کا اظہار ملتا ہے وہیں زبان و بیان پر ان کی گرفت بھی سخت ہے۔ ان کی نعتوں میں صالح فکر نمایاں ہے۔ ان کے نعتیہ اشعار میں حسنِ عقیدت کا جلوہ اتنا نمایاں ہے کہ بے ساختہ زبان سے سبحان اللہ کا نعرہ بلند ہوتا ہے۔ وہ مذہبی جلسوں کے ایک کامیاب نقیب بھی ہیں۔ ان دو مجموعوں کے علاوہ انھوں نے غیر مسلم شعراء کی نعتوں کا انتخاب '' فروغِ تجلی (1988)'' معروف شعراء کی نعتوں کا انتخاب'' انمول نعتیں (1989)'' حضرتِ حامؔی گورکھپوری کی نعتوں کا انتخاب ''مطلعِ انوار (2001) اور طرحی نعتیہ مشاعرہ کا پچیس سالہ انتخاب بعنوان ''ارمغانِ حبیب'' (2005) مرتب کیا۔ سچ کہئے تو ان کی نعتیہ سرگرمیوں نے مغربی بنگال میں نعتیہ شاعری کو زبردست استحکام بخشا ہے۔ نعت کے حوالے سے ان کا زبردست کارنامہ ان کی تحقیقی و تنقیدی کتاب ''اصولِ نعت گوئی'' (2009) ہے، جس کی پذیرائی صرف ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ پاکستان میں بھی ہوئی۔ فروغِ حمد و نعت کا کتابی سلسلہ ''دبستانِ نعت'' کے شمارہ نمبر 5 میں جن 159 تحقیقی، تنقیدی و تخلیقی کتب و دواوین کا اجمالی تعارف کا ذکر ہے، ان میں مغربی بنگال کے حوالے سے صرف سات کتابوں کے نام سامنے آئے ہیں، مثلاً: حلیم حاذق کی کتاب ''اصولِ نعت گوئی (تحقیقی و تنقیدی مقالات) لوح اور قلم، مشتاق دربھنگوی کا غزالانِ حرم (شاعرات کا حمدیہ انتخاب) وعندلیبانِ طیبہ (شاعرات کا نعتیہ انتخاب)، فراغ روہوی کا ''حمد کا عالمی انتخاب'' اور ایم۔ نصر اللہ نصر کا حمدیہ کلام ''ثنائے رب''۔ ضمیر یوسف بھی ایک پختہ کار شاعر ہیں۔ نعتیہ کلام بھی خوب کہتے ہیں۔ ان کے دو نعتیہ مجموعے ''ایمان کی خوشبو'' (1988) اور نورِ لم یزل (2004) منظر عام پر آ کر مقبولِ عام کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ ایک اور نعتیہ مجموعہ '' رحمت کی چاندنی'' اشاعت کی منتظر ہے۔ معروف شاعر و ادیب علقمہ شبلی کا کہنا ہے کہ:

> ''ضمیر یوسف نے اپنی نعتوں میں مجموعی طور پر حفظِ مراتب کا خیال رکھا ہے۔ وفورِ شوق اور جذباتِ عقیدت کے اظہار میں ان کا قلم محتاط ہے۔ فنی لوازمات اور شعری محاسن سے بھی انھوں نے صرفِ نظر نہیں کیا ہے اور یہی وجہ

ہے کہ کہ ان کے اشعار میں ایسا تاثر ہے جو دل کو چھوتا ہے اور دماغ کو سرشار کرتا ہے۔''

مذہبی جلسوں اور نعتیہ مشاعروں کی نظامت بھی بحسن وخوبی انجام دیتے ہیں جو اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ اسلامی تعلیمات اور سیرتِ رسول سے کماحقہ واقفیت رکھتے ہیں۔ نعت گوئی کو مغربی بنگال میں فروغ دینے میں کلیم حاذق اور ضمیر یوسف کا اہم کردار رہا ہے اور شاید آخری سانس تک رہے گا۔ نعت کے حوالے سے ایک معتبر نام حضرتِ علقمہ شبلی کا ہے جو ایک استاد شاعر تھے۔ انھوں نے اردو شاعری کی ہر صنف میں طبع آزمائی کی اور وہ ایک اچھے نثر نگار بھی تھے۔ وہ ابتدا ہی سے نظم ونثر دونوں میدان میں سرگرم عمل رہے۔ انھوں نے شاعری کی دوسری اصناف کے ساتھ نعت گوئی کو بھی مہمیز کیا ہے۔ ان کے دو نعتیہ مجموعے ''زادِ سفر'' (1990) اور ''صلوعلیہ وآلہ'' (2004) شائع ہو کر مقبولِ عام کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ یہاں یہ بتانے کی چنداں ضرورت نہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات سے انھیں کس قدر محبت وعقیدت تھی۔ زبان وبیان پر ان کی گرفت سخت تھی۔

مغربی بنگال میں اردو نعت گوئی کے حوالے سے ایک اور اہم نام شمیم انجم وارثی کا ہے۔ اب تک ان کے تین مجموعے ''روپ روپ تجلی'' (2004)، ''حرف حرف خوشبو (2010)، اور'' قطرہ قطرہ مشک'' (2021) منصۂ شہود پر آکر داد وتحسین حاصل کر چکے ہیں۔ ان کے نعتیہ اشعار اور پرسوز ترنم مذہبی جلسوں میں چار چاند لگا دیتے ہیں۔ زبان بہت صاف اور سہل استعمال کرتے ہیں۔ ان کے اشعار میں بصیرت کے ساتھ ایمان کی حرارت بھی ہے۔ امید ہے کہ عنقریب ہی ان کا چوتھا نعتیہ مجموعہ منظرِ عام پر آئے گا اور نعتیہ شاعری کے حوالے سے ان کا نام مزید روشن ہوگا۔ اس میں کوئی دورائے نہیں کہ مذہبی جلسوں میں ان کی لگاتار شرکت نے مغربی بنگال کی نعتیہ شاعری کو بہت حد تک مہمیز کیا ہے۔

ممتاز انور بحیثیت شاعر ایک امتیازی پہچان رکھتے ہیں۔ ان کے دو نعتیہ مجموعے ''یا نبی سلام علیک'' (2014) اور ''بارگاہِ رسالت'' (2021) منصۂ شہود پر آچکے ہیں۔ دوسرا مجموعہ ''بارگاہِ رسالت''، دراصل نعتیہ قطعات کا دیوان ہے، جس کے متعلق معروف شاعر وادیب فاروق جائسی صاحب کا کہنا ہے:

> ''جب اللہ اور اس کے رسول کا کرم ہوا تو ممتاز انور نے اپنا نعتیہ دیوان اس انداز میں مرتب کیا کہ ہر حرفِ تہجی پر چھ چھ قطعات نظم کئے۔ دیوان مرتب کرنے میں یہ دیکھا گیا ہے کہ اس میں آمد کم اور آورد کا عمل دخل

زیادہ ہوتا ہے مگر ممتاز انور کے قطعات میں آمد آمد کا احساس ہوتا ہے یہی اس دیوان ''بارگاہِ رسالت میں'' کا وصف ہے۔ان کے قطعات کیف ومستی اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ڈوبے ہوئے ہیں۔''

ممتاز انور ایک بالغ نظر شاعر ہیں۔زبان وبیان پر قدرت ہے۔دینیات واسلامیات پر ان کی گہری نظر ہے۔زبان بہت سہل اور فصیح ہے۔2021 میں ایک اور کتاب کربلائی شاعری بعنوان'' لہریں فرات کی''منظرِ عام پر آئی ہے جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی شاعری میں مذہبیت کا خاصہ دخل ہے۔مستقبل میں نعت کے حوالے سے مزید توقعات ہیں۔نعت کے حوالے سے ایک اہم نام نیلوفر ناہید کا بھی ہے۔ان کا اصل نام آمنہ یوسف ڈوپلے تھا۔انھیں آرزوؔ سہارنپوری سے شرفِ تلمذ حاصل تھا۔یہ کلکتہ کی واحد شاعرہ ہیں جن کا نعتیہ مجموعہ ''گلہائے عقیدت''(1978) میں منظرِ عام پر آیا۔ادبی محفلوں میں اس مجموعے کی زبردست پذیرائی ہوئی۔ان کی نعتوں میں سادگی،سلاست اور روانی بلا کی ہے۔نیلوفر ناہیدؔ کے چند مصرعے ملاحظہ فرمائیں:

جمالِ رخِ مصطفیٰ اللہ اللہ وہ تفسیرِ شمس الضحیٰ اللہ اللہ

شہنشاہِ روزِ جزا اللہ اللہ محمد کا یہ مرتبہ اللہ اللہ

یہاں یہ بتاتا چلوں کہ نعت گوئی کی روایت کو فروغ دینے میں کچھ اداروں کا بھی زبردست اور اہم کردار رہا ہے۔ان میں سے ایک دارالقرآن مدرسہ عظمتیہ،کلکتہ بھی ہے۔اس ادارہ نے بتقریبِ جلسۂ سالانہ،2011 میں اپنے مجلّہ مینارِ عظمت میں نعت گو شعراء کرام کی نعتوں کا انتخاب شائع کیا۔اس نمبر میں 1978 سے 2008 تک کے طرحی نعت کے مشاعروں کا انتخاب پیش کیا گیا ہے۔اس انتخاب میں جن شعراء کا کلام شامل ہے،ان میں اثیمؔ اعظمی،نوابؔ دہلوی،بشیر احمد بشیرؔ،رحمتؔ لکھنوی، جذبؔ آنولوی،عبد الرشید ارماںؔ،رازؔ مظہری،محبّؔ شادانی،معصوم تاجپوری،خان نثار غازی پوری، رفعتؔ سیٹھی،مہریؔ رام پوری،امداد انجم ارشادی،اخترؔ قریشی،کمال الدین کمالؔ،اکرامؔ اعظمی،حلیم صابر،ایوبؔ پیامی،نعیم الدین فضاؔ،تابشؔ دہلوی،آسیؔ اعظمی،مخلصؔ اعظمی،غلام حسین ایازؔ،خلیقؔ اعظمی، رہبرؔ لکھنوی اور عرفانؔ بنارسی وغیرہ۔اس سلسلے میں مشتاق احمد حامیؔ اپنی کتاب''آزادی کے بعد مغربی بنگال میں نعتیہ شاعری''صفحہ نمبر 8 میں یوں رقمطراز ہیں:

''وہ کلکتہ کی ایک قدیم درسگاہ مدرسہ عظمتیہ (جسے حافظ محمد عظمت خالدی اعظمی نے 1898ء میں قائم کیا تھا) وہاں کے اراکین گزشتہ پچیس

سالوں سے ذکریا اسٹریٹ (کلکتہ) میں باقاعدہ نعتیہ طرحی مشاعرہ کرتے آرہے ہیں۔''

نعت گوئی کو فروغ دینے میں مغربی بنگال اردو اکیڈمی بھی پیش پیش ہے اور ہر سال نعتیہ مشاعرے کا اہتمام کرتی ہے۔ جن شعراء یا شاعرات کے نعتیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں ان کا تذکرہ ماقبل کے سطور میں کیا جا چکا ہے۔ لیکن کچھ شعراء ایسے ہیں جو مسلسل نعتیں کہہ رہے ہیں اور جن سے مستقبل قریب میں نعتیہ مجموعے کی امید کی جاسکتی ہے، ان میں حلیم صابر، وحشی ہوڑوی، کمتر عظیم آبادی، ڈاکٹر معصوم شرقی، انور حسین انجم، دائم غواصی، اشرف یعقوبی، فیروز اختر، عنبر صدیقی، نسیم فائق، شفیق الدین شایاں، انظار البشر، روشن ضمیر، سمیع الفت اور نسیم اشک کے اسمائے گرامی اہم ہیں۔

مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ بات پورے وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ نعت گوئی کی روایت جو مغربی بنگال میں غزل کے شانہ بشانہ ارتقائی مراحل طے کر رہی ہے بلا مبالغہ یہ روایت پہلے سے زیادہ مستحکم ہوگئی ہے۔ اس بات سے بھی انکار نہیں کہ آزادی سے قبل اس کی رفتار کچھ سست رہی لیکن آزادی کے بعد اس کی رفتار تیز تر ہوگئی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ شعراء کے اندر نعت گوئی کے رجحان کے فروغ کے ساتھ نعتیہ مجموعوں کی اشاعت کا جذبہ بھی بیدار ہوا ہے۔ اس احساس کی شدت نے صنفِ نعت گوئی کو دورِ بیدم، محسن، امیر اور احمد رضا کی طرح قابلِ توجہ بنانے میں اہم کردار ادا کیا اور شعراء کی اچھی خاصی تعداد نے نعتیہ کلام پیش کر کے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی گہری محبت وعقیدت کا اظہار کیا ہے۔ مغربی بنگال کے نعت گو شعراء ماضی میں بھی اس فن سے وابستہ رہے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔ قوی امید ہے کہ آنے والے دنوں میں اس فن کا مستقبل مزید تابناک ہوگا۔

ماخذ اور حوالہ جات:

۱۔ دبستانِ نعت شمارہ ۴ — مدیر: ڈاکٹر سراج احمد قادری
۲۔ اردو کی نعتیہ شاعری — ڈاکٹر فرمان فتحپوری
۳۔ خیر البشر کے حق میں — ممتاز حسین
۴۔ عالمی نعتیہ انتخاب — مرتبہ: اطیب اعجاز
۵۔ کاروانِ مدینہ — مجلس تحقیقات ونشریات اسلام ندوہ، لکھنؤ

۶۔ قصیدہ بردہ کے اردو تراجم	سعود عالم
۷۔ بہر زماں بہر زباں	نور میرٹھی
۸۔ دبستانِ نعت شمارہ ۵	مدیر: ڈاکٹر سراج احمد قادری
۹- فیروز احمد سیفی	ڈائریکٹر/ فاؤنڈر نعت ریسرچ سینٹر، انڈیا
۱۰۔ اصولِ نعت گوئی	حلیم حاذق
۱۱۔ مغربی بنگال کا شعری ونثری ادب	مرتبین: ڈاکٹر شاہد ساز و ڈاکٹر امتیاز احمد
۱۲۔ تذکرۂ تصانیف اردو بنگالہ	مخطوطہ۔ شانتی رنجن بھٹاچاریہ
۱۳۔ آزادی کے بعد مغربی بنگال میں نعتیہ شاعری	

☆☆☆

ڈاکٹر شاہد احمد جمالی (جے پور، راجستھان)

راجستھان کا ایک گمنام نعت گو شاعر: واجد حسین واجدؔ (۱۸۹۵ء۔۱۹۴۱ء)

راجستھان جو ایک زمانے میں راجپوتانہ کہلاتا تھا، کئی ریاستوں میں منقسم تھا۔ یہاں کی بیشتر ریاستوں کے والیان علم و ادب کے دلدادہ تھے، اور ۱۸۳۵ء میں جب انگلش حکومت نے اردو کو دفاتر کی زبان بنائے جانے کا اعلان کیا تو سب سے پہلے جے پور اور اس کے بعد کئی ریاستوں نے اپنے یہاں اردو کو سرکاری زبان کی حیثیت سے قبول کیا۔ لیکن کچھ ریاستیں ایسی تھیں جہاں کے راجاؤں نے اردو زبان تو دور، اردو کے الفاظ بھی استعمال کئے جانے پر سخت پابندی لگا رکھی تھی۔ ایسی ہی ریاستوں میں سے ایک ریاست ''بوندی'' تھی، جہاں کے راجا صرف 'ہاڑوتی' زبان کو ہی پسند کرتے تھے، اردو کو کسی بھی سرکاری شعبہ میں جگہ نہیں دی گئی۔ ریاست بوندی میں اردو کو جو کچھ فروغ حاصل ہوا وہ عوامی طور پر حاصل ہوا۔ یہاں اردو کو فروغ دینے والوں میں ایک عاشق رسول بھی تھا، جس کا نام واجد حسین واجدؔ تھا۔

واجد حسین واجدؔ ۱۸۹۵ء میں بوندی میں پیدا ہوئے، والد کا نام منشی عبدالخالق صدیقی تھا۔ مولوی وارث علی سے تعلیم حاصل کی، جو اس زمانے میں کوٹہ، بوندی اور جھالاواڑ (ہاڑوتی) علاقہ میں ایک بزرگ ہستی تھے۔ واجدؔ نے نعتیہ شاعری میں مولوی وارث علی سے اصلاح لی اور غزل گوئی میں مولانا سیماب اکبر آبادی کی شاگردی اختیار کی۔ ایک شعر میں اپنے استاد مولوی وارث علی صاحب کو اس طرح یاد کیا ہے:

چہکتا ہے جو بلبل سا تُو واجدؔ صحنِ گلشن میں　　اثر واجدؔ ہے یہ وارث علی صاحب کی صحبت کا

ریاست بوندی کی سرزمین ادبی لحاظ سے بنجر تھی، لیکن اس عاشق رسول نے اس بنجر زمین پر بھی عقیدت، عشق و محبت کے گل کھلائے۔ واجدؔ کا نعتیہ دیوان ''سفینۂ مغفرت'' ۱۹۳۲ء میں افضل المطابع، ممبئی سے شائع ہوا تھا۔ ۱۹۴۱ء میں اس عاشق رسول کا انتقال ہوا۔

واجؔد کے دیوان میں دو نعتیں 'بوندی' ردیف میں بھی موجود ہیں، جس میں انھوں نے حبیبِ خدا سے اپنا حال بیان کیا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

نبی کے عشق میں ہوں دلفگار بوندی میں　　انھیں کا شیفتہ ہوں جانثار بوندی میں
کیا شیوۂ ظلم اختیار بوندی میں　　ہر اک پھرتا ہے باندھے کٹار بوندی میں
بلا مجھ کو حضوری میں اے شہِ والا　　تڑپ رہا ہے پڑا خاکسار بوندی میں
خدا کے واسطے جا کر صبا یہ کہہ دینا　　کہ ایک عاشقِ شیدا ہے خوار بوندی میں

مذکورہ دیوان میں شامل تمام نعتوں کا ایک ایک شعر واجؔد کے عاشقِ رسول ہونے کی غمّازی کرتا ہوا نظر آتا ہے:

الٰہی عشق دے اپنا نبی کی الفت دے　　یہ نقش دل پر میرے پائیدار کر دینا
تشنہ لب ہے یا نبی یہ شربتِ دیدار کا　　دل مرا بیما ہے اس نرگسِ بیمار کا
قرآن نازل ہوا جس پر وہی سردار ہے میرا　　محمد شافع روز جزا غمخوار ہے میرا
فرقت میں تڑپتا ہوں سدا صورتِ سیماب　　اے بحرِ کرم اب تو دکھا موہنی صورت
مدینہ میں مجھ کو بسا دیجئے گا　　مجھے اپنا روضہ دکھا دیجئے گا
غلام آپ کے خادموں کا ہوں آقا　　مجھے اپنی صورت دکھا دیجئے گا

آنحضرت کے مراتب پر بھی چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

جب رکھا پائے مبارک، موم پتھر بن گیا　　معجزہ فخرِ رسل کا دین کا محضر بن گیا
امت عاصی کی کیا خوش قسمتی کا پوچھنا　　جب محمد ﷺ اس کا حامیِ روزِ محشر بن گیا
حق سے ملنے جا رہے ہیں احمدِ مختار آج　　انبیا و اولیا کے ہیں سبھی سردار آج

......

دونوں جہاں میں ہے راج محمد ﷺ　　شاہ، گدا محتاج محمد صلی اللہ علیہ وسلم
بشر تو کیا ملائک کی رسائی غیر ممکن ہے　　کہ جس مسند پہ جا کر احمدِ مختار بیٹھے ہیں

تمام دیوان کا مطالعہ کرنے کے بعد قاری کو جو پیغام ملتا ہے وہ یہ ہے:

جو عشقِ احمدِ مختار کا بیمار ہو جائے　　خدا وندِ دو عالم کا وہی دلدار ہو جائے
یہی غل ہوگا محشر میں گنہ گاروں میں اے واجؔد　　نگاہِ لطف ہم پر احمدِ مختار ہو جائے

ادبی نقطہ نظر سے بھی اس دیوان کی بڑی اہمیت ہے، کیوں کہ بوندی میں اردو کی تعلیم صرف ذاتی

مدارس کی حد تک تھی۔ وہاں نہ کوئی اردو پریس تھا اور نہ ہی کوئی کتب خانہ، جس سے کسی قسم کا استفادہ کیا جا سکے۔ اہلِ بوندی کی بہت کم کتابیں منظر عام پر آئی ہیں، لیکن ان میں مذکورہ دیوان ''سفینۂ مغفرت'' (دیوان واجدؔ) کو انفرادی حیثیت حاصل ہے۔

☆☆☆

ڈاکٹر رضوان الرضا رضوانؔ (لکھنؤ)

عین المعارف پر: عرفان وآگہی کی نظر

شاعری اظہار ذات وکائنات کا ایسا ذریعہ سمجھی جاتی ہے جس سے طرح طرح کے خیالات و افکار عالیہ تک رسائی حاصل ہوتی ہے اور علوم وفنون کی تہہ در تہہ باریکیاں بھی نمایاں ہوتی ہیں۔ دراصل کسی شے کی باریکی کو سمجھ لینا جتنا اچھا ہے اس سے کہیں زیادہ بہتر اس کے لوازمات کو سمجھنا ہے اور پھر اشیا کی حقیقت کے ساتھ ساتھ خالق کائنات کی معرفت کا بھی علم حاصل ہو جائے تو انسانیت کی معراج ہے، جو دراصل مقصود بندگی ہے۔

یہ تمہیدی گفتگو نہ کسی کتاب پر تبصرہ لکھنے کے لیے ہے نہ کسی شاعر کی تعریف وتوصیف کے لیے ہے اور نہ ہی کسی فن پر بحث کرنے کی ابتدا ہے بلکہ دراصل ایک ایسے نکتہ کو واضح کرنے کی حتی المقدور کوشش ہے جو اتنا اہم اور بامعنی ہے کہ خدا کے ''خ'' پر لگا ہو تو نقطہ کا بھی وجود باقی اور اس کے بنانے والے کی بھی حقیقت کا علم روشن ورنہ یہی نکتہ صرف نقطہ رہ جائے اور اپنا معنی ومفہوم بھی کھودے اور خدا کے ''خ'' سے ذرا نیچے ہو تو جدا ہو جائے۔ یہ منطقی دلائل اور فلسفیانہ بحث پھر کبھی حقیقت میں خدا اور خدا ہی کا سارا معاملہ ہے کہ اگر خدائے وحدہٗ لاشریک سے حقیقی تعلق ہے تو بندے کو اپنے رب کا وہ قرب خاص میسر ہو جاتا ہے کہ پھر خدا سے جدا نہیں رہتا اور اگر یہ تعلق نہ ہو تو پھر جدا ہی جدا ہے اور یہ قرب خاص میسر ہونا بھی اسی کی توفیق وعطا پر منحصر ہے، وہ جسے چاہتا ہے عطا فرما دیتا ہے:

بے حجابی وہ کہ ہر شے میں ہے جلوہ آشکار   گھونگھٹ اس پر یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

......

وادیِ عرفاں میں داغِ تہمتِ دخلِ دوئی   نقش پائے نا توانِ عارفِ لغزیدہ ہے

بچپن میں ایک نعت سنا کرتا تھا:

نہ میرے دل، نہ جگر پر، نہ دیدۂ تر پر   کرم کرے وہ نشانِ قدم تو پتھر پر

شوق پیدا ہوا تو یہی نعت خود پڑھنے لگا اور جب ذرا باشعور ہوا اور ذوق پیدا ہوا تو اس نعت کے اشعار پر غور کرتا اور اس کے معنی و مفہوم کو بھی سمجھنے کی کوشش کرتا۔ اس میں نعت کا رنگ غالب اور غزل کا حسن نمایاں ہے:

نعتیہ غزل جس میں نعت میں تغزل بھی دیکھنے کو ملتا ہے، ہمارے ناقدین ادب نے غزل کی تعریف میں لکھا ہے کہ یہ محبوب سے باتیں کرنے کی صنفِ سخن ہے۔ محبوب، حقیقی بھی ہوتا ہے مجازی بھی، بیک وقت دونوں بھی ہوسکتا ہے اور محبوب سے ہر طرح کی گفتگو کی جاسکتی ہے۔ محبوب کی حقیقت، ذات و کائنات کی حقیقت اور اس کی اہمیت، تخلیق ذات و کائنات اور اس کا مقصد، حیات و موت، حیات بعد الموت، دنیاوی و اُخروی زندگی، فلسفۂ تخلیق کائنات، وجود ذات باری تعالیٰ، مخلوقات دو عالم، نوری ناری و خاکی مخلوقات، غرض یہ کہ حیوانات، نباتات، جمادات، زمین و آسمان، چاند، سورج، ستارے، آب و ہوا، خاک و آگ، رات و دن، مرد و عورت، جنت و دوزخ، سردی و گرمی، خشکی و تری، سختی و نرمی، حق و باطل، خوشبو و بدبو، دین و دنیا، ایمان و عقیدہ، گمراہی بے دینی، حواس ظاہرہ و باطنہ، قوت جسمانی، سامعہ، باصرہ، ذائقہ، و شامہ حاسۂ متخیلہ، متصورہ، متفکرہ وغیرہ تمام کی تمام چیزیں قدرت کا وہ انمول عطیہ اور نعمت بے بدل ہیں جن کے اظہار کے الگ الگ ذرائع اس لیے پیدا فرمائے گئے تا کہ مخلوق ان کی روشنی اور ادراک کے سائے تلے اپنے خالقِ حقیقی کو سمجھ لے اور بندہ اپنے معبود کی بندگی میں لگا رہے۔ اس کی تعریف میں اپنی تمام تر قوتیں اور صلاحتیں صرف کر دے۔ ان اشیا کے اظہار کے بعد ان کا ادراک بھی ضروری معلوم ہوا تو پھر اسی پروردگار نے اپنے محبوب و مقبولِ بارگاہ بندوں کو نبوت و رسالت اور ولایت کا عظیم منصب عطا فرما کر مبعوث فرمایا اور ان کے سروں پر نہ صرف علم و حکمت اور عرفان و معرفت کا زریں تاج سجایا بلکہ حقیقت اشیا کے علومِ ظاہری و باطنی سے بھی آراستہ کیا تا کہ ان کے ذریعے اس کے بندے ہدایت پاتے رہیں اور گمراہی سے بچتے رہیں۔ ان سب کے لیے علوم و فنون کو لازم قرار دیا اور ان کے حصول کے مختلف ذرائع و وسائل بھی پیدا کیے گئے۔

انبیائے کرام و رسولان عظام کو آسمانی مقدس کتابیں و صحیفے عطا کیے گئے تا کہ رہتی دنیا تک ہر دور، ہر خطے، ہر طبقے اور ہر فرد کی رہنمائی ہو سکے خواہ وہ عربی ہو یا عجمی، ہندی ہو یا چینی، غرض یہ کہ ایک خدا کے قانون کے دائرے میں رہ کر اس کی بنائی ہوئی ہر شے کا جائز اور مناسب استعمال کیا جا سکے اور اس سے فائدہ حاصل کر کے اس کے بنانے والے کی بہتر سے بہتر زندگی کے فرائض ادا کیے جائیں تا کہ شکر گزار بندوں میں شمار ہوں۔

چنانچہ روزِ ازل ہی سے اطاعت و بندگی کا یہ سلسلہ جاری و ساری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔ جن و بشر اگر بندگی سے ہٹ جائیں تو چرند و پرند اس کی حمد و ثنا کرتے رہیں گے۔ یہ بھی ختم ہو جائیں تو غیر جاندار اشیا اس کی تعریف و توصیف بیان کرتی رہیں گی جب کچھ بھی نہیں ہوگا تو بھی اس کی حمد و ثنا اور تعریف و توصیف باقی رہے گی۔

اس نے اپنی صفات کا مظہر بنا کر اس کا راستہ ہموار کر دیا ہے کہ بندہ اپنے رب کی بندگی اور تعریفِ و توصیف کر کے اپنے لیے نیکی کے دروازے کھول لے تا کہ اس کے رحم و کرم کی اسے بھیک ملتی رہے۔

تعریف و توصیف، حمد و ثنا، اور نعت و مدحت کے کئی طریقے بھی اس نے پیدا کیے اور اپنے بندوں کو سکھائے تا کہ اپنی اپنی زبان اور لب و لہجے میں سب اس کے گیت گاتے رہیں۔

پڑھی اور لکھی جانے والی باتیں علم و فن کہلائیں اور زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق علوم و فنون کا اظہار بھی اس خالقِ کائنات نے اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں پر اظہار کیا، تا کہ اس کی خوبیوں کا پتہ چل سکے اور اس کی کاریگری منکشف ہو سکے۔ اظہار کے طریقوں میں جو چند موثر طریقے ہیں ان میں فنِ شعر و شاعری اپنی جگہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے ایک نثر کا جملہ یاد رکھنا ذرا مشکل ہوتا ہے مگر ایک شعر نہیں، بلکہ پوری غزل یاد کر لینا نہایت آسان کام ہے۔ چنانچہ یہ موثر طریقہ اکثر و بیشتر علماء دانشوروں نے اپنایا۔

اب رب لعالمین کی حمد و ثنا کے ساتھ ساتھ محبوب پروردگار جناب رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و مدحت کی طرف بھی متوجہ ہوا جائے جن کے طفیل ہی ساری کائنات کی بحث اور غرض و غایت معرضِ وجود میں آئی تا کہ ایک ایسی ذات والا صفات کا نمونۂ عمل سامنے ہو جو ہر طرح کامل و اکمل ہو، ہر عیب سے پاک ہو، ہر طرح سے مزین ہو، تمام خوبیوں کا پیکر ہو اور سراپا رحمت ہو:

تہارے حسن کی تصویر کوئی کیا کھینچے نظر ٹھہرتی نہیں عارض منور پر

......

باندھ کر اکثر تصویر اس رخِ پر نور کا خانۂ دل میں کیا کرتے ہیں ہم روشن چراغ

حضرت علامہ آسی غازی پوری علیہ الرحمہ کی شاعری کو سمجھنے کے لیے جو اشارے کئے گئے ہیں وہ انہیں اوصاف سے متصف ہیں جن میں عرفان معارف کی نظر اس قدر روشن اور باریک ہے کہ اس کی تجلی سے دوسروں کی نگاہیں منور ہو جاتی ہیں اور اسی لیے آپ کے دیوان کا عنوان ہی ''عین المعارف''

رکھا گیا ہے جو دراصل تصوف ومعرفت اور علم وعرفان کا ایسا دریا ہے جو پڑھنے سننے اور سمجھنے والوں کو اثر انداز ہو کر دلوں کو اپنے دھارے میں بہا کر نہ صرف لیے جاتا بلکہ تمام آلائش سے پاک وصاف بھی کر دیتا ہے۔ یہی خاصہ محبوبِ روردگار کی نعت ومدحت کا ہے جو دلوں سے نکلتا ہے اور دلوں پر اثر کرتا ہے۔

حضرت آسی کے کلام میں شیخ سعدؔی کی نصیحت بھی ہے، علامہ جامؔی اور مولانا رومؔی کی معرفت بھی ذوق وشوق کی خوش ذوقی اور شوقین مزاجی بھی ہے۔ دردؔ کا سوز وگداز بھی، غالبؔ کا فلسفہ بھی ہے اور اقبالؔ کا نظریہ خودی بھی۔ حسرتؔ کا تغزل بھی ہے اور اصغرؔ کا تصوف بھی، حسنؔ کی نیرنگیاں، مناظر قدرت کی جلوہ سامانیاں انسانی وحیوانی نفسیات کے جلوے، معاملاتِ عشق اور اس کے تقاضے، شراب وشباب کی کیفیات اور سرمستی وسرشاری، زندگی کے اسرار ورموز، ہجر ووصال کی لذت وکلفت، رنج وغم اور مسرت وشادمانی کے نمایاں طور طریقے، حیات وموت اور حیات بعد الموت کی دستک، حساب وکتاب اور حشر ونشر کی سچی داستان، محشر کی پریشاں حالی اور نگاہِ امید کی طرف شافعِ محشر، ساقی کوثر کی چشم التفات اور پھر جزا اور سزا کے طور پر ابدی اور لامتناہی زندگی کا انکشاف، اس طرح سے کیا جا سکتا ہے کہ دیکھنے والا خود حیرت میں پڑ کر اسی محبوبِ حقیقی اور محبوب خدا کے حضور رجوع ہو کر عرض کرے:

وہ شافعِ مصیاں، میں گنہ گار ہوں آسؔی
وہ بحر عنایت ہیں، یہاں تشنہ لبی ہے

☆☆☆

ڈاکٹر محمد امجد رضا خان (پٹنہ)

حضور مفتی اعظم ہند کی حمد نگاری

کائنات کی ہر شے خدائے تعالیٰ کی حمد وثنا کرتی ہے، اس کی عظمت وقدرت کے گن گاتی ہے اس کی تسبیح وتہلیل اور تقدیس وتنزیہ کے نغمے الاپتی ہے۔ قرآن پاک میں متعدد مقامات پر اس کی صراحت آئی ہے۔ سورۂ صافات میں ہے: **سبح لِلّٰہ مافی السمٰوات ومافی الارض وھو العزیز الحکیم۔** سورۂ حدید میں ہے: **سبح لِلّٰہ مافی السمٰوات والارض وھوالعزیز الحکیم۔** سورۂ رعد میں ہے: **ویسبح الرعد بحمدہ۔** سورۂ نور میں ہے: **الم تری ان اللّٰہ یسبح لہ من فی السمٰوات والارض۔** سورۂ اسرا میں ہے: **تسبح لہ السمٰوات السبع والارض وما فیھن۔** اسی سورہ میں دوسری جگہ ہے: **وان من شی الا یسبح بحمد ہ ولٰکن لاتفقھون تسبیحھم۔**

حضرت سعدی علیہ الرحمہ نے کیا خوب کہا:

بذکرش ہرچہ بینی در خروش است ولے داند دریں معنی کہ گوش است
نہ بلبل بر گلش تسبیح خوانیست کہ ہر خارے بہ تسبیحش زبا نیست

یعنی ہر چیز اللہ کی ذکر میں بیخود ہے مگر اس راز کو وہی سمجھ سکتا ہے جو حق آشنا ہے۔ صرف بلبل اپنے پھول کو دیکھ کر تسبیح نہیں پڑھتا بلکہ کانٹے بھی خدا کی تسبیح میں رطب اللسان ہیں۔

انسان خدا کی تخلیق کا حسین شاہکار ہے اسے خدا نے احسن تقویم عطا کیا ہے۔ اسی کے سر پر **لقد کرمنا بنی آدم** کا تاج رکھا ہے، **علمہ البیان** اس کی شان اور **علم الانسان مالم یعلم** اس کی صفت ہے .... اسے خداوند قدوس نے عقل کی قوت، فکر کی دولت، احساس کی حدت، زبان کی وسعت، بیان کی ندرت، جذبات ومحسوسات کے اظہار کی طاقت اور کائنات پہ حاکمیت عطا کی ہے پھر وہ خدا کی تسبیح وتحمید سے کیسے محروم رہ سکتا تھا۔

اس یقین کے باوجود کہ بندہ خدا کی حمد وثنا کا حق ادا نہیں کرسکتا، اس کے لئے خدا کی کامل

معرفت درکار ہے اور بندے کو کما حقہ خدا کی معرفت ہو ہی نہیں سکتی۔ سب سے زیادہ رب کو پہچاننے والی ذات گرامی آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **ما عرفناك حق معرفت کی عنی** ہم نے تجھ کو اس طرح نہیں پہچانا جس طرح تجھے پہچاننے کا حق ہے، پھر وہ کون ہے جو خدا کی حقیقی اور کلی معرفت کا دعویٰ کرے مگر اس کے باوجود حمد سرائی اور ثنا گوئی کا عمل صدیوں سے جاری ہے بلکہ ابتدائے آفرینش سے جاری ہے اور اس وقت بھی جاری رہے گا جب کوئی نہ ہوگا اور خدا خود اپنی کبرائی بیان کرے گا **لمن الملك اليوم** ....انسان اگر اپنے عمل میں مخلص ہے تو اس کا ہر عمل خدا کی حمد وثنا ہے۔ ذکر وفکر حرکت وسکون خوشی اور غم ہر کیفیت حمد ہے، ہر سانس عبادت ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہے اور اس نے رب کی حمد وثنا میں بھی اشرفیت کا مظاہرہ کیا ہے اور کر رہا ہے۔ خدا کی ذات کل یوم ہو فی شان کی حامل ہے۔ تو اس کا بندہ اس کی صفت کے اظہار میں کل یوم ہو فی شانکا مظہر ہے۔ وہ ہر انداز اور ہر رنگ میں اس کی خلاقیت ورزاقیت اور قدرت وصنعت کے گن گاتا ہے۔ بندے کی حمد کا انداز عام مخلوقات سے جداگانہ اور متنوعانہ ہے وہ سوکر، روکر، بوکر، دھوکر، ہر طرح اس کی حمد بیان کرتا ہے۔ کبھی اس کا یہ عمل ضطراری اور غیر شعوری طور پر ہوتا ہے اور کبھی کامل یکسوئی اور شعور کی پوری قوت کے ساتھ۔ کبھی زبان کو جنبش دے کر اور کبھی قلم کو حرکت دے کر، جذبات کے اظہار کے جتنے ذرائع ہیں انسان نے ان سبھی ذرائع کو خدا کی حمد سے مشرف کیا ہے، اور اسے قابل احترام بنا دیا ہے، ان ذرائع میں ایک پر اثر ذریعہ شاعری ہے، جس میں نثر سے زیادہ اثر انگیزی اور اثر پذیری کی قوت پنہاں ہے،، صفات ربانی سے معمور دل والوں نے خدا کی حمد وثنا میں اظہار کے اس مؤثر ذریعہ کو بھی بھر پور انداز میں استعمال کیا ہے، چنانچہ عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں میں خدا کی تسبیح وتہلیل کے اشعار موجود ہیں مگر میرا موضوع چونکہ اردو کی حمدیہ شاعری بالخصوص حضور مفتی اعظم ہند کی حمدیہ شاعری ہے اس لئے میں عربی اور فارسی کی حمدیہ شاعری پر بحث نہیں کروں گا ہاں اتنا ضرور کہوں گا کہ عربی اور فارسی کے بہ نسبت اردو میں حمد گوئی پر قابل ذکر کام ہوا اس کا اندازہ پندرہویں صدی کے اس وقت تک کے مختلف شعرا کے دواوین، مجموعہ کلام اور دیگر کتابوں میں شامل حمدیہ اشعار کو دیکھنے سے ہوتا ہے۔ اب تک لاکھوں اشعار کہے جا چکے ہیں اور مختلف شعرا نے خالص حمدیہ مجموعے بھی شائع کئے ہیں۔ جیسے مفتی سرور لاہوری نے/ دیوان ایزدی، مظفر خیر آبادی نے/ نذر خدا، مظفر وارثی نے/ الحمد اور لاشریک، حافظ لدھیانوی نے/ سبحان اللہ وبحمدہ اور سبحان اللہ العظیم، گوہر اعظمی نے/ اللہ اکبر، اجمل نقشبندی نے /صحیفہ حمد کا، طاہر سلطانی نے/ حمد میری بندگی، لطیف اثر نے/ طلوع حمد اور صحیفہ ذات، طفیل دارا نے

/ لاشریک، انوار عزمی نے/ نام بنام حمد وثنا، منصور سلطانی نے/ مرسل ومرسل، تنویر پھول نے/ زبور سخن، مسرور بدایونی نے/ حمدیہ قطعات، شیبا حیدری نے/ حمد نامہ، علیم النسا ثنا نے/ تیری حمد وثنا، اور جمیل عظیم آبادی نے/ الرحمان .... عابد سلطانی نے حمد کے انتخابی مجموعے بھی شائع کئے پہلا مجموعہ ''خزینہ حمد'' ہے جس میں مختلف شعرا کی حمدیں ہیں اور دوسرا مجموعہ ''اذان دیر'' ہے جس میں غیر مسلم شعرا کی حمدیں جمع کی گئی ہیں۔ شفقت رضوی نے ان میں سے اکثر کتابوں پر تبصرے کئے ہیں۔ جس سے حمد نگاری میں اب تک کی ہوئی پیش رفت اور تجربے کا پتہ چلتا ہے۔

چودہویں صدی کے مجدد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ والرضوان اور آپ کے تمام اہل خاندان نے مذہبی وعلمی خدمات کے علاوہ اردو زبان وادب کی جو خدمتیں انجام دی ہیں وہ ناقابل فراموش ہیں۔ اردو نثر میں امام احمد رضا نے جو کتابیں لکھ دی ہیں وہ کمیت وکیفیت ہر دو اعتبار سے اردو کی پوری تاریخ میں بھاری ہے اور آپ کا دیوان حدائق بخشش اردو شاعری میں بہ ہر نوع سب سے زیادہ قابل استناد وافتخار ہے۔ اسی لئے آپ کو امام الکلام اور کلام الامام کہا جاتا ہے۔ آپ کے برادر مکرم استاذ زمن حضرت مولانا حسن رضا خان حسن بریلوی کی غزلوں کا مجموعہ ''ثمر فصاحت'' اور نعتیہ مجموعہ ''ذوق نعت'' شعریت وشریعت کا حسین سنگم ہے۔ دنیا ادب میں بار بار اس کا نام لیا جا تا رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے خلف اکبر حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خان کا دیوان اگرچہ محفوظ نہیں مگر انتخاب کلام حامد اور ''تحائف بخشش'' کے نام سے جو مجموعہ شائع ہوا ہے۔ وہ حمد ونعت کا نہایت ہی قابل قدر نمونہ اور اردو کی نعتیہ شاعری میں گرانقدر اضافہ ہے۔ اعلی حضرت کے خلف اصغر شبیہ غوث اعظم مولانا شاہ مصطفیٰ رضا مفتی اعظم ہند کا نعتیہ دیوان ''سامان بخشش'' بھی زبان وبیان، علم وعرفان، شستگی وبرجستگی اور سہل الممتنع کی نادر مثال ہے۔

فن حمد نگاری میں ''خانوادہ رضویہ'' نے جو قابل قدر نمونے چھوڑے ہیں اس سے حمد نگاری کی نئی جہتیں سامنے آئی ہیں۔ اعلیٰ حضرت کے شعری سرمایہ میں حمد کا انداز بہت ہی نرالا اور انوکھا ہے۔ انہوں نے اپنے حمدیہ اشعار میں نعت کے پہلو کو پیش نظر رکھا ہے۔ اور حمد ونعت کی یکجائی کی نادر مثال قائم کی ہے ان کے ایک عربی قصیدے کے ابتدائی دو اشعار ملاحظہ ہو جن میں توحید کی عظمت اور رسول مکرم سے محبت کا بڑا کیف پرور بیان ملتا ہے:

الحمد للمتوحد — بجلاله متفرد
وصلاته دوماً علیٰ — خیر الانام محمد

اوراب اردو میں بھی حمد کا انداز دیکھیں جس میں حمد ونعت کا دونوں کی یکجائی اپنے انفرادیت کی شہادت دے رہی ہے۔حمد کا یہ انداز امام احمد رضا کی ایجاد اوران کا خاصہ ہے:

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا

مزدہ باد اے عاصیو! شافع شہ ابرار ہے تہنیت اے مجرمو ذات خدا غفار ہے
محمد مظہر کامل ہے حق کی شان عزت کا نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا
تو ہی بندوں پہ کرتا ہے لطف وعطا ہے تجھی پہ بھروسہ تجھی سے دعا
مجھے جلوہ پاک رسول دیکھا تجھے اپنے ہی عز علیٰ کی قسم

حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا کے ''انتخاب کلام حامد'' میں گیارہ گیارہ بند پر مشتمل دو حمدیں ہیں جوفنی اعتبار سے لازوال شہکار ہیں اوردونوں حمدیں اسلوب اور کیفیت کے اعتبار سے قاری وسامع پر روحانی کیف پیدا کرتی ہیں۔نمونے کے طور پر یہ دو بند دیکھیں اس میں بھی تجنیس تام اور ذو لسان (عربی،اردو) ہونے کی سند موجود ہے:

کون میں کون ہے تو ہی تو تو ہی تو ہے یــــامــــن هــو
تو ہی تو ہے تو ہرسو یــــامــــن لیــــس الاهــو
لا الـه الا هـو يـامن ليـس الاهو

روح میں تو ہے دل میں تو میری آب وگل میں تو
اصل میں تو ہے ظل میں تو **حـق حـق حـق هـو هـو هـو**
لا الـه الا هـو يـامن ليـس الاهو

اورنغمۂ توحید کے عنوان سے دوسری حمد یوں شروع ہوتی ہے:

دل مرا گدگداتی رہی آرزو آنکھ پھر پھر کے کرتی رہی جستجو
عرش تا فرش ڈھونڈ آیا میں تجھ کوتو نکلا اقرب زجبل ورید گلو
الـلّٰــه الـلّٰــه الـلّٰــه الـلّٰــه

حضور مفتی اعظم ہند کے نعتیہ دیوان'' سامان بخشش'' میں اسی انداز اور اسی بحر میں دو حمدیں موجود ہیں جو دراصل حجۃ الاسلام ہی کی حمدوں کے پھیلاؤ اور متنوع انداز میں وسعت کے مناظر پیش کرتی ہیں۔پہلی حمد ضرب ہو کے عنوان سے شروع ہوتی ہے جس میں بیس بند ہیں ہر چار مصرعے کے

بعد اللہ ہو اللہ ہو کی ضربیں لگائی گئی ہیں، یہ حمد دینی محافل اور دینی مجالس میں بڑے ذوق وشوق سے پڑھی جاتی ہیں اوراس کے ضرب ہوسے واقعی دل پر حق کی ضرب پڑتی ہے۔

اللہ رب العزت کی رویت کی آرزو اس کے جلوے کی تلاش اس کے عرفان کی جستجو اور اقرب زحبل ورید گلو ہونے کے باوجود اس کی دید کی تڑپ ہر دل ہر آنکھ اور ہر متنفس کو ہے اور تمام حمد نگار شعرا نے اس پہلو کو اپنی حمد کا موضوع بنایا ہے۔مگر جو انداز حجۃ الاسلا اور حضور مفتی اعظم ہند علیہا الرحمہ والرضوان کا ہے وہ واقعی دیدنی ہے حضور مفتی اعظم ہند کا انداز ملاحظہ فرمائیں جس میں صنعت ردعروض وابتدا علی الصدر اور صنعت تکرار کی جمالی کیفیت جلوہ ریز ہے۔

تو منزہ مکاں سے مبرہ ز سو تو کسی جا نہیں اور ہر جا ہے تو
تیرے جلوے ہیں ہر ہر جگہ اے عفو علم وقدرت سے ہر جا ہے تو کو بکو
اللّٰہ ھو اللّٰہ ھو اللّٰہ ھو اللّٰہ ھو

جس کا جلوہ ہے عالم میں ہر چار سو قلب کو اس کی رویت کی ہے آرزو
عرش پر ہے مگر عرش کو جستجو بلکہ خود نفس میں ہے وہ سبحانہ
اللّٰہ ھو اللّٰہ ھو اللّٰہ ھو اللّٰہ ھو

دنیا کی ہر شئی اور ہر مخلوق خدا کی حمد وثنا بیان کرتی ہے خود قرآن پاک کا ارشاد گذرا وان من شئی الا یسبح بحمدہ اس مفہوم کو حضور مفتی اعظم ہند کس عالمانہ انداز میں بیان کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں:

جو نہیں رکھتا منھ اور لسانِ مقال وہ بھی تسبیح سے رکھتا ہے اشتغال
اس کی حالی زباں کہتی ہے تو ہی تو پھر بھی گویائے تسبیح ہے اس کا حال
اللّٰہ ھو اللّٰہ ھو اللّٰہ ھو اللّٰہ ھو

ان کی دوسری حمد ''اذکار توحید ذات اسماء وصفات وبعض عقائد'' کی سرخی کے تحت کہی گئی ہے۔جس میں کل ننانوے بند ملتے ہیں مگر یہ نامکمل ہیں اس حمد کے دو رخ ہیں باسٹھ بند تک خالص حمد یہ مضامین ہیں اوراس کے بعد سینتیس بندوں میں نعت وحمد دونوں پہلو کو بیان کیا گیا ہے۔آپ کی یہ حمد علم وعرفان ،زبان وبیان اور سلاست وبرجستگی کے لحاظ سے کسی بھی زبان کی حمد یہ شاعری میں سب سے ممتاز اور منفرد ہے۔اس میں بعض مکمل بند اور بعض مصرعے عربی زبان میں ہیں مگر زبان کی سلاست اور ندرت اپنی جگہ مسلم ہے نمونتاً یہ چند بند ملاحظہ کریں:

لا مشھــود الا الـــلّٰـــــہ لا مـــوجـــود الا الـــلّٰـــــہ

لا مقصود الا اللّٰہ　　لا معبود الا اللّٰہ
لا الہ الا اللّٰہ اٰمنا برسول اللّٰہ

لیس الھادی الا ھو　　کہتا ہے یہ ہر بن مو
سنتا ہوں میں از ہر سو　　لیس سواک یا من ھو
لا الہ الا اللّٰہ اٰمنا برسول اللّٰہ

نت نئے جلوے ہیں ہر آں　　کل یوم ھو فی شان
خود ہی درد و خود درماں　　خود ہی دست و خود داماں
لا الہ الا اللّٰہ اٰمنا برسول اللّٰہ

حضور مفتی اعظم کی شاعری میں قرآنی تلمیحات کی کثرت ہے، نعت ہو یا حمد آپ نے برجستہ ، برمحل قرآنی آیات کو بطور استدلال پیش کیا ہے۔اور اس خوبصورتی سے کیا ہے کہ بحر کی روانی میں ذرہ برابر بھی فرق محسوس نہیں ہوتا یہ چند بند دیکھیں جن میں سورہ اخلاص اور سورۂ ناس وفلق کی تفسیر و توضیح صاف نمایاں ہے:

لیس کمثلہ شئی　　لیس لہ کفواً احد
اس سے بن ہے وہ نہیں بن　　ابصر اسمع دیکھ اور سن
اللہ الہ و رب واحد　　فردو واحد وترو صمد
جس کا والد ہے نہ ولد　　ذات وصفات میں بے حد وعد
ایک حقیقی ہے وہ احد　　ایک نہیں وہ جو ہے عدد
پاک ہے وہ از صورت حد　　کیف یصور کیف یحد
حق ھو حق ھو حق ھو حق　　رب ناس ورب فلق
غیر نہیں تیرا مطلق　　بھولوں گا میں نہ یہ سبق
لا الہ الا اللّٰہ اٰمنا برسول اللّٰہ

حمد میں اسماء باری تعالیٰ کو اس سے پہلے بھی شعرا نے منظوم کیا ہے مگر حضور مفتی اعظم ہند نے اپنی حمد میں جس خوبصورتی اور روانی کے ساتھ اسے منظوم کیا ہے کہ اس میں موسیقیت وغنائیت پیدا ہوگئی ہے۔نمونہ کے طور پر یہ بند دیکھیں جس میں صنعت تنسیق صفات یعنی صفاتی الفاظ اور صفاتی مفہوم دینے والی اضافی ترکیب کا اس طرح بیان ہوا ہے کہ وجدان جھوم اٹھتا ہے۔ نیز دامن

ودائرے کا تسلسل بھی اس طرح قائم کیا گیا ہے کہ شاعر کی قادرالکلامی کا اعتراف کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے اس ایک بند میں پانچ دامن (ع ع ع ع ع) اور پانچ دائرے (ق ی ی ی ل) کی یکجائی ملاحظہ کریں:

منعم حق وسمیع وبصیر   باقی باری بر وخبیر
جامع مانع ضار وکبیر   رافع نافع حی و قدیر
لا الہ الا اللّٰہ اٰمنا برسول اللّٰہ

اوراب بغیر کسی تبصرے کے چند وہ ملاحظہ کریں جن میں بڑے فن کارانہ اور عارفانہ انداز میں اسماء باری تعالیٰ کو منظوم کیا گیا ہے اوراس کے پڑھنے سے وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جو موحدانہ اوراد وظائف کا خاصہ ہے:

والی ولی متعالی حکیم   وھاب ورزاق علیم
مالك یوم دین وجحیم   مالك ملك خلد نعیم
تواب ومغنی ھادی   مقسط محیی ممیت غنی
منتقم وقیوم وقوی   مقتدر و واسع محی
مبدی جلیل وحفیظ ومجید   معطی وکیل و سلام و معید
وہ ہے لطیف و ودود و وحید   اور شہید و حمید و رشید
قابض و باعث خالق ہے   خافض وارث رازق ہے
جو ہے اس کا عاشق ہے   غیر ناطق ناطق ہے
لا الہ الا اللّٰہ اٰمنا برسول اللّٰہ

حضور مفتی اعظم ہند کی شعری زبان نہایت پاکیزہ وشستہ اور کوثر وسلسبیل میں ڈھلی ہوئی ہے۔ جس میں سادگی بھی ہے اور رنگینیت بھی۔ پڑھنے اور سننے والا ان کے کلام کے زیر وبم میں ایسا کھو جاتا ہے کہ اسے اس کے عوارف ومعانی اپنے دل کے غار حرا میں اترتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں خدا کی ذات وصفات کو کس پیرایہ میں بیان کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیں اور یہ بھی دیکھیں صنعت سوال سے وہ کس طرح استفادہ کا پہلو نکالتے ہیں اوران کے اس اسلوب سے کس طرح ذہن کو تحریک ملتی ہے:

اللہ واحد یکتا ہے   ایک خدا بس تنہا ہے
کوئی نہ اس کا ہمتا ہے   ایک ہی سب کی سنتا ہے

ایک نہ ہوتا گر اللہ کیسے رہتے ارض وسماء
ہوتا نہ اک محتاج اک کا کس لئے وہ اس سے ملتا

لا الہ الا اللہ اٰمنا برسول اللہ

خدائے تعالیٰ منزہ عن العیوب ہے کسی بھی چھوٹے بڑے معائب سے اس کا کوئی علاقہ نہیں مگر اس کے باوجود بعض گمراہ فرقہ والوں نے خدائے تعالی کو کذب سے ملوث اور عدم کذب کو نقص فی القدرت گردانا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی نے اس موضوع پر نہایت ہی مدلل رسالہ "**سبحان السبوح عن عیب کذب مقبوح**" لکھ کر اس مسئلہ کی پوری وضاحت کر دی ہے۔

حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے اس مفہوم کو اپنی اس حمد میں بڑے صاف سلیس اور فن کارانہ انداز میں بیان فرمایا ہے نمونے کے لئے یہ چند بند ملاحظہ کریں جن میں اصل موضوع کے علاوہ تنسیق صفات ذم اور تجنیس مطرف کی صنعتیں بھی موجود ہیں اور زبان اتنی صاف وشیریں اور آسان ہے کہ اس کی نثر نہیں بنائی جاسکتی، یہ زبان پہ قدرت کی نمایاں علامت ہے:

جہل وظلم و کذب و زنا خواری میخواری سرقہ
اس سے یہ ممکن، جس نے کہا لاریب اس نے کفر بکا
روشن ہے یہ جیسے دن اس کا تلوث ناممکن
واقع کہتا ہے موہن اور پھر بنتا ہے مومن
صدق رب جب واجب ہے کذب محال اے خائب ہے
جمع دو ضد کب جائز ہے عقل کہاں تری غائب ہے

لا الہ الا اللہ اٰمنا برسول اللہ

سہل ممتنع کے اشعار کہنا شاعر کی قادر الکلامی، فن پہ کلی گرفت اور زبان وبیان پر قدرت کی علامت سمجھی جاتی ہے ہر بڑے شاعر کی پہچان اسی امر سے ہوتی ہے کہ وہ اپنے خیالات وجذبات کو کس پیرایہ میں بیان کرتا ہے اور کس تنوع میں بیان کرسکتا ہے۔ حضور مفتی اعظم ہند نے اس حمد میں خدا کی ذات وصفات کے اظہار اور اپنے جذبات کی تعبیر کس تنوع اور فن کاری سے کام لیا ہے وہ قارئین نے ملاحظہ کیا۔ اب سہل ممتنع کے بھی چند اشعار دیکھیں جو اپنی مثال آپ ہیں اس رنگ کا ایک بند حضور حجۃ الاسلام کے یہاں بھی موجود ہے:

روح میں تو ہے دل میں تو میری آب و گل میں تو

اصل میں تو ہے ظل میں تو حق حق حق ھو ھو ھو

لا الہ الا ھو یامن لیس الا ھو

اور اسی بند کی تحریک پر حضور مفتی اعظم ہند نے اس انداز کے نو بند کہے ہیں۔فرق یہ ہے کہ حضور حجۃ الاسلام کے یہاں اس رنگ کا صرف ایک بند ہے مگر حضور مفتی اعظم ہند نے اس رنگ میں نو بند کہہ کر حمد نگاری کی فضا کو باغ و بہار بنا دیا ہے چند بند ملاحظہ کریں جس میں تجنیس مطرف زائد، تجنیس صوت اور صنعت تضاد بھی موجود ہے:

آنکھوں میں وہ ہے سر میں وہ دل میں وہ ہے جگر میں
سمع میں وہ ہے بصر میں وہ طبع میں وہ ہے فکر میں وہ
نور میں وہ ہے نظر میں وہ شمس میں وہ ہے قمر میں وہ
ابر میں وہ ہے گہر میں وہ کوہ میں وہ ہے حجر میں وہ
پروانہ میں وہ ہے پر میں وہ شمع میں وہ ہے شرر میں وہ
داؤ دوا اثر میں وہ نفع میں وہ ہے ضرر میں وہ
تخم میں وہ ہے شجر میں وہ شاخ میں وہ ہے ثمر میں وہ
ماہ میں وہ ہے مدر میں وہ بحر میں وہ ہے بر میں وہ

لا الہ الا اللّٰہ اٰمنا برسول اللّٰہ

اب نمونے کے ایسے دو اشعار ملاحظہ کریں جن میں صنعت تحت نقاط بہ سہ اصوات کو استعمال کیا گیا ہے۔ پہلے شعر کی صنعت تحت نقاط میں موحدہ وثنیٰ نقاط والے حروف یعنی ب/ ج/ ے استعمال ہوئے ہیں اور دوسرے شعر میں صنعت تحت نقاط کے ساتھ صنعت وصل الشفتین بھی استعمال ہوئی ہے۔جس کے ہر اسم کے اظہار میں دونوں ہونٹ آپس میں ملتے ہیں جیسے ماہ، مدر، بحر، بر:

ابر میں وہ ہے گہر میں وہ کوہ میں وہ ہے حجر میں وہ
ماہ میں وہ ہے مدر میں وہ بحر میں وہ ہے بر میں وہ

لا الہ الا اللّٰہ اٰمنا برسول اللّٰہ

اسی رنگ اور اسی روانی میں یہ بند بھی ملاحظہ کرلیں جس میں صنعت تضاد بھی ہے اور صنعت ترجمہ بھی۔آخری شعر میں این وآن دیگر کا ترجمہ ''اِس میں اُس میں ہر میں'' کر کے صنعت ترجمہ والی شاعری کو اس مقام پر پہونچا دیا ہے جہاں شاعری اپنے اسلوب میں جمال وحی بن جاتی ہے اور شاعر

تلیذ الرحمان کہلانے کا مستحق ہوجاتا ہے:

سوز میں وہ ہے ساز میں وہ — ناز میں وہ انداز میں وہ
حسن بت طناز میں وہ — عشق کے راز و نیاز میں وہ
تو میں وہ ہے من میں وہ — جان میں وہ ہے تن میں وہ
آبادی میں وہ بن میں وہ — سر میں وہ ہے عِلَن میں وہ
قرب وبقا و وصل میں وہ — بُعد و فراق و فصل میں وہ
فرض میں وہ ہے نفل میں وہ — اصل میں وہ ہے نقل میں وہ
فتح و ضم و جر میں وہ — پیش وزیر وزبر میں وہ
این وآن و دگر میں وہ — اِس میں اُس میں ہر میں وہ

لا الہ الا اللّٰہ اٰمنا برسول اللّٰہ

حضور مفتی اعظم ہند کی شاعری میں علم وفن کی جلوہ گری کے ساتھ عشق وعرفان کی جو سرمستی ہے وہ اردوشاعری میں خال خال ہی کہیں نظر آتی ہے ان کی شاعری کا علمی فنی اور لسانی تجزیہ کرنا ہمارے جیسے کم علم کا کام نہیں ہم نے دو چند جملے لکھ کر صرف یہ تاثر دیا ہے کہ ارباب علم وادب اور شعروسخن کے پارکھ کے لئے ان کی شاعری میں بہت کچھ ہے انہیں اس طرف مائل ہونا چاہیے تا کہ اردوشاعری نئ دریافت سے آشنا ہواور اس کا وقار اعتبار بلند سے بلند تر ہو۔

☆☆☆

ڈاکٹر الف۔انصاری (کولکاتا)

مٹیابرج میں نعتیہ قصیدہ نگاری

ایک روایت کے مطابق عرب میں قصیدے کا آغاز سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے سینکڑوں سال قبل ہو چکا تھا اس اعتبار سے عرب کے شعراء قصیدے کے موجد کہلاتے ہیں۔ یہ صنف اپنے دور میں بہت مقبول تھی حتیٰ کہ ان دنوں عرب کی سرزمین پر جہالت عام تھی پھر بھی اہل علم شعراء حضرات قصیدہ کہا کرتے تھے۔ اصافِ شاعری میں قصیدے کو لازمی جز سمجھا جاتا تھا جو شاعر قصیدہ نہیں کہتے تھے انہیں شاعر ہی تسلیم نہیں کیا جاتا تھا اس بات سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان دنوں قصیدہ کی کیا اہمیت تھی۔ عرب کے شعراء قصیدہ میں ایک بات کا خاص خیال رکھتے تھے کہ جن کی مدح میں قصیدہ کہا جائے دراصل وہ مدح کا مستحق بھی ہو۔

مذہبِ اسلام کے ظہور میں آنے کے بعد عرب میں مذہبی رہنما قصیدے میں مدح اور ذم لکھنے پر سخت تنقید کرنے لگے کیونکہ مذہبی نقطۂ نظر سے عوام شاعری کے خلاف تھے ان کی مخالفت اور احتجاج کے سبب طویل عرصے تک شعراء نے قصیدہ لکھنا ترک کر دیا تھا لیکن وہ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت میں ان کے شایانِ شان قصیدہ لکھتے رہے، البتہ ان قصائد کا رنگ اور انداز جداگانہ تھا۔ آہستہ آہستہ جب عوام وخواص کے سروں سے مذہبی جنون کا نشہ کافور ہوا تو ازِ سرِ نو شاعری کو نئی زندگی اور توانائی ملی۔ جب قصیدہ پوری توانائی کے ساتھ ترقی کے منازل طے کرتا ہوا ایران پہنچا تو شعرائے ایران نے اس صنف کا استقبال کرتے ہوئے اسے نفیس مضامین سے آراستہ کیا۔ اب ایران میں عمائدین اور سلاطین کی شخصیت پر قصائد لکھے جانے لگے جب تک وہاں امراوسلاطین کا دور دورہ رہا انعام واکرام کے لالچ میں ان کی مدح سرائی کرتے رہے۔ شعراء اپنے قبیلے اور ان کے جانبازوں کے کارنامے فخر سے قصائد میں نظم کرتے رہے۔ ایرانی شعرا نے قصیدہ کی مقبولیت سے متاثر ہوکر اسکی طرف پوری توجہ کی اور قصیدے کی بنیاد مدح وستائش پر رکھی۔ فارسی شعراء

نے مدح سرائی کو ذریعہ معاش بنالیا جس کا منفی اثر یہ ہوا کہ قصائد میں خوشامد اور چاپلوسی داخل ہوگئی۔ ایران میں بادشاہ امراء اور سلاطین کا رعب وجلال قائم تھا ان دنوں قصیدے کثرت سے لکھے گئے۔ شعرائے اُردو نے بھی فارسی شعراء کی تقلید شروع کردی تاکہ حصولِ زر کے ساتھ امراء وسلاطین سے قربت اور گہرے مراسم قائم ہوں اسی مقصد کے تحت شعراء حضرات بادشاہ، امراء اور سلاطین کی شجاعت، فیاضی اور دیگر کارنامے قصائد میں پیش کرنے لگے۔ ایسی صورت میں ان میں ایک خرابی یہ پیدا ہوگئی کہ شعراء ان کی حد سے زیادہ مدح کرنے لگے اس طرح رفتہ رفتہ قصیدہ حقیقت بیانی سے دور ہوتا چلا گیا۔

ایران میں بے پناہ مقبولیت اور شہرت حاصل کرنے کے بعد یہ صنف اپنی تمام تر روایتوں سمیت مسلم حکمراں کے ساتھ ہندستان کی سرحد کو عبور کرتی ہوئی دکن (ہندستان) پہنچی۔ شعرائے دکن نے اس صنف سے متاثر ہوکر فارسی قصائد کی تقلید کی۔ کچھ شعراء نے عربی اور فارسی قصائد کے اردو ترجمے کئے اس طرح ہندستان میں اُردو قصیدہ گوئی کی شروعات فارسی قصائد کے زیر اثر قطب شاہی اور عادل شاہی دور میں ہوئی۔ دکن میں اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر قلی قطب شاہ نے پہلا اردو قصیدہ لکھ کر اس صنف کی بنیاد ڈالی۔

قلی قطب شاہ کے بعد نصرتی، غوری اور ولی دکنی ایسے قدآور شعراء ہیں جنہوں نے قطب شاہ کے نقش قدم پر چل کر اس نئی صنف کو عوام وخواص سے قریب کرنے کی کوشش کی۔ قلی قطب شاہ اردو کے ایسے پہلے قصیدہ گو شاعر ہیں جنہوں نے قصیدہ کو ایک نیا موڑ دیکر اس میں نئے نئے موضوعات، نئے مضامین اور نئے افکار داخل کئے یعنی انہوں نے قصیدہ کو محض بادشاہ امراء وسلاطین کی مدح سرائی تک محدود نہیں رکھا بلکہ اس صنف کو مبالغہ آرائی، مدح سرائی اور تصنع سے پاک کیا۔

سلاطین اودھ کے دور میں مذہبی رجحانات کا عروج تھا قصیدے میں مقدس پیشواؤں کی شان میں عقیدت کا اظہار کھل کر کیا جانے لگا۔ پیغمبر اسلام اور اہل بیعت کی شان میں شعرائے اودھ نے اچھے اور معیاری قصائد کہے۔ اس طرح پیغمبر اسلام، اہل بیعت، پیشوانِ دین اور اولیائے کرام سے وابستہ ہوکر قصیدہ کو دائمی زندگی ملی۔ ہندستانی شعراء نے سب سے پہلے عربی اور فارسی میں قصیدہ کہا، جب اردو کا رواج عام ہوا تو انہوں نے اردو میں قصیدہ کہنا شروع کیا، مگر اسکی ہئیت اور اجزائے ترکیبی عربی اور فارسی طرز پر ہی قائم رہی۔ ان کا ممدوح عموماً امراء صاحبِ اقتدار اور مذہبی پیشوا ہوا کرتے تھے۔ اس نئی زبان میں قصیدے نے اپنی حیثیت منوالیا۔ یہ حقیقت ہے کہ عربی اور فارسی قصائد کے

مقابل اردو قصیدہ کم لکھا گیا اس کے باوجود اُردو قصائد کا جو بھی سرمایہ ہے وہ سرمایۂ افتخار ہے۔

دہلی میں محمد رفیع سوداؔ اور ان کے ہمعصروں نے اس صنف پر بھر پور طبع آزمائی کر کے عروج بخشا۔ اس دور میں سوداؔ کو شہنشاہِ قصیدہ کے لقب سے نوازا گیا۔ سوداؔ کے بعد ان کے ہمعصر شعراء ذوقؔ، امیرؔ مینائی، انشا اللہ خان انشاؔ، مصحفیؔ اور ابراہیم ذوقؔ کے معاصرین کے علاوہ مُنیرؔ اور امیرؔ مینائی کے دور سے ہوتا ہوا نئے دور میں داخل ہوا۔ استاذ اشعراء آبروؔ، نازیؔ، مضمونؔ، حاتمؔ کے دور میں اردو زبان ابتدائی مراحل سے گذر رہی تھی اور رفتہ رفتہ ترقی کے منازل طے کر رہی تھی۔ میر تقی میرؔ اور محمد رفیع سوداؔ کے عہد تک اردو زبان اس قابل ہوگئی تھی کہ اس میں اچھے اور میعاری قصائد کہے جا سکیں ان دنوں میرؔ، ذوقؔ، مومنؔ اور غالبؔ نے بھی معیاری اُردو قصائد کہے۔ انیسویں صدی کی نصف تک قصیدہ اردو شاعری کی روح سمجھا جاتا تھا۔

عام قیاس ہے کہ اُن دنوں شعراء نے صرف درباری قصائد لکھے۔ یہ سچائی نہیں ہے بلکہ ان دنوں منقبتی اور نعتیہ قصائد بھی لکھے گئے۔ بیشتر مشاہیر جیسے میر تقی میرؔ، محمد رفیع سوداؔ، انشاء اللہ انشاؔء، مومنؔ، غالبؔ، امیرؔ مینائی اور محسنؔ کاکوروی نے بہت سارے قصائد پیغمبر اسلام، اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کی مدح میں کہے۔ دکن اور دہلی کے بعد لکھنؤ اُردو قصیدہ گوئی کا بڑا مرکز بن گیا تھا۔ ان دنوں اتر پردیش کے مختلف شہروں میں قصیدہ گو شعراء کی خاصی تعداد موجود تھی۔ ان شعراء نے قصیدے کے ادبی مرتبے کو کافی بلند کیا، انہوں نے نہ صرف معیاری قصائد قلمبند کئے بلکہ کئی شعراء کے قصائد کے دیوان بھی شائع ہوئے۔

ہندستان میں مسلم حکومتوں کے خاتمہ کے بعد ہی قصیدہ نگاری میں زبردست انقلاب آیا۔ اب شعرا بادشاہ امراء اور نوابین کی مدح سرائی کی بجائے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کی مدح سرائی کھل کر کرنے لگے۔ پیغمبر اسلام، اہلبیت اور اولیائے کرام سے وابستہ ہو کر صنف قصیدہ کو نئی زندگی ملی۔ ان دنوں قصیدہ نگاری کو اُردو شاعرہ کی روح سمجھا جانے لگا تھا، لیکن انیسویں صدی کی نصف صدی کے بعد اس صنف کا زوال شروع ہوا اس کی وجہ امراء کی بے جا مدح سرائی اور ہجو گوئی تھی۔ غزل کی سحر انگیزی اور اس کی وسعت کو دیکھتے ہوئے شعراء صنفِ غزل کی طرف زیادہ توجہ دینے لگے۔ آج غزل اردو شاعری کی روح سمجھی جاتی ہے انیسویں صدی کی پانچویں دہائی میں اودھ میں نواب واجد علی شاہ اخترؔ کا عہد تھا۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ کے دور میں ملک کی حالت سنگین اور ناگفتہ بہہ تھی۔ ۱۸۵۶ء میں لارڈ ڈلہوزی نے تاجدارِ اودھ (لکھنؤ) نواب واجد علی شاہ اخترؔ کو

اقتدار سے معزول کر کے مٹیا برج (کلکتہ) روانہ کر دیا۔ روانگی کے وقت بادشاہ کے ہمراہ اُدبا و شعراء بھی تھے۔ کہتے ہیں کہ واجد علی شاہ اختر کے ذوقِ ادب سے بنگال اور مٹیا برج کے شعراء فیضیاب ہوتے رہے۔ سرزمین مٹیا برج نے ایسے ایسے انمول رتن پیدا کیے جنہوں نے دائمی شہرت حاصل کی۔ ان شعراء کی ابتدا تا حال ایک طویل فہرست ہے۔ ذیل میں مٹیا برج کے ان غزل گو شعراء کی فہرست لکھ رہا ہوں جنہوں نے دیگر اصاف شاعری کے ساتھ قصیدہ نگاری پر بھی خاص توجہ دی۔ ان دنوں ٹیا برج میں اور بعد میں بھی مٹیا برج کے بیشتر شعراء کا تعلق شیعہ مسلک سے رہا ہے۔ شیعہ حضرات مذہبی شاعری بالخصوص حمد، نعت، مرثیہ، نوحہ، سلام، منقبت اور نعتیہ قصائد پر بھرپور طبع آزمائی کرتے رہے اور یہ سلسلہ برسوں سے آج تک جاری ہے۔ مٹیا برج میں نعتیہ قصائد کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس صنف کو تقویت اور توانائی بخشنے میں شیعہ اور سنّی شعراء حضرات نے نمایاں کردار ادا کیا۔ ان کی خدمات کو کسی طرح فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

مٹیا برج کی ایک مشہور شخصیت جناب سخاوت (پتنگ ساز) کی گارڈن ریچ پوسٹ آفس کے قریب رہائش تھی اور لبِ سڑک آپ کی پتنگ کی دکان تھی، انہوں نے ہی سرزمین مٹیا برج میں نعتیہ قصیدہ خوانی کی پہلی محفل کی بنیاد ۱۹۳۲ء میں ڈالی۔ یہ سلسلہ گذشتہ نوے (۹۰) برسوں سے جاری ہے اُسی زمانے سے مٹیا برج کے شعراء نعتیہ قصائد لکھتے آ رہے ہیں۔ آج مٹیا برج کے مختلف علاقوں میں کم و بیش پچاس سے زائد محفلِ قصیدہ خوانی آراستہ کی جاتی ہے۔

آزادی کے بعد اور آزادی سے کچھ پہلے مٹیا برج کے جن شعراء نے اس صنف کو عروج بخشا ان میں سے چند نمائندہ نعتیہ قصیدہ نگاروں کے اسم گرامی ملاحظہ فرمائیں۔

عبدالحلیم شرر لکھنوی، آغا حجو شرف نظم طباطبائی سے ہمایوں مٹیا بر.جی علامہ اثر ردولوی، سلیم اللہ فہمی، شمیم فیض آبادی، علامہ مائل لکھنوی، گودڑ شاہ معروف، مولانا رفیق احمد روح، مرزا محمد شاکر، منجر مٹیا برجی، سید علی ظفر سمیم، کیف الاثر، بقا نظامی، حلیم ثمر آروی، شمس مٹیا برجی، شکیل مٹیا برجی، افسر اقبال محرم لکھنوی، اختر ساز لکھنوی، خمار دیو بندی، حمید مٹیا برجی، راقم لکھنوی، جذب آلولوی، سراج مونگیری، ایم۔ کے۔ اثر، یونس پرویز، قاری محمد شفیع الرحمٰن نجمی، دائم الایمان، عبدالستار ابد، ڈاکٹر شمیم انور، فاروق شفق، کمتر عظیم آبادی، مشتاق جاوید، خالد قمر، امان اللہ ساغر، مولانا محمد قاسم علوی، انور حسین انجم، اصغر رضوی، بدرالدین بدر، علی نظر وسیم، سجان فراز، خواجہ مظفر مینائی، دانا سکندر پوری، ہارون شارب، غلام ربانی نازاں، معین محور، مرغوب عالم مرغوب، عیسٰی رشک، عنایت اللہ سیف، دلکش

حیدری، شکیلؔ انصاری، بیتابؔ مٹیا برجی، عزیز احمد عزیزؔ، شیراز حسین شیرازؔ، قنبر عظیم آبادی، ڈاکٹر عالمگیر، شاداب حسین شادابؔ، اشفاق حسین اشفاقؔ، امتیاز قیصر، اصغر ندیم نظامیؔ، احمد سلطان قریشی، مبارک سلیم، تنویر مخفی، احمد حسین احمدؔ، تنویر احمد تنویرؔ، سکندر علی منیرؔ، شمس الدین شمسؔ وغیرہ۔

مذکورہ تمام شعراء نے مشقِ سخن سے قصائد کو توانائی بخشی۔ انہوں نے نعتیہ قصائد میں سیرتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اسلامی تاریخ کے واقعات، ملکی و بیرونی حالات اور فلسفۂ زندگی کو پیش کیا ہے۔ مدح میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت، سیرت، رسول کے اوصاف اور معجزات بیان کئے۔

قصیدہ نگاروں نے قصائد قلمبند کرتے وقت زبان و بیان کی سلامت، ندرت اور زورِ بیان کے ساتھ طہارت کا خاص خیال رکھا ہے۔ اس لئے ان میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے گہری عقیدت، شائستہ لہجہ، اور اندازِ بیان دلکش ہے۔

اُن شعراء کے نعتیہ قصائد سننے سے ایسی روحانی غذا دل و دماغ کو فراہم ہوتی ہے کہ دل و دماغ معطر ہو جاتا ہے۔ مذکورہ شعراء کی فہرست میں چند اساتذہ قصیدہ کے فن پر نہ صرف دسترس رکھتے تھے بلکہ اُن کا رنگ، اسلوب، تراکیب اپنے عہد کے چند ہمعصر شعراء سے منفرد ہوا کرتے تھے۔ ان اساتذہ نے بنگال، بالخصوص مٹیا برج میں قصیدہ کے دامن کو وسیع سے وسیع تر کیا جن کے قصائد سے ہر دور میں نئی نسل کے شعراء کو تحریک ملتی رہی۔ مٹیا برج کے شعراء ہر دور میں غزل اور دوسری اصنافِ شاعری پر طبع آزمائی کرنے کے ساتھ نعتیہ قصائد پر بھی مشقِ سخن کرتے رہے، یہی سبب ہے کہ ماضی کے چند اساتذہ قصیدہ نگاروں نے اپنے قصائد میں اپنے فکر وفن کے جو نقوش چھوڑے ہیں وہ صدیوں زندہ و تابندہ رہیں گے۔ مضمون کی طوالت کے پیشِ نظر ماضی تا حال کے چند معتبر قصیدہ نگاروں کے مدح اور تشبیب کے نمونۂ دو دو شعر ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ اثر ردولوی:

جو جھلک حقیقتِ عشق کی نظر آئی حسنِ مجاز میں وہی برقِ وادیٔ طور تھی جو نہاں تھی پردۂ راز میں

......

یہ کرے تو سجدہ کدھر کرے یہ جھکے تو آج کدھر جھکے کہ تمہارا جلوہ ہی خودنما ہے مری جبینِ نیاز میں

ہمایوں مرزا:

ایک دن عرش پہ محبوب کو بلوا ہی لیا ہجر و غم ہے خدا سے بھی اٹھا یا رگیا

......

یوں تو گذرے ہیں زمانے میں پیغمبر خوب خوب　　مصطفیٰ ﷺ کی طرح کوئی بھی نہ رتبے میں بڑھا

مائل لکھنوی:

جس پہ اللہ ہے مغرور تمھیں کیا معلوم　　ہیں حقیقت میں محمد ﷺ ہی وہ شہکارِ جمیل

......

امت کو اپنے شافع محشر پہ ناز ہے　　نازاں ہے روزِ محشر حساب و کتاب پر

سید علی ظفر شمیم:

نبی کی چوکھٹ نظر جو آئی تو شوق ابھرا گدا گری کا　　خرد کی دولت سے میں غنی تھا غرور تھا سر میں آگہی کا

......

فلک نے پاؤں چومے ہیں زمیں نے سر کو چوما ہے　　زمانہ فیصلہ کر لے مقدر کس کا اونچا ہے

کیف الاثر:

ترے ہی صدقے میں یہ دنیا تیرے ہی صدقے میں ہے وہ عقبیٰ
یہاں بھی مجھ کو ہے ناز تجھ پر وہاں بھی ایک افتخار ہو گا

......

برائے ناز و نیاز پیہم چلے گا خلوت میں اس کی جس دم
کبھی تو ہو گا براق پر کبھی تو رف رف سوار ہو گا

حلیم ثمر آروی:

نہ کر سکے گا کوئی بھی دعویٰ یہ نور حق کی برابری کا　　خدا کے بعد اور سب سے افضل خدا کا شہکار اور مکمل

......

خدا کے دیں کا ہے یہی دفینہ فخر ہے یہ پیغمبری کا　　تری ہی قربانیاں ہیں آقا عرب کے صحرا سے کربلا تک

بقاؔ نظامی:

خبابِ آدم نے مغفرت کی دعا جو مانگی ندا یہ آئی
اُنھی کے صدقے میں تجھ کو بخشا جنھیں ہم اپنا بنا چکے ہیں

......

کہ لوح قلب پر ہے جلوہ گر نقشہ محمد ﷺ کا　　بقاؔ ہم عاصیوں کو کیا جلائے آتشِ دوزخ

مرزا محمد شاکرؔ:

ہیں نور کے دو ٹکڑے صورت میں جداگانہ		میں شیشہ کہوں کس کو کس کو کہوں پیمانہ

......

ظاہر میں سبز رنگت باطن میں سرخ روئی		برگِ حنا کا دیکھو اعجاز غائبانہ

شکیل مٹیا برجی:

ترے حسن ہی کا پرتو ہے درخشاں مہر و مہ میں		تری گرد پا ہی زینتِ رہِ بزم کہکشاں ہے

......

ثنا خواں کیا بشر ہو گا محمد مصطفیٰ ﷺ تیرا		کہ جب قرآن میں خود مدحت سرا ہے کبریا تیرا

شمسؔ مٹیا برجی:

صفیں باندھ باندھ کے آ رہے ہیں جسے چومنے		اسی دستِ ناز میں آئیگی متاعِ لوح و قلم ابھی

......

دیکھ لینا سن کے آہٹ ان کے پائے ناز کی		آئے گی راہوں میں بچھنے کہکشاں ٹھہرو خدا

سراج رنگیری:

جلال موسیٰ زہد عیسیٰ کا صبر ایوبی کا یہ پیکر		سراؔج خلق خلیلی جس کی صفات میں ہے میرا نبی ﷺ ہے

......

جب پہلے پہل لہرایا فاراں پر نبوت کا پرچم		کانپ اٹھے ہیں قیصر و روم و عجم اور ساری زمیں تھرانے لگی

اخترؔ ساز لکھنوی:

جو یہ نہ ہوتے تو کچھ نہ ہوتا خدا سے واقف بشر نہ ہوتا		نہ ہوتا دین خدا مکمل کبھی نزولِ قرآں سے پہلے

......

بتائے ان کی مدح کا حق زباں سے کیسے ادا ہو صاحب		درود ان پر سلام ان پر خدا نے بھیجا زباں سے پہلے

کمترؔ عظیم آبادی:

زلفوں کی مہک پا کر ایماں ہوا تازہ		تلووں کی زیارت سے بڑھنے لگی بینائی

......

پھر بھی ہو طہارت پئے تعظیم محمد ﷺ		سو بار زباں بھی اگر زم زم سے دھلی ہے

ڈاکٹر شمیم انور:

بلایا عرش پر اور گفتگو کی دو بدو حق نے　　　نہیں ایسا کوئی محرم خدا کے رازداروں میں

......

پلکوں سے چن کے دل میں سجالوں گا خاکِ پا　　　کہ دل سے بڑھ کے کون سا بہتر مقام ہے

فاروق شفق:

زبانِ گل پہ ہر طرف درود ہے سلام ہے　　　طیور نغمہ ریز ہیں چمن میں لطف عام ہے

......

ضیائے صبح ہر طرف ہوائیں عطر بیز ہیں　　　زمیں سے آسماں تک نہ دوپہر نہ شام ہے

حکیم دانا سکندر پوری:

یہ دیکھ کر جہاں میں حیراں ہیں سب کی نظریں　　　ایک پل میں قوم مردہ کو آپ نے جلایا

......

پتھر کی چوٹ کھا کر اُف تک نہ کی زباں سے　　　طائف کی سرزمیں نے یہ کیسا گل کھلایا

انور حسین انجم:

نبی کا نقشِ پا مل جائے تو پلکوں سے چومیں گے　　　ملے نعلین قسمت سے تو ہم سر پہ اٹھائیں گے

......

کسی نے آج تک سمجھا نہیں ہے مصطفیٰ ﷺ کیا ہیں　　　اویس کرنی سے پوچھو تو وہ سب کچھ بتائیں گے

مشتاق جاوید:

حرا کے غار سے نکلا تو اسکی بند مٹھی میں　　　زمانے سے جدا اک قیمتی نسخہ نظر آیا

......

کھل رہا ہے عشق کا عقدہ شب معراج میں　　　عرش پر حق خود نبی ﷺ کا طالب دیدار ہے

علی نظر وسیم:

تو نہ ہوتا گر تو ویرانی کا یہ ہوتا سماں　　　طورِ سینا بے کلیم اور مصر بے دریائے نیل

......

کیا مٹائے گا زمانہ نقشِ قرآنِ مبیں نسل کی تیری ضمانت سورۂ کوثر میں ہے

اصغر رضوی:

جوڑ کر سب آداب سب مخبرے فخرِ آدم کے ہیں روبرو سر بہ خم
ہے یہ اعجازِ انگشتِ اطہر کہ بس پل میں دو ٹکڑے قمر ہو گیا

......

ہر طرف خاک پر ہیں ملک سجدے میں یہ زمیں آسماں سے سوا ہو گئی
آدمی کا مقدر تو دیکھے ملک آج اعلیٰ ملک سے بشر ہو گیا

خالد قمر:

دولت اگر ہے مانگنا تو مانگ لے خالد قمرؔ اس شافع محشر سے میری التجا کچھ اور ہے

......

حکم ڈوبتے سورج کو دے دیا پلٹنے کا غم کی اک جھلک دیکھی جب علی کے چہرے پر

امامن اللہ ساغرؔ:

ہم آج تیری سنیں تو کیسے ہم اُن کو اُمّی کہیں تو کیسے علم کے بیشمار چشمے خود اُن کے ذہن رسا سے نکلے

......

جبینِ ایماں سے تم لگالو نظر کے جزوان میں چھپالو وہ لفظ مدحِ نبی میں ساغرؔ جو خامۂ حق نما سے نکلے

ایم۔ کے اثرؔ:

اُس درِّ نادر و نایاب کے آگے اب تو قیمتِ لعلِ یمن لولو و مرجان بھی نہیں

......

سورۂ نور تفسیر ہے نور کی تیرگی چھٹ گئی روشنی کیلئے
بے اماں زندگی کو اماں مل گئی باب رحمت کھلا نور کے روپ میں

خواجہ مظفر مینائی:

مثالِ مصطفیٰ ﷺ دونوں جہاں میں تم نہ پاؤ گے کہاں وہ نور کے پیکر کہاں شمس و قمر کا رنگ

......

وہ دندانِ مبارک مرحبا اس لعل کے آگے چمک ہیرے کی بے معنی ہے کیا لعل و گہر کا رنگ

محمد قاسم علوی:

ذکر حسین کا دل نشیں ہے باعث آرام ہے ذرے ذرے کی زباں پر بس اُسی کا نام ہے

......

جھومتی ہے ڈالی ڈالی ہے گلوں پر بھی نکھار جگمگا اٹھا جو گلشن کس کا یہ اکرام ہے

ہارون شارب:

پڑھتے ہیں قصیدہ جن و ملک اشجار و حجر کیا خشک و تر بلبل قمری اور کوئیل کے لہجے کی صدا کچھ اور ہی ہے

......

جب آئے جہاں میں شاہِ امم سر ہونے لگا بے دین کا خم دریائے سقر میں شرما کر ابلیں بھی غوطہ کھانے لگا

عنایت اللہ صیف:

بخشی ہے چٹائی کو عظمت کی شرف ایسی سو جاں سے فدا اس پر ہو تختِ سلیمانی

......

کون سمجھے گا مقام سرور کونین کا عرش اعظم بن گیا جس نور کا ہے آستاں

ڈاکٹر عالمگیر عالم:

یہ امتِ احمد ﷺ پہ ہے احسان الٰہی جو غارِ حرا کی ہی صدا مانگ رہی ہے

......

انسان کے لئے شرط ہے احمد ﷺ کا وسیلہ اس واسطے دنیا بھی قبا مانگ رہی ہے

احمد سلطان قریشی:

اک پل میں جو عطا کرتا ہے زخموں کو شفا کیوں نہ ہم اس کو مسیحا دلِ بیمار کہیں

......

اپنے محبوب پہ اللہ بھی پڑھتا ہے درود ایسی ہستی کو نہ کیوں سیدِ ابرار کہیں

عبدالستار ابد:

دے گا اک ہاتھ میں قرآن کا نسخۂ عظیم بندگیٔ رب عالم بھی وہی سکھلائے گا

......

خوبیٔ اسلام سے واقف کرائے گا وہی سجدۂ حق کیا ہے یہ محبوبِ حق سمجھائے گا

مرغوب عالم مرغوبؔ:

گود میں تیری حلیمہ گوہرِ ناباب ہے پاکے دولت دوجہاں کی تو بھی اترانے لگی

عیسیٰ رشک:

پڑ رہی ہے دیدۂ پیاشکن پر چاندنی مہرباں ہے مے کشی کی انجمن پر چاندنی

......

آرہا ہے نورِ خالق کہتے ہیں جن و بشر چارسُو ہے ہے ماہتاب ووالمتسپر چاندنی

اصغر ندیم نظامیؔ:

وہ جس کا صدیوں سے تھا انتظار آنکھوں میں ہے آج نبیوں کا وہ تاجدار آنکھوں میں

سبحان فرازؔ:

ہوئے ہوش گم اور زباں رک گئی حسینِ عمر بھی جہاں جھک گئی
سی ابرِ رحمت میں یا مصطفیٰ ﷺ ہمیں بھیگ جانے کا ارمان ہے

امتیاز قیصرؔ:

زمیں پھٹ رہی ہے شجر جل رہے ہیں لئے اپنی فریاد آئے ہیں عربی
نبی ﷺ بیٹھے دیوار کعبہ سے لگ کر نہ جانے وہ ایسے میں کیا ڈھونڈتے ہیں
جو صدیقؓ کے پاؤں میں زہر پھیلا چبھا جبکہ رافع کی آنکھوں می ناوک
تو دونوں نبی ﷺ ہی کی چوکھٹ پہ آکر لعابِ دہن میں شفا ڈھونڈتے ہیں

مولانا شفیع الرحمٰن نجمیؔ:

رب نے بخشا ہے دنیا کو وہ آئینہ جس کا ثانی نہیں ہے کوئی آئینہ
جس کا ہر شخص ہے نقشِ راہ نما جس کی ہر بات بنتی گئی آئینہ

بدرالدین بدرؔ (ایڈوکیٹ)

شادمانی کے لئے یوں تو کئی ایّام ہیں آج کے دن سے بھی کوئی دن بڑا ہے سوچئے
مٹ گئے سارے یزیدی اس جہانِ خاک سے تذکرہ آلِ نبی ﷺ کا آج تک محفل میں ہے

صابر نظرؔ

جگادے قومِ غافل کے دلوں میں جوشِ ایمانی
لبوں پر ہو مرے وہ نالہ و آہ و فغاں روشن
بہ فیضِ مدح نورانی ملا یہ فعلِ سُبحانی
قصیدے میں نظرؔ تیرا ہوا طرزِ بیاں روشن

نبیغ شبّیر

کبھی ''اقرا باسم'' کا عیاں ہونا زمانے پر
کبھی یاسین وطٰہٰ کے معانی غار میں پنہاں
صدا اٹھی جب اللہ احد کی تب ہوا ظاہر
کہ بت خانے تھے کتنے فتنہ وزنّار میں پنہاں

تنویر خان مخفیؔ اشرفی

وہ چاہیں پھیر دیں خورشید کو علی کے لئے
قمر کو چیر دیں سب ان کے اختیار میں ہے
ہزاروں تشنہ لبوں کی بُجھادے تشنہ لبی
وہ بحرِ موجزن انگشت آبیار میں ہے

قمر الدین قمرؔ

طوافِ کعبہ سے مل رہی ہے دل و نظر کو یقینی ٹھنڈک
ذرا مدینے میں آکے دیکھو یہاں کی مٹی میں کیا نہیں ہے
قصیدہ میرا بروزِ محشر بنے گا بخشش کا اک بہانہ
حبیبِ حق کی ثنا میں دیکھو قلم قمرؔ کا رکا نہیں ہے

☆☆☆

ڈاکٹر رضوان امجدی (سیتاپور)

لکھنؤ کے مایہ ناز نعت گو شاعر ہمسؔر قادری لکھنوی کی تقدیسی شاعری کا ایک جائزہ

بیسویں صدی کے نصف آخر میں لکھنؤ کے جن شعراء نے خود کو فی البدیہہ شعر کہنے اور قادر الکلام ہونے کا اعتراف دانشورانِ علم و فن سے کرایا ہے ان میں ہمسؔر قادری کا نام سرفہرست ہے۔ ہمسؔر قادری لکھنؤ کے ان مایہ ناز نعت و منقبت گو طرحی و غیر طرحی مشاعروں میں منفرد خصوصیات کے حامل شاعر ہوئے ہیں۔ انہیں زبان و بیان اور اظہار مافی الضمیر پر مکمل قدرت حاصل تھی۔ ہمسؔر قادری نے اپنی مترنم آواز اور مرصع کلام سے پوری دنیائے شعر و ادب میں لکھنؤ کی نمائندگی کی۔ ان کی شعری فکر میں انفرایت ہے۔ وہ نعت گوئی کے اسرار و رموز سے بخوبی واقف ہیں۔ آپ کا کلام دیکھنے سے یہ بات بڑی آسانی سے کہی جاسکتی ہے کہ آپ کی شاعری کسبی نہیں، بلکہ وہبی ہے۔ یہ عطیہ خداوندی ہوتی ہے۔ ان کے کلام میں شاعری کے جملہ اوصاف بدرجۂ اتم ملتے ہیں۔ وہ شاعری اپنی شہرت کے لئے نہیں کرتے تھے بلکہ طبیعت کے تقاضہ اور اصرار ذوق پر کہتے تھے۔

ہمسؔر قادری نے نعت و منقبت کو اپنی زندگی کا جز و لاینفک بنالیا تھا بلکہ بالفاظ دیگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ وہ نعت و منقبت گوئی کو عبادت کے زمرہ میں رکھتے ہیں۔ آپ نعت کے مقام اور نازک صنف سے آگاہ تھے۔ اس لئے ان کے نعتیہ اشعار میں تخیل کی بلندی، رقت اور روانی ہے۔

عبدالغنی خاں المتخلص ہمسؔر قادری کا 1983ء میں 56 نعتیہ اشعار پر مشتمل (نعت و منقبت اور قطعات) ایک مجموعہ ''فردوسِ عقیدت'' کے نام سے شائع ہوا۔ یہ مجموعۂ کلام ان کے رفیق مسلم شبنم نوری کی سعی جمیلہ سے منظر عام پر آیا ہے۔ نوری صاحب نے ہمسؔر قادری کی شاعری اور ان کے نعتیہ کلام پر اظہارِ خیال یوں فرمایا ہے:

''ہمسر قادری کو خدا نے نہ صرف قادرالکلام شاعر بنایا ہے بلکہ مذاقِ

شعری اور فکر وفن کے ساتھ ساتھ ایک حساس دل اور صالح ادبی رجحانات کا حامل بنایا......ہمسرؔ قادری کو اپنے ہم شہر شعراء کی صف میں اِس اعتبار سے انفرادیت حاصل ہے کہ ان کے کلام میں زبان و بیان کی صحت وندرت لب ولہجہ کی لطافت، پاکیزگی اور جدت کے علاوہ تخیل کی بلند پروازی نیز فکر وفن کی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔'' (ہمسرؔ قادری مشمولہ فردوس عقیدت، ص:14،15)

مسلم شبنم نوری صاحب ممتاز پی. جی. کالج، لکھنؤ کے شعبۂ فارسی کے صدر کے عہدہ پر رہے۔ آپ لکھنؤ کے شب و روز سے بخوبی واقف ہیں۔ ہمسرؔ قادری ان کے عزیز ترین دوست رہے۔ وہ لکھنؤ کے زوال اور علمی و ادبی ماحول سے واقفیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ نوری صاحب ہمسرؔ قادری کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''ہمسرؔ صاحب نے لکھنوی تہذیب کے گہوارہ میں تربیت پائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شخصیت لکھنوی تہذیب کی جملہ خوبیوں کی حامل ہے۔'' (فردوسِ عقیدت، ص:14)

لکھنؤ اور وہاں کی تہذیبی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر سید صفدر حسین رقمطراز ہیں:

''لکھنویت نام تھا مخصوص معتقدات میں استغراق کا۔علم وفضل میں ایک خاص ترقی اور بالیدگی، تہذیب وتمدن میں نزاکت ولطافت کی تخلیق کا، اور شعبہ حیات میں جدت ونفاست کا۔''

(لکھنؤ کی تہذیبی میراث، ص:284)

راقم الحروف نے لکھنؤ کی حقیقت جو کل تھی اسے مختصر لفظوں میں بیان کرنے کی سعی کی ہے۔ آج کیا ہے وہ دانشورانِ ادب پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ مستقبل۔ **اللّٰہ اعلم بالصواب۔**

ہمسرؔ قادری کی نعتیں جذبۂ عقیدت، نور ایمان اور ضیائے ایقان سے پُر اور تابناک ومنور ہیں۔ انہوں نے جذبے کی آبیاری فکر سے کی ہے۔ ان کی نعت کا ہر شعر تقاضا کر رہا ہے کہ توقف کیجئے۔ شاعر کے دل میں اترنے کی کوشش کیجئے۔ اس کے دماغ کی پرتو کو الٹئے۔ جنھوں نے ان کی نعتوں کو معنویت سے لبالب بھر دیا ہے۔ ہمسرؔ قادری نے اعلان کئے بغیر اپنی نعت کے اشعار میں مضامین نو کے انبار لگا دیئے ہیں۔ صنائع وبدائع سے انہیں اس طرح آراستہ کیا ہے کہ اشعار کی روانی اور فکر واستقلال متاثر نہیں ہوتے۔

رب العالمین کی سب سے عظیم اور محترم نیز سب سے خوبصورت تخلیق یقیناً عطرِ موجودات اور خلاصۂ کائنات رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ آپ کی ذات گرامی ماننے اور چاہنے والوں کے لئے جو قابلیت رکھتی ہے، اس کا بیان ہمسرؔ قادری لکھنوی کی تقدیسی شاعری میں ہر جگہ اپنی نورِ عرفانیت بکھیرتا نظر آتا ہے۔ اس طرح سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہمسرؔ قادری لکھنوی کی عقیدت کا اظہار ملتا ہے۔ ان کے مجموعہ ''فردوس عقیدت'' میں نعتیہ کلام کے علاوہ مناقب اور قطعات شامل ہیں۔ تقدیسی کلام اور قطعات میں انفرادیت ہے۔ تقدیسی کلام میں بھی چار یار پر مبنی مناقب ان کے حسن کردار اور محاسن ملتے ہیں۔ تقدیسی کلام میں تلمیحات کے استعمال میں قرآن پاک کی آیتوں یا جزو کا شامل ہونے سے کلام کا حسن دوبالا ہو جاتا ہے۔

ہمسرؔ قادری کے تقدیسی کلام میں عشقِ نبی کا تصور بڑا جامع ملتا ہے۔ عشق کا تصور تو ہمیں محمد تقی میرؔ کے کلام میں یوں ملتا ہے:

محبت نہ ہوتی نہ ہوتا ظہور　　محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور

......

کچھ حقیقت نہ پوچھ کیا ہے عشق　　حق اگر سمجھو تو خدا ہے عشق
عشق ہی عشق ہے نہیں ہے کچھ　　عشق بن تم کہو کہیں ہے کچھ
عشق تھا جو رسول ہو آیا　　ان نے پیغام عشق پہنچایا
عشق عالی جناب رکھتا ہے　　جبرئیل و کتاب رکھتا ہے

یہ عشق وہی طاقت ہے جو ہمہ گیر اور کائنات کے ذرہ ذرہ میں رواں دواں ہے۔ اور جسے روحِ کائنات کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ڈاکٹر اقبال لاہوری نے عشق کے معانی و مطالب کو اور وسیع و جامع بنایا ہے۔ عشق مجازی معنی سے نکل کر حقیقی پیرایہ میں داخل ہو گیا۔ عشق کے متعلق مختلف صاحبانِ فکر و عرفان نے اپنا اپنا نظریہ پیش کیا ہے۔ اقبالؔ نے بھی عشق سے متعلق اپنا خیال یوں پیش کیا ہے:

مردِ خدا کا عمل عشق سے صاحب فروغ　　عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام
عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا　　اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دمِ جبرئیل عشق دلِ مصطفیٰ　　عشق خدا کا رسول عشق خدا کا کلام
عشق فقیہہ حرم عشق امیر جنود　　عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام

......

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق　　عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصورات

ہمسرؔ قادری نے عشق کا تصورِ ذاتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مرکوز کیا ہے۔ ان کا نعتیہ کلام تصوف پر مبنی نہیں۔ اس لئے وہ عشقِ نبی میں مستغرق رہنے کی بات کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ نعتِ پاک کا موضوع ہی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عشق بے پایاں کا اظہار ہے۔ اگر یہ کیفیت نہیں ہے تو اس شاعر کا کلام بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور سامع نیز قاری پر کوئی اثر نہیں چھوڑتا۔ آیئے عشقِ نبی پر مبنی اشعار جو ''فردوسِ عقیدت'' میں زینتِ قرطاس بنے ہوئے ہیں سے لطف اندوز ہوں:

عشقِ رسول مرحبا حسرتِ چشم نم یہ ہے　　پرسشِ غم نبی کریں دیدۂ نم کو دکھ کر
عشقِ رہِ رسول جب شاملِ زندگی ہوا　　یاد خدا کی آ گئی منزلِ غم کو دیکھ کر

......

جو یادِ نبی میں آتی ہے وہ موت بڑی افضل ہے لیکن　　جو عشقِ نبی میں ملتی ہے ہمسرؔ وہ بقا کیسی ہوگی

......

مرقد کی تیرگی میں بہت کام آئے گا　　عشقِ نبی کا دل میں اجالا لئے چلو

......

ہوئی ہے تنویر ماہِ فاراں شعورِ عشقِ نبی کی ضامن　　کہاں پتنگوں میں یہ تڑپ تھی ضیاءِ شمعِ حرا سے پہلے

......

فرازِ عشقِ نبی تک مقام مژگاں ہے　　وقار دیدۂ پرنم دکھائی دیتا ہے

......

جب تک نہ قدم ہوں گے رہِ عشقِ نبی پر　　حاصل کبھی فردوس کا زینہ نہیں ہوگا

......

جو غمِ عشقِ نبی دل سے لگا لیتے ہیں　　ان کو سرکار مدینے میں بلا لیتے ہیں

......

اے تشنگیِ عشقِ نبی اور فزوں ہو　　وہ بادۂ توحید کو چھلکائے ہوئے ہیں

......

جو دل نبی کے عشق کی منزل میں آ گئے　　وہ حسنِ لازوال کی محفل میں آ گئے

......

مئے عشقِ احمد پیئے جارہے ہیں ۔۔۔ اسی کی بدولت جیئے جارہے ہیں

......

جو امینِ عشقِ رسول تھے ہیں انہیں کے آج بھی تذکرے ۔۔۔ انہیں عشق میں ملیں منزلیں جو درِ نبی کے گدا رہے

......

غمِ عشقِ نبی نے آنسوؤں کو جب جلا بخشی ۔۔۔ لگی موتی لٹانے چشمِ پُرنم آہستہ آہستہ

اس قبیل کے متعدد اشعار ان کے تقدیسی مجموعہ کلام ''فردوسِ عقیدت'' میں موتی کے مانند موجود ہیں۔طوالت کے خوف سے اختصار سے کام لیا ہے۔ ہمسرؔ قادری کی نعتوں میں عشق و محبت کی سرگوشی ایک امتیاز کا درجہ رکھتی ہے۔مگر اس اظہارِ عشق میں انہوں نے کبھی شریعت کے حدود نظر انداز نہیں کئے۔بلکہ ہر شعر میں اس امر کو پوری طرح ملحوظ رکھا۔اسی طرح ہمسرؔ قادری کی اس عام غلط فہمی کی سخت تردید بھی کی ہے کہ نعت کا حق بغیر مبالغہ آرائی کے ادا نہیں ہوسکتا۔

ہمسرؔ قادری نے اللہ پاک کے درود شریف بھیجنے اور اس کے حکم پر متعدد اشعار کہے ہیں۔جس کے فضائل پر قرآن پاک اور احادیث نبوی شاہد ہیں۔درود پاک پڑھنے کے فوائد پر بہت سے اشعار نظم کر کے اپنی تقدیسی شاعری میں جگہ دی ہے۔چند اشعار درود شریف پر مبنی ملاحظہ ہوں:

ہر نفس ہر گھڑی اور ہر دم پڑھتے رہیے درودِ مکرم ۔۔۔ جانے کس وقت دم ٹوٹ جائے زندگی کا بھروسا نہیں ہے

......

اپنے خوابوں کو درودوں کی فضا اکثر ۔۔۔ زلف واللیل کی خوشبو میں بسا لیتے ہیں

......

ان پر نگاہِ رحمتِ کونین ہوگئی ۔۔۔ پڑھتے ہوئے درود جو محفل میں آ گئے

......

روشن بخدا وہ سرِ عقبیٰ نہیں ہوگا ۔۔۔ جس دل میں درودوں کا اجالا نہیں ہوگا

......

مرے گلدستۂ ایماں کے گل بوٹے یہ کہتے ہیں ۔۔۔ درودوں کی بہارِ بے خزاں باغِ جناں تک ہے

اردو اصناف شعری میں صنائع و بدائع کی بڑی معنویت ہے۔اس میں تلمیح اصطلاح کی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے۔تقدیسی شاعری میں قرآنی آیات اور احادث نبوی کو خاص کر بطور تلمیح پیش کیا جاتا ہے۔اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے تقدیسی کلام میں سب سے زیادہ

قرآنی آیات واحادیث کریمہ کو نظم فرمایا ہے۔

ہمسؔر قادری لکھنوی کے مجموعۂ نعت ومنقبت ''فردوسِ عقیدت'' میں بھی قرآنی آیات تلمیح کے طور پر کلام کے حسن کو دوبالا کرنے کے لئے بکثرت نظر آتے ہیں۔ موصوف فارسی شاعروں کے کلام پر گہری نظر رکھتے تھے۔ مولانا روم اور حافظؔ شیرازی آپ کے محبوب شاعر تھے۔ ہمسؔر قادری لکھنوی کے تقدیسی کلام کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان کا مطالعہ وسیع تھا اور عربی سے بھی واقفیت رکھتے تھے۔ پورے مجموعۂ کلام میں صرف ایک شعر میں ایرانی بادشاہ جمشید کے پیالہ کو بطور تلمیح استعمال کیا گیا ہے۔ شعر ملاحظہ ہو:

بادۂ نسبتِ رسول جس کو نصیب ہوگیا　　اس نے نگاہ پھیر لی ساغرِ جم کو دیکھ کر

قرآنی تلمیحات پر مبنی چند اشعار دیکھئے:

اس نورِ مجسم کے جلوے دیکھے ہیں بہت دنیا نے مگر　　معراج سے جو وابستہ ہے وہ طرفہ ادا کیسی ہوگی

......

دیکھیں گی تم کو گیسوؤں والے کی رحمتیں　　آنکھوں میں حسن لیلۃ الاسرا لے چلو

تخیل میں جب زلفِ واللیل بکھری تو یاد آئیں شامِ ابد کی بہاریں

تصور کیا جب بھی صبح ازل کا تو رخسارِ شامِ امم یاد آئے

والفجر ہے اس روئے انوار کی خاطر　　واللیل ہے اس گیسوئے خمدار کی خاطر

......

جس حد پہ فرشتوں کا گذر بھی نہیں ممکن　　ہم صاحبِ اسرا کے قدم دیکھ رہے ہیں

......

لِلّٰہ اک نگاہ کرم ساقیٔ الست　　آیا ہوں دل بصورت ساغر لئے ہوئے

......

مہتاب کے ٹکڑے کئے اور شمس کو پھیرا　　اللہ غنی قدرتِ سلطانِ مدینہ

......

بادۂ **لاتقنطوا** لے کر بہار آئی ہے آج　　گیسوئے واللیل کی گھٹا چھائی ہے آج

......

پیکرِ ایمان میں وحدت کی توانائی ہے آج　　آیۂ وَجَّهۡتُ وَجۡهِیَ لِلَّذِیۡ کے فیض سے

ہمسرؔ قادری لکھنوی کی ولادت لکھنؤ کے محلّہ مولوی گنج میں 13 جنوری 1930ء کو ہوئی۔ یہیں پرورش اور تربیت ہوئی۔ اسی ماحول میں رہ کر زندگی گذاری۔ شاعری کا آغاز وارتقاء بھی یہیں سے وابستہ ہے۔ پھر 27 مارچ 2001ء کو خوش عقیدہ رہ کر اس دارِ فانی کو الوداع کہہ کر دارِ بقا کو کوچ کر گئے۔ انہوں نے کسی سے تلمذ نہیں حاصل کی۔ ان کا تقدیسی کلام ان کے خوش عقیدہ مسلمان ہونے پر مکمل شاہد ہے۔ چند اشعار حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ شریف کے بارے میں ہے اور چند حضرات خود ساختہ اصطلاح ایجاد کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنے میں مصروف ہیں۔ آیئے وہ اشعار ملاحظہ کریں:

اے صلِّ علیٰ دلکشی صبحِ ولادت　　اتنا تو حسین کوئی سویرا نہیں ہوگا

......

نوید صبحِ ولادت کو مرحبا کہیئے　　ہر اہلِ دل خوش وخرم دکھائی دیتا ہے

......

عید میلاد کی جب دھوم مچاتے ہیں مَلَک　　ہم بھی سرکار کا اک جشن منا لیتے ہیں

......

سارے عالم پہ ابر کرم چھا گیا قدسیو گنگنانے کے دن آ گئے
ہر طرف جلوۂ عید میلاد ہے نعت سننے سنانے کے دن آ گئے

......

اللہ پاک، رب العالمین ہے۔ اس نے اپنے محبوب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین کے معزز لقب سے یاد فرمایا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں فرمایا کہ صحابہ ستاروں کے مانند ہیں۔ پھر ان میں دس مکرم صحابہ کرام کو جنت کی بشارت دی۔

ہمسرؔ قادری لکھنوی نے ان دس جلیل القدر صحابہ کرام میں چار عظیم الشان صحابہ کا انتخاب کیا، جن کو چار یار بھی کہا جاتا ہے۔ آپ نے اپنے تقدیسی کلام کے مجموعہ ''فردوسِ عقیدت'' میں ان ہی چار خلفاء کی شان میں منفرد فکر اسلوب میں مناقب نظم کئے ہیں۔ ان مناقب میں ان صحابۂ کرام کی شانِ ارفع واعلیٰ بیان کی گئی ہے۔ ان کے اندازِ بیان میں انفرادیت کا عنصر ملتا ہے۔ مناقب پر مبنی چند اشعار ملاحظہ ہوں:

صدیق و عمر عثمان و علی کردارِ نبی کا پرتو ہیں جب حسنِ شباہت ایسا ہے تصویر بھلا کیسی ہوگی

......

کچھ ختمِ رسالت ہی پہ موقوف نہیں ہے صدیق بھی اب دوسرا پیدا نہیں ہوگا

......

ضوپاش جہاں نقشِ کفِ پائے عمر ہوں اس راہ پہ بدعت کا اندھیرا نہیں ہوگا

......

پیراہنِ نورین کی خوشبو نہ ہو جس میں جنت میں کوئی پھول بھی ایسا نہیں ہوگا

......

ہے جس کا لقب شیرِ خدا فاتحِ خیبر ویسا کوئی اللہ کا بندہ نہیں ہوگا

یقیں کیجئے تاجداروں نے اکثر وہیں سرنگوں کر لئے اپنے پرچم
ابوبکر و فاروق و عثمان و علی کے جو اندازِ جاہ و حشم یاد آئے

......

عشق صدیق و فاروق و عثماں ہے بقولِ علی جزو ایمان
اس کا ایماں نہیں ہے مکمل جس کو عشقِ صحابہ نہیں ہے

......

خدا کی قسم حادثاتِ زمانہ پلٹ جائیں گے اپنے مرکز کی جانب
ابوبکر و فاروق و عثماں علی کا جو پل بھر کو جاہ و حشم دیکھ لیں گے

......

قربِ صدیق و عمر نے یہ بتایا ہم کو چاہنے والے جگہ اپنی بنا لیتے ہیں
عظمتِ جامعۂ آیات خدا ہی جانے ہم تو قرآن کو آنکھوں سے لگا لیتے ہیں

......

حوصلہ بخش دیا کرتی ہے نسبت اس کی ہاتھ پر جو درِ خیبر کو اٹھا لیتے ہیں

......

منجملہ صحابہ میں کسی کو نہیں حاصل جو مرتبہ صدیق و عمر پائے ہوئے ہیں
چرچے تو بہاروں میں ہیں عثمان غنی کے اور غنچہ و گل باغ میں شرمائے ہوئے ہیں

یارب ہمیں توفیق نمازوں کی عطا کر	ہم حیدر کرار کو اپنائے ہوئے ہیں

......

ساقیِ کوثر کو جن پر ناز ہے	چار ایسے آبگینے آگئے

......

یادِ صدیق و عمر عظمتِ عثمان وعلی	نہ ادھر جائے گی دل سے نہ اُدھر جائے گی

خواب گاہ رسولِ خدا میں حال صدیق و فاروق یہ ہے
یہ بھی آرام فرمارہے ہیں وہ بھی آرام فرمارہے ہیں
ربط عثمان وحیدر کے صدقے رخ ہواؤں کا ہے دونوں جانب
ایسا لگتا ہ دونوں طرف سے باری باری سلام آرہے ہیں

......

ابوبکر و عمر عثمان علی کی مدحت و عظمت
مکاں سے لامکاں تک اِس جہاں سے اُس جہاں تک ہے

......

ابوبکر وعمر عثماں کی مدحت جن کا ایماں ہے	وہی مسرور ہوتے ہیں علی کی مدح خوانی ہے

متذکرہ مناقبِ خلفاء اربعہ صرف ان کی نعتوں سے اخذ کئے گئے۔ ہمسرؔ قادری لکھنوی نے اپنے مجموعۂ تقدیسی ''فردوسِ عقیدت'' میں الگ الگ خلفاء اربعہ کی شان میں مناقب کہے ہیں جو نہایت رقت آمیز اور ارفع واعلیٰ شان ان کی محاسنِ حسنہ کے بیان پر مبنی ہیں۔ ان کو درج کیا جارہا ہے۔ جن سے قاری ہمسرؔ قادری لکھنوی کی قدرت زبان وبیان کا اندازہ ہوسکے۔ چاروں عظیم الشان خلفاء پر مبنی مناقب ملاحظہ ہوں:

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

چراغِ جلوہ گاہ قدسیاں صدیق اکبر ہیں	ضیاء جلوۂ پیغمبراں صدیق اکبر ہیں
شگفتہ کیوں نہ ہوں گلہائے باغِ رحمت عالم	شریعت کی بہارِ بے خزاں صدیق اکبر ہیں
نبی کی جانشینی سے کھلا یہ راز سربستہ	بہر صورت نبی کے راز داں صدیق اکبر ہیں
امامت کا اشارہ ہے بہر منزل یہ امت کو	نبی کے بعد میرِ کارواں صدیق اکبر ہیں
نبی کے بعد استحکامِ امت پر نظر رکھی	یقیناً داعیٔ امن و اماں صدیق اکبر ہیں

ہیں رقصاں خُلق پیغمبر کی موجیں جس کے ساحل پر طریقت عالم کے وہ بحرِ بیکراں صدیق اکبر ہیں
وہ بزم نور ہو یا خواب گاہِ رحمت عالم جہاں شاہِ دوعالم ہیں وہاں صدیق اکبر ہیں
بفیضِ آئینۂ صدیقیت معراج کے حق میں طرفدارِ شہِ کون و مکاں صدیقِ اکبر ہیں
جہاں سینوں میں ہے شمعِ حرا کی جلوہ سامانی وہاں قلب وجگر کے درمیاں صدیق اکبر ہیں
نچھاور کر کے سارا مال و زر پائے رسالت پر متاعِ دینِ حق کے پاسباں صدیق اکبر ہیں
اٹھایا ہے جو اپنے دوش پر بار نبوت کو زمانہ دیکھ لے کیسے جواں صدیق اکبر ہیں
اگر وہم و گماں کی تیرگی مدِّ مقابل ہے
تو ہمسرؔ مثلِ شمعِ ضوفشاں صدیق اکبر ہیں

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

خدا کے گھر میں جب سجدہ کیا فاروقِ اعظم نے مقدّر دین کا چمکا دیا فاروقِ اعظم نے
کیا آراستہ خود کو شریعت کے سلیقے سے لیا جب دینِ حق کا آئینہ فاروقِ اعظم نے
گذرنا اپنی حد سے کس لئے اچھا نہیں ہوتا پسِ کردار یہ سمجھا دیا فاروقِ اعظم نے
ہوئی وہم و گماں کی تیرگی کافور نظروں سے جو دیکھا جلوۂ بدرالدّجیٰ فاروقِ اعظم نے
لُٹا کر دولتِ خُلق و اخوت شہرِ فطرت میں ہر اہلِ دل کا دل اپنا لیا فاروقِ اعظم نے
زہے زورِ خطابت منزلوں پہنچی خبر ان کی مدینے میں جو کچھ فرما دیا فاروقِ اعظم نے
متاعِ نقدِ جاں دے کر شہادت کی سند پا کر لیا پہلوئے محبوبِ خدا فاروقِ اعظم نے
امیرِ کاروانِ امتِ خیر الامم بن کر دکھایا نیکیوں کا راستہ فاروقِ اعظم نے
لباسِ خاکساری میں باندازِ جہاں مانی دیا دنیا کو درسِ ارتقا فاروقِ اعظم نے
مئے عشقِ نبی سے بھر لیا کردار کا ساغر جو دیکھی زلفِ احمد کی گھٹا فاروقِ اعظم نے
جب آئے عاشقانِ دین فطرت آرزو لے کر دیا آئینۂ صلِّ علیٰ فاروقِ اعظم نے
جدھر سے گمرہی آنے کے امکاں پائے اے ہمسرؔ
وہ دروازۂ مقفل کر دیا فاروق اعظم نے

حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ

عثمان کہ جو شائستۂ قرآنِ مبیں ہیں گنجینۂ توحید و رسالت کے اَمیں ہیں
مسرور سرِ بزم جو ارباب یقیں ہیں محسوس یہ ہوتا ہے کہ عثمان یہیں ہیں

کہتی ہیں یہ گلزارِ خلافت کی بہاریں — عثمان غنی مالکِ فردوسِ بریں ہیں
کلیوں کی حیا جلوۂ نورین پہ صدقے — پھولوں کا یہ کہنا ہے کہ عثمان حسیں ہیں
جو شہر کہ ہے مرکزِ انوارِ الٰہی — اللہ کی رحمت ہو کہ عثمان وہیں ہیں
ہے نسبتِ عثمان کی بلندی کا یہ عالم — اکثر یہ گماں ہوتا ہے ہم عرش نشیں ہیں
دل اپنا ضیاء رخِ عثمان سے لگا لو — وہ خاتم سرورِ دوعالم کے نگیں ہیں
عثمان غنی دل میں ہیں صدیق و عمر کے — صدیق و عمر گنبدِ خضرا میں مکیں ہیں
درویش جتنے درِ عثمان غنی کے — سلطانِ زمانہ ہیں وہ محتاج نہیں ہیں
ہے جامع آیات کی نسبت ہمیں حاصل — قرآں کی تلاوت کے بھی حقدار ہمیں ہیں
مابین ہیں جو کرب و بلا اور نجف کے — دل اُن کا کہیں اور ہے وہ اور کہیں ہیں

ہمسؔر جو ہیں ترتیب خلافت کے مخالف
اثنا عشری ہیں وہ مسلمان نہیں ہیں

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ

بحمد اللہ بزمِ پاک میں مدحت علی کی ہے — کہ آج اپنی زباں پر منقبت حضرت علی کی ہے
شبِ ہجرت بڑا رتبہ بڑی عظمت علی کی ہے — ملا بسترِ نبی کا یہ فقط قسمت علی کی ہے
بہت سے معرفت کے سلسلے دنیا میں ہیں لیکن — جہاں اہلِ ولایت ہیں وہاں قسمت علی کی ہے
یہاں وہ حق بجانب ہیں وہاں حق کی رضا پر ہیں — وہ دنیا ہو کہ جنت ہو بہر صورت علی کی ہے
نبی نے کہہ کے بابِ علم سر افراز فرمایا — نبی کے جاں نثاروں میں بڑی وقعت علی کی ہے
حقیقت کی نظر سے دیکھئے تو باغِ ہستی میں — کچھ ایسے پھول ہیں جن میں فقط رنگت علی کی ہے
پتہ شیر خدا خلد آشیاں کا پوچھنے والو — نجف کہتے ہیں جس کو بس وہی جنت علی کی ہے
قضائے قلعۂ خیبر ابھی تک ہے سراسیمہ — وہاں کے ذرّے ذرّے پر ابھی ہیبت علی کی ہے
کیا واصل بہ دوزخ مرحب و عنتر کو لمحوں میں — جسے کہئے خدائی قہر وہ ضربت علی کی ہے
ابوبکر و عمر پر آپ نے خود کو نہ سبقت دی — صداقت جس کا آئینہ ہے وہ نیت علی کی ہے
مقامِ بیعتِ رضواں پہ ہیں عثمان کے حامی — یہ نفسِ مطمئنّہ اور یہ ہمت علی کی ہے
متاعِ زہد و تقویٰ سے نگاہیں پھیرنے والو — جسے ٹھکرا رہے ہو تم یہی دولت علی کی ہے
جنہیں مشکل کشا کہتے ہیں اکثر چاہنے والے — بشکل معجزہ ہمسؔر وہ شخصیت علی کی ہے

خلفاء اربعہ کے علاوہ ہمسؔر قادری لکھنوی کے مجموعۂ نعت ومنقبت ''فردوسِ عقیدت'' کے آخر میں دو منقبتیں اور بھی ہیں۔ ان میں بھی وہی انداز فکر ہے۔ آخر میں چاروں خلفاء کی عظمت پر دو شعر ہیں۔ جب کہ دوسری منقبت صرف چار شعر پر مشتمل ہے۔ اس میں بھی منقبت کے اصول واغراض مقاصد کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ ہمسؔر قادری کی قدرتِ شعر گوئی کا اندازہ لگانے کے لئے درج کئے جا رہے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

منقبت

مانا کہ تہی دست ہے ناچار بہت ہے — دل دولتِ ایماں کا طلبگار بہت ہے
امت پہ کرم کیجئے اے رحمت عالم — اس وقت مصائب میں گرفتار بہت ہے
اصحاب کے نقشِ کفِ پا نے یہ بتایا — جنت کے لئے راستہ ہموار بہت ہے
جنت میں یقیناً وہ صحابہ سے ملے گا — جو مدح صحابہ کا پرستار بہت ہے
قربت یہ پتہ دیتی ہے صدیق وعمر کی — اُن دونوں سے آقا کو مرے پیار بہت ہے
عثمان غنی جیسا سخی ہو نہیں سکتا — وہ مردِ خدا صاحبِ ایثار بہت ہے
کفّار کی گردن زدنی کے لئے ہمسؔر — اک حیدرِ کرّار کی تلوار بہت ہے

منقبت

وقارِ مسلکِ دین پیمبر — وہ بحرِ صدق کا تابندہ گوہر
مساوات و اخوت جس کا زیور — وہ راہِ عدل پر دنیا کا رہبر
شہادت کا پئے قرآں یہ ساغر — غنی سا پارسا اللہ اکبر
شجاعت میں نہیں ہے جس کا ہمسؔر — وہ ہے آئینہ دارِ فتح خیبر
چراغ و مسجد و محراب و منبر — ابوبکر و عمر عثمان و حیدر

ہمسؔر قادری کو قدرت نے نعت گوئی کے لئے پیدا فرمایا تھا۔ گرچہ آپ نے شاعری کا آغاز غزل گوئی سے کیا۔ مگر بہت جلد تقدیسی شاعری کرنے لگے تھے۔ ان کی موجودگی یعنی جب ہمسؔر قادری باحیات تھے۔ تب ہی 1983ء میں نعتوں، قطعات اور مناقب پر مشتمل ''فردوسِ عقیدت'' شائع ہوا۔ جس کو دانشورانِ ادب نے بیحد پسند کیا اور عوام نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ آج بھی ان کے کلام کی آواز خواص کے کانوں میں گونجتی ہے۔ ان کے موجودہ احبابِ عصر حاضر میں بھی ان کے کلام سنتے

ہیں اور زبان و بیان پر سر دھنتے ہیں۔ان کی ضیافت طبع کے لئے دو نعت شریف درج کی جا رہی ہیں:

آرزوئے حیات

یہی آرزوئے حیات ہے یونہی جائے جان خدا کرے — مرے لب پہ ذکرِ نبی رہے مرے دل میں یادِ خدا رہے
ترا ذکر عین یقین ہے تری یاد اتنی حسین ہے — کہ علاوہ تیرے خیال کے جو رہے بھی دل میں تو کیا رہے
جو امین عشقِ رسول تھے انہیں کے آج بھی تذکرے — اُنہیں عشق میں ملیں منزلیں جو درِ نبی کے گدا رہے
وہ شفیع مجمع عاصیاں وہ انیسِ رحمتِ دو جہاں — اگر اک نگاہ بھی دیکھ لے نہ خطا رہے نہ سزا رہے

آہستہ آہستہ

بڑھا جب نور حق سوئے حرم آہستہ آہستہ — چلے کعبے سے کعبے کے صنم آہستہ آہستہ
کھلا جب پرچمِ شاہِ اُمم آہستہ آہستہ — تو ٹھنڈے ہوگئے سارے علم آہستہ آہستہ
تخیل میں جو پھیلے گیسوئے واللیل کے سائے — تصور میں اٹھا ابر کرم آہستہ آہستہ
غمِ عشقِ نبی نے آنسوؤں کو جب جلا بخشی — لگی موتی لٹانے چشمِ نم آہستہ آہستہ
درودِ پاک کے صبحِ ازل کا نور پھیلایا — چھٹا دل سے غبارِ شامِ غم آہستہ آہستہ
حرم تک آگئے ہیں اب نہ گھبرا اے دلِ شیدا — مدینے بھی پہنچ جائیں گے ہم آہستہ آہستہ
مساوات و اخوت کا نبی سے جب سبق پایا — مٹا دل سے خیالِ بیش و کم آہستہ آہستہ
مجاہد سلسلہ در سلسلہ پروانہ وار آئے — بڑھا یوں حلقۂ شمعِ حرم آہستہ آہستہ
شب ہجرت ملائک ہوگئے صدیق پر شیدا — بڑھے جب ثور کی جانب قدم آہستہ آہستہ
خلافت رفتہ رفتہ حضرت فاروق تک آئی — بڑھا اسلام کا جاہ و حشم آہستہ آہستہ
لیاقت بن گئی اک آئینہ کردارِ عثماں کا — کیا اس حسن سے قرآں رقم آہستہ آہستہ
علی مرتضیٰ نے جب لقب کرّار کا پایا — ہزاروں ڈھائے ایوانِ ستم آہستہ آہستہ
خلوصِ دل سے میں پڑھتا ہوں ہمسرؔ نعتِ پیغمبر — پڑھیں صلِّ علیٰ سب محترم آہستہ آہستہ

ان اشعار میں جو کیفیت والہانہ پن اور حضوری کا جو انداز ہے اس کے لئے شاعر نے شایانِ شان الفاظ و تراکیب کا استعمال کر کے تقدیسی شاعری کے اعلیٰ درجے کے نمونوں کا فردوسِ عقیدت میں انبار لگا دیا ہے۔ میری طبیعت کا تقاضا تو یہ ہے کہ تمام کلام درج کروں اور خود بھی لطف اندوز ہونے کے علاوہ قاری بھی ہوں مگر وقت اجازت نہیں دیتا۔

جناب ہمسؔر قادری لکھنوی کی نعتوں کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ انہوں نے جذب واثر اور عشق ومحبت میں سرشار ہوکر کلامِ تقدیسی کہا ہے۔اور خصوصاً آپ کے اقوال وکردار کے پہلو کو موضوع سخن بنایا ہے۔ ہمسؔر قادری کے کلام میں جو والہانہ اندازِ فکر ہے۔ وہ ہی انہیں بحیثیت شاعر نعوت و مناقب میں انفرادیت عطا کرتا ہے اور ان کا سلسلہ خود ان کو ان شعراء کے صف میں پیش کرتا ہے جس طرف ان کا یہ شعر اشارہ کرتا ہے:

کبھی روح اشعار حساؔن و سعدؔی کبھی حسنِ افکارِ قدسؔی و جامؔی
غرض نعت تازہ جب آئی لبوں تک تو اکثر یہی محترم یاد آئے

☆☆☆

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاؔد فتح پوری (فتح پور، یوپی)

میں اور میرے علمی اکتسابات، نعت نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصوصی مطالعہ کے ساتھ

رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی میں معاف آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

(قطعہ دیوانِ غالب اردو ڈیلکس ایڈیشن، اسداللہ خاں غالب، غالب اکیڈمی ۱۹۹۳ء صفحہ ۱۷۷)

راقم اپنی زائیدہ ماں کے سلسلے میں بہت بد قسمت واقع ہوا ہے۔ وہ اپنی والدۂ محترمہ کی طویل بیماری کے عرصہ حیات میں متولّد ہوا تھا۔ وہ ابھی آٹھ ماہ کا بھولا بھالا بچہ تھا کہ اس کی والدہ اسے چھوڑ کر عالمِ بالا کی جانب کوچ کر گئیں۔ راقم کے والد اس کی والدہ کو بہت چاہتے تھے۔ راقم کی والدہ صاحبہ کے والدین بھی ان کی عالم طفولیت میں راہیٔ ملک بقا ہو گئے تھے۔ راقم کی والدہ کے والدِ معظم نیز ان کے برادرِ خورد چمڑے کا کاروبار کرتے تھے، ان کی مالی حالت کافی مضبوط اور استوار تھی، راقم کی والدہ اپنے والد اور چچا کے مابین اکلوتی اولاد تھیں۔ لیکن بڑے بزرگوں سے سنا ہے کہ ان کی ساری دولت ان کے ایک چچا نے مار دی تھی۔ راقم نے یہ بھی سنا ہے کہ ان کے دیگر چچاؤں نے ان کی (والدہ) کی شادی بڑے دھوم دھام سے کی تھی اور ان کی شادی میں دو دو رخصتی دعوتیں کی گئی تھیں۔

راقم کی والدہ اپنی بیماری کے باعث راقم کو اپنے پاس نہ رکھتی تھیں۔ راقم کے والد نے اس کی والدہ کے علاج معالجہ میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی تھی اور وہ اپنے کاروبارِ تجارت کو طاقِ نسیاں میں رکھ کر ان کے ساتھ لکھنؤ میں رہنے لگے تھے اور پتہ نہیں وہ شیر خوار بچہ کس طرح اپنے والدین سے دور فتح پور میں رہتا تھا۔

راقم صرف آٹھ ماہ کا شیر خوار بچہ تھا کہ اس کی والدہ اسے چھوڑ کر عالمِ بالا کی جانب کوچ کر گئیں۔ کتنا بد قسمت ہے راقم کہ اسے اپنی ماں کی شکل وصورت بالکل یاد نہیں کہ اس نے اور نہ اسے اپنی ماں کی گود یا ان کی قربت یاد ہے۔ صرف اتنا سا یاد ہے کہ اس نے اپنی ماں کا ہیولیٰ، اپنے گھر کی اونچی

دالان سے اپنے گھر کی نچلی دالان میں ایک چار پائی پر محوِ استراحت دیکھا تھا۔ اس وقت وہ نیچی دالان صحن کی بغل کا برآمدہ اور اونچی دالان مکان کے بڑے ہال کا ایک حصّہ ہے۔ اُس کے ذہن کے کسی گوشہ میں مرحومہ ماں کی شکل وصورت نہیں ہے۔ وہ بحالتِ نماز کعبۂ معظّمہ کی جانب رخ کیئے ہوئے لیٹی رہتی تھیں۔ راقم کے حافظہ میں اس ہیئت کے علاوہ کوئی دوسری ہیئت برقرار نہیں ہے۔

راقم کے والد نے راقم کی خاطر جلد ہی اپنی دوسری شادی، راقم کی زایندہ ماں کی بہن سے کرلی، جس کی وصیّت وہ میرے والد اور مربّیہ ماں سے پہلے ہی کر چکی تھیں۔ راقم کی دونوں ماؤں کے مابین یہ رشتہ تھا کہ راقم کی پہلی ماں کے نانا اور راقم کی دوسری ماں کے دادا ایک ہی شخص تھے یعنی مولانا اکبر ساحب، جو دارالعلوم دیوبند کے اوّلین فارغ التّحصیل علماء کی جماعت کے ایک فرد تھے۔ راقم کی پہلی ماں عربی، فارسی، اور اردو زبان وادب کی عالمہ تھیں۔ وہ اپنا ایک مدرسہ بھی چلاتی تھیں۔ ان کے طلّاب علم میں راقم کے ایک سینیر وکیل عالی جناب عبدالعزیز بھی تھے۔ راقم کی مربّیہ ماں کا داخلہ راقم کے موروثی مکان کے قریب واقع ایک مخلوط اسکول میں ہوا تھا، لیکن وہ زیادہ تعلیم حاصل نہ کر پائیں۔ راقم نے ان کو سدا صوم وصلوٰۃ کا پابند پایا تھا۔ راقم کی والدۂ ثانیہ راقم کو اس قدر چاہتی تھیں کہ شاید ہی کسی ماں نے اپنے بطن سے زائدہ بچے کو اتنا چاہا ہوگا۔ وہ غالبًا ایک سو سال تک جیتی رہیں۔ وہ صادقۃ القول اور نرم دل خاتون تھیں۔

راقم نے دس سال تک عربی، فارسی،، اردو اور عبرانی کی تعلیم مکمّل کرنے کے بعد انگریزی، ہندی اور علومِ حاضرہ کی تعلیم کی خاطر مسلم انٹر کالج، فتحپور کے درجہ نہم میں ۱۹۵۸ء میں داخلہ لیا اور وہیں سے ۱۹۶۰ء میں ہائی اسکول اور ۱۹۶۲ء میں انٹرمیڈیٹ کا امتحان فرسٹ ڈویزن اور یوپی بورڈ میں چودہویں پوزیشن میں، علم ریاضی اور عربی ادب میں ڈسٹنکشن کے ساتھ پاس کیا۔ راقم کے والد نے راقم کی بی۔ اے کی تعلیم کی خاطر فتح پور کے اس وقت کے اکلوتے ڈگری کالج، کان پور کے کرائسٹ چرچ کالج اور الہ آباد یونیورسٹی، الہ آباد میں داخلہ دلوا دیا تھا۔ راقم کی نمایاں علیمی حیثیت کی بنا پر اس سے اس کی ٹی۔ سی کبھی طلب نہیں کی گئی۔ واضح ہو کہ الہ آباد اور آگرہ یونیورسٹیوں کے بی۔ اے پارٹ ون کے طلّاب علم کے مابین اس کی چوتھی پوزیشن تھی۔ واضح ہو کہ ان دنوں آرٹس، سائنس وکامرس نیز لڑکے لڑکیوں کی ایک ہی پوزیشن لسٹ بنتی تھی۔ راقم، ستمبر ۱۹۶۲ء میں طے کر پایا تھا کہ اسے کرائسٹ چرچ کالج، کان پور ہی میں پڑھنا ہے اس میں اس کی مدد فتح پور کے انگلش کے لیکچرار عالی جناب گدا دھر پانڈے اور الہ آباد کے عالی جناب پروفیسر عبداللطیف الھندی نے کی تھی۔

راقم کے کرائسٹ چرچ کے انگریزی پروفیسر ٹنڈن جی نے راقم کو اپنے خلافِ معمول، انگریزی گرامر کے ٹسٹ میں سو میں سو نمبر دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ دورانِ تعلیم اسے محبت کے سارے دروازوں اور کھڑکیوں کو بند رکھنا ہے اور ایک بار اس وقت کی مس کرائسٹ چرچ کالج قتالہ، مس نروپما کو ڈانٹ پلاتے ہوئے کہا تھا، کدھر دیکھ رہی ہو؟ اس نے بھی برجستہ کہہ دیا تھا کہ دیکھ ہی تو رہے ہیں، کسی کو کھائے نہیں جا رہے ہیں۔ واضح ہو کہ راقم کا کرائسٹ چرچ کالج میں داخلہ صرف ۱۱/روپے کاشن منی پر ہوا تھا۔ مس نروپما اس وقت کان پور میں تعینات کلکٹر صاحب کی دختر نیک اختر تھیں۔ (غالباً) راقم کے والد ایک دین دار، مخیّر، خدا ترس انسان تھے۔ وہ حاجتمندوں کی حاجت روائی دل کھول کر کرتے تھے اور فتح پور کے تجّار کی مدد قرض کے ذریعہ کرتے تھے۔ راقم کے والد کو ان کے بعض قرض دار راقم کے خلاف بہکاتے رہتے تھے تاکہ وہ دونوں ہاتھوں سے قرض لوٹتے رہیں، چنانچہ ان کے بہکاوے میں آ کر راقم کے والد راقم کی بی۔ اے کی تعلیم کے دوران اس کے اخراجات میں تنگی کرنے لگے تو راقم کی دوسری ماں نے راقم کی پہلی ماں کو خواب میں دیکھا کہ وہ ان سے کہہ رہی ہیں کہ میرے شوہر سے کہہ دو کہ وہ میرے بچے کو پریشان نہ کریں اور وہ لازماً سدا میرے بچے کے اخراجات میں کشادہ دستی پر عمل پیرا رہیں۔ راقم کی والدۂ اولیٰ خود پڑھی لکھی خاتون تھیں۔ اُن کی ذاتی لائبریری میں مختلف کتابوں کے ساتھ فارسی کی مشہور کتاب ''تاریخ فرشتہ'' بھی تھی۔ راقم کی بہنوں کو فارسی کی شد بد بھی نہ تھی پھر بھی وہ والدہ کی سبھی کتابیں اپنے اپنے سسرال لے گئیں اور انہیں محفوظ بھی نہ رکھ سکیں۔

راقم کو درجہ نہم سے لے کر اپنی تعلیم کے اختتام یعنی پی ایچ۔ ڈی کے دو سالوں تک متعدّد وضائف ملتے رہے۔ اس نے ایم۔ جی۔ پی۔ جی کالج، فتح پور میں تقرّری پر ایس۔ آر۔ ایف سے استعفیٰ دے دیا تھا۔ راقم اسکالرشپ کی رقم اپنے والد صاحب کو دے دیتا تھا۔ راقم سے اس کے والد نے اپنے انتقال کی شام کو کہا تھا کہ لالہ ان لوگوں نے تمہارے وظیفے کی ساری رقم بھی، جسے وہ الگ رکھے ہوئے تھے مار دی۔ اسی شام کی رات میں ۸/ بجے ان کا انتقال ہو گیا۔ یہ بات انہوں نے اسپتال میں اس وقت کے حاضرین کے سامنے کہی تھی۔ (اس دن ۱۹۷۷ء کی ۱۷/ نومبر کی تاریخ تھی۔ ۵/ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ پنج شنبہ کا دن اور جمعہ کی شب تھی۔)

بہرحال راقم کی دوسری ماں نے راقم کو اس کی پہلی ماں کی طرح جیتے جی تک چاہا۔ راقم کے والد اپنی ساری دولت بینک میں رکھنے کی بجائے اپنی دو لڑکیوں کے پاس رکھتے تھے۔ جنہوں نے ان کی دو

تین پشتوں کی وافر دولت ہڑپ لی، جس سے انہیں اتنا صدمہ پہنچا کہ وہ ایک سال کی قصیر مدّت میں اس دھوکہ باز اور فتنہ پرور دنیا سے چل بسے۔ والد مرحوم کے باپ دادے عموماً ایک سو سال تک اس عالمِ آب وگل میں جیتے رہے۔ راقم کے والد مرحوم نے اپنی دونوں بچّیوں کی بدعہدی، ان کے اغارہ اوران کے ایمان سوز حرکت کو سدا مخفی رکھنے کی کوشش کی۔ انہوں نے اپنے انتقال سے صرف چار دنوں پیشتر پہلی بار ساری رات ان سے اپنا اثاثہ مانگتے رہے لیکن ایمان فروش طمّاع شخصیتوں کا نہ کوئی ایمان ہوتا ہے اور نہ کوئی مذہب۔ اس رات کی صبح، راقم اپنے والد کو فتح پور کے مشہور ڈاکٹروں کے کے پاس لے گیا، جن سے اس کے تعلقات پیشۂ وکالت سے انسلاک کی بنا پر تھے اور وہ ان کی مجوّزہ رپورٹوں کو یکجا کرنے میں لگ گیا۔ راقم کو بخوبی یاد ہے کہ جب اس نے انہیں اکسرے مشین کے سامنے کھڑا کیا، تو انہوں نے اس سے فرمایا کہ لالہ! میرے پاس ایک پیسہ بھی نہیں ہے، راقم نے اپنے والد سے عرض کیا کہ آپ پیسوں کی فکر نہ کریں۔ بہرحال ان کا اچانک انتقال ہوگیا۔ وہ اچھے بھلے تھے۔ راقم اُن کا پسندیدہ ناشتہ تیار کرا نہیں کھلانے کے بعد ان سے اجازت لے کر یونیورسٹی سے متعلق ایک ضروری کام اپنے دوست معزّ الدین مدنی کو سمجھا کر، انہیں یونیورسٹی آف کان پور بھیجنے گیا اور جب آدھے گھنٹہ کے اندر ہی وہ گھر واپس آیا تو اس نے ایک انبوہ دیکھا اور عطن چچا کو اپنے والد کی نبض ٹٹولتے پایا۔

راقم کو بعد میں پتہ چلا کہ والد نے اپنے دوستوں سے منع کر دیا تھا کہ وہ راقم کو ان کی بیٹیوں کے کارنامے بتلائیں۔ راقم کو اس کے والد اپنے انتقال سے ایک سال پیشتر سب رجسٹرار آفس، اپنے ناظم اعلیٰ مرحوم سید محمد مختار کے ساتھ لے گئے اور اپنی ساری غیر منقولہ جائدادیں راقم کے نام منتقل کر دیں، واقعی قبضہ راقم کی جانب سے سبھی جائدادوں پر انہی کا بنا رہا۔

راقم کی بہنوں اور ایک بہنوئی نے راقم کی مربیّہ ماں اوران کی چھوٹی لڑکی کے زبردستی دستخط اس عرضی نالش میں بنوائے جس کے ذریعہ انہوں نے راقم کے خلاف اس کے والد کی موروثی جائداد کے بٹوارہ کا مقدمہ دائر کر دیا تھا۔ راقم کی مربیّہ ماں اور میری چھوٹی بہن نے عدالت مجاز میں بیان دے دیا کہ جائداد غیر منقولہ کو ان کے شوہر اپنے انتقال سے ایک سال پیشتر اپنے اکلوتے لڑکے کو لکھ چکے تھے، جس میں حاشیہ کا گواہ میرا داماد اور میرے شوہر کے ناظم اعلیٰ ہیں۔ میرا داماد جھوٹا ہے۔ اس طرح بٹوارہ کا مقدمہ راقم کے حق میں فیصل ہوگیا۔ راقم اپنی غیر معمولی قانون دانی اور سوجھ بوجھ کی بنا پر جلد ہی شہر فتح پور کے نمایاں وکلا میں شمار کیا جانے لگا، لیکن اللہ پاک نے اسے جلد ہی اس ناپسندیدہ پیشہ سے نجات دلادی اور اسے مہاتما گاندھی پی۔ جی کالج، فتح پور کے لیکچرار آف شعبۂ اردو سے منسلک کر

دیا اور اس طرح اس کے دن بہتر ہو گئے۔

راقم نے اس کے پیشتر، اپنے ایک موکّل عالی جناب جمیل الرحمٰن پسر نیک اختر محترم جناب خلیل الرحمٰن پیش کار رکلکٹری، فتح پور سے، جو لکھنؤ میں کسی اعلیٰ عہدے پر فائز تھے، انہیں ایک سو روپیہ دے کر، جو اسے ایک موکل رمیش کمار کے ذریعہ ایک نوٹس لکھوانے کی اجرت کے بطور ملے تھے، لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے پی ایچ۔ڈی پارٹ ون میں داخلہ کی درخواست کی۔ اور اس طرح وہ یونیورسٹی آف لکھنؤ کے شعبۂ اردو کے پی ایچ۔ڈی پارٹ ون کا طالب علم ہو گیا۔ اللہ پاک نے راقم کو متعدد ملکی و بین الاقوامی انعامات سے نوازا۔ ابھی پندرہ دنوں پیشتر اُسے نرالا کمیٹی نے راقم کی کتاب ''ہندی کی پرتھم رچنا'' پر مُلّا داؤد ایوارڈ سے نوازا۔ اس صاف ستھرے مجمع میں تقریباً پچیس پی ایچ۔ڈی و ڈی۔لٹ ڈگری یافتہ حضرات شامل تھے۔ راقم نے ایس۔آر۔ایف وظیفہ کا فارم بھر دیا تھا، جو منظور ہوا اور اسے ایک خطیر رقم منجانب سرکار ملنے لگی۔

راقم نے دس سالوں تک وکالت بھی کی اور اسکے بعد مہاتما گاندھی پی۔جی کالج، فتح پور میں صدر شعبۂ اردو کے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ کان پور یونیورسٹی کا ریسرچ سپروائزر بھی بنا دیا گیا اور متعدد طلّاب علم نے اس کی زیرِ نگرانی پی ایچ۔ڈی کی ڈگریاں بھی حاصل کیں۔ راقم نے فتح پور ڈگری کالج کے شعبۂ اردو میں تقرری سے پیشتر ایس۔آر۔ایف اسکالرشپ کی منظوری پر عہدۂ وکالت کو سسپنڈ کر دیا تھا۔ اس نے لکھنؤ یونیورسٹی سے اردو میں پی ایچ۔ڈی کی ڈگری ۲۶/ مارچ ۱۹۸۴ء کو حاصل کی اور اس کے بعد ہی تحقیقی و تنقیدی مضامین ملک اور بیرونِ ملک کے موقّر جرائد میں بکثرت شائع ہونے لگے اور اس کی تحقیقی و تنقیدی کتابیں بھی شائع ہونے لگیں۔ اس کے اوّلین تحقیقی و تنقیدی مضامین کا مجموعہ ''کاوشیں'' ۱۹۸۵ء میں طباعت پذیر ہوا تھا۔ تحقیق و تنقید میں اس کا اپنا استوار اسلوب اور حزم و احتیاط کے ساتھ اپنی بات رکھنے کا اس کا اپنا انداز اس کی وکالت میں بہترین شناوری کا عطیہ ہے اور خدائے بزرگ و برتر کا خصوصی فضل ہے۔

راقم کی اب تک کی مطبوعات کی تعداد تینتالیس (۴۳) ہے چوالیسویں کتاب کا نام ''حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا'' ہے، جس کی کمپوزنگ مکمل ہو کر برائے تصحیح اغلاط، کمپوزر جناب نور الحسن لکھنوی کے پاس التوا کا شکار ہے۔ وہ کمپوزنگ میں غیر ضروری تاخیر کر رہے ہیں۔ راقم کی یہ کتاب اپنے طرز کی اکلوتی کتاب ہے۔

باز آمدم بعمر طفولیت۔ جیسا کہ پہلے رقم کیا جا چکا ہے کہ راقم کا داخلہ بعمر ۵/سال مدرسہ اسلامیہ

شہر فتح پور کے درجہ سوم میں ہوا تھا۔ راقم کی پہلی استاد محلّہ مہاجری کی ساکنہ ایک سیدانی تھیں۔ جن کو محلے والے بی بی باجی کہتے تھے، جو ابتدائی درجات کے لئے موزیں ترین استاد تھیں۔ راقم کے والد صاحب تعلیم و تعلّم کی دنیا میں ایک حاذق مربّی کی حیثیت رکھتے تھے۔ راقم کے والد مدرسہ اسلامیہ، فتح پور کے اس وقت کے صدرالمدرسین کے حفظ میں کلاس فیلو تھے۔

راقم ۱۹۴۷ء میں درجہ پنجم کا طالب علم تھا اور عربی گرامر کی پہلی کتاب ''میزان منشعب'' کا متعلم تھا۔ الہ آباد کے مایۂ ناز مولانا عبدالرحمٰن جامیؔ، اس کے ''میزان منشعب'' کے استاز تھے۔ جنہوں نے اسے زندگی کا پہلا انعام نقد پیسوں کی شکل میں عربی کی گردان کو ایک سانس میں چار بار زبانی سُنانے پر دیا تھا۔ انعام کی رقم یاد نہیں ہے۔ ۱۳۷۱ھ میں راقم کو مدرسہ اسلامیہ، فتح پور کے صدرالمدرسین مولانا مولوی قاری محمود علی صاحب شاہجہاں پوری نے ''صرف میر'' سے متعلق امتحانی کاپی پر پچاس (۵۰) میں پچاس نمبر حاصل کرنے پر نقد پیسوں کی شکل میں ایک گراں قدر انعام عنایت فرمایا۔ راقم کو تعداد رقم یاد نہیں ہے۔ مدرسہ اسلامیہ، فتح پور کا رواج تھا کہ امتحان کی وہ کاپیاں، جس میں امتحان دہندہ کو پورے یعنی پچاس (۵۰) نمبر مرحمت فرمائے گئے ہوں، اُسے واپس کر دی جاتی تھیں۔ راقم کے پاس جو کاپیاں دستبردِ زمانہ سے محفوظ رہ پائی ہیں وہ رقم ذیل ہیں:

(۱) صرفِ میر درجہ ہفتم بعمر ۱۰/سال متعلقہ ۱۱ ربیع الاوّل ۱۳۷۱ھ نمبر مجوزہ ۵۰/نمبر حاصل کردہ ۵۰

(۲) کافیہ۔ درسِ نظامی سال دوم بعمر ۱۲/سال متعلقہ ۱۱/اکتوبر ۱۹۵۳ء '' '' ''

(۳) ترجمۃ القرآن '' '' '' '' '' '' '' '' ۱۰/اکتوبر ۱۹۵۳ء '' '' ''

(۴) ہدایہ اوّلین '' سال چہارم '' ۳/نومبر ۱۹۵۵ء '' '' ''

(۵) تلخیص المفتاح '' '' '' '' '' '' یکم نومبر ۱۹۵۵ء '' '' ''

تلخیص المفتاح کی امتحانی کاپی متعلقہ بہ فصاحت و بلاغت کے ٹائٹل صفحہ پر ممتحن کی رپورٹ بایں طور مندرج ہے: ''اس کاپی کو بوقت نتیجۂ امتحان ششماہی، صدر صاحب ضرور ملاحظہ کریں، ماشاللہ خوب جوابات دیے ہیں، اس کے جوابات کے لئے مجھے مختصر المعانی دیکھنی پڑی بلکہ اس کا حاشیہ بھی، ذہانت بھی قدرتی عطیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اسے اس نعمتِ عظمیٰ سے سرفراز کرتا ہے۔ تلخیص المفتاح کا طالب علم اور مختصر المعانی کے حاشیہ پر نظر اللہ الصمد ۵۲/۵۰ دستخط نصرت حسین غفرلہ۔ ۲/نمبر مجموعی نمبر سے بھی زائد دیے جارہے ہیں۔ دستخط نصرت حسین۔ نوٹ: اس کاپی (تلخیص المفتاح) کا امتحان یکم نومبر ۵۵ء یعنی ۱۹۵۵ء کو ہوا تھا اور راقم درس نظامی سال چہارم کا

طالب علم تھا اس امتحانی کاپی کے سولات مسئولہ حسب ذیل ہیں:

(۱) فصاحت کی مختصر تعریف کرتے ہوئے سمجھایئے کہ اس میں فصاحت ہے کہ نہیں اور کیوں شعر:

وما مثله فی الناس الّا مملکا ابو ا حی ابوه یقاربه

میں کیا فصاحت ہے اگر نہیں تو کیوں؟ پوری وجہ صاف صاف تحریر کیجئے نمبر ۱۵

(۲) صدق و کذب کا مفہوم واضح کیجئے؟ کیا جاحظ و نظام معتزلی تمہارے بیان کردہ مفہوم سے الگ کوئی رائے رکھتے ہیں اگر ایسا ہے تو تم ان کا کیا جواب دے سکتے ہو کہ جس سے ان کا قول مسترد ہو سکے۔ نمبر ۲۰

(۳) **قد ینزل عالم بهما بمنزلة الجاهل لعدم جریه علیٰ موجب العلم فینبغی ان یقصّر من التقصیر علیٰ قدر الحاجة**۔ عبارت بالا کا ربط ماسبق سے کیا ہے اور اس میں کل کو بیان کرنا مقصود ہے۔ خوب سمجھ کر واضح طور پر لکھو۔

راقم کو مفوّضہ سرٹیفکٹ وڈگریوں کی نشان دہی حسب ذیل ہے:

۱۔ مولوی ۱۹۵۶ء فرسٹ ڈویژن

۲۔ عالم ۱۹۵۸ء سکنڈ ڈویژن

۳۔ ہائی اسکول ۱۹۶۰ء فرسٹ ڈویژن یوپی میں نمایاں پوزیشن کے ساتھ ۴۱۹/۵۰۰

۴۔ انٹر آرٹس ۱۹۶۲ء ''یوپی میں چودھویں پوزیشن کے ساتھ ۳۸۸/۶۰۰

ان دنوں لڑکا، لڑکی آرٹس، سائنس وکامرس کی ایک ہی میرٹ لسٹ تیار کی جاتی تھی۔

۵۔ بی۔اے سال اوّل ۱۹۶۴ء۔ ۱۹۸/۴۰۰

۶۔ بی۔اے فائنل ۱۹۶۵ء۔ ۳۹۴/۸۰۰ سکنڈ ڈویژن

۷۔ ایل۔ایل۔بی (پریولیس) ۱۹۶۷ء۔ ۳۷۲/۷۰۰

۸۔ ایل ا۔ایل۔بی فائنل ۱۹۶۸ء۔ ۳۸۶/۷۰۰

۹۔ ایم۔اے (پریولیس) ۲۶۰/۴۰۰

۱۰۔ ایم۔اے فائنل (اردو) ۲۵۷/۶۰۰ ٹوٹل ۵۱۷/۸۰۰ فرسٹ ڈویژن سکنڈ پوزیشن

۱۱۔ یو۔جی۔سی۔ایس۔آر۔ایف ۱۹۷۷ء لکھنؤ یونیورسٹی

۱۲۔ ہندہومیوپیتھک کالج، پنجاب ۱۹۶۷ء فرسٹ ڈویژن

۱۳۔ ایڈوکیٹ۔بار کونسل آف اتر پردیش۔ایڈوکیٹ نمبر ۱۲۴۷۔۱۹۶۸ء ۱۷/ستمبر ۱۹۶۸ء

۱۴۔ ادیب کامل ۱۹۶۵ء فرسٹ ڈویژن حلیم مسلم انٹر کالج، کان پور، ۱۹۶۵ء۔۴۶۳/۷۰۰ فرسٹ پوزیشن۔سرسید میڈل، امتیاز تحقیقی مطالعہ ۷۷/۱۰۰

نوٹ: راقم نے ایم۔اے اردو کا امتحان وکالت کی ہمہ ہمی کے درمیان بغیر کسی تیاری کے والد کے حکم پر دے دیا تھا۔اس کے پاس کورس کی کتابیں بھی نہیں تھیں۔

راقم کی طفولیت سے منسلک دو واقعات دلچسپ ہیں۔ایک واقعہ اُس وقت کا ہے جبکہ راقم کی عمر صرف سات سال تھی اور وہ درجہ چہارم کا متعلّم تھا۔اس درجہ میں اسلامیات کی مجوّزہ کتاب تعلیم الاسلام حصّہ اوّل تھی جسے مدرسہ اسلامیہ کے لائق و فائق صدرالمدرّسین مولانا مولوی عبدالوحید صاحب پڑھاتے تھے، جو راقم کے والد کے درجۂ حفظ میں ہم جماعت تھے۔واقعہ کی نوعیت کچھ یوں ہے کہ اس کی کتاب تعلیم الاسلام کا نسخہ گم ہو گیا تھا۔ ہوسکتا ہے وہ چوری ہو گیا ہو۔راقم کے والد نرم ہونے کے باوجود تعلیم وتعلّم کے باب میں کافی سخت تھے۔وہ کتاب کی گم شدگی پر بہت غصّہ ہوتے اور دوسرا نسخہ خریدنے پر بھی پریشان کرتے۔اس لئے وہ اپنے والد سے ایک ماہ تک یہ جھوٹ بولتا رہا کہ مولوی صاحب اس دوران نہیں پڑھا رہے، کیونکہ والد صاحب کو تعلیم الاسلام روزانہ گھر پر پڑھاتے تھے۔ بہر حال راقم کا یہ جھوٹ کب تک چلتا؟ ایک دن راقم کے والد مولانا عبدالوحید کی درسگاہ میں تشریف لائے اور مولوی عبدالوحید سے کہا کہ آپ ایک ماہ سے تعلیم الاسلام کیوں نہیں پڑھا رہے ہیں؟ مولوی صاحب نے فرمایا کہ حافظ صاحب میں پابندی سے پڑھا رہا ہوں۔انہوں نے مولوی صاحب سے فرمایا کہ میرے بیٹے نے مجھے یہی بتلایا ہے۔مولوی صاحب نے راقم سے باز پرس کرنے کی بجائے اس سے ایک ماہ کے درسوں کی بابت چند سوالات کئے، جن کے جوابات راقم نے فی الفور دے دئے، جس پر مولانا عبدالوحید نے راقم کے پاس آ کر اس کی پیٹھ تھپتھپائی، مولوی صاحب نے راقم کے والد سے کہا اب درجہ کے دوسرے طلباء کا مبلغ علم ملاحظہ کیجئے اور انہوں نے اسی ایک ماہ کی تعلیم سے متعلق چند سوالات کلاس کے دوسرے طلبہ کے سامنے رکھے، جس کے انہوں نے کچھ صحیح کچھ غلط جواب دیئے تب مولانا مولوی عبدالوحید صاحب نے راقم کے والد سے فرمایا: حافظ صاحب! آپ کا بیٹا بہت ذہین ہے، وہ میرا اور آپ کا نام ضرور روشن کرے گا، ان شاءاللہ تعالیٰ۔للّٰہ اس سے اس کی معصومیت نہ چھینئے۔آپ لکھپتی ہیں، ویسا ہی برتاؤ اپنے بیٹے سے کیجئے۔آگے چل کر احادیث کے مطالعہ سے راقم پر واضح ہوا کہ مولانا عبدالوحید کا مضمون مندرجہ ذیل حدیث سے مستعار تھا۔رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ''انّ اللہ یحبّ ان یریٰ اثر نعمتہٖ علیٰ عبدہٖ'' یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ یہ

بات پسند فرماتے ہیں کہ وہ اپنے انعامات کے اثرات اپنے بندوں پر دیکھیں۔

اسی نوعیت کا ایک دوسرا واقعہ بھی ہے۔ راقم درجۂ ششم کا طالب علم تھا اور علم الصّرف میں شاملِ نصاب کتاب ''علم الصّیغہ'' کا نسخہ راقم کے والد کی کوششوں کے باوجود راقم کے والد کی پہنچ سے باہر رہا اور راقم یہ کتاب بغیر کتاب کے سال بھر پڑھتا رہا۔ راقم کے مدرسہ میں ''علم الصّیغہ'' کے متعدد نسخے موجود تھے، لیکن راقم کے والد نے کتب خانہ سے کتاب نہ لینے دی اور فرمایا کہ میرا اپنے سے یہ عہد ہے کہ میرا بیٹا وہی کتابیں پڑھے گا، جو میں خرید کر اسے دونگا۔ اب تک میرے چند دوست بھی بن گئے تھے، جن میں مولوی نجیب اصغر، مولوی احمد حسین اور مولوی عبدالودود صاحبان شامل ہیں، جن میں سے راقم کا سب سے پکّا دوست مولوی احمد حسین تھا۔ راقم کو اس بات کا سخت افسوس ہے کہ دوستوں کی اس مخلص جماعت کا سب سے بڑا شخص (مولوی احمد حسین) اور راقم کے بے تکلف دوست مولوی نجیب اصغر دونوں ہی اللہ کو پیارے ہوگئے۔

بہر حال راقم ''علم الصّیغہ'' کی تعلیم بغیر کتاب حاصل کرنے لگا۔ یہ بات الگ ہے کہ وہ خالی اوقات میں مولوی احمد حسین سے کتاب لے کر دیکھ لیتا تھا۔ ''علم الصّیغہ'' کا پرچہ بحر العلوم وابوالتحقیق مولانا مولوی حافظ قاری محمود علی رحمۃ اللہ علیہ کا بنایا ہوا تھا، جس سے ان کی دقیقہ سنجی کا پتہ چلتا ہے۔ اس پرچہ کی کاپی راقم کے پاس نہیں ہے چنانچہ راقم اسے اپنی یادداشت کے ذخیرے سے حاصل کر رہا ہے، جو حسب ذیل ہے:

سوال نمبر ۱: کیا آپ کو صیغوں کا علم حاصل کر کے اس کا بھی علم ہوا کہ علم الصّیغہ کی عمر کیا ہے؟ وضاحت کے ساتھ لکھئے اور بتلائیے کہ محمد اعلی اللہ کون ہیں؟

سوال نمبر ۲: علم الصّیغہ کے مصنف نے ایک اصولی بات لکھی ہے کہ ''امر نہی باشداً معروف'' پھر انہوں نے امر مجہول کی گردان سے لکھتے ہوئے اس پر بحث کیوں کی؟ جواب کا دلائل سے مزیّن ہونا لازمی ہے۔

سوال نمبر ۳: ''نالا کودا، نالی کودی اور'' لے لیا لولی نے لنگڑے کا مال'' میں در آئے صیغوں کی شناخت مع وجوہ حوالۂ قرطاس کیجئے۔

سوال پوچھنے کا انداز جدید ہے اور نرالا بھی ہے۔ راقم نے ان سوالوں کے جواب حسب استطاعت دئے جب اس امتحان کا نتیجہ سامنے لایا گیا، تو سارے امتحان دینے والوں میں صرف وہی پاس ہوا تھا۔ سوالات بنانے کا انداز اتنا نیا تھا کہ کافی طلّاب علم امتحان گاہ میں روتے ہوئے دکھائی

پڑے تھے۔

اس زمانہ میں یہ رواج تھا کہ امتحانی پرچہ میں صرف تین سوالات ہوتے تھے اور تینوں لازمی ہوتے تھے۔ دوسوالات ۳۰۔۳۰ نمبروں کے ہوتے تھے اور تیسرا سوال ۴۰ نمبروں کا ہوتا تھا۔ مولانا قاری محمود علی علیہ الرحمہ ایک عظیم محقق و ناقد تھے، جس کا اندازہ ان کے بنائے گئے پرچوں سے لگایا جاسکتا ہے۔

یہاں راقم کی مربّیہ ماں پھر یاد آرہی ہیں۔ ایاّم طالب علمی میں راقم کی والدہ، شب میں جب تک وہ پڑھتا تھا، مسلسل اس کے ساتھ جاگا کرتی تھیں اور راقم کے مجبور کرنے پر بھی اپنی یہ عادت نہ چھوڑتی تھیں۔ راقم کی اس نوعیّت کی شب بیداری میں دو طریقے تھے: اوّل شب میں بارہ بجے تک پڑھنا اور دوسرا رات کے اوّل نصف حصّہ میں سونا اور ایک بجے اٹھ کر صبح تک پڑھنا اور اس سلسلہ کو فجر تک جاری رکھنا۔ میری مربّیہ ماں، فوراً جاگ جاتیں اور صبح تک بیٹھی رہتیں۔ ان کی یہی باتیں انہیں برابر یاد کراتی رہتی ہیں۔

مولانا مولوی عبد الوحید صاحب مجھے ''مشکٰوۃ المصابیح '' اپنے گھر میں بعد فجر پڑھاتے تھے۔ کیونکہ درجۂ عالم میں راقم اکیلا تھا۔ راقم کی دو سالہ زندگی اس طرح کٹی کہ ایک پڑھنے والا اور ایک پڑھانے والا، اوران دنوں کا سوائے حوائج ضروریہ کے ۵۔۵ گھنٹوں تک برابر ساتھ رہنا۔ مولانا عبدالوحید صاحب مدرسہ سے علاحدہ ہوگئے تھے، اس لئے وہ علم الحدیث اور اسماء الرّجال کے اسباق گھر ہی پر مستعدی کے ساتھ بعد فجر پڑھاتے تھے۔ بہرحال راقم کی عالم کی پڑھائی کی یہی نوعیت تھی۔ ''المشکٰوۃ المصابیح'' کے علاوہ سبھی کتابیں محقق و ناقد مولانا مولوی حافظ قاری محمود علی شاہ جہاں پوری توجہ وانہماک کے ساتھ پڑھاتے تھے۔ وہ روزانہ بعد عشا ایک بجے تک مطالعہ کرتے تھے۔ وہ دورانِ درس اپنے موقف کی توضیح کی خاطر اپنے دائیں بائیں جانب بینچ پر رکھی ہوئی پندرہ بیس کتابوں کے درمیان مایقرء سے مقابلہ کرکے صداقت کی تلاش کرواتے، اس کے وجوہ دریافت کرکے اس کا مدلّل جامع ومانع فیصلہ خود کرتے۔ یہ اندازِ توضیح تھا قاری صاحب کا۔ افسوس کہ وہ تصنیفی وتخلیقی دنیا سے الگ رہے۔ **وما توفیقی الّا باللّٰہ العزیز الحکیم۔**

راقم کے عالم میں یہی دونوں اساتذہ تھے۔ دونوں میں فرق یہ تھا کہ مولانا مولوی عبدالواحید صاحب کا اندازِ تعلیم مقررانہ وواعظانہ تھا جبکہ قاری وحافظ مولانا مولوی محمود علی صاحب، بحرِ علم وتحقیق و تنقید کے ماہر شناور تھے۔ ان کا تقابلی مطالعہ لاجواب تھا۔ راقم اغلباً ماقبل میں لکھ چکا ہے کہ ان کی تحقیق و

تنقید کی پکڑ اتنی استوار تھی کہ وہ جس موضوع کا درس دینا چاہتے تھے اس کو جن جن علماء نے اپنا موضوعِ سخن بنایا ہو، ان کی تصنیفات سے اس موضوع کو جمع کرتے اور ان کے مابین کی امتیازی باتوں کا نہ صرف یہ کہ تذکرہ کرتے بلکہ ان میں سے ہر ایک کو اپنی دائیں بائیں جانب رکھی ہوئی بینچوں سے کتابیں اُٹھا اُٹھا کر اپنے شاگردوں کو دکھلاتے اور پھر ان کے مابین کے باریک سے باریک فرق کو خود بتلاتے اور پھر فیصلہ کرتے کہ ان مصنفین میں سے کن کن کی آرا قابلِ قبول ہیں اور کس مصنف کی رائے ان کے نزدیک کن وجوہ کی بنا پر بہتر ہے یہ طرزِ تدریس تھا میرے استاذ الاساتذہ مولانا مولوی حافظ قاری محمود علی رحمۃ اللہ علیہ کا اللہ ان کے درجات کو بلندیاں عطا فرمائے آمین۔ الھمّ آمین! بطور جملہائے معترضہ عرض ہے کہ راقم کے استاذ ''سلم العلوم'' کے جملہ اولیٰ ''سبحانہ'' کو پندرہ دنوں تک اور جملۂ ثانیہ ''ما اعظم شانہ'' کو پندرہ دنوں تک پڑھاتے رہے۔ اسی وجہ سے راقم ان کو بحرالعلوم والتحقیق والتنقید کہتا ہے۔

متعدد اعزازات وانعامات بعد فراغتِ تعلیم:

۱۔ سلوری جبلی ایوارڈ (نعت) منجانب، پاکستان (راقم گورنمنٹ آف پاکستان کا صدر جمہوریہ ہند کے نام لیٹر کی کاپی لے کر محترمی رفیق صاحب پسر محترم المقام حشمت علی وکیل فتح پوری کی معیت میں لکھنؤ پاس پورٹ آفس جا کر متعلقہ آفیسر کو دیا جو بہت مسرور ہوئے اور انہوں نے فی الفور راقم کو پاس پورٹ نمبر ۹۵۲۵۷۔۹۲/۱۷/۳۰/۱۳ برائے پاکستان از ۵۔۱۱۔۹۲ تا ۴۔۲۔۱۹۹۴ء مرحمت فرما دیا۔

۲۔ حمد و نعت اکادمی قدسیہ منزل ۲/۱۶/۱۷ ذاکر نگر نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵ کی جانب سے سندِ توصیف حمد و نعت اکیڈمی، مولانا عبدالوحید صدیقی ایوارڈ ۲۰۰۸ء بتاریخ ۱۷/ مارچ ۲۰۰۸ء نئی دہلی میں راقم کو مرحمت کیا گیا۔

۳۔ اتر پردیش اردو اکیڈمی، لکھنؤ کی جانب سے متعدد سالوں میں راقم کی متعدد اشاعت پذیر کتابوں پر مختلف نقد انعامات مع اسناد مرحمت فرمائے گئے۔

۴۔ لیکھک ڈاکٹر محمد اسماعیل آزادؔ فتح پوری (ایڈووکیٹ) کو مُلّا داؤد اسمرت سمّان ورش ۲۰۲۲ء مرائی باغ، ڈلمؤ، رائے بریلی اتر پردیش کی جانب سے پردان کیا گیا۔ یہ سمّان لیکھک کو ہندی بھاشا ساہتیہ اور مانوی مولیوں کی استھاپنا میں سراہنیہ بھومیکا کے نرواہن ہیتو پردان کیا گیا ہے۔ یہ سمّان ۱۷/ اپریل ۲۰۲۲ء بروز اتوار پردان کیا گیا۔

راقم اپنی مختصر سی سوانح حیات اور علمی اکتسابات رقم کرنے کے بعد اس موضوع کے اہم حصّہ نعت

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خصوصی مطالعہ کی جانب متوجہ ہوتا ہے، جبکہ راقم کے سوانح حیاتی عناصر سے واضح ہے کہ راقم اور راقم کا خانوادہ کا ہر فرد عشق رسول کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا شیدائی ہے، اس لئے جب پی ایچ۔ڈی میں داخلہ کے بعد راقم کے سامنے موضوع تحقیق کا سوال اٹھا تو اس نے استاذی محترم ومکرم ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی کے مشورہ سے نعت نبی کو منتخب کیا اور اس کی تحقیق وتنقید اور تاریخ کو اپنا موضوع سخن بنایا۔اس نے لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کی ریسرچ میں ۱۹۷۶ء میں داخلہ لیا تھا اور اسے ۲۶/ مارچ ۱۹۸۴ء کو انٹرویو کے بعد باضابطہ پی ایچ۔ڈی کی ڈگری مرحمت کی گئی۔اس کا نعت پر یہ تحقیقی مقالہ تین جلدوں میں اشاعت پذیر ہو چکا ہے۔استاد محترم ڈاکٹر شجاعت علی کے مشورے کے مطابق پہلی جلد کا نام ''نعتیہ شاعری کا ارتقاء۔عربی فارسی کے خصوصی مطالعہ کے ساتھ''۔ یہ کتاب ۴۱۶/صفحات پر مشتمل ہے۔جس میں تین ابواب ہیں۔اس کا سن اشاعت ۱۹۸۸ء ہے باب اوّل کا عنوان نعت تحقیق وتنقید ہے۔اس وقت نعت پر تنقید کو شجرۂ ممنوعہ قرار دیا جاتا تھا۔باوجودیکہ سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سبعہ معلقہ کے مشہور شاعر زُہیر بن ابی سُلمیٰ کے پسرِ ارجمند حضرت کعب بن زُہیر کے نعتیہ قصیدہ بانت سعاد کے اکیانویں شعر پر جو نعت کا بہترین ومشہور شعر ہے، زبردست تنقید کی ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس میں درآئے لفظوں کی فنی گرفت بھی کی ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس میں حشو مفسد کو اجاگر کرتے ہوئے اس میں تلازمہ کی خامی کی بھی گرفت فرمائی ہے۔

شعر کی قبل اصلاح ہیئت:

انّ الرّسول لسیف یستضاء بہٖ مهنّد من سیوف الهند مسلول

شعر کی بعد اصلاح ہیئت:

انّ الرّسول لنور یستضاء به مهنّد من سیوف اللّٰه مسلول

پہلی ہیئت میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سیف کہا گیا، جس کا تلازمہ ''ضوء'' نہیں، قطع ہے، جبکہ ''ضوء'' کا تلازمہ ''نور'' ہے۔مھنّد کے معنی ہندوستان میں بنائی گئی تلوار یا ہندوستانی لوہے سے بنائی گئی تلوار ہے۔''مھنّد'' کے بعد ''من سیوف الھند'' میں حشو مفسد ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ''سیف'' کو ''نور'' سے اور ''الھند'' کو ''اللہ'' سے بدل کر شعری اسقام کے ازالہ کے علاوہ شعر کو فرش سے عرش پر پہنچا دیا۔

واضح ہو کہ آپ نے یہ اصلاح اس شاعر کے کلام میں کی ہے جس کے والد سبعہ معلقہ کے مشہور

شاعر ہیں اور خود وہ اور ان کے بھائی حضرت بجیر بھی ایک مسلم الثّبوت استاد شاعر ہیں، ان کے نانا اور ان کی دو پھوپھیاں بھی بڑی شاعرہ تھیں۔ جب افضل الخلائق خداوندی نے نعت پر اوّلاً تنقید کی ہے، تو پتہ نہیں کیوں نعت پر تنقید کو مدّتوں شجرۂ ممنوعہ قرار دیا جاتا رہا۔

راقم کا یہ باب نعت: تحقیق وتنقید پر مشتمل ہے اور اس میں ایک سو سے زائد صفحات یعنی کل ۱۱۰/ صفحات ہیں۔ راقم نے بابِ اوّل کے آغاز میں نعت کی لغوی تشریح کے بعد، اس کے اصطلاحی معنی کی وضاحت بھی کی ہے۔ اس کے بعد دونوں معنوں کے مابین، کے ربط کو واضح کیا گیا ہے۔ شمائل ترمذی میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ نبی اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حلیہ بیانی میں نعت کا اسم فاعل ''ناعت'' (لفظ) استعمال ہوا ہے۔ راقم نے اس باب کے آغاز میں المشکوٰۃ المصابیح کے باب اسماء النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وصفاتہ میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی مکمّل حدیث نقل کی ہے جس میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہم وسلم کے سامنے پسرِ یہود نے اپنے والد سے توریت کے بارے میں کہا ہے کہ ''''انا نجد لک فی التوراۃ نعتک وصفتک''، یعنی میں توریت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت آپ کی صفت اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مخرج کا تذکرہ پاتا ہوں۔ اس طرح اس حدیث میں نعت کی اصطلاحی تعریف باحسن وجوہ بیان کی گئی ہے۔

بہر حال راقم نے اس کتاب کے بابِ اوّل میں نعت پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس کتاب کے دوسرے باب میں عربی کے مشہور نعت گو شعراء کا تذکرہ انہیں دو ضمنی عنوانات میں منقسم کرتے ہوئے کیا گیا ہے یعنی عہد نبوی کے شعراء اور مابعد عہدِ نبوی کے شعراء۔ کتاب مافی البحث کے تیسرے باب میں فارسی میں نعت گوئی کے آغاز وارتقاء پر روشنی ڈالتے ہوئے ایران کے نعت گو شعراء اور ہندوستان کے فارسی نعت گو شعراء کا مفصل ذکر ہے۔

چونکہ راقم کی یہ تینوں کتابیں ایک ہی سلسلہ کی کڑی ہیں، اس لئے اس کا بابِ اوّل راقم کی اردو شاعری کے ہر دو حصص کا جزو لاینفک ہے۔ راقم کی اردو نعتیہ شاعری سے متعلق تحقیقی وتنقیدی نظریات اس کی دو کتابوں اردو شاعری میں نعت جلد اوّل: ابتدا سے عہد محسنؔ تک اور اردو شاعری میں نعت جلد دوم حالؔی سے حال تک میں مکمّل طور پر شامل ہیں۔ پہلی جلد میں ۴۲۷/صفحات اور جلد دوم میں ۳۴۴/صفحات ہیں۔ ان دو کتابوں میں ابواب کی نام شماری بایں طور کی گئی ہے کہ جلد اوّل کے پہلے باب کا عنوان اردو میں نعت گوئی دوسرے باب کا عنوان دکن میں نعت گوئی اور تیسرے باب کا عنوان شمالی ہند کی نعت گوئی ابتدا سے عہد محسنؔ تک ہے۔ اردو شاعری میں نعت جلد دوم میں تین ابواب ہیں۔

پہلے باب کا عنوان شمالی ہند کی نعتیہ شاعری حالؔی سے حال تک، دوسرے باب کا عنوان ہندوستان کے غیر مسلم شعراء اور تیسرے باب کا عنوان مختلف اصناف سخن میں نعت گوئی ہے۔

اس طرح راقم کی ان تینوں کتابوں میں عربی، فارسی، اور اردو کے ممتاز اور قابلِ ذکر شعرائے نعت کا بخوبی تذکرہ کیا گیا ہے۔

نعت پر راقم کی چوتھی کتاب ''اردو میں نعت اور غیر مسلم شعراء'' ہے۔ جس میں ۲۵۶ر صفحات ہیں۔ راقم کی دو اور کتابیں ''انتخاب مجموعہائے حمد و نعت'' سے متعلق ہیں جن میں حمد و نعت کے مجموعہ کا نام ''صدائے حرم'' ہے۔ جس میں ۳۰۹ر صفحات ہیں۔ اس میں حمد سے متعلق ۸۴ر صفحات پر مشتمل ایک تحقیقی و تنقیدی وقیع مقدمہ ہے۔ غیر مسلم نعت گو شعراء کے نعتیہ سرمایہ کے مجموعہ کا نام ''سوغاتِ صنم خانہ'' ہے۔ جس میں ۲۳۶ر صفحات ہیں اور اس میں ایک خود مکتفی مقدمہ بھی ہے، جو ۳۴ر صفحات پر مشتمل ہے۔

راقم کی زیر نگرانی ایک ریسرچ اسکالر نے حمد پر کافی اچھا تحقیقی کام کیا ہے۔ اس مقالہ کے تخلیق کار محمد پور گونتی کے ڈاکٹر محمد اظہار ولد عالی جناب الحاج کبیر الدین ہیں۔ ان کو یہ ڈگری کان پور یونیورسٹی سے ۱۸ر دسمبر ۲۰۰۸ء کو اردو میں حمد نگاری پر تفویض کی گئی تھی جس میں چھ ابواب ہیں۔ واضح ہو کہ حمد پر ایک مقالہ ڈاکٹر حسن طلعت نے بھی رقم کیا ہے، جو حمد پر ایک معیاری مقالہ ہے۔ یہ مقالہ میر محبوب حسین کی نگرانی میں لکھا گیا ہے ہندوستان سے دنیائے حمد پر یہی دو مقالے ہنوز رقم کئے گئے ہیں۔ پاکستان میں اب تک حمد پر صرف ایک مقالہ تحریر کیا گیا ہے اس طرح اس شعبہ میں بھی ہند کو پاک پر تفوّق و برتری حاصل ہے۔ واضح ہو کہ چار خاتون تحقیق کنندگان نے راقم کی زیر نگرانی خالص نعت سے متعلق متعدد موضوعات پر تحقیقی کام کر کے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ جو کافی معیاری و وزنی ہیں۔ ان تحقیقی نعتیہ مقالوں کی خالقات کے اسمائے گرامی (۱) ڈاکٹر شکیلہ خاتون (۲) ڈاکٹر قریشہ بانو (۳) ڈاکٹر آنسہ نگار (۴) ڈاکٹر شمیم اختر ہیں، جن کے مواضیع تحقیق بالترتیب (۱) ''اردو نعت کا صنفی و ہیئتی مطالعہ (۲) '' ہندوستان اور پاکستان کی اردو نعتیہ شاعری کا تقابلی مطالعہ (۳) ''بیسویں صدی میں اردو کے غیر مسلم نعت گو شعراء (۴) ''نعت کے موضوعات'' ہیں۔ یہ سبھی مقالے معیاری اور قابلِ آفریں ہیں۔ اس باب میں مزید مطالعہ کے شائقین راقم کے مضمون ''حمد و نعت پر میرے اور میرے عزیز تلامذہ کے تحقیقی مقالوں کا تعارف'' مشمولہ دبستان نعت شمارہ ۲ کے صفحات ۴۶ر تا ۸۰ر کا مطالعہ کریں۔ واضح ہو کہ راقم کی زیرِ نگرانی ایک درجن حضرات نے اردو زبان و

ادب سے متعلق دیگر موضوعات پر پی ایچ۔ڈی کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔

راقم کی ایک کتاب ''ہندوپاک کی اردو نعتیہ شاعری، تقسیم سے اب تک'' ہے، جس کا سنِ اشاعت ۲۰۱۹ء اور جس میں صفحات کی تعداد ۵۲۴؍ ہے۔ اس میں ابواب کی تعداد ۵ ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

باب اوّل کا عنوان: تقسیم ہند کے بعد ہندوستان میں زیب غوری سے لحاتِ حاضرہ تک کی اردو نعتیہ شاعری ہے۔اس باب کا مطالعہ دو ضمنی عنوانات کے تحت کیا گیا ہے۔ پہلے ضمنی عنوان کے تحت تقسیم ہند کے بعد اردو کی انحطاطی کیفیت کا جائزہ اس طرح لیا گیا ہے کہ ہندوستان کے شمالی صوبوں میں اس وقت کی کانگریسی حکومت کی اردو مخالف لہر کھل کر سامنے آجائے اور اس اردو مخالف لہر کے وہ عواقب ونتائج بھی سامنے آجائیں جو اس اردو مخالف لہر کے ثمرات ہیں۔

اس کتاب کے دوسرے باب میں ایک سو ایک نمائندہ ہندوستانی شعرائے نعت کو منتخب کیا گیا ہے۔اوران کی نمائندہ نعت گوئی کی ممتاز خصوصیات اس طرح قلم بند کی گئی ہیں کہ متعلقہ عہد کی نعت گوئی کی ممتاز خصوصیات بخوبی واضح ہو جائیں۔ اس کتاب کے تیسرے باب میں تقسیم کے بعد پاکستانی اردو نعت گو شعراء کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ تحریکِ پاکستان، تقسیم ہند اور قیام پاکستان کے ضمنی عنوانات کے تحت اس طرح لیا گیا ہے کہ حقیقت حال واضح ہو جائے۔ بلوچستان، سندھ، حیدرآباد، کراچی اور پنجاب کے سیاق وسباق میں پاکستان کی اردو نعتیہ شاعری کے ارتقاء پر خاطر خواہ روشنی ڈالی گئی ہے۔اسی باب میں پاکستان کی اردو نعتیہ شاعری کا مکمّل تجزیہ کیا گیا ہے اور اس طرح، پاکستان میں اردو نعت کے ارتقاء کا تفصیلی جائزہ وہاں کے ایک سو ایک شعرائے نعت کے امتیازی خصائص کو مدّنظر رکھ کر لیا گیا ہے۔

اسی تیسرے باب میں پاکستان کے اس عہد کے سربراہ جنرل ضیاء الحق اور فروغِ نعت کا ایک ضمنی عنوان قائم کرکے وہاں کے جنرل ضیاء الحق کی اُن مساعی جلیلہ کا ذکر کیا گیا ہے، جو انہوں نے فروغِ نعت کے سلسلے میں کی تھیں۔

اسی کتاب کے چوتھے باب میں تقسیم کے بعد کے پاکستان کی اردو نعت میں نمو پذیر رجحانات کا مفصّل جائزہ لیا گیا ہے اور ہندوستانی و پاکستانی نعتوں کا عمیق مطالعہ، وہاں کی مروّجہ شعری ہیئات کو مدّ نظر رکھ کر کیا گیا ہے۔

راقم نے اپنی کتاب کے پانچویں باب میں ہندوستان اور پاکستان کی اردو نعتیہ شاعری کا تقابلی

مطالعہ اس طرح پیش کیا ہے کہ ہر دو ممالک کی نعتیہ شاعری کا باہمی فرق واضح ہو جائے اور یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ دونوں ملکوں کی نعتیہ شاعری میں جو صنفی و ہیئتی اور موضوعاتی فرق ہے، اس میں کمّیتی و کیفیتی اعتبار سے ہندوستان کو پاکستان پر فوقیت و برتری حاصل ہے۔ ہندوستانی اردو نعت گوئی وسعت میں دریا اور گہرائی میں کنواں ہے۔ یہ بات پُر از واقعیت وحقیقت ہے کہ نعت کے میدان میں پاکستان کو اس کرۂ ارض میں دوسرا مقام حاصل ہے۔ نعت سے متعلق تنظیموں، نعت کی بابت ماہانہ جرائد ورسائل کی طباعت واشاعت کی نظر سے پاکستان کو ہندوستان پر برتری حاصل ہے۔ اس طرح اردو کی نعتیہ شاعری میں اس ساتویں کتاب کے منظرِ عام پر آ جانے سے اردو، فارسی اور عربی کی نعتیہ شاعری پر راقم کا تحقیقی وتنقیدی کام خود مکتفی بن گیا ہے اور مُلّا داؤد کی ''چنداین'' مصنّفہ ۱۳۷۸ء میں شامل نعت سے لے کر دورِ حاضرہ ۲۰۲۲ء تک کی نعتیہ شاعری قارئین کے سامنے آ گئی ہے۔

یہیں پر بطور جملہ معترضہ اس حقیقت کا اظہار نامناسب نہ ہوگا کہ راقم کی شریکِ حیات ڈاکٹر شاہدہ پروین شاہؔین نے کان پور یونیورسٹی سے ایم۔ اے کی ڈگری فرسٹ ڈویزن اور یونیورسٹی میں فرسٹ پوزیشن میں حاصل کر کے محترمی ومکرمی استاذی ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی کی زیرِ نگرانی ''اردو نعتیہ شاعری کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ'' کے موضوع پر ایک جامع ومانع مقالہ لکھ کر کان پور یونیورسٹی سے پی ایچ۔ڈی کی دگری حاصل کی۔ ان کا یہ مقالہ اس لئے لائقِ مطالعہ ہے کیونکہ وہ حشو وزوائد سے پاک وصاف ہے اور اس کی تخلیق کے دوران ان کی نگاہ کا مرکز تحقیق وتنقید رہا ہے۔

ڈاکٹر سید رفیع الدین کا اردو نعت پر تحقیقی مقالہ موسومہ ''اردو میں نعتیہ شاعری'' اردو نعت کا پہلا پی ایچ۔ڈی کا مقالہ ہے، جس پر موصوف کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری ناگپور یونیورسٹی سے تفویض کی گئی تھی۔ یہ مقالہ دارالاسلام پرنٹنگ پریس، کراچی کا مطبوعہ ہے۔ اس مقالے کے مطبوعہ صفحات کی تعداد ۶۸۴ ہے۔ مرحوم ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاؔق کو اللہ تعالیٰ بزرگ وبرتر نے ایک سو سال کی زندگی عطا فرمائی تھی اس طرح ہندوستان کو یہ فخر حاصل ہے کہ اردو نعتیہ شاعری پر مفوّضہ پہلی پی ایچ۔ڈی کا تخلیق کار ہندوستانی ہے، نہ کہ پاکستانی۔

تاریخ اردو نعت پر سب سے مختصر پہلی کتاب ہندوستان میں لکھی گئی۔ اس کے تخلیق کار ہندوستان کے صوبۂ بہار کے ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ ہیں۔ اردو نعت کے اہم تخلیق کار پروفیسر ڈاکٹر فرمان فتح پوری ہیں۔ موصوف کی کتاب کا نام ''اردو کی نعتیہ شاعری'' ہے، اس کتاب کا بھی سن تخلیق ۱۹۷۴ء ہے۔ مقدّم الذّکر کتاب کا بھی سن تخلیق ۱۹۷۴ء۔ مقدّم الذّکر کتاب میں ایک سو صفحات

ہیں، جبکہ موخرالذّ کر کتاب میں ۲۰۸ رصفحات ہیں۔ پروفیسر فرمان فتح پوری کا خود کا اوران کے آباواجداد کا پیدائشی وطن فتح پور ہے۔ پروفیسر فرمان فتح پوری کو اپنے وطن فتح پور سے اس قدر محبت والفت تھی کہ آپ نے تاحیات ''فتح پوری'' کو اپنے نام کا لاحقہ بنائے رکھا حالانکہ ان کی زندگی کا اہم حصّہ پاکستان میں گزرا۔

ہندوستان میں قدیم زمانہ سے اردو کے غیر مسلم شعرائے نعت کا ایسا طبقہ چلا آرہا ہے کہ راقم کی ایک تلمیذہ ڈاکٹر نگار سلطانہ نے بیسویں صدی کے اواخر میں بیسویں صدی کے غیر مسلم نعت گوشعراء پر ایک وقیع ومستند پی ایچ۔ڈی کا مقالہ لکھ کر ڈگری حاصل کی۔ پی ایچ۔ڈی کا یہ مقالہ اتنا استوار و معیاری ہے کہ پاکستان کے اہم محقق مرحوم نوراحمد میرٹھی نے اپنے وقیع مقالہ ''بہر زماں بہر زماں'' میں آنسہ نگار سلطانہ کے معرضِ بحث مقالہ کی مدحت سرائی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ پی ایچ۔ڈی کا یہ مقالہ غیر مسلم نعت گوشعراء پر غالبًا پہلا مقالہ ہے۔ واضح ہو کہ یہ مقالہ راقم کی کی زیر نگرانی لکھا گیا ہے۔ جبکہ پاکستان میں غیر مسلموں کی نعت پر پی ایچ۔ڈی سطح پر تحقیقی وتنقیدی کام کرنے کی بات ابھی تک سوچی بھی نہیں گئی اردو کے غیر مسلم نعت گوشعراء کا یہ کام ہر نقطۂ نگاہ سے اتنا اہم، معلوماتی اور معیاری ہے کہ اگر ان کا یہ سرمایہ بغیر نام کے تعّین کے نقل کر کے شائع کردیا جائے تو سامع کو یہ بتلانا مشکل ہوگا کہ اس کا تخلیق کار ہندو ہے کہ مسلم ہے۔ راقم کی نعت کے سلسلہ میں اب تک سات کتابیں اشاعت پذیر ہو چکی ہیں، جن میں صفحات کی مجموعی تعداد ڈھائی ہزار سے زائد ہے جبکہ اس عالمِ آب وِ گل میں کسی فردِ واحد نے نعت پر اتنے صفحات حوالۂ قرطاس نہیں کئے۔ اس سے بھی پاکستان پر ہندوستان کی برتری ثابت ہوتی ہے۔ مختلف اہم موضوعات پر راقم کی زیرنگرانی پانچ ریسرچ اسکالرز نے حمد ونعت پر تحقیق کر کے پی ایچ۔ڈی کی ڈگریاں حاصل کیں۔ یہ بھی سارے عالم پر ہند کی برتری کی دلیل ہے۔

اس طرح راقم نے نعتیہ شاعری پر منقولہ بالا سات کتابیں تخلیق کی ہیں، جس کے باعث راقم کو نعت پر سب سے زیادہ صفحات حوالۂ قرطاس کرنے کا شرف حاصل ہے۔

راقم نعت پر چند ضروری باتیں حوالۂ قرطاس کر کے اپنے اس مضمون کو اختتام پذیر کرتا ہے۔ یہ امر متفق علیہ ہے کہ نعت گوئی ایک مشکل فریضہ ہے، جس سے عہدہ برآ ہونا، علمی لیاقت اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سچی اور پُرخُلوص محبت کے بغیر ممکن نہیں ہے،، جس شخص کے سویدائے قلب میں نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سچا عشق نہ ہو یا جس کی دینی معلومات کا دائرہ وسیع نہ ہو، وہ کما حقہ نعت نہیں کہہ سکتا۔ نعت کی بابت مشہور مقولہ ہے: با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار نعت میں تلمیحات کا

استعمال دیدنی اور قابلِ تعریف ہے۔ تلمیح کی علّتِ غائی ایجاز و اختصار ہے۔ اس میں کم سے کم لفظوں میں زیادہ سے زیادہ مطالب و مفاہیم کی ادائیگی کی جاتی ہے۔ اس طور پر کلام کو فصیح و بلیغ بنانے میں تلمیحات کو یدِ طولیٰ حاصل ہے۔ تلمیحات تضیع اوقات سے محفوظ رکھتی ہیں۔ وہ صرف چند لفظوں کی استمداد سے طول وطویل واقعہ کے برقی اثرات ذہن میں منعکس و مرتسم کرنے کی زبردست صلاحیت رکھتی ہیں۔ وہ کلام میں تنوّع پیدا کرتی ہیں اور قاری و سامع کو یکسانیت کی اُکتاہٹ سے محفوظ رکھتی ہیں۔ مذہبی وادبی تلمیحات:

اکیلا ہو کے رہ دنیا میں اگر چاہے بہت جینا ہوئی ہے فیض تنہائی سے عمر خضر طولانی
جسے یہ صورت وسیرت کرامت حق نے کی ہوئے بجا ہے کہئے ایسے کو اگر آب یوسف ثانی (سوؔدا)

تاریخی تلمیحات:

بہت فرق ہے بلکہ بالکل جدا حبیب زلیخا حبیبِ خدا
کہوں کس طرح اس کو یوسف جمال کہاں ماہِ کنعاں میں ایسا کمال (مومنؔ)
دکھا رہی ہے دعائے خلیل اپنا اثر ہیں جلوہ ریز نویدِ مسیح کے آثار (ظفر علی خاں ظفؔر)

محسنؔ کاکوری کے قصیدہ لامیہ میں ہندوانی و ہندوستانی تلمیحات کا ازدحام ملاحظہ ہو:

دیکھئے ہوگا سری کرشن کا درشن کیونکر سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل
ڈوبے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے نوجوانوں کا سنیچر ہے بڑھوا منگل
خبر اُڑتی ہوئی آئی ہے مہابن سے ابھی کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل

چند نعتیہ تلمیحات ملاحظہ ہوں:

دعائے خلیل، نویدِ مسیحا، رجعت خورشید، ردّ شمس، رجال الغیب، سدرۃ المنتہیٰ، شق القمر، شق صدر، شرح صدر، شاہِ لافتیٰ، شاہِ مراداں، صلحِ حدیبیہ، طائرِ سدرہ، طائرِ عرش، طائرِ قدسی، غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوہ حنین، فتح مکہ، فتح مبین، فتح عظیم فارقلیط، قاب قوسین، مہر نبوّت، علّمہ شدید القویٰ، نکتۂ لولاک وغیرہ۔

نعت میں سلام کی حیثیت مسلّم ہے۔ راقم السطور کو حضرت جامؔی سے قبل سلام نہیں ملے۔ مُلّا عبدالرحمٰن جامؔی نے سلام کے ضمن میں جملہ انبیاء و رُسل پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تفوّق، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سببِ تخلیقِ کائنات ہونا، آپ صلی الہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاتم الانبیاء والرّسل ہونا وغیرہ مضامین نظم کئے ہیں۔ انداز بیان صاف ستھرا، عبارت سلیس اور رواں دواں ہے۔ تراکیب کی

شگفتگی نے اسلوب کو شادابی مرحمت کی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ صنف نعت میں جتنی بیکراں وسعت اور مضامین نعت میں جس قدر تنوّع دیکھا جاتا ہے اتنی وسعت اور اتنا تنوّع اور کہیں نظر نہیں آتا۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جملہ اصناف سخن اور ہیئات شاعری میں نعت نے اپنے وجود کو درج کرایا ہے۔ اگر کسی ایک صنفِ سخن کے آئینے میں جملہ اصناف وہیئات کا نظّارہ کرنا ہے، تو اسے یہ کامرانی آئینۂ نعت کے معاینہ میں مل سکے گی۔ اللہ کی وحدانیت اور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے اپنی عقیدت کا اظہار کسی بھی اسلوب بیان کے ذریعہ کرنا، ہر ایک صاحب استعداد کے لئے لازم ہے۔ راقم نعت کے بارے میں اپنی اس عقیدت کے اعلان پر اپنے قلم کی روانی کو اب راحت دے رہا ہے۔ **وما توفیقی الّا باللّٰہ العلی العظیم۔**

☆☆☆

عابد چشتی (پھپھوند شریف، یوپی)

حضرت خواجہ مصباح الحسن چشتی حیات اور نعتیہ شاعری

رئیس الفقہا، امام المتکلمین، حضرت علامہ سید شاہ خواجہ مصباح الحسن چشتی رضی اللہ عنہ ۷؍جمادی الاولیٰ ۱۳۰۴ھ بروز شنبہ پھپھوند شریف میں پیدا ہوئے۔ والد گرامی صدر مجلس علمائے اہل سنت، حافظ بخاری، اعلم العلما، قاطع فتنۂ شش مثل، حضرت علامہ سید شاہ خواجہ عبد الچشتی رضی اللہ عنہ نے "**فوهب الله له غلام زکیا**" سے مادۂ تاریخ کا استخراج فرمایا اور آپ کا نام ''مصباح الحسن'' تجویز فرمایا۔

آنکھ کھولتے ہی آپ نے اپنے چاروں طرف علمی اور روحانی ماحول پایا جس کی وجہ سے بچپن ہی سے اسلامی علوم کی طرف آپ کی رغبت پیدا ہوگئی، پانچ سال کی عمر میں آپ نے والد محترم حضرت حافظ بخاری رضی اللہ عنہ کے زیر سایہ اپنا تعلیمی سفر شروع کیا اور ۲۴؍سال کی عمر میں تمام علوم عقلیہ ونقلیہ سے فراغت حاصل کر لی۔ آپ کے اساتذہ میں ملک کے عظیم علما اور مندرجہ ذیل علمی شخصیات کے نام آتے ہیں: حضرت مولانا اخلاص حسین صاحب، حضرت علامہ ہدایۃ اللہ رامپوری، حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی، حضرت علامہ حکیم مومن سجاد صاحب، حضرت مولانا ابراہیم صاحب بدایونی، رحمہم اللہ۔

جس وقت آپ حضرت علامہ ہدایۃ اللہ رامپوری کی خدمت میں تعلیم حاصل فرما رہے تھے اسی دوران والد گرامی حضرت حافظ بخاری رضی اللہ عنہ کا وصال پر ملال ہوگیا تھا، جس کے بعد خانقاہ عالیہ صمدیہ کی سجادگی آپ کو تفویض ہوئی، مسند سجادگی پر بیٹھنے کے بعد بھی آپ نے تقریباً ۶؍سال تک اپنا تعلیمی سفر جاری رکھا۔

آپ ایک زبردست عالم، فقیہ، مفتی اور محقق کی حیثیت سے علمائے اہل سنت کے درمیان متعارف تھے، آپ کے عہد کے قد آور علما اور مفتیان کرام نہ صرف پیچیدہ مسائل میں آپ سے تبادلۂ خیال فرمایا کرتے تھے بلکہ آپ کی تصدیق وتقریظ سے اپنی کتابوں کو زینت بخشتے تھے۔ آپ کی پوری زندگی مسلک اہل سنت کی حمایت ونصرت، اس کی تبلیغ واشاعت اور خلق خدا کی رشد وہدایت اور اسلامی خطوط پر ان کی رہنمائی میں گذری، آپ نے اپنے عہد میں پنپنے والے ہر فتنہ کا نہ صرف زبانی بلکہ تحریری

طور پر رد بلیغ فرمایا جو علمی سرمایہ کے طور پر محفوظ ہے جس میں ''ناسور وہابیت''، ''بوارق العذاب''، ''حقائق قرآن'' اور سینکڑوں صفحات پر پھیلے آپ کے فتاویٰ آپ کی علمی گیرائی اور فقہی بصیرت پر شاہد ہیں۔

یوں تو رئیس الفقہا سید خواجہ مصباح الحسن چشتی رضی اللہ عنہ کا میدان فقہ و افتا اور تبلیغ و ارشاد کا تھا مگر اسی کے ساتھ ساتھ شعر و سخن سے بھی آپ کو شغف تھا، اس کی وجہ خانقاہ عالیہ کی وہ فضا تھی جہاں ہر طرف عشق مصطفیٰ کی خوشبو مہک رہی تھی اور محبت رسول ہی کے چرچے عام تھے۔ اس ماحول میں جب کبھی عشق و عقیدت کے جذبات انگڑائی لیتے تو آپ کے نوک قلم پر ایسے اشعار جاری ہوتے جس کے ہر ہر لفظ سے معرفت و وارفتگی کے سوتے پھوٹتے نظر آتے ہیں۔ آپ کی نعت میں سوز و گداز، شوق و تڑپ، التجا و فریاد، غرض کے اظہار عشق کے وہ تمام پہلو ملتے ہیں جسے وسیلہ بنا کر ایک عاشق اپنے حبیب مکرم کی بارگاہ میں باریاب ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ آپ کی نعتیہ شاعری کا محرک صرف اور صرف عشق رسالت ہی تھا جس نے اظہار کے لیے اشعار کا راستہ منتخب کیا تھا۔

یہ سب جانتے ہیں کہ عشق رسالت کو تمام اعمال کی روح اور ایمان و عقیدے کی تکمیل کے لیے جز و لاینفک کہا گیا ہے، جس کے بغیر ایمان کے کمال کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا ہے اور یہ بات عقل میں آنے والی بھی نہیں ہے کہ کوئی شخص اسلام و ایمان کا دعویٰ تو کرے مگر اس کے دل میں محبت رسول کی پاکیزہ شمع فروزاں نہ ہو۔ رئیس الفقہا، امام المتقین سید شاہ خواجہ مصباح الحسن چشتی رضی اللہ عنہ کی شخصیت عشق رسالت سے عبارت تھی، اور محبت رسول کا جذبۂ صادق وراثتاً آپ کے وجود میں اس طرح سرایت کیا ہوا تھا کہ زندگی کے ہر پہلو سے حضور سے والہانہ حد تک قلبی وابستگی کا عکس صاف نظر آتا تھا، اور کہتے ہیں کہ جب کسی کو محبت اور عشق سے آشنائی ہو جائے تو پھر ذکر جاناں ہی اس کی زیست کا مقصد بن جاتا ہے، جس کے گرد اس کی فکر و نظر کا ہر زاویہ طواف کرنے لگتا ہے۔

خواجہ سید مصباح الحسن چشتی قدس سرہ کے یہاں عشق و محبت کا یہ سہانا منظر ان کی نعتیہ شاعری کے پاکیزہ کینوس پر پوری آب و تاب کے ساتھ رنگ بکھیرتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ چناں چہ آپ کے نوک قلم سے نکلا ہوا ہر شعر عظمت رسول کا عکاس اور عشق رسالت میں برپا ہونے والی دلی کیفیات کا آئینہ دار ہے۔ آپ نے اپنے حبیب کی عظمتوں اور ان کی خداداد رفعتوں کا جس انوکھے اور پر کیف انداز میں گنگان کیا ہے وہ انہیں دیگر معاصر نعت گو شعرا میں منفرد اور امتیازی مقام سے ہمکنار کرتا ہے۔ ذیل کے سطور میں ہم آپ کی نعتیہ شاعری کے چند نمونے قارئین کے ذوق مطالعہ کی نذر کرنا چاہتے ہیں جس کے تناظر میں آپ کی بلند فکر، مضمون بندی، سہل گوئی، اور تخیلاتی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ نعت کے لابدی

عناصر یعنی جذبہ دروں، شوق جنوں، اورآداب بارگاہ کے عرفان کا جگہ جگہ مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔

احادیث رسول اور قرآن کریم کی بے شمار آیات اس بات پر شاہد ہیں کی حبّ رسول صلی اللہ علیہ و سلم ایمان کی اساس ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں علمائے اسلام اور صوفیا نے اہل ایمان کے دلوں میں عشق مصطفی کے چراغ روشن رکھنے کے لیے اپنی حیات مستعار کا ایک ایک لمحہ وقف کر دیا، اس لیے کہ انہیں معلوم تھا کہ یہ وہ متاع بے بہا ہے جس کے بغیر دارین کی فلاح و کامرانی کا تصور کرنا دیوانے کے خواب کے مترادف ہے جسے حقیقت کی زمین پر نہیں اتارا جا سکتا ہے۔

خواجہ مصباح الحسن چشتی رضی اللہ عنہ کے یہاں بھی عشق رسالت کا یہی مفہوم قابل قبول ہے، وہ محبت رسول کو ہی ایمان کا نام دیتے ہیں بلکہ وارفتگی و شوق کے عالم میں مسلک، مذہب، دین اور مشرب ان تمام الفاظ کو وہ محبّت رسول ہی کی مختلف تعبیروں کی شکل میں دیکھتے ہیں، اس نظریے کو انہوں نے اپنی نعت میں بہت خوبصورتی، سادگی اور وضاحت کے ساتھ پیش کیا، فرماتے ہیں:

عشق تیرا ہے ولا تیری ہے الفت تیری تیرے مصباؔح کا بس مشرب و دین و ایماں

علماء کے نزدیک علم اور صوفیاے کرام کے یہاں معرفت خداوندی کا جو مقام ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے جس کے حصول کے لیے سالہا سال جگر کاوی، ذہن سوزی، انتھک محنت اور شبانہ روز دوڑ دھوپ کی جاتی ہے تب کہیں جا کر علم و معرفت کے گل بوٹے کھلتے ہیں اور گوہر مراد ہاتھ آتا ہے، خواجہ مصباح الحسن چشتی رضی اللہ عنہ علم و معرفت کے ہر پہلو کو صاحب لولاک کی غلامی سے منسلک کر کے دیکھتے ہیں جس کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک علم و عرفان کا عنوان صرف اسے دیا جا سکتا ہے جس کا نتیجہ غلامی رسول کی صورت میں ظاہر ہو، ان کی مسلسل اور مقبول ترین نعت کا یہ مصرع اسی عقیدے کا ترجمان ہے:

بس اک تیری غلامی ہے فقط تیری محبت ہے علامت دین و ایماں کی نتیجہ علم و عرفاں کا

محبت جب اپنی انتہا کو پہنچ جائے تو پھر حال یہ ہوتا ہے کہ انسان کو دنیا کی ہر شئی میں جلوۂ یار کے مظاہر بکھرے ہوئے دکھائی دینے لگتے ہیں، وہ پھولوں کی رنگت، کلیوں کی نزاکت، چاند کی چاندنی، کہکشاؤں کے بانکپن اور دریا کی روانی میں جمال یار کے پہلو تلاش لیتا ہے، خواجہ مصباح الحسن چشتی رضی اللہ عنہ کا عشق کمال کے اسی نقطہ پر تھا اسی لیے انہیں بھی دنیا کی ہر چیز میں محبوب مکرم کے ابدی جلوؤں کا عکس دکھائی دیتا ہے، اپنی اسی وجدانی کیفیت کا شعری اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تعالی اللہ! کیا وحدت ہے تیری کیسی کثرت ہے ہر شئی میں ترا جلوہ، ہر اک صورت سے تو یکتا

اہل اسلام کے نزدیک یہ بات ایک ثابت شدہ حقیقت کے طور پر تسلیم کی جاچکی ہے کہ کائنات اور کائنات میں جو کچھ ہے ان سب کا وجود رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا رہین منت ہے، آپ ہی کی ذات اقدس کے تصدق وطفیل، بزم ہستی تپش آمادہ ہے اور آپ ہی کے قدموں کی برکت سے کائنات کا نظام حرکت آشنا ہے، محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا یہ وہ نمایاں وصف ہے جس میں کوئی نبی مرسل اور ملک مقرب آپ کا شریک وسہیم نہیں ہے۔خواجہ مصباح الحسن چشتی رضی اللہ عنہ نے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس شان یکتائی کو شعری پیکر میں ڈھال کر جس انداز میں پیش کیا ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، فرماتے ہیں:

ہر ایک شئی کا وہ مبدا ہے یہ منصوص شریعت ہے وہی ہے منتہیٰ سب کا یہ مضمون طریقت ہے
مگر مصباحؔ کہتا ہے بشر ہیں اس جگہ حیراں محمد کو خدا جانے یہ عرفان حقیقت ہے

خدائے وحدہ لاشریک علیم وخبیر ہے اور سمیع وبصیر بھی، بندہ کا کوئی عمل خواہ وہ دن کے اجالے میں کیا جائے یا پھر رات کی تاریکی میں اس کی ذات سے پوشیدہ اور اس کے علم سے باہر نہیں ہے اور یہ بات بھی ہمارے عقیدے کا حصہ ہے کہ جزا وسزا کا مالک بھی وہی ہے تو پھر ذہن کی سطح پر یہ سوال اٹھنا فطری ہے کہ جب خدائے بزرگ وبرتر سب جانتا ہے تو پھر میزان، پل صراط اور عرصہ حشر کے دیگر جاں گداز مراحل آخر کس لیے ہیں؟؟ علمی سطح پر اس کے مختلف جوابات دیے جاسکتے ہیں اور دیے جاتے ہیں مگر ایک عاشق حشر کی ہولناکیوں کے جھروکوں سے بھی محبوب مکرم کی جلوہ سامانیوں کا کس طرح مشاہدہ کرتا ہے اس کی نظیر ہمیں خواجہ مصباح الحسن چشتی رضی اللہ عنہ کی نعتیہ شاعری میں دیکھنے کو مل جاتی ہے جس سے ہمیں یہ نظریہ ملتا ہے کہ حشر بپا کرنے کا مقصد محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومنصب اور خدا کی بارگاہ میں ان کی تکریم وعزت کا جامع اظہار ہے تاکہ عاشقان جمال مصطفیٰ کے دل فرحت وانبساط سے جھوم اٹھیں اور منکرین کے چہرے سیاہ ہوجائیں۔فرماتے ہیں:

علوم مرتبت کھل جائے ان کا دونوں عالم پر یہی منشاے بعثت تھا یہی مقصود محشر ہے

شاعری کا کمال یہ ہے کہ چند الفاظ میں پوری پوری داستاں جذب کردی جائے، اگر فن شاعری کا یہ ہنر کھلی آنکھوں سے دیکھنا چاہیں تو مذکورہ شعر کو اس کی بہترین مثال قرار دیا جاسکتا ہے جس میں دنیا وآخرت، حشر ونشر کے جملہ مرحلوں کو دو سطروں میں اس طرح بیان کردیا گیا ہے کہ ایک قاری کے ذہن وفکر پر عظمت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مکمل نقش ثبت ہوجاتا ہے۔

خواجہ مصباح الحسن چشتی رضی اللہ عنہ کی نعتیہ شاعری میں جذبہ دروں کے اظہار کے ساتھ ساتھ ان

حقیقتوں کا اعتراف بھی ہے جو دنیا کی چکا چوندھ میں کہیں دھندھلا سی گئی ہیں جس میں ایک حقیقت کسی کے اعلیٰ یا کمتر ہونے کی بھی ہے۔ اہل دنیا نے جس کے لیے خود ساختہ معیار قائم کر رکھے ہیں جنہیں سامنے رکھ کر کسی کے اعلیٰ ہونے یا کمتر ہونے کے غیر اعلامی فیصلے کر دیے جاتے ہیں۔ خواجہ مصباح الحسن چشتی رضی اللہ عنہ نہ صرف اس نظریہ کی تردید کرتے ہیں بلکہ وہ ایسا معیار پیش کرتے ہیں جو نا قابل انکار حقیقت کے ساتھ ساتھ عظمت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حوالہ بھی بن جاتا ہے، فرماتے ہیں:

مشرف جو غلامی سے ہوا سرکار والا کی وہی اعلیٰ سے اعلیٰ ہے وہی برتر سے برتر ہے

نعتیہ شاعری کے مرکزی نقطہ کی بات کی جائے تو وہ رخ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گیسوے اقدس کا تذکرہ ہے جس کے بغیر نعتیہ شاعری میں دل آویزی پیدا نہیں کی جا سکتی ہے۔ اس لیے کے محبت کے باب میں جب تک لب ور خسار، گل وکاکل، زلف وگیسو اور حبیب کے دیگر جمالیاتی پہلوؤں کا ذکر نہ ہو تو اس وقت تک توصیف وثنا کا پورا جہان غیر مکمل سا محسوس ہوتا ہے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ خواجہ مصباح الحسن چشتی رضی اللہ عنہ کی نعتیہ شاعری رخ وگیسوے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والہانہ ذکر سے خالی رہتی، چناں چہ آپ نے جس انداز سے اپنے حبیب کے رخ انور کا ذکر کیا اس کے ہر ہر لفظ سے عشق وعقیدت کے پاکیزہ آبشار پھوٹتے ہوئے نظر آتے ہیں، فرماتے ہیں:

فروغ عارض روشن سے ہر ذرہ منور ہے شمیم زلف عنبر بیز سے عالم منور ہے
وضاحت حسن یوسف کی ہوئی تلمیح احمد سے وہاں خالی صباحت تھی یہاں شامل ملاحت ہے

......

بزم امکاں ہے منور وہ ہے طلعت تیری مظہر نور خدا ہے وہ ہے صورت تیری
ید قدرت نے بنائی نہ بنائے گا کبھی نقش اوّل میں بنائی ہے جو صورت تیری

نعت اور غزل شاعری کی ان دونوں صنفوں کا تعلق محبوب کی مدح سرائی سے ہے جس میں ایک کا تعلق محبوب حقیقی سے ہے جب کہ دوسرے کا تعلق معشوق مجازی سے۔ محبوب کی کون سی ادا عاشق کے لیے تذکرہ کا موضوع بن جائے اس کا اندازہ دوسرا نہیں لگا سکتا ہے اسی لیے میرا اپنا عندیہ، یہ ہے کہ نعت اور غزل کے موضوعات کو محدود نہیں کیا جا سکتا ہے، اس لیے کہ عاشق کا احساس ہر لمحہ نئے نئے موضوعات تلاش کرنے میں سرگرداں رہتا ہے۔ تاہم نعت کے حوالے سے بات کی جائے تو کچھ موضوعات عموماً نعت کے موضوعات کہے جاتے ہیں مثلاً: نعلین پاک، نقش کف پا، حسن، چہرہ انور، جملہ موجودات کا آپ کے صدقے میں ہونا، قدرت الٰہی کا مظہر ہونا، آپ کی حقیقت کا ادراک سے

باہر ہونا، بے مثل اور آپ کی نظیر کا غیر ممکن ہونا، بدکاروں پر رحم وشفقت، حق شفاعت وغیرہ، اکثر نعت گو شعرا نے ان موضوعات کو اپنے اپنے طور پر برتنے کی کوشش کی ہے، خواجہ مصباح الحسن چشتی رضی اللہ عنہ کے کی نعتیہ شاعری میں یہ تمام موضوعات الگ ہی رنگ و آہنگ، نادر تشبیہات، رقصاں تعبیرات، تلمیحات اور استعاروں کی خوبصورت شاخوں میں پھول کی طرح سجے ہوئے ملتے ہیں جنہیں پڑھنے کے بعد دل ودماغ پر ایک ناقابل بیان کیفیت چھا جاتی ہے اور قلب ونظر ذکر حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے معطر ہو اٹھتے ہیں، آپ کے نعتیہ کلام سے چند منتخب اشعار حاضر خدمت ہیں:

محمد مصطفیٰ صلّ علیٰ وہ مہر وحدت ہے — کہ جس کے پر تو رخ سے منور جملہ کثرت ہے
ہجوم عاشقاں ہے بے حجاب آج ان کی صورت ہے — بپا محشر میں محشر ہے قیامت میں قیامت ہے
قیامت میں جسے چاہیں گے لے جائیں گے جنت میں — انہیں حق شفاعت اذن حق سے بالوجاہت ہے

......

اصل ہر شئی کی ہے تو، جملہ ہیں اشیا تجھ سے — ماورا عقل سے ہے وحدت و کثرت تیری
مظہر ذات خدا تو ہے، وہ تیرا خالق — بخدا حق ہے یہ اللہ سے نسبت تیری
نہ خدا کا کوئی ثانی ہے نہ تیرا ہم سر — جز خدا کون ہے سمجھے جو حقیقت تیری
تیرے قربان بھلوں کے تو سبھی ہیں لیکن — ڈھونڈتی ہے جو بروں کو وہ رحمت تیری

......

فروغ عارض روشن سے ہر ذرہ منور ہے — شمیم زلف عنبر بیز سے عالم معطر ہے
فراوانی عصیاں باعث رحمت ہوئی آخر — مرا اعمال نامہ کیا ہے اک بخشش کا محضر ہے
ملائک کا جو ہے مسجود، قبلہ اہل عالم کا — وہ تیرا نقش پا ہے تیری چوکھٹ ہے ترا در ہے
دو عالم اک اشارے میں ملا کرتے ہیں سائل کو — یہاں کی بھیک بھی شاہوں کے اندازہ سے باہر ہے

حاصل کلام یہ کہ آپ کی شخصیت اور شاعری دونوں عشق رسالت کے فروغ اور عظمت رسالت کے دفاع کے لیے وقف تھی آپ نے نثر ونظم دونوں سے ان عظیم مقاصد کے لیے کام لیا۔ خیر علم وعمل، تصوف و روحانیت اور نعتیہ ادب و شاعری کا یہ نیر تاباں ۱۱؍ رمضان المبارک ۱۳۸۴ھ مطابق ۱۵؍ جنوری ۱۹۶۵ء کو ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ کچھوچھہ شریف میں خانقاہ صمدیہ کے احاطے میں آپ کا مزار پر انوار مرجع خلائق ہے۔

☆☆☆

ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی (امروہہ، یوپی)

امروہہ کے چند مشاہیر نعت گو

نعتِ پاک لکھنا، پڑھنا اور سننا تینوں عمل ہر ذی شعور مسلمان مرد و زن پر فرض ہیں کیونکہ قرآن کریم میں اللہ رب العزت وحدہ لاشریک کا حکم ہے کہ "**إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا**" (قرآنِ پاک سورۂ احزاب، پ:22، آیت:56) ترجمہ: اللہ اور اس کے ملائکہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجتے ہیں۔ اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، تم بھی نبی (محمد صلی اللہ علیہ سلم) پر درود و سلام بھیجو۔

اب رہا نعت پاک لکھنا، تو وہ نظم و نثر دونوں میں لکھی جا سکتی ہے۔ نظم میں یعنی منظوم موزوں نعت لکھنے کے لیے تو موزوں طبع ہونا ضروری ہے جو کہ ایک خداداد صلاحیت ہے۔ نثر میں نعت لکھنا ہر ایک پڑھے لکھے انسان کے بس میں ہے اور بالکل گئی گزری بات یہ ہے کہ اگر پڑھنا لکھنا بھی نہیں آتا ہے تو کسی شاعر، ادیب یا پڑھے لکھے انسان سے نعتِ پاک سن لے یا علماء دین کے سیرت مبارکہ کے بیانات سنے۔ اب رہی بات منظوم نعت گوئی کی تو یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ نعت گوئی و منقبت نگاری ایک انتہائی مشکل اور ذمہ دارانہ فن ہے، اس میں نہ غزل گوئی کی سی آزادی ہے اور نا ہی نظم نگاری کی سی بے راہ روی، یہاں قدم قدم پر بہت زیادہ ہوشیار رہنا ہوتا ہے، اگر ذہن و دل کا ذرا سا پاؤں پھسلا تو پھر خیر نہیں، یہاں فنی استادی اور چابک دستی کی داد و تحسین کے ساتھ نعت گو سزا و جزاء کا بھی مستحق ہوتا ہے، یہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرح حدود و قیود کا خیال رکھنا ہوتا ہے۔ اگر قدم ذرا بھی آگے بڑھے گا تو مکمل وجود خاکستر ہو جائے گا۔

کہا جبریل نے رک کر شب اسرا یہ سدرہ پر   گزر آگے مرا بس اے پیمبر ہو نہیں سکتا

نعت و مناقب میں تو بہر صورت دو اور دو چار ہی ہوتے ہیں اور ان ہی دو اور دو چار میں شاعر کو اپنی جودت طبع، فکر رسا اور فنی مہارت و چابک دستی کے جوہر دکھانے پڑتے ہیں۔ آقائے دو جہاں حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ سرور، انبیاء اور خلفائے اربعہ و دیگر اجلہ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین سے

بھرپور محبت وعقیدت جاں نثاری اور جاں سپاری دکھاتے ہوئے اپنے ذہن ودل کی لگام کو کھینچے رکھنا ہوتا ہے۔ اگر مندرجہ تمام باتوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے آپ کی طبع رسا وجودت طبع دور کی کوڑی لاتی ہے تو وہ بلاشبہ قابل داد وستائش ہے۔

راقم السطور نے ان ہی تمام باتوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے سرزمین امروہہ کے چند مشاہیر نعت گوشعراء پر اپنی طفلانہ تحریر کو قلم بند کرنے کی سعی کی ہے۔ اللہ رب العزت اپنے پیارے محبوب سرورِ کائنات فخرِ موجودات رحمت للعالمین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے وطفیل میں اس طفلانہ تحریر کو شرف قبولیت بخشے۔ آمین۔

حافظ عبدالرؤف رؤفؔ امروہوی

محترم حافظ عبدالرؤف صاحب رؤفؔ امروہوی ابن مرزا محمد شفیع بیگ ساکن محلّہ صدو امروہہ۔ 1894ء کو ایک معزز و باوقار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتداً حافظ محمد صدیق صاحب مرحوم سے حفظ قرآن پاک کی دولت حاصل کی۔ تعلیم سے فراغت کے بعد امام المدارس امروہہ میں بحیثیت استاد علمی وتدریسی خدمات انجام دیں۔

1959ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے اور 15 دسمبر 1986ء میں وفات پائی۔ نعت گوئی میں سرزمین امروہہ میں آپ کو جو امتیاز اور خصوصیت حاصل تھی وہ امروہہ کے کسی شاعر کو نہ مل سکی۔ میدان نعت گوئی میں آپ کے دو شعری مجموعے ''نخلخہ محامد'' اور ''کوثر رحمت'' ہیں۔ ایک شعری مجموعہ ''گل رنگ تخیل'' غزلیات پر مشتمل ہے۔ حافظ عبدالرؤف صاحب مرحوم کی زندگی اور شعری صلاحیتوں کا مقصد ہی صرف اور صرف نعت گوئی یعنی اپنے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف، اخلاق حسنہ اور محامد بیان کرنا تھا۔ آپ کو اپنے آقا رحمت للعالمین کی ذات گرامی سے وہ عقیدت ومحبت اور ایک والہانہ عشق تھا۔ دیکھیے ایک مثال:

عاشقوں کو کفر کیا اسلام کیا تم جدھر ہو گے ادھر جائیں گے ہم

حافظ عبدالرؤف صاحب کی نعت گوئی میں ایک طرح کی چاشنی، سادگی اور بے تکلفی پائی جاتی ہے۔ اسی سبب ان کی نعتیں شہر اور بیرون شہر کے بوڑھے بالوں کے وردِ زبان ہیں۔ آپ کی نعتیں نعت خوانی کی محفلوں، مشاعروں، قوالیوں، شادی وغمی کے مواقع پر خوب خوب پڑھی، سنی اور سمجھی جاتی ہیں۔ احقر نے آپ کی بعض نعتوں کے سننے پر عوام وخواص کو زار وقطار روتے اور وجد کرتے دیکھا ہے۔

دیکھیے آپ کی ایک نعت پاک اور ایک صادق عاشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تڑپ ملاحظہ کیجیے:

تم انیسِ بے کس و بے نوا میں اسیرِ دامِ بلا نبی ﷺ　ذرا سن لو میری بھی التجا ہوں تمہارے در کا گدا نبی ﷺ
مرے پاس کوئی عمل نہیں کسی مصیبت کا بدل نہیں　فقط اپنے لطف سے کیجیے مرے دردِ دل کی دوا نبی ﷺ
اگر آپ سے نہ کروں بیاں تو سناؤں کس کو یہ داستاں　سرِ حشر آپ کی ذات ہی ہے شفیعِ روزِ جزا نبی ﷺ
مرے سر پہ بارِ گناہ ہے میں ضعیف دور کی راہ ہے　ذرا دستِ لطف بڑھایئے میں گرا نبی ﷺ میں گرا نبی ﷺ
مری عمر ختم ہوئی مگر شبِ ہجر کی نہ ہوئی سحر　کبھی ہو کے سامنے جلوہ گر مرا حالِ دل نہ سنا نبی ﷺ

سوئے طیبہ ہو جو گزر صبا تو ادب سے کرنا یہ التجا
کہ رؤفؔ ہجر میں مر مٹا ہو نگاہِ لطف ذرا نبی ﷺ

اسی طرح اور چند منتخب نعوت ملاحظہ کیجیے اور رؤفؔ امروہوی صاحب کی نعت گوئی میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جذبہ دلی کو ملاحظہ فرمائیں:

کیا وصف لکھوں سید ابرار تمہارا　اللہ کا دیدار ہے دیدار تمہارا
والیل ہے یا زلفِ معنبر کا سراپا　والشّمس کی تفسیر ہے رخسار تمہارا
موسیٰ ہوئے اللہ کے دیدار کے طالب　اللہ ہوا طالبِ دیدار تمہارا
تقصیر، خطا، بھول تو عادت ہے ہماری　اور عفو و کرم کام ہے سرکار تمہارا
دنیا میں ہر اک بیکس و بے یار کے تم ہو　عقبیٰ میں ہر ایک بیکس و بے یار تمہارا
اے اہلِ خطا دامنِ سرکار پکڑ لو　ہو جائے گا حق آپ طرفدار تمہارا
محشر میں بھلا کون خبر لے گا ہماری　ہے کس کا لقب احمدِ مختار ﷺ؟ تمہارا
پھر جائیں کبھی امت ناشاد کے دن بھی　اے کاش جلا دے ہمیں کردار تمہارا
دنیا میں اگر ہے تو تمنا ہے تمہاری　عقبیٰ میں ہے ارمان تو سرکار تمہارا
مولیٰ ہو مددگار ہو آقا ہو تم اِس کے　بندہ ہے رؤفؔ جگر افگار تمہارا

......

قیامت میں تشریف جب لایئے گا　ہماری شفاعت بھی فرمایئے گا
ہماری خطاؤں پہ کیا جایئے گا　نظر اپنی رحمت پہ فرمایئے گا
کھڑے ہوں گے ہم بھی وہیں اک طرف کو　ہمیں بھی ذرا دیکھتے جایئے گا
جہاں سے صدا آئے گی یا محمد ﷺ　وہیں آپ تکلیف فرمایئے گا

کہیں تو بلانے کی ہوگی ضرورت
کہیں بے بلائے چلے جایئے گا
بہشت بریں کو چلے جب سواری
غلاموں کو بھی ساتھ لے جایئے گا
زمانہ کو حضرت مدینے بلایا
ہمیں بھی کبھی یاد فرمایئے گا
دکھائیں گے جس وقت وہ اپنی صورت
رؤف ان پر قربان ہوجایئے گا

......

آنکھوں کو آج ہجر کے غم سے چھڑاؤں گا
صحرائے دل میں شہر مدینہ بساؤں گا
خلوت کدہ بناؤں گا اک وسطِ شہر میں
گلہائے آرزو سے پھر اس کو سجاؤں گا
پلکوں سے اپنی جھاڑ کے فرشِ حریمِ ناز
اک سمت تختِ ختمِ رسالت بچھاؤں گا
اُس تختِ نازنیں پہ بصد جاہ واحتشام
عالم کے تاجدار کو لا کر بٹھاؤں گا
پھر رکھ کے پائے ناز پہ ان کے سرِ نیاز
سوتے ہوئے نصیب کو اپنے جگاؤں گا
اک نذر پیش کرکے درود و سلام کی
سرکارِ دو جہاں کو مخاطب بناؤں گا
یوں دست بستہ عرض کروں گا کہ یا حضور
کب تک غمِ فراق کے صدمے اٹھاؤں گا
تم ایک بار آکے اگر مجھ کو دیکھ لو
واللہ ساری عمر کے غم بھول جاؤں گا
تم تو حریمِ دل سے اُدھر اُٹھ کے جاؤ گے
اور میں نہ جانے ہوش میں کب تک نہ آؤں گا
بس مجھ کو یہ خیال ستاتا ہے ہر گھڑی
کل روزِ حشر آپ کو کیا منہ دکھاؤں گا
اک روز اے رؤف اگر زندگی رہی
خود کو بہارِ گلشنِ طیبہ دکھاؤں گا

......

رہے دل میں شوق لقائے محمد ﷺ
یہ آنکھیں ہوں اور خاکِ پائے محمد ﷺ
معطر ہیں اس کی مہک سے دو عالم
زہے نکہتِ جاں فزائے محمد ﷺ
گنہ گار سب ان کا دامن پکڑ لیں
رضائے خدا ہے رضائے محمد ﷺ
بچھا دوں وہیں فرش آنکھوں کا اپنی
جہاں دیکھ لوں نقشِ پائے محمد ﷺ
گنہ گار ہوں بخش دے میرے عصیاں
الٰہی بحق دعائے محمد ﷺ
رؤف صفا کیش سے کچھ نہ کہنا
یہ شوریدہ سر ہے گدائے محمد ﷺ

اب چند منتخب نعتیہ اشعار بھی ملاحظہ ہوں:

یا نبی ﷺ جان سے جو آپ پہ قرباں نہ ہوا
اس کا ایمان مکمل کسی عنواں نہ ہوا

عہدِ حاضر ہی پہ موقوف نہیں ہے یہ رؤفؔ ان کا ثانی تو کسی دور کا انساں نہ ہوا

ہیں ہم سے تو سرکار ﷺ! لاکھوں تمہارے نہیں کوئی تم سا ہمارا محمد ﷺ

حضرت علامہ شہباز امروہوی

مولوی سلطان احمد مسلم وگل حضرت علامہ شہباز امروہوی سرزمین امروہہ کے ایک عالم و فاضل فارسی زبان وادب کے بے مثال استاد اور قادرالکلام شاعر شریں مقال تھے۔آپ کی شاعری بالخصوص نعت ومناقب میں دل سے زیادہ دماغ اور علم وحلم کی کارفرمائی ہے مگر جذبۂ عشق کی سرشاری اور عشق رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آبیاری میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں ہے۔ وہ نعت گوئی میں ''باخدا دیوانہ باش وبا محمد ﷺ ہوشیار'' پر کاربند شاعر تھے۔آپ کی ولادت شہر امروہہ کے ایک ذی علم صدیقی گھرانے میں 23/ جنوری 1910ء کو ظریف احمد صدیقی ساکن محلّہ کٹکوئی کے گھر ہوئی۔

آپ نے ابتدأ ناظرۂ قرآن کریم کے بعد عربی فارسی اور انگریزی زبان میں مہارت پیدا کی۔ حضرت علامہ شہباز امروہوی نے تعلیم سے فراغت کے بعد ابتدأ مدرسہ محمدیہ حنفیہ واقع محلّہ گزری، امروہہ میں فارسی زبان کی تدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے بعد جگدیش سرن ہندو انٹر کالج امروہہ میں اردو و فارسی کے استاد مقرر ہوئے جہاں آپ نے 16/ برس تک تدریسی خدمات بحسن و خوبی انجام دیں مگر بصارت ظاہری سے معذور ہو جانے پر چوبیس سال دارالعلوم چلہ میں فارسی کے استاد رہے۔

شاعری آپ کو وراثت میں ملی تھی۔ابتدأ گلؔ پھر مسلمؔ تخلص اختیار کیا اور 1955ء میں شہبازؔ تخلص سے طنز ومزاح کے میدان میں اپنی ظرافت طبع کا لوہا منوایا۔آج آپ کی پہچان ایک قادرالکلام طنز نگار اور مزاح گو شاعر کی حیثیت سے ہے مگر حضرت علامہ شہباز امروہوی ایک بے مثال نعت گو اور منقبت نگار شاعر تھے۔علامہ شہباز امروہوی باوجود ایک فطری طنز ومزاح شاعر ہونے کے نعت گوئی میں اس عقیدے اور مسلک کے شاعر تھے جو وہ خود فرماتے ہیں:

دکھا شہبازؔ راہِ نعت میں ہرگز نہ شہبازی قدم رکھ سر کے بل اس میں ادب کا یہ مقام آیا

آپ کے کئی شعری مجموعے شائع ہوئے آخیر میں احقر نے 2008ء میں آپ کا اس وقت تک کا مکمل دستیاب کلام جمع کر کے ''کلیاتِ شہباز'' کے نام سے شائع کیا ہے۔

سرزمین امروہہ کے یہ نامور قادرالکلام استاد زمان شاعر 11/ رمضان المبارک 1405

ہجری/ یکم جون 1985ء کو اس دار فانی سے رخصت فرما کر اپنے ممدوح مکرم رسالت پناہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرماتے ہوئے جا ملے:

اے رسولِ ہاشمی! اے ہادیٔ دنیا و دیں ذات ہے تیری سراپا رحمت للعالمیں

علامہ شہباز امروہوی سرزمین امروہہ میں بلاشبہ ایک منفرد لب ولہجہ کے شاعر تھے، زبان و بیان شعری رموز وغوامض بالخصوص احادیث وقرآن اور سیرت رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر انھیں بڑی قدرت اور وقیع معلومات حاصل تھیں۔ ساتھ ہی علامہ شہباز امروہوی ایک وہبی شاعر تھے اور انھوں نے اپنی شعری وہبی قدرتی صلاحتیں نعت گوئی پر صرف کیں۔ ملاحظہ ہو آپ کی ایک بہترین نعت پاک جس میں ایک خوبصورت نعت شریف کے تمام ہی لوازم موجود ہیں۔ الحمد للہ!

اے رسولِ ہاشمی! اے ہادیٔ دنیا و دیں ذات ہے تیری سراپار رحمت للعالمیں
عالم ارواح میں تجھ سے کوئی سابق نہیں تو ریاضِ کن فکاں کا ہے نہالِ اوّلیں
بعد تیرے اس جہاں میں کوئی پیغمبر نہیں تو ہے گلزار رسالت کی بہار آخریں
تو ہے نقاشِ ازل کا ایک نقش بہتریں محفلِ کونین میں تیرا کوئی ثانی نہیں
کوشک ایمان وعرفاں کا ہے تو مسند نشیں تو امام المومنیں ہے تو رئیس العارفیں
تیری ہستی کاتب قدرت کی تحریر نخست تیرا پیکر قلزم فطرت کی موج اوّلیں
آشکارا تیرے دل پر راز عرفان و شعور جلوہ آراء تیرے رُخ پر نور ایمان و یقیں
مورد الہام و القاء مظہر راز و رموز منزل علم لدنی، مہبط روح الامیں
چشمۂ خورشید تاباں ہے دل روشن تیرا نکہت اخلاق ہے تیری بہشت عنبریں
تیری صورت وہ مرقعہ ہے جمال وحسن کا جس پہ نازاں ہے کمالِ صنعِ صورت آفریں
ہر کثافت سے منزّہ ہے ترا جسم لطیف ہے مخمّر نور سے تیرا خمیر ماء و طین!
تو ہے وہ نجم الہدیٰ، بدرالدجیٰ شمس الضحیٰ جس کی ضو سے مطلعِ انوار ہے روئے زمیں
تو ہے وہ خیر الوریٰ، تاج السما، صدر العُلا جس کی کف پا ہے اکلیل سرعرش بریں
یہ حقیقت ہے حدیث من رآنی سے عیاں صورت یزداں کا پرتو ہے ترا روئے حسیں
تو ہے ایوان نبوت میں زعیم الانبیاء تو ہے میدان قیامت میں شفیع المذنبیں
قہر کی تیری علامت شعلۂ نارِ جحیم مہر کی تیرے نشانی نغمۂ خلد بریں
سائل دربار تیرے مالک طبل و علم حاشیہ بردار تیرے صاحب تاج و نگیں!

خاک تیرے آستاں کی کحلِ مازاغ البصر　　جالیاں روضے کی تیرے دیدۂ حورانِ عین
قلزم رحمت ہے تیرا بحر ناپیدا کنار　　طارم ہمت ہے تیرا بام چرخ ہفتمیں!!
آتا ہے تیری زبانِ پاک پر جو بھی سخن　　قلزم عرفان و حکمت کا ہے وہ دُرِّ ثمیں
ہیں تیرے اقوال وہ گنجینۂ دُرِّ حکم!　　جن کی تابانی سے خیرہ ہے نگاہِ ہر فطیں
تیرا ہر قول و سخن توضیح احکامِ الہ　　تیرا ہر فعل و عمل تفسیر قرآن مبیں
منزلِ عرفاں میں تیرے پیش پا افتادہ ہیں　　جادۂ علم الیقیں، عین الیقین حق الیقیں
موقف اِذعان میں تیرے روبرو استادہ ہیں　　دام و ودد جن و ملک، انسان و غلماں حور عیں
نطق شیریں سے ہیں تیرے گوش سامع میں نہاں　　طعمہ ہائے شکر و قند و نبات و انگبیں!
روئے تاباں سے تیرے ہیں چشم ناظر پر عیاں　　جلوہ ہائے مہر و ماہ و فرقدان و فرقدیں
فیض جاری سے تیرے دریائے اخضر آب آب　　عزم راسخ سے تیرے سدِ سکندر شرمگیں!
سنتا ہے اللہ سے تو اُدن و منّی کی صدا　　تیرے گوشِ پاک واقف لن ترانی سے نہیں
تو ہوا جا کر حریم خاص میں جلوہ فگن!　　رہ گیا سدرہ تک اڑ کر طائر سدرہ نشیں
کیا خبر انسان کو تیرے مقام قرب کی　　تو وہاں ہے جس جگہ تیرے سوا کوئی نہیں
تیری انگلی کا اشارہ باعث شق القمر　　جنبشِ ید کا کرشمہ رجعت مہر مبیں
سنگ ریزے حکم ناطق سے تیرے گویا ہوئے　　ساکت و صامت نہ ہو کیوں کر ابوجہل لعیں
ہے تیرا فیضان حیراں و تیامہ کا نصیر　　ہے تیرا احسان پیران وا رامل کا معیں
ہے ترا جود و سخا نادار و مفلس کا کفیل!　　ہے ترا لطف و عطا بیمار و بے کس کا ضمیں
رحم تیرا بخشتا ہے ان کو بھی شیر و شکر　　زہر افشاں ہیں جو اعدا مثلِ مار آستیں
حلم تیرا کرتا ہے ان سے بھی عفو و درگذر　　تیز دنداں ہیں جو دشمن صورت شیر عریں
دیکھ کر اخلاق تیرے ہو گیا حلقہ بگوش　　قتل کرنے تجھ کو آیا جو بھی ہو کر خشمگیں
مرحبا فیضانِ صحبت کا تیرے حسن اثر　　ہے تیرے کردار کا مظہر ترا ہر جانشیں
سطوت پرہیز نے تیرے شکستہ کر دیئے　　جام و پیمانہ، خم و مینا، سبوئے ساتگیں
نکہتِ اخلاق سے تیری شگفتہ ہو گئے　　سنبل و ریحاں و گل نسرین و نور و یاسمیں
تو ہے اپنے عہد کا وہ افصح و ابلغ خطیب　　ہے رواں تقریر جس کی صورت ماءِ معیں
ذاتِ امی ہو کے وہ علامۂ دوراں ہے تو　　جس کے آگے طفلِ مکتب ہیں حکیمان گزیں

بدو فطرت سے ملا ہے جوہر ایماں تجھے
قبل بعثت بھی تجھے ہر شخص کہتا تھا امیں

سادگی کا اک نمونہ ہے تری کل زندگی
تیرا بستر بوریا، تیری غذا نانِ جویں

پاک ہے آلائش ہر جرم سے دامن تیرا
صاف ہے معصیت کے داغ سے تیری جبیں

طعنہ زن ہو وہ اگر کردار پر تیرے کبھی
گنگ ہو کر منہ میں رہ جائے زباں نکتہ چیں

ذات سے تیرے ہوا یزداں پرستی کو فروغ
لات وعزّیٰ کے پجاری کیوں نہ ہوں اندوہگیں

تونے دی دنیا کو لایعنی عقائد سے نجات
ظلمت اوہام میں پھیلا دیا نور یقیں

غلغلہ سن کر تیرے نقارۂ توحید کا
بربط تثلیث کی ہر تان ہے زار و حزیں

دیکھ کر اقبال تیرے رایت اسلام کا
جھک گئی خاکِ مذلت پر شیاطیں کی جبیں

محو تونے کر دیا انساں کی لوح قلب سے!
کبر نخوت ظلم و بدعت، مکر وحیلہ، بغض وکیں

تو سکھاتا ہے مساوات و اُخوت کا سبق
تو اٹھاتا ہے تمیز کہتریں و مہتریں

تو نہیں رکھتا روا تفریق نسل و رنگ و قوم
ایک ہیں تیری نظر میں اہل مصر و اہل چیں

تونے بخشا ہے جہاں میں عورتوں کو جو عروج
ہے نمونہ اس کا شانِ امہات المومنیں

تونے لکھا ہے غلاموں کو جو منشور وقار!
عظمت زید و بلال اس کا ہے طغرائے حسیں

اُٹھتی ہے تلوار تیری صرف ہنگام دفاع
جارحیت کا نشاں تیری شریعت میں نہیں

اُمّیوں کو تونے وہ درس جہاں داری دیا
قیصر و کسریٰ سے بازی لے گئے صحرا نشیں

ہے شریعت کا جو تیری کشت زار پر بہار
آج ہیں دانشوران دہر اس کے خوشہ چیں

تیری ملت کے ضوابط میں جو مضمر ہیں نکات
محو حیرت ان کی حکمت سے ہے عقل ژرف بیں

آ گیا دارالاماں میں اس میں جو داخل ہوا
ہے حصار دین مستحکم ترا حصن حصیں

مل گیا ذاتِ خدا میں اس سے جو واصل ہوا
نور کامل ہے ترا نورِ رخ حسن آفریں

وادئ پُر ہول ہستی کر گیا وہ صاف طے
جس نے پکڑی دین برحق کی تیری حبل المتیں

عروۃ الوثقیٰ کو تیرے جس نے چھوڑا ہاتھ سے
صادق اس کے حق میں ہے خسران فی الدنیا و دیں

صرف اپنوں کی زباں پر ہی نہیں تیری ثنا
ہیں تیرے اوصاف میں رطب اللسان مستشرقیں

ہو کہاں تک تیرے اوصافِ معلیٰ کا بیاں
یہ وہ دریا ہے کہ جس کا کوئی ساحل ہی نہیں

دیکھ کر اے آوارہ گرد وسعت جوِّ سما
عرش پر پہنچا وہ بیت اُمِ ہانی کا مکیں

دیکھ! اے جو یائے اسرار معاشیات خلق
ہو گیا وہ صدقہ و فطرہ سے مفلس کا خمیں

دیکھ! اے نا آشنائے حالت زارِ اناث — ہو گیا وہ مہر و ترکہ سے خواتیں کا معیں
دیکھ! اے ناواقف راز مساواتِ بشر — صاحب و بندہ کو اس نے کر دیا پہلونشیں
دیکھ! اے عزلت گزیں گوشۂ رہبانیت — وہ اٹھائی اس نے حدِ فاصل دنیا و دیں

کرتا ہے شہباؔز اپنی نظم اس مصرعہ پہ ختم
ذات احمد ہے سراپا رحمت للعالمیں

عاشقانِ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے حضرت رسالت مآب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا لائق تقلید ہے بلکہ اس سے ایک والہانہ لگاؤ بھی ہوتا ہے اسی سبب اکثر نعت گوشعراء کرام نے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینہ کی بھی تعریف وتوصیف دل کی اتھاہ گہرائیوں سے کی ہے۔ حضرت علامہ شہباؔز امروہوی کی بھی اس سلسلے میں ایک نعت پاک ملاحظہ کریں:

نہیں ہے درد کوئی لا دوا مدینے میں — مرض سے رہتی ہے آگے شفا مدینے میں
اٹھائے جس نے بھی دست دعاء مدینے میں — دعا سے پہلے ملا مدعا مدینے میں
فلک سے کیوں نہ ہو برتر زمیں مدینے کی — کہ ہے مزار رسول خدا مدینے میں
یہ سمجھوں میں کہ ملا مژدۂ حیات ابد — جو آئے مجھ کو پیام قضا مدینے میں
نہ کیوں ہو قلب مسلماں سے جام جم حیراں — اس آئینہ کو ملی ہے جلا مدینے میں
ہر ایک نہر ہے تسنیم و سلسبیل وہاں — ہر ایک کوہ ہے کوہِ صفا مدینے میں
اسیر علّتِ الحاد و شرک ہیں جو لوگ — مرض کی ملتی ہے ان کے دوا مدینے میں
گئے ادھر جو سموم و دبور کے جھکّڑ — بنے وہ موج نسیم و صبا مدینے میں
ہر ایک جادہ ہے مانند کہکشاں روشن — ہر ایک ذرہ ہے کان ضیاء مدینے میں
اسے بھی ارض مقدس کی بخش دی عظمت — گئے جو مکہ سے خیرالوریٰ مدینے میں
بنے برادر صادق مہاجر و انصار — عجیب عہد اخوت ہوا مدینے میں
نجات پائی مظالم سے نوعِ انساں نے — کسی نے کی نہ کسی پر جفا مدینے میں
مٹا جو عشق نبی میں وہ ہو گیا زندہ — ملا فنا سے یہ راز بقا مدینے میں
گدا امیر سے اعزاز میں ہوئے ممتاز — غرور دولت و ثروت مٹا مدینے میں
رہا نہ زنگی و رومی میں فرق کچھ باقی — ہر ایک رنگ برابر ہوا مدینے میں
دیا وہ درس معارف رسول امّی نے — کہ بابِ خانۂ حکمت کھلا مدینے میں

رہی نہ بندے پہ صاحب کو برتری کوئی
غلام شاہوں کا آقا بنا مدینے میں

جو روح پاک کی بالیدگی کا باعث ہے
بشر نے پائی وہ آب و ہوا مدینے میں

علاج ہوتا ہے امراض روح کا جس میں
نئی طرح کا ہے دارالشفاء مدینے میں

رہا نہ کفر کی ظلمت کا کچھ اثر باقی
وہ رنگ ملت بیضا جما مدینے میں

قلوب تیرہ چمک اٹھے بن کے آئینہ
ہوئی وہ صیقل صدق و صفا مدینے میں

بنے معلم اخلاق فاضلہ بدُوی
وہ درس حکمت و دانش مِلا مدینے میں

یہ آرزو ہے کہ شہبازؔ ہند سے جا کر
پڑھوں میں نعت شہ انبیا مدینے میں

صوفی رفیق احمد آسیؔ نقشبندی

صوفی رفیق احمد آسی ابن جناب چھدا، ساکن محلّہ شفاعت پوتہ، امروہہ، ایک قادرالکلام شاعر تھے، قدرت خداوندی سے زوودگوئی میں بڑی مہارت تھی۔ تلامذہ کی تعداد کثیر تھی۔ اکثر تلامذہ کو نعت ومناقب اورغزلیات خودلکھ کر دیتے تھے۔ نعت گوئی اور منقبت نگاری میں قدرتی ملکہ حاصل تھا جوان کے جذبہ ایمانی اورعشق رسول خدا کی دلیل ہے۔ آپ نے 27/ جمادی الثانی 1402ھ/ 1982ء میں وفات پائی۔ آپ کے پوتے عزیزی تاجدار احمد نے ''رنگ و بو'' کے عنوان سے آپ کا کچھ کلام 2019ء میں شائع کیا ہے۔ آسیؔ امروہوی نعت ومنقبت کے مشہور ومعروف اوراستادشعراء میں سے تھے۔

ہمارے آقا رحمتِ جہانیان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ رحمت للعالمین تھے، صرف جن وبشر کے ہی دلوں میں نہیں بلکہ وحوش وطیور برگ وبار نباتات وجمادات بھی آپ کا کلمہ پڑھتے اور آپ کی ذات گرامی پر درودوسلام بھیجتے تھے، اس بات کو حضرتِ آسی نے اس طرح بیان کیا ہے

وحش وطیور و برگ و بارتم پہ درود وسلام
بھیجتے ہیں بصد ادب لیل ونہار صبح وشام

رحمت للعالمین سے محبت دین اسلام کی بنیاد ہے اور مسلمانوں کی عبادات کا جزو ہے کیونکہ ایمان کا محور ومرکز حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی ہے۔ ارشاد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ جب تک کوئی شخص حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی جان و مال، اولاد وغیرہ سے بڑھ کر محبت نہ کرے وہ مومن کامل نہیں ہوسکتا۔ حضرت آسیؔ کے کلام میں جگہ جگہ یہ بات جلوہ گر ہے کہ انھیں آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ عشق ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ساری محبتوں پر حاوی ہے۔ آپ کے نعتیہ کلام سے ایک دومثالیں ملاحظہ ہوں:

حقیقت میں وہ انساں ہی نہیں مجھ سے اگر پوچھو نہیں ہے جس کے دل میں جلوہ گر الفت محمد ﷺ کی
سلام اس پر کہ جس نے دولت ایماں ہمیں بخشی سلام اس پر کہ جس کے واسطے بے چین ہے آسیؔ
علاج اضطرابِ عاشقِ رنجور ہوجائے بجز دیدارِ حضرت ﷺ اے طبیبو غیر ممکن ہے

کسی بھی انسان کے لیے رسول اکرم رحمت للعالمین سرور عالمیان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وعقیدت اوران کے احکام وسنت پر عمل پیرا ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بھی پورے ادب واحترام کے ساتھ محبت وعقیدت رکھے کیونکہ رحمت للعالمین کے معجزات میں سے یہ بھی ایک بڑا معجزہ ہے کہ آپ نے ایک انتہائی مختصر مدت میں ایک ایسی عمدہ جماعت تیار کردی تھی جس کی تعریف رب ذوالجلال نے ان الفاظ میں فرمائی "**کنتم خیرا امۃ اخرجت للناس**" اوراسی جماعت صحابہ کرام کے بارے میں قرآن کریم نے کئی جگہ ارشادفرمایا "**رضی اللہ عنھم و رضو عنہ**" اورخودآقائے والی نعمت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادگرامی ہے کہ "**الصحابی کن نجوم فمن اقتدیتم اھتدیتم**" وغیرہ۔

تو ان سب ارشادات کی روشنی میں ہر عاقل و بالغ مسلمان مردوزن پر صحابہ کرام کی محبت جزو ایمان قرار پائی۔اب جوبھی مسلمان ان نفوس قدسیہ سے ذرہ برابرصرف غلط فہمی ہی رکھتا ہواس کو اپنے گریبان میں جھانک کراپنے ایمان کا محاسبہ کرنا چاہیے۔

حضرت رفیق احمد آسی امروہوی سرزمین امروہہ کےان خوش نصیب شعراء میں ہیں کہ جن کے کلام میں اکثر صحابہ کرام سے محبت وعقیدت بھرے اشعار خاصی تعداد میں پائے جاتے ہیں،آپ نے نہ صرف صحابہ کرام کی شانِ مبارکہ میں الگ الگ بہترین مناقب لکھیں بلکہ آپ کی اکثر نعتیہ شاعری میں بھی صحابہ کرام کی مناقب وافر مقدار میں پائی جاتی ہیں اورآپ کے اشعار میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے والہانہ محبت وعقیدت کا اظہار بھی خوب ہوتا ہے۔امیرالمومنین خلیفۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے فرماتے ہیں:

جیسے قرآن بہتر کتابوں میں ہے جیسے جبریل بہتر فرشتوں میں ہے
شرف مغرب کو جیسے سمتوں میں ہے جیسے احمد ﷺ مکرم رسولوں میں ہے
چار میں تجھ کو حاصل ہے یوں برتری
اے ابو بکر اے یار غار نبی ﷺ
مظہر شانِ احمد ﷺ ہے تو بالقیں افضل الناس ہے تو پسِ مرسلیں

تیرا ممنون احسان ہے دینِ مبیں　　تیرا مداح ہے سیدالعالمیں
کر سکے گا کوئی کیا تری ہمسری
اے ابو بکر اے یارِ غارِ نبی ﷺ

آپ کے سرمایۂ نعت پاک سے ایک ''سلام'' بطورِ نمونۂ کلام:

سلام اس پر جسے کونین کا سلطان کہتے ہیں　　سلام اس پر جسے ہم رحمت رحمان کہتے ہیں
سلام اس پر حبیب رب عالم ہے لقب جن کا　　سلام اس پر جسے ختم رسالت حق نے فرمایا
سلام اس پر کہ جس کو تاجدار انبیاء کہیئے　　سلام اس پر کہ جس کو باعث ارض وسما کہیئے
سلام اس پر کہ جس نے گمرہوں کی رہنمائی کی　　سلام اس پر جس نے مظلوموں کی دادخواہی کی
سلام اس پر کہ جو ہم بدنصیبوں کا سہارا ہے　　سلام اس پر کہ جس کی شان میں یٰسین آیا ہے
سلام اس پر کہ جس نے چار اصحاب صفا پائے　　سلام اس پر خدائے پاک کے جس پر سلام آئے
سلام اس پر اخی کہتے تھے جبریل امیں جس کو　　سلام اس پر کہا اللہ نے نور مبیں جس کو
سلام اس پر امام الانبیاء جس نے لقب پایا　　سلام اس پر کہ رب العالمیں ہے شیفتہ جس کا
سلام اس پر کہ جھکتے تھے شجر تعظیم کو جس کی　　سلام اس پر حجر تھے شمع شان تکریم کو جس کی
سلام اس پر کہ جس پہ ناز کرتی ہے رسالت بھی　　سلام پر اس کہ جس پہ فخر کرتی ہے شرافت بھی
سلام اس پر کیا کرتی تھیں جس پر بدلیاں سایہ　　سلام اس پر کہ ہے شق القمر اک معجزہ جس کا
سلام اس پر کہ جس نے دو جہاں کی سیر کی دم میں　　سلام اس پر کہ جس کا جلوہ گر ہے نور عالم میں
سلام اس پر بشارت جس نے دی ہے ہم کو جنت کی　　سلام اس پر گواہی جس نے دی روز قیامت کی
سلام اس پر کہ بعد از کبریا جو سب سے بہتر ہے　　سلام اس پر لقب جس کا شفیع روز محشر ہے
سلام اس پر کہ جس نے شان خالق آشکارا کی　　سلام اس پر خوشی سے جس نے ہر کلفت گوارا کی

سلام اس پر کہ جس کے واسطے بے چین ہے آسی
سلام اس پر کہ جس نے دولت ایماں ہمیں بخشی

مفتی نسیم احمد فریدی

گہوارۂ علم وفن امروہہ کی ایک مغتنم روزگار شخصیت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی علیہ الرحمہ صرف ایک باعمل عالمِ دین مبین ہی نہیں بلکہ ایک صاحب طرز ادیب اور استاد شاعر بھی تھے۔ ابتداً جب تک آپ درسِ نظامی سے فارغ نہیں ہوئے تھے اس وقت تک تغزل سے بھری غزلیات کہتے تھے، ان کی

غزلیات میں دہلوی ولکھنوی کے اساتذہ کا رنگ اپنی پوری آب وتاب سے ملتا ہے۔ ساتھ ہی استادالاساتذہ غلام ہمدانی مصحفی امروہوی کا ''امروہہ پن'' بھی بڑی خوبصورتی کے ساتھ جلوہ گر ہے۔

جب فریدی صاحب کی شاعری کا وہ دور شروع ہوا جس کو ہم مکمل طور پر مقصدی شاعری کہہ سکتے ہیں،اس دور میں آپ نے بہترین اصلاحی وسماجی نظمیں لکھیں،اس بارے میں آپ خود اپنی ایک غزل کے مقطع میں فرماتے ہیں:

شاعری ہو ملک وملت کی قیادت کے لیے　　　اے فریدؔی کیوں گل وبلبل کا سودا سر میں ہے

مولانا نسیم احمد فریدی صاحب کا اس دور کا مکمل کلام اصلاحِ معاشرہ قومی یک جہتی اور حب الوطنی سے لبریز ہے اور پھر آپ نے انگریزی حکومت کی ظلم و بربریت کے خلاف اعلان جنگ کیا اور ببانگ دہل کہا:

فریدؔی رنگ لائے گی یہ ظالم کی ستم کوشی　　　دھواں اُٹھتا نظر آئے گا اک دن قصر باطل سے

یہ فریدی صاحب علیہ الرحمہ کے صرف دل ہی کی آواز نہیں تھی بلکہ ان کی ایک پیشین گوئی بھی تھی جو 15/اگست 1947ء میں حرف بہ حرف پوری ہوئی۔فریدؔی صاحب اپنے وطن عزیز ہندوستان سے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے محبت کرتے تھے۔

احقر نے اکثر ان کی زبان مبارک سے یہ مقولہ بھی سنا تھا کہ ''وطن کی محبت ایمان کا ایک جزو ہے''اسی نظریہ کے پیش نظر انھوں نے ایک لاجواب ''ترانۂ وطن'' لکھا جس کا پہلا بند ملاحظہ ہو:

ہم وطن کے وطن ہمارا ہے

دلِ پُر غم کا اک سہارا ہے　　　چشم پُر آرزو کا تارا ہے
اس کی ہر ہر ادا دل آرا ہے　　　جان سے بھی ہمیں یہ پیارا ہے

ہم وطن کے وطن ہمارا ہے

ایک نمونہ آپ کی اصلاحی شاعری کا بھی دیکھیے۔شراب کی مذمت میں فرماتے ہیں:

مذہب اسلام ہو یا ہو طریقِ عیسوی　　　ہندومت ہو،جین مسلک ہو کہ دین موسوی
سارے مذہب کہہ رہے ہیں یہ بآواز بلند　　　منھ لگانا بادہ کا اچھا نہیں اے ہوش مند

یہی قادرالکلام، استادالاساتذہ، اپنے نقادانہ وعقدہ کشا ناخونوں سے نقد و ادب کی گتھیاں سلجھانے والا شاعر جس کو عوام وخواص پوری طرح ادب واحترام کے ساتھ حضرت مولانا مفتی نسیم احمد فریدی علیہ الرحمہ کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں،جب نعت پاک کی مبارک رہ گزار پر قدم رکھتے

ہیں تو عرفیؔ شیرازی کی اس لازوال نصیحت کو بھی مدنظر رکھتے ہیں کہ:

عرفیؔ، مشتاب، این رہ نعت ست نہ صحراست آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قدم را
ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن نعت شہ کونین ﷺ و مدیح کے و جم را

بلاشبہ نعت ایک مشکل ترین صنف سخن ہے کیونکہ وہ کائنات کی ایک ایسی عظیم المرتبت ذات اقدس کے لیے کہی جاتی ہے جس کے بارے میں شیخ سعدیؔ شیرازی علیہ الرحمہ نے آخری بات یہ فرمائی کہ ''بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر'' اسی لیے نعت پاک کے عناصر ایک آفاقی اور اعلیٰ پایہ کی شاعری کے عناصر سے بھی ورا ہیں۔ یہاں بڑے بڑے شاعروں، فنِ شاعری کے بلند بانگ دعویٰ کرنے والے اساتذہ نے بھی اپنی عجز بیانی اور ژولیدہ زبانی کا اعتراف کیا ہے جیسا کہ مرزا اسداللہ خاں غالبؔ کہتے ہیں:

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم کہ آں ذات پاک مرتبہ دانِ محمد است

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا کہ حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؔ ایک قادر الکلام اور استاد شاعر ہونے کے ساتھ ہی ساتھ ایک محتاط عالم و فاضل اور عظمت رحمت للعالمین آقاے دو جہاں مولائے کل فخر رسل کی عظمت و مرتبہ سے بھی اچھی طرح واقف تھے۔ اسی لیے مضامین کی فراوانی و بوقلمونی کے باوجود فریدیؔ صاحب کی نعتیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شاہ کار مثالیں ہیں۔ ''نسیم سحر'' کے مرتب آپ کے برادر زادے محترم انیس احمد فاروقی صاحب آپ کی شاعری بالخصوص نعت گوئی پر اس طرح تبصرہ کرتے ہیں:

> ''آپ کے اندر شعر گوئی کی صلاحیت خداداد تھی، طبیعت موزوں اور ذہن رسا پایا تھا۔ تمام اصنافِ شاعری میں طبع آزمائی کی۔ آپ کا کلام نہایت معیاری ہوتا تھا۔ نعت و مناقب آپ کا خاص میدان تھا۔ آپ نے بڑے پرسوز، عاشقانہ و والہانہ انداز میں نعتیں کہیں ہیں جو از دل خیزد و بر دل ریزد کا مصداق ہیں۔'' (نسیم سحر ص48، 49)

دیکھیے چند مثالوں سے فریدیؔ صاحب کا عشقِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں والہانہ انداز بیان، کہ مدنی آقا رحمت عالمیان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک ہی ان کے دل و جان کی تسکین کا باعث ہے:

شاہِ دیں ﷺ باعثِ تسکین دل و جاں کو سلام یعنی محبوبِ خدا ﷺ سرورِ ذیشاں کو سلام

درود اس پہ جو تسکیں ہے قلب و جاں کے لیے سلام اس پہ جو ضامن ہے امنِ عالم کا

پھر تو فریدؔی صاحب کا رات دن بلکہ ہر ہر گھڑی کا مشغلہ آقاے دو جہاں کی مدحت سرائی قرار پایا وہ خود کہتے ہیں:

مشغلہ ہے اہلِ دل کا ہر گھڑی اور روز و شب جستجوے راہِ حق اور جستجوے مصطفیٰ ﷺ

اسی جستجوے مصطفیٰ اور شغل نعت گوئی میں محو آپ نے اس طرح والہانہ نعت پاک کہی:

سرورِ کون و مکاں، محبوبِ رب العالمیں ﷺ میرے آقا، ساقی کوثر شفیع المذنبیں

عظمتِ قرآں کا پرتو ان کا رخسار حسیں شوکتِ کعبہ کا نقشہ اُن کی زلفِ عنبریں

آپ کا اسم گرامی دل نواز و دل نشیں آپ کا ذکر مبارک جاں فزا وجد آفریں

اے خوشا صلی اعلیٰ ان کا جمال دل نشیں روحِ ایماں، روحِ دل، روحِ نظر، روحِ یقیں

فریدؔی صاحب کی نعتیں پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے سرورِ انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کا کس عمیق نظر، توجہ دینی اور محبت وعقیدت کے ساتھ مطالعہ کیا ہے اور پھر کس خوبصورتی اور والہانہ انداز میں اس کو اپنی نعتیہ شاعری میں سمویا ہے۔ مانو نعت گوئی کا ایک سوتا ان کے اندروں میں موجزن ہے اور اس سے لحمہ لحمہ رس رس کرلا جواب نعتیہ اشعار وجود میں آ رہے ہیں۔ دیکھیے:

اخلاق کی تصویر ہے رحمت کا مرقع انصاف در آغوش ہے مولائے مدینہ

اعداء بھی جیسے دیکھ کے خیرہ ہیں فریدؔی اللہ غنی سیرتِ آقائے مدینہ

کمالِ سیرتِ اقدس تو دیکھو عدو بھی موردِ لطف و عطا ہے

اس کے ساتھ ہی وہ دوسرے تمام عالم کے انسانوں کو بھی ''اسوۂ حسنہ'' پر عمل پیرا ہونے کا درس دیتے ہیں۔ دیکھیے کس خوبصورتی سے:

نبی ﷺ کا اسوۂ حسنیٰ رکھو پیش نظر ہر دم میرے آقا ﷺ کا طرزِ زندگانی دیکھتے جاؤ

فریدؔی صاحب سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعقیدت میں قرآنی حکم "**قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ**" کے مطابق ایسے سرشار ہو گئے تھے کہ قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق ہی والدین، بھائی، خاندان، مال واسباب، مکان دوکان سب کچھ ان کی محبت میں نثار کیا اور یہ درجہ پایا تھا کہ:

درحقیقت عین ایماں ہے محبت آپ ﷺ کی وہ محبت جس سے ظاہر ہو اطاعت آپ ﷺ کی

فراق و ہجر میں آخر گوارا ہو گیا دل کو مجھے ان کی خوشی، اپنی خوشی معلوم ہوتی ہے

مولانا فریدؔی کی نعتیں ایسا کیف آگیں مجموعہ ہیں جس میں محبان وفدایانِ سرورِ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک لطیف و پاکیزہ اور وجد آفریں وطہارت بھری غذاے روح ہے۔ فریدؔی صاحب کے یہاں فنی اعتبار و معیار خوب پایا جاتا ہے مگر جب وہ نعت گوئی کے میدان میں آتے ہیں تو سر کے بل چلتے ہیں اور شاعرانہ معیارِ فن ان کے یہاں بھی دوسرے عاشقانِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ و سلم کی طرح ثانوی درجہ اختیار کر لیتا ہے۔

مولانا مفتی نسیم احمد فریدؔی کیونکہ ایک عالم و فاضل تھے، اس لیے صبح و شام نعت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ ہی حدیث مبارکہ کا درس ان کا مشغلہ تھا۔ اس بات کو آپ نے کس پُر کیف انداز میں بیان فرمایا ہے، ملاحظہ ہو:

فیضِ حدیث پاک سے ملتا ہے کیفِ دائمی — جیسے وہ جانِ عاشقاں مجھ سے ہی ہم کلام ہے

یہ دائمی کیف کیوں نصیب نہ ہو جب کہ ہمہ وقت آقائے دو جہاں کی باتیں کرنا اور ان ہی کی زبان میں۔

حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدؔی علیہ الرحمہ دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے اور اسی سبب اکابر دیو بند سے انھیں دلی وجذباتی لگاؤ تھا۔ آپ حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد اور مرید تھے۔ آپ کی وفات کے بعد فریدؔی صاحب نے شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا علیہ الرحمہ سے تجدید بیعت کی اور خلافت پائی۔ آپ کو حضرت مولانا مقبول حسن اور مولانا فتح محمد میواتی صاحبان سے بھی اجازت حاصل تھی، مگر آپ نے کبھی کسی کو مرید نہیں کیا۔ مولانا نسیم احمد صاحب فریدؔی علیہ الرحمہ کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا اسماعیل شہید و حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور ان کے پورے گھرانے سے عشقیہ قسم کا ذاتی اور والہانہ لگاؤ تھا اور ان حضرات کی تعلیمات و ملفوظات کے نہ صرف پوری طرح واقف کار تھے بلکہ ان کو اپنے دل و جان سے لگا کر رکھتے اور ان پر عمل پیرا تھے۔ یہ باتیں یہاں اس لیے عرض کرنی ضروری تھیں کہ بعض نادان، بغیر سوچے سمجھے اعتراضات کرتے ہیں کہ اہل دیو بند، مدنی آقا، رحمت للعالمین سرورِ کائنات فخر انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس درجہ محبت و عقیدت نہیں رکھتے، جس طرح اہل سنت حضرات کے دوسرے مکاتب فکر کے علم بردار رکھتے ہیں۔ وہ حضرات فریدؔی صاحب علیہ الرحمہ کے اس طرح کے اشعار دیکھیں جس کے ہر ہر لفظ سے عشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجیں ڈھاٹے مار رہی ہیں اور خود فیصلہ کریں:

ہے عشقِ بطحا، وہ جنس گراں مایہ
کونین کی دولت بھی جس کا نہیں بیعانہ

نبی کے عشق میں جو مر مٹا وہ ہوگیا زندہ
فنا ہو کر حیات جاودانی دیکھتے جاؤ

اب کوئی کہے کچھ بھی، مطلب ہی فریدؔی کیا
اُن سے ہے مجھے نسبت میں ان کا ہوں دیوانہ

جس کو کچھ نورِ بصیرت سے ملا ہے حصہ
مدنی چاند کے جلوؤں پہ فدا ہوتا ہے

یہ جو سامنے ہے گنبد یہی روضۂ نبی ﷺ ہے
اسے دیکھنے کی خاطر تھی عزیز عمر فانی

رفعت عرش نہیں جس کے مقابل کوئی شئے
کیا کہوں کتنی بلندی پہ مقام ان کا ہے

محبوب حق بنا، جو کوئی اُن ﷺ کا ہو گیا
یہ فیض خاص، عشق حبیب خدا میں ہے

مگر اتنا ضرور ہے کہ اہل دیوبند حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام و مرتبہ ہمہ وقت نظر میں رکھتے ہیں اور ان کے دربار میں نظریں نیچی اور زبان بند رکھتے ہیں۔

اور فریدؔی صاحب کی نعت گوئی کا سب سے زیادہ اہم وصف یہ ہے کہ انھوں نے اپنی نعتوں میں تعلیمات رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی خوبصورتی سے بیان کیا ہے۔ یہ چند شعر بھی دیکھیے:

دل ملے، بغض مٹا، نور محبت پھیلا
وہ جو کونین کے آقا ﷺ ہیں، یہ کام ان کا ہے

بزم توحید سجی، جام اُخوت چھلکا
کتنا تابندہ و پائندہ یہ کام ان کا ہے

جس میں طرفین کو ہے راحت و رحمت کی دعا
کتنا پر کیف و دل آویز سلام ان کا ہے

بھائی بھائی رہیں آپس میں مسلماں سارے
جو ہیں ہم سب کے پیمبر یہ پیام ان کا ہے

آخر میں حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدؔی علیہ الرحمہ کے ہی ایک شعر پر اپنی بات تمام کرتا ہوں:

جس کو اللہ نے بخشی ہے نگاہِ حق بیں
عاشق صاحب لولاک لما ہوتا ہے

ڈاکٹر مرزا احمد حسین سیفی

دن جو ذہنوں میں نکالا ہے وہ ڈھلتا ہی نہیں
رات ہونے نہیں دیتا ہے سویرا ان کا ﷺ

سرزمینِ امروہہ کے ساکن اس خوبصورت شعر کے خالق کو ڈاکٹر مرزا احمد حسین سیفی امروہوی کے نام سے جانتے ہیں جن کی ولادت سرزمینِ امروہہ کے مشہور و معروف نعت گو حضرت حافظ عبدالرؤف صاحب رؤفؔ امروہوی کے یہاں 15/دسمبر 1931ء میں ہوئی۔ سیفی صاحب نے 1947ء میں ہائی اسکول کا امتحان پاس کر کے ایک اسکول میں تدریسی خدمات اختیار کیں مگر یہ سلسلہ

بعض وجوہات کے سبب زیادہ نہ چل سکا تو آپ نے 1958ء میں M.B.S., M.D.H کے سر ٹیفکیٹ حاصل کیے اور ہومیوپیتھک طریقہ علاج کو اپنا ذریعہ معاش بنایا۔ جناب مرزا احمد حسین سیفی صاحب کو شعری ذوق اور شاعرانہ نکات ورموز گھٹی میں گھول کر دیئے گئے تھے وہ عہدِ نوجوانی سے نہیں بلکہ بچپن سے شعر موزوں فرماتے تھے۔

جناب ڈاکٹر مرزا احمد حسین سیفی نے یوں تو تمام ہی اصنافِ شاعری میں اپنی طبعِ موزوں کے جوہر دکھائے یعنی غزل، نظم، قصیدہ، رباعی، قطعات تاریخی، مناقب، سلام ونوحہ اور سہرے بھی خوب لکھے مگر نعت گوئی ان کی خاندانی روایت، ورثہ اور وصف خاص رہا جس کو ایک جگہ انھوں نے بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے:

روایت مدتوں سے نعت ہے میرے گھرانے کی — شرف اک عمر سے حاصل ہے یہ میرے گھرانے کو
مرے والد، مرے بھائی، مری اولاد اور ہم سب — مقدم جانتے ہیں بس نبی ﷺ کے گیت گانے کو
رؔوف و حاؔمد و ساؔجد، زبؔیر و عارؔض و سیفؔی — سر بزمِ سخن آتے ہیں نعتیں ہی سنانے کو

یہ ایک حقیقت ہے کہ امروہہ میں آپ کا گھرانہ نعت گویوں کا ہی گھرانہ مشہور ہو گیا ہے۔ الحمدللہ، سبحان اللہ!

حضرت حافظ عبدالرؤف صاحب رؔوف امروہوی نے اپنے مکان پر ایک ہفتہ واری نعت خوانی کی محفل کا انعقاد کیا تھا جو بحمد اللہ آج تک اسی طرح پوری پاکیزگی اور شان وشوکت کے ساتھ جاری ہے، اسی سبب سیفی صاحب کو اپنے گھر میں یہ جو نعتیہ ماحول ملا وہ ان کی نعت گوئی کی صلاحیتوں کے لیے انتہائی مثبت اور سازگار ثابت ہوا۔ عشق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چاشنی بھی انھیں وراثت میں ملی تھی جس پر سیفی صاحب کے مزاج کی مذہبی روِنے اور بھی جلا بخشی وہ ایک پختہ عقیدے کے مذہبی انسان تھے۔ افسوس محترم ڈاکٹر مرزا احمد حسین سیفی امروہوی نے 3رمئی 2012ء میں وفات پائی۔ آپ کے دو شعری مجموعے پہلا غزلیات کا ''لہو رنگ'' 1980ء میں دوسرا نعتوں کا ''نکہتیں'' 2003ء میں شائع ہوئے۔

قرآن پاک کی تلاوت مع ترجمہ وتفسیر آپ کی زندگی کا محبوب مشغلہ تھا۔ دوسرے سیرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ آپ کا ایمانی ذوق وشوق، سیرت مبارکہ کی شاید ہی کوئی کتاب آپ کے مطالعہ سے اچھوتی رہی ہو۔ اسی سبب آپ کی نعتوں میں سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی خوبصورت جھلکیاں ملتی ہیں۔ ملاحظہ ہوں ان کی نعوت کے چند نمونے:

نور احمد ﷺ ہی تو شہکار ہے پہلا تیرا
تو ہے یکتا تو ہے محبوب ﷺ بھی یکتا تیرا

دولتِ قلب ونظر، ذکر ہے آقا ﷺ تیرا
ہے مرے حجرۂ جاں میں بھی اُجالا تیرا

تیری منزل کا تصور نے بھی پایا نہ سراغ
اور سب کی جو ہے منزل وہ ہے جادہ تیرا

شوق کتنا ہے ترے امّتی کہلانے کا
کلمہ پڑھتے ہوئے آئیں گے مسیحا تیرا

تیرے ارشادِ گرامی کی فضاؤں میں ہے گونج
اور آفاق میں پھیلا ہے اُجالا تیرا

تو ہی تکمیلِ ہدایت کا ہے عنوانِ جلی
اور محفوظ ہے تا حشر صحیفہ تیرا

تو کہ تھا عرش مکیں، فرش پہ ٹھہرا اک عمر
ہم غریبوں پہ یہ احسان ہے کیسا تیرا

......

کون سمجھے، کون جانے، عظمتِ ذاتِ رسول ﷺ
بس خدا کے علم ہی میں ہیں مقاماتِ رسول ﷺ

ختم کس منزل پہ ہوتے ہیں مراتب آپ ﷺ کے
جانے کس نقطے سے ہوتی ہے شروعاتِ رسول ﷺ

تشنہ ذہنوں کو کیا سیراب تیرے فیض نے
کیا ادا ہے تیری اے حسنِ عنایاتِ رسول ﷺ

حشر تک تبدیلیوں کی اب کوئی حاجت نہیں
اتنی جامع اور مکمل ہیں ہدایاتِ رسول ﷺ

لیجیے ہر ہر عمل کا جائزہ یہ سوچ کر
بر سرِ محشر نہ ہوں مجروح جذباتِ رسول ﷺ

زیست کے سب مسئلے سرکار ﷺ ہی سے پوچھیے
سب مسائل کا یقینی حل، جواباتِ رسول ﷺ

جس پہ نظریں ڈال دیں دنیا بدل کر رہ گئی
اہلِ دل سے پوچھیے طرزِ فتوحاتِ رسول ﷺ

زندگی کا کارواں جس موڑ پر تھکنے لگے
کام ہر اُس موڑ پر آئیں گے خطباتِ رسول ﷺ

ہم گنہ گارانِ امت کو ہے بخشش کی امید
اس سے بڑھ کر اور کیا ہوں گی مراعاتِ رسول ﷺ

جو ابھی تک فرش پر تھا، ہے ابھی وہ عرش پر
ہیں فضائے لامکاں میں بھی مکاناتِ رسول ﷺ

تم کو سیفیؔ نعت گوئی پر کوئی قدرت نہیں
تم گِنا سکتے ہو کیا جملہ کمالاتِ رسول ﷺ

......

نور پیکر ہیں وہ، نوری ہے سراپا اُن ﷺ کا
قیدِ الفاظ میں کب آئے کا حُلیہ اُن ﷺ کا

ہر زمانے نے دیا دہر کو مژدہ اُن ﷺ کا
از ازل تا بہ ابد، سارا زمانہ اُن ﷺ کا

اپنے مالک کی ہر اک شے پہ ہے قبضہ اُن ﷺ کا
بستیاں اُن کی کی ہیں، بحر اُن کے ہیں صحرا اُن ﷺ کا

گلستانوں کو، بیابانوں کو، صحراؤں کو
سب کو سیراب کیا کرتا ہے دریا اُن ﷺ کا

جاہلیت کی کڑی دھوپ جہاں تیز ہوئی
ابرِ رحمت بھی وہیں ٹوٹ کے برسا اُن ﷺ کا

جو سماعت کو گرفتار کرے، دل چھینے
انقلاب آفریں کیسا تھا وہ لہجہ اُن ﷺ کا
سیکڑوں صدیوں پہ بھاری ہیں وہ تیئیس برس
اور یہ اتنا بڑا کام ہے تنہا اُن ﷺ کا
مفلسوں کے لیے تسکین کا سامان ہے یہ
یوں ہے پیوند سے آراستہ کُرتا اُن ﷺ کا
اُن ﷺ کے اوصافِ حمیدہ کا ٹھکانا کیا ہے؟
جب قصیدہ پڑھیں اوصافِ حمیدہ اُن ﷺ کا
دن جو ذہنوں میں نکالا ہے وہ ڈھلتا ہی نہیں
رات ہونے نہیں دیتا ہے سویرا اُن ﷺ کا
آج تک اُن ﷺ کے کے تعطّر سے بسی ہے دنیا
’نکہتیں‘ بانٹتا رہتا تھا پسینہ اُن ﷺ کا
جب ضرورت ہو تو بہنے پہ بھی آجاتا ہے
اُنگلیوں میں بھی چھپا رہتا ہے دریا اُن ﷺ کا
میں کسی اور طرف جاؤں گا کیسے سیفیؔ؟
میرے پیروں کو تو بس لگتا ہے رستہ اُن ﷺ کا

افسر حسن بیگ افسر امروہوی

کھول دے مجھ پہ کہ نعت شہِ والا ﷺ کیا ہے
مبتدی ہوں مرے مولا مجھے آتا کیا ہے

اس خوبصورت شعر کے تخلیق کار جنھیں عوام وخواص جناب مرزا افسر حسن بیگ افسؔر امروہوی کے نام سے جانتے ہیں جن کی ولادت 9/مئی 1942ء کو مغل گیٹ محلّہ چاہ غوری امروہہ کے ایک معزز ذی علم گھرانے میں ہوئی۔ والد محترم کا اسم گرامی مرزا محبّ حسن بیگ تھا، افسؔر امروہوی نے امروہہ سے ہائی اسکول، انٹر، بی.اے. کرنے کے بعد کے.جی.کے کالج، مرادآباد سے پولیٹکل سائنس میں ایم۔اے. کیا اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے بی.ایڈ.، پھر ایک ملازمت کے سلسلے میں ممبئی گئے جہاں آپ نے دوران ملازمت اردو میں ایم۔اے. کیا۔ بعد میں انگریزی میں بھی ایم۔اے. کیا۔ مختلف مقامات پر اردو اور انگریزی کے استاد کی حیثیت سے تدریسی خدمات انجام دیں اور اس میدان میں خاصہ نام کمایا۔ بحیثیت انگلش لکچرار گورنمنٹ انٹر کالج، امروہہ سے سبکدوش ہوئے۔ 31/مارچ 2016ء کو اس دارفانی سے کوچ فرمایا۔ 2004ء میں ایک نعتیہ مجموعہ ’’سرمایہ‘‘ کے نام سے شائع کیا تھا۔ غزلیات کا مجموعہ ان کے فرزند عزیزم ڈاکٹر دانش مرزا نے ’’لطفِ غزل‘‘ کے نام سے 2019ء میں اور ایک نعتیہ مجموعہ ’’گدائے کوچۂ حسان‘‘ کے نام سے 2021ء میں شائع کیا۔

افسؔر امروہوی پیدائشی اور وہبی شاعر تھے۔ ان کی غزلیات بالخصوص نعت ومناقب کی سب سے بڑی اور اہم خوبی ان کی سادگی اور دریا کی سی روانی ہے۔ اس سادگی روانی وسلاست کے ساتھ ہی نعت

گوئی کی تمام تر باریکیوں کو نظر میں رکھتے ہوئے افسؔر امروہوی نے نعت گوئی کی ہے۔آپ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ عقیدت ومحبت بلکہ عشق کو ہی ساری عبادتوں، ریاضتوں اور علم و ہنر کی دولتوں کی بنیاد مانتے ہیں۔ملاحظہ ہو آپ کا یہ خوبصورت خیال بلکہ عقیدہ:

عشق جب نہیں ہے رشتۂ عقیدت کیا — زہد کیا، عبادت کیا، علم کیا، ریاضت کیا

اسی نعت پاک کا ایک اور شعر:

ان کے نقش پا ڈھونڈو ان کے نقش پا چومو — اور ہے شریعت کیا اور ہے طریقت کیا

بلاشبہ مرزا افسر حسن بیگ افسؔر امروہوی عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں سرشار ہو کر نعت گوئی کرتے ہیں اور انھیں کسی نام ونسب اور لقب کی ضرورت نہیں وہ صرف اور صرف اپنے آقا رحمت عالمیان محبوب ذوالمنن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیوانہ کہوانا پسند کرتے ہیں خود فرماتے ہیں:

افسؔر نہ کہا جائے مرزا نہ کہا جائے — مجھ کو مرے آقا ﷺ کا دیوانہ کہا جائے

جناب افسؔر امروہوی کی نعت گوئی پر تبصرہ کرنا یا کوئی رائے دینا اس طفل مکتب کے بس کا کھیل نہیں ایک تو نعت پاک جیسی اہم معتبر نازک اور انتہائی مشکل صنفِ سخن اور وہ بھی افسؔر امروہوی کے قلم اعجاز رقم کی رقم کردہ۔بس اپنے چند پسندیدہ اشعار نعت یہاں نقل کرتا ہوں:

ان سے ہٹ کر گمرہی ہی گمرہی ہے دوستو — اپنے گھر کا راستہ پوچھو گے اپنے گھر کے پاس
بھیڑ کے ساتھ دیوانہ بھی چلا آئے گا — ہاں مگر چاہتا یہ ہے کہ اکیلا بھی ملے
گنبد خضریٰ پہ کیسے لب کھلیں گے دوستو — گھر سے چلتے وقت عرض مدعا کرتے چلو
وہ مدینے میں ہیں یا عشاق کے سینے میں ہیں — عمر گزری ہے اسی گتھی کو سلجھاتے ہوئے
ایک دل جیت کے ہو جاتا ہے حج اکبر — سوچیے کتنے دلوں پر ہے حکومت ان ﷺ کی
ہزار جانیں بھی ہوتیں تو ان پہ قربان تھیں — اس ایک جان پہ ہم کیا اگر مگر کرتے
ترا خیال جو عنوان زندگی نہ رہے — ہمارے جینے کی کوئی سبیل ہی نہ رہے
دہر میں سایہ نہ تھا، یا تھا یہ تم جانو مگر — حشر میں تو سائبانی ہے مرے آقا کی ذات
کام بس اللہ کا ہے مدحت ذات رسول ﷺ — اور کوئی جانتا کب ہے مقامات رسول ﷺ
ممکن نہیں کوئی ترے احساں اتار دے — چاہے قدوم پاک پہ تن من بھی وار دے
یا رب سکون دل کا خزانہ اسی میں ہے — عشاقِ مصطفیٰ ﷺ کو دل بے قرار دے
جو رات دن سلام انھیں بھیجتا رہے — اس کو سلامی گردشِ لیل و نہار دے

پڑھ کر میں ان کی نعت جو سویا تو یوں لگا — جیسے دعا مجھے کوئی شب زندہ دار دے

......

نبی ﷺ کے در پہ ہو آنا کسے اچھا نہیں لگتا — دو عالم لوٹ کر لانا کسے اچھا نہیں لگتا
غلامی ان کی ﷺ انسانوں کی فطرت کا تقاضہ ہے — کہ قسمت کا سنور جانا کسے اچھا نہیں لگتا
یہ گستاخی ہے، ہم سب جانتے ہیں پھر بھی کیا کیجیے — کہ قدموں سے لپٹ جانا کسے اچھا نہیں لگتا
جہاں خودداریوں پر حرف آ سکتا نہ ہو کوئی — وہاں پر ہاتھ پھیلانا کسے اچھا نہیں لگتا
اٹھاتا ہوں جب آئینہ تو ہمت ٹوٹ جاتی ہے — نہیں تو ان کے گھر جانا کسے اچھا نہیں لگتا

......

نبی ﷺ کے نام پہ مرنا جنھیں نہیں آتا — قسم خدا کی وہ بے موت مرنے لگتے ہیں

......

ہر اک کو صاحب صدعز و جاہ مت کہیو — گدا جو ان کا نہ ہو اس کو شاہ مت کہیو
تلاش جلوۂ خیرالوریٰ ﷺ میں شرط یہ ہے — کسی بھی دوری کو حد نگاہ مت کہیو
شفیع روز جزا ﷺ سے نہ پوچھ لو جب تک — مرے گناہوں کو ہرگز گناہ مت کہیو
اگر وہ خاک کف پا ملی ہو چہرے پر — تو رو سیاہ کو بھی رو سیاہ مت کہیو
جو اس سفر میں لبوں پر نہ ہو درود و سلام — تو زادِ راہ کو بھی زادِ راہ مت کہیو
تمہارے سوز دروں کا خدا ہے خود شاہد — تم اپنے آپ کو افسرؔ گواہ مت کہیو

آخر میں جناب افسرؔ امروہوی کے حقیقت پر مبنی یہ دو شعر سنا کر اپنی بات مکمل کرتا ہوں:

کسی سے میرے آقا ﷺ کی ثنا ممکن نہیں افسرؔ — کوئی بندہ کرے کارِ خدا ممکن نہیں افسرؔ
وہ تو یہ حشر میں اک آسرا ہو جائے گا — مجھ سے کیا ان کی ثنا کا حق ادا ہو جائے گا

مرزا حامد حسین حامدؔ امروہوی

جناب مرزا حامد حسین حامدؔ امروہوی ابن حافظ مرزا عبدالرؤف رؤفؔ امروہوی کی ولادت 20 / جولائی 1936ء کو ہوئی۔ امام المدارس سے ہائی اسکول اور انٹر کرنے کے بعد جامعہ اردو سے ادیب کامل کیا اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں غیر تدریسی عملہ میں ملازمت اختیار کی۔ 1991ء میں یونیورسٹی کی ملازمت سے سبکدوشی کے بعد امریکہ چلے گئے۔ شعر گوئی بالخصوص نعت گوئی کا ملکہ اور

جذبہ وراثت میں ملا تھا۔ ابتداً چند غزلیں کہیں پھر ماحول اور دلی جذبہ کے سبب نعت گوئی کی طرف میلان ہوا تو مکمل زندگی نعت گوئی کے لیے وقف کردی۔ آپ کی نعت گوئی کے سلسلے میں جناب شمیم جے پوری مرحوم لکھتے ہیں:

> ''حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی عقیدت کا اظہاران کی نعتیہ شاعری میں اس شدت سے ہوتا ہے کہ ہر شخص کے دل پر اس کا تاثر قائم رہتا ہے۔ دل کی گہرائی سے ابلنے والے جذبات کی کیفیت اور ہر شعر آمد کا ثبوت ہے۔''

آپ کے سات نعتیہ شعری مجموعے شائع ہوئے یعنی ''مدحت کے پھول'' (1995)، ''خیابانِ ارم'' (2000)، ''جوئبارِ بخشش'' (2004)، ''وسیلۂ بخشش'' (2008)، ''ذریعۂ بخشش'' (2005)، ''نعت خوانی سے نعت گوئی تک'' (2016)، ''یادِ مدینہ'' (2017) ان کے علاوہ آپ نے اپنے والدِ محترم جناب مرزا عبدالرؤف صاحب رؔوف امروہوی کے احوال وآثار اور نمونۂ کلام پر ایک کتاب ''سرمایۂ رؤف امروہوی'' 2007ء میں مرتب کر کے شائع کی۔ آپ کی اہلیہ محترمہ سردار خانم مخؔفی امروہوی بھی ایک اچھی شاعرہ ہیں، آپ نے ان کا بھی کلام ''متاعِ مخفی'' کے نام سے 2005ء میں شائع کیا۔

جناب حاؔمد امروہوی اپنی خاندانی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے جذبۂ عشق محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھرپور نعتیہ اشعار قلم بند فرماتے تھے۔ راقم الحروف سے آپ کی اکثر ملاقاتیں رہیں، سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر پہلوؤں پر گفتگو کرتے ہوئے آپ کی آنکھیں اشک بار ہو جاتی تھیں اور سامع کو بھی اپنے دلی جذبے سے رلا دیتے تھے۔ خدا مغفرت کرے۔ آمین۔ آپ نے 29/جولائی 2022 مطابق 29/ذی الحجہ 1443ھ، بروز جمعہ امریکہ میں وفات پائی۔ نمونتاً حاؔمد امروہوی صاحب کی چند نعت پاک ملاحظہ ہوں:

شاہِ دیں سلطانِ خوباں الصلوٰۃ والسلام
خلق پر خالق کے احساں الصلوٰۃ والسلام

اے علاجِ دردِ عصیاں الصلوٰۃ والسلام
راحتِ قلبِ پریشاں الصلوٰۃ والسلام

باعثِ ایجادِ عالم آپ پر لاکھوں درود
قصۂ ہستی کے عنواں الصلوٰۃ والسلام

بے سہاروں کے سہارے بے نواؤں کی نوا
بے سروساماں کے ساماں الصلوٰۃ والسلام

عالمِ امکاں میں آقا ﷺ آپ وہ تخلیق ہیں
خود ہے خالق جس پہ نازاں الصلوٰۃ والسلام

رحمۃ للعالمیں ﷺ اے جانِ ایمان و یقیں
جانِ حسرت جانِ ارماں الصلوٰۃ والسلام

کاش پھر اک بار حامدؔ جا کے روضے پر کہے
شاہِ دیں ﷺ سلطانِ خوباں ﷺ الصلوٰۃ والسلام

......

وجہِ کون و مکاں آگئے ۔۔۔ صدرِ بزمِ جہاں آگئے
رونقِ دو جہاں کیوں کہوں ۔۔۔ باعثِ دو جہاں آگئے
مژدہ ہو تم کو اہلِ جہاں ۔۔۔ سرورِ دو جہاں آگئے
آخری لے کے پیغامِ حق ۔۔۔ آج حق کی زباں آگئے
خوف گمراہیوں کا گیا ۔۔۔ رہبرِ کارواں آگئے
لے کے پیغامِ "لا تقنطوا" ۔۔۔ شافعِ عاصیاں آگئے
کیوں نہ حامدؔ منائیں خوشی ۔۔۔ سرورِ انس و جاں آگئے

......

باغِ جنت سے حسیں کیوں نہ ہو کوچا اُن ﷺ کا ۔۔۔ جس کی گلیوں میں مہکتا ہے پسینا اُن ﷺ کا
اُن ﷺ کے الطاف و کرم کا تو ٹھکانا کیا ہے ۔۔۔ بھیک دیتا ہے شہنشاہوں کو منگتا اُن ﷺ کا
وہ جو خود اپنے غلاموں کو قبائیں بخشیں ۔۔۔ نہیں پیوند سے خالی کوئی کرتا اُن ﷺ کا
بے نواؤں کو نوا ان کے کرم نے بخشی ۔۔۔ بے سہاروں کا سہارا ہے سہارا اُن ﷺ کا
ختم ہوتی ہے جہاں سرحدِ فہم و ادراک ۔۔۔ اس سے آگے ہے کہیں نقشِ کفِ پا اُن ﷺ کا
میری دنیا میں تو ہر وقت سحر رہتی ہے ۔۔۔ شام ہونے نہیں دیتا ہے اجالا اُن ﷺ کا

اُس کی راہوں میں میں پلکوں کو بچھاؤں حامدؔ
کہیں مل جائے اگر دیکھنے والا اُن ﷺ کا

مرزا ساجد حسین ساجدؔ امروہوی

جناب مرزا ساجد حسین ساجدؔ امروہوی ابن مرزا حافظ عبدالرؤف صاحب رؤفؔ امروہوی کی ولادت 18/جون 1943ء ہوئی۔ ساجدؔ امروہوی صاحب بڑے ذی علم انسان ہیں۔ ڈگریوں کے حساب سے وہ بی۔ایس سی۔، بی۔ایڈ۔ اور تین سبجیکٹس معاشیات (1974)، انگریزی (1980)، تاریخ (1986) میں ایم۔اے ہیں۔ ساتھ ہی اسلامیات، سیرتِ نبوی اور تصوف کا بڑا گہرائی

و گیرائی اور عقیدت و بصیرت سے مطالعہ کیا ہے اور اپنی عملی زندگی میں اس کے اصولوں کو اتارا اور برتا ہے۔ اردو زبان کے ساتھ انگریزی زبان و ادب کے لٹریچر کا اچھا مطالعہ کیا ہے۔ انگریزی زبان پر اچھی مہارت اور پکڑ ہے۔ تصوف، قرآن مجید، سیرت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مطالعہ ان کا محبوب مشغلہ ہے۔ جناب مرزا ساجد حسین ساجدؔ امروہوی سرزمین امروہہ کی ان ذی علم شخصیات میں سے ہیں جن کو راقم الحروف نے خوب خوب دیکھا، پرکھا اور جانا ہے۔ بالخصوص اکتساب فیض کیا ہے۔ مخدومی پروفیسر نثار احمد فاروقی کی طرح محترم ساجدؔ صاحب بھی اپنے بعض عقائد میں خاصے شدت پسند ہیں مگر ان کا جذبۂ عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان کی عشق و محبت سے بھری نعتیہ شاعری احقر کو کبھی ان سے بدظن نہیں ہونے دیتے۔ احقر معنوی طور پر انھیں اپنا مرشد اور آئیڈیل مانتا ہے۔ میں نے اکثر آپ کے اس دست مبارک اور اس قلم کو چوما ہے جس سے وہ اتنی خوبصورت نعتیں رقم فرماتے ہیں۔ ساجد صاحب ایک فطری و وہبی شاعر ہیں، غزل گوئی میں بھی اپنا الگ ہی رنگ و مزاج رکھتے ہیں۔ آپ کی غزلیہ شاعری کا مزاج پرکھنے کے لیے چند ملاحظہ ہوں

زندگی ان کے ساتھ آئی تھی — پھر اسے عمر بھر نہیں دیکھا
در بدر اے مصیبتو کیوں ہو — تم نے کیا مرا گھر نہیں دیکھا

......

کم سے کم ہم کو تڑپنے کا سلیقہ آیا — ہم ترے طرزِ تغافل کو دعا دیتے ہیں

ساجدؔ امروہوی صاحب غزل، نعت و مناقب، نوحہ و سلام کے ساتھ ہی نثری میدان میں بھی تحقیقی و تنقیدی اور صوفیانہ مضامین خوب لکھتے ہیں۔ آپ کے مندرجہ پانچ نعتیہ مجموعوں ''راز بخشش''، ''گہر بخشش''، ''گہوارۂ بخشش''، ''رحل بخشش''، ''آرزوئے بخشش''، ''نظام اہل بیت'' (مناقب کا مجموعہ) کے ساتھ ہی ایک مجموعہ غزل گوئی میں ''دسترس'' ہے، ''انوارِ رؤف''، ''ذریعۂ نجات (نعتیہ و صوفیانہ مضامین کا مجموعہ) وغیرہ کتب شائع ہو چکی ہیں۔ مرزا ساجد حسین ساجدؔ امروہوی کا کچھ نعتیہ کلام:

نظر کا نور ہیں وہ قلب کا سرور ہیں وہ — وہ میرے جان و جگر ہیں مرے حضور ہیں وہ
نبی ﷺ سے عشق ہے جن کو جنون کی حد تک — مری نگاہ میں بس صاحبِ شعور ہیں وہ
اُتر کے قلب میں اپنے میں ان کو جا دیکھوں — مجھے یہ لگتا ہے دل میں مرے ضرور ہیں وہ
ہیں سنگ ہاتھ میں گویا شجر ہیں سربسجود — وجود خالقِ کونین کا ظہور ہیں وہ
جو صرف ان کو بشر کہہ کے ٹال دیتے ہیں — فتور ان کی نظر میں ہے بے شعور ہیں وہ

نہ جانے ان سے ہے کیا گفتگو شبِ معراج کوئی نہیں ہے بس اللہ کے حضور ہیں وہ
ہم ان کو جاں سے زیادہ قریں سمجھتے ہیں جو ان کو دور سمجھتے ہیں ان سے دور ہیں وہ
یہ پشت پر ہے جو اک ہاتھ میری مشکل میں وہ کوئی اور نہیں ہے مرے حضور ہیں وہ
وہ جان سکتے ہیں جو کر دیں شرحِ او ادنیٰ خدا سے کتنے قریب اور کتنے دور ہیں وہ
مجھے بھی لے لیا ساجدؔ انھوں نے امت میں
انھیں پہ ناز ہے مجھ کو مرا غرور ہیں وہ

......

خوفِ حساب خوفِ قبر فکرِ مآل لے گئی نسبتِ کوئے مصطفےٰ ﷺ سارے وبال لے گئی
صورت انھیں دکھا سکوں ایسے عمل نہ تھے مرے اُن کے حضور تو مری صورتِ حال لے گئی
طائرِ شوق کو کوئی حاجتِ بال و پر نہ تھی حسرتِ دیدِ مصطفےٰ ﷺ بے پر و بال لے گئی
زلفِ نبی ﷺ کو چھو کے جب آئی نسیم با ادب اِذنِ نشاط دے گئی گردِ ملال لے گئی
قُربِ شہِ حجاز تک اُن کی حریمِ ناز تک اوجِ خیال کی قسم موجِ خیال لے گئی
حالتِ دل تباہ تھی ظلمتِ شب کی راہ تھی شمعِ جمالِ مصطفےٰ ﷺ صاف نکال لے گئی
امتِ مسلمہ پہ یوں کفر کا وار چل گیا گردشِ وقت ہاتھ سے خُلق کی ڈھال لے گئی
اک نگہہِ عمل طراز مجھ پہ بھی ہو شہِ حجاز یہ مِری بے حسی مِرے سارے کمال لے گئی
ساجدؔ کم نگاہ دیکھ بے عملی نے کیا کیا
عزمِ حسین لے گئی سوزِ بلال لے گئی

......

نہ ہم سے پوچھ درِ مصطفےٰ ﷺ سے کیا لائے ہم اپنی وسعت داماں سے بھی سوا لائے
رہِ نجات پہ چلنے کا حوصلہ لائے چراغِ عشق نبی ﷺ قلب میں جلا لائے
کہو صبا سے کہ وہ اب کی بار طیبہ سے شمیم گیسوئے محبوب کبریا لائے
ہم اُن کے کوچے سے اک عمر کے گزارے کو بچا کھُچا جو فقیروں کا تھا اُٹھا لائے
غرور نام و نسب اُن کے در پہ ترک کیا شعورِ زیست بہ اندازِ اولیاء لائے
بس اب تو خاکِ درِ مصطفےٰ ﷺ شفا دے گی ہم اپنا زخم جگر ہر جگہ دکھا لائے
جو لائے اپنے لیے زائرو وہ تم جانو ہمارے دردِ جگر کی بھی کچھ دوا لائے

گھلا ہوا ہے فضاؤں میں جو مدینے کی ۔۔۔ ہم اپنی روح کو اس عطر میں بسا لائے
میں پہلے آ گیا اب کے نہ آؤں گا واپس ۔۔۔ درِ حضور ﷺ پہ اک بار پھر خدا لائے
حضوریٔ درِ آقا نصیب ہے اس دم ۔۔۔ مری قضا کو اسی دم کوئی بلا لائے
ہر ایک لمحہ تڑپ حاضری کی بارِ دگر ۔۔۔ ہم اپنے دل کو نیا اک مرض لگا لائے
بہ فرطِ شوق وفاداریٔ نبی ﷺ صدیق ۔۔۔ اثاثہ جتنا تھا گھر میں وہ سب اُٹھا لائے

جسے رضائے خدا کی ہو جستجو ساجدؔ
وہ پہلے سید کونین ﷺ کی رضا لائے

مولوی محمد سعدؔ امروہوی

مولوی محمد سعدؔ امروہوی ابن حضرت مولانا سید طاہر حسین صاحبؒ شیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ کی پیدائش یکم جنوری 1961ء محلّہ چاہ ملا امان کے ایک ذی علم اور صاحب فضل و کمال گھرانے میں ہوئی۔ آپ کے والد ایک مرتاض بزرگ اور عالم دین ہونے کے ساتھ ہی ایک بہترین ادیب بھی تھے، کئی کتابوں کے مصنف تھے جس میں ''پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم'' کو خاصی شہرت و مقبولیت حاصل ہے۔

مولوی محمد سعدؔ امروہوی نے مولوی، عالم، فاضل کے ساتھ ہی فن تجوید و قرأت کی بھی اسناد حاصل کیں اور ساتھ ہی دنیاوی اعتبار سے بی.اے. آنرز بھی کیا مگر اپنی افتادِ طبع کے مطابق کسی ملازمت کو پسند نہیں کیا۔ 16/برس کی عمر یعنی 1975ء سے شعر و شاعری کی ابتداء کی اور مرزا افسر حسن بیگ افسرؔ امروہوی کی شاگردی اختیار کی۔ ابتداءً کچھ غزلیں لکھیں مگر پھر نعت گوئی کی طرف التفات کیا اور اس میں وہ کمال پیدا کیا ہے کہ آج سرزمین امروہہ میں نوجوان نسل کے نمائندہ، مشہور و معروف نعت گو ہیں۔ دور دراز مقامات کے مشاعروں میں اپنی نعت گوئی بالخصوص نعتیہ گیتوں کا لوہا منوا چکے ہیں۔ اللہ رب العزت عمر دراز عطا فرمائے۔ آمین

مولانا محمد سعد امروہوی صاحب کے نعتیہ مجموعۂ کلام ''الہامی نغمے'' پر تبصرہ کرتے ہوئے راقم الحروف نے لکھا تھا کہ:

> ''مولانا سعدؔ امروہوی کے ان نعتیہ الہامی نغموں میں جو کیفیت، جو پاکیزگی اور طہارت، جو محویت و وجد آفرینی، جو عذب بیانی، جو سوز و ساز، جو دل بستگی و سرشاری، جو شائستگی اور وقار، جو تازگی و شگفتگی اور جو آگہی و شعوری

ہے وہ صرف سننے اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے اس کا بیان مشکل ہے۔ کیونکہ ان الہامی نغموں کو پڑھ کر مجھے الفاظ کے اسلوب پر قابو نہیں رہا بلکہ یہ کیفیت ہے کہ ''گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔''

ہر سانس درودوں کی خوشبو میں بسا رکھو
گلدستے سلاموں کے ہونٹوں پہ سجا رکھو

طیبہ سے کوئی قاصد کس وقت چلا آئے
آقا نے بلایا ہے مژدہ یہ سنا جائے
تا حدِ نظر پلکیں رستوں پہ بچھا رکھو
ہر سانس درودوں کی خوشبو میں بسا رکھو

پہنچیں گے قدم جس دم طیبہ کی بہاروں میں
ہم لوگ نہائیں گے رحمت کی پھواروں میں
گلہائے عقیدت سے مہکے گا چمن سارا
تکبیر کے نعروں سے گونجے گا گگن سارا
ماحول بنا رکھو سامان بندھا رکھو
ہر سانس درودوں کی خوشبو میں بسا رکھو

روضے کی زیارت بھی آقا کی زیارت ہے
اس در کی زیارت ہو کیا کم یہ سعادت ہے
گزرا ہوا ہر لمحہ سرکار کے کوچے کا
محشر میں دیوانوں کو کوثر سے پکارے گا
یہ شمع یقیں اپنے سینوں میں جلا رکھو
ہر سانس درودوں کی خوشبو میں بسا رکھو

جب گنبدِ خضرا سے لپٹے گی دعا اپنی
سرکار کے قدموں میں مچلے گی دعا اپنی
اک جوش سا آئے گا اللہ کی رحمت کو
آئیگی سدا ان کو جو مانگیں عطا کردو
اے پیارے نبی ﷺ میرے دل ان کا ذرا رکھو
ہر سانس درودوں کی خوشبو میں بسا رکھو

صدیقِ مکرّم سا ہو کوئی بشر پیدا
منصف ہو عطا ہم کو پھر کوئی عمر جیسا
عثماں سی حیا ساری امت کو عطا کر دے
ملّت کے جوانوں کو پھر جرأتِ حیدر دے
ہر وقت زبانوں پہ بس یہ ہی دعا رکھو
ہر سانس درودوں کی خوشبو میں بسا رکھو

شفقت کی نہیں ملتی تمثیل کہیں اس کی
شب کوئی بنا روئے گزری ہی نہیں اس کی
امت کو کوئی ایذا کب اس کو گوارا ہے
اے سعدؔ وہی اپنی بخشش کا سہارا ہے
بس یاد رکھو اس کو دنیا کو بھلا رکھو
ہر سانس درودوں کی خوشبو میں بسا رکھو

......

کھا کے پتھر جسم سارا خوں میں تر ہوتے ہوئے
ہیں دعا گو دو جہاں کے تاجور ہوتے ہوئے
اللہ اللہ کیسا ہوگا ان نمازوں میں خشوع
جانے کیسے سجدے کرتے ہونگے اور کیسے رکوع

میرے آقا تین پتھر پیٹ پر ہوتے ہوئے
کھا کے پتھر جسم سارا خوں میں تر ہوتے ہوئے

دیکھیے تو سرورِ کونین ﷺ کے بستر کا حال
ہے بھری چاروں طرف سوکھے ہوئے پیڑوں کی چھال

اور خوش ہیں ہاتھ کے تکیے پہ سر ہوتے ہوئے
کھا کے پتھر جسم سارا خوں میں تر ہوتے ہوئے

رنگ لے آئے کسی صورت نہ مکے کا جلال
رحمت للعالمیں ہے آپ کی ذاتِ جمال

یوں مدینے آ گئے مکّے میں گھر ہوتے ہوئے
کھا کے پتھر جسم سارا خوں میں تر ہوتے ہوئے

میرے اور میرے خدا کے بیچ پیغمبر بھی وہ
شافعِ محشر بھی وہ اور ساقیِ کوثر بھی وہ

پھر بھلا جاؤں کہاں میں ان کا در ہوتے ہوئے
کھا کے پتھر جسم سارا خوں میں تر ہوتے ہوئے

دیکھ لیں اک بار تو ہم بھی ذرا کوئے حبیب
کاش ہم کو بھی مدینے کی زیارت ہو نصیب

فخر کرتا ہے جہاں ٹکڑے قمر ہوتے ہوئے
کھا کے پتھر جسم سارا خوں میں تر ہوتے ہوئے

ہاں وہی اللہ کے محبوب ہیں اس کے سوا
حق تعالیٰ کے خلیفہ بھی ہیں میرے مصطفیٰ ﷺ

عرش پر یونہی گئے تھے وہ بشر ہوتے ہوئے
کھا کے پتھر جسم سارا خوں میں تر ہوتے ہوئے

ناز کرتا ہے خدا جنکی رحیمی پر سدا
وہ اگر ہوں سامنے تو سعدؔ ایماں ہے مرا

دیکھ سکتے ہی نہیں یہ آنکھ تر ہوتے ہوئے
کھا کے پتھر جسم سارا خوں میں تر ہوتے ہوئے

......

دنیا میں نہیں کچھ بھی حسیں تیرے برابر
ہے کتنی کشش خانۂ کعبہ تیرے اندر

پڑتے ہی نظر تجھ پہ ابل آتے ہیں آنسو
روکے نہیں رکتے ہیں نکل آتے ہیں آنسو

ملتا ہے سکوں بس تجھے سینے سے لگا کر
ہے کتنی کشش خانۂ کعبہ تیرے اندر

ہے شائقِ دیدار ترا سارا زمانا
ہے تیری بدولت ہی تو سجدوں کا ٹھکانا

رخ تیری طرف کرکے ہی جھکتا ہے ہر اک سر
ہے کتنی کشش خانۂ کعبہ تیرے اندر

ان لاکھوں دوانوں کا ذرا دیکھ تو عالم
لبیک زبانوں پہ ہے اور آنکھیں ہیں پُرنم

باندھے ہوئے احرام لگاتے تیرے چکر
ہے کتنی کشش خانۂ کعبہ تیرے اندر

اک سمت ہے اسود تو ادھر رکن یمانی
اک سمت حطیم اپنی سناتا ہے کہانی

ہے بھیڑ قیامت کی لگاتار انہیں پر
ہے کتنی کشش خانۂ کعبہ تیرے اندر

یہ جھوم کے چلتی ہوئی نورانی ہوائیں
ہر سمت ہیں چھائی ہوئی رحمت کی گھٹائیں

میزاب سے رحمت کے برسنے کا یہ منظر
ہے کتنی کشش خانۂ کعبہ تیرے اندر

آواز اذانوں کی اقامت کی صدائیں
سن سن کے یہاں رک نہیں پاتی ہیں بلائیں

ہر ایک زباں ذکر الٰہی سے معطر
ہے کتنی کشش خانۂ کعبہ تیرے اندر

یہ وقت تہجد ہے تو رونق ہے بلا کی
موجود ہیں سب ناری ہوں نوری ہوں کہ خاکی

راتیں تو تری دن سے زیادہ ہیں منور
ہے کتنی کشش خانۂ کعبہ تیرے اندر

ایک شور ہے توحید کے نغموں کا فضا میں
مقبول تجھے دیکھ کے ہوتی ہیں دعائیں

اک سجدہ ترے فرش پہ اک لاکھ برابر
ہے کتنی کشش خانۂ کعبہ تیرے اندر

مزدلفہ کی وہ رات منیٰ کا وہ بسیرا
عرفات کے میدان کا پُر کیف سویرا

کر لینا زیارت تری پھر لوٹ کے آکر
ہے کتنی کشش خانۂ کعبہ تیرے اندر

حاجی کا صفا مروہ پہ وہ دوڑ لگانا
ہر بار کنکھیوں سے تجھے دیکھتے جانا

لگتا ہے وہاں سے ترا رخ اور حسیں تر
ہے کتنی کشش خانۂ کعبہ تیرے اندر

وقتوں پہ جماعت کھڑی ہو جاتی ہے جس دم
اِن آنکھوں نے دیکھا ہے ترا وہ بھی تو عالم

کرتا ہے طواف آکے ابابیلوں کا لشکر
ہے کتنی کشش خانۂ کعبہ تیرے اندر

وہ وقت جدائی تجھے رو رو کے چپٹنا
آنکھوں سے لگانا کبھی پردے کو لپٹنا

مڑ مڑ کے نظر ڈالتے جانا ترے اوپر
ہے کتنی کشش خانۂ کعبہ تیرے اندر

دیکھے تو کوئی سعدؔ خدا کا یہ کرشمہ
ہے دھوپ قیامت کی مگر فرش ہے ٹھنڈا

سورج کو بھی راحت یہیں ہوتی ہے میسّر
ہے کتنی کشش خانۂ کعبہ تیرے اندر

☆☆☆

زاویۂ نگاہ

اقبال اعظمی (گھوسی، مئو، یو پی)

دبستان نعت ۔۶ پر تبصرہ

مدیر محترم!

دبستان نعت شمارہ ۔۵ کی دو کاپیاں موصول ہوئیں، کرم فرمائی کا شکریہ ۔۹۶۰ رصفحات پر مشتمل اتنا ضخیم مجلّہ شائع کرنے پر آپ اور سیفی صاحب کو مبارک باد۔

گوشۂ امام بوصیری علیہ الرحمہ شائع کرنا آپ کا مستحسن قدم ہے۔ ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی کے مضمون ''امام بوصیری کا نعتیہ کلام تنقیدی جائزہ'' کے علاوہ اس گوشے میں شامل تمام مضامین عمدہ ہیں۔ یہ گوشہ ۱۷۰ رصفحات پر مشتمل ہے۔

آپ کا اداریہ ۹ رصفحات پر مشتمل ہے جو عمدہ اور معلوماتی ہے، بعض جملوں میں زبان کی خامیاں در آئی ہیں:

جو کہا ہوں۔ (ص:۱۳) ''کہا ہوں'' کی جگہ ''کہا ہے'' ہونا چاہیے۔ معشوقہ سے رونے کا سبب پوچھا، اس نے کہی۔ (ص:۱۳) ''اس نے کہی''۔ کی جگہ ''اس نے کہا'' ہونا چاہیے۔

تحمید و تقدیس کے کالم میں ''حمد باری تعالیٰ'' کے عنوان کے تحت محمد نذیر الاکرام نعیمی، تنویر پھول اور شارق عدیل صاحبان کی حمد عمدہ ہیں۔

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب اپنے مضامین کے ذریعے اپنے عقائد باطلہ کی ترویج و اشاعت کر رہے ہیں۔ اپنے سابقہ مضامین میں بھی وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں گستاخی کر چکے ہیں۔ ان کا یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ زیر نظر مضمون میں وہ لکھتے ہیں: ''یہاں یہ صراحت مناسب ہے کہ بہت سے معجزات غیر معتبر روایات پہ مبنی ہیں''۔ (دبستان نعت، ۶، ص:۳۲)۔ اسی طرح انہوں نے شمارہ:۵، ص:۱۷۲ پر لکھا ہے: ''معجزات سے متعلق بہت سی روایات نا قابل اعتبار ہیں''۔ شمارہ:۶، ص:۶۲ پر لکھا: ''معجزات کے تعلق سے بہت سی روایات کمزور ہیں''۔

معجزات سے متعلق معتبر روایات پر مبنی حضرت امام بوصیری علیہ الرحمہ کے اشعار کے بارے میں

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب کے یہ تیور ہیں اور''اچھی شاعری یا نعت گوئی کے لیے ضروری نہیں کہ وہ مستند روایت یا معیاری ماخذ پر مبنی ہو'' کا قول کرنے والے شمس الرحمٰن فاروقی (جو عالم دین بھی نہیں ہیں) کی شان میں اصلاحی صاحب رطب اللسان ہیں۔ مدیر دبستان نعت ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:''اسی طرح آپ نے دنیائے تنقید کے امام شمس الرحمٰن فاروقی کے خیال سے اختلاف کیا ہے۔ فاروقی صاحب نے ایک بنیادی بات کہی ہے کہ اچھی شاعری یا نعت گوئی کے لیے ضروری نہیں کہ وہ مستند روایت یا معیاری ماخذ پر مبنی ہو۔ (دبستان نعت۔۶،ص:۸۵۴)

قارئین حضرات! دیکھا آپ نے بغیر کسی دلیل کے''معجزات کے تعلق سے بہت سی روایات کمزور ہیں'' کہہ کر اصلاحی صاحب نے امام بوصیری علیہ الرحمہ کے اشعار پر بے جا تنقید کی اور جب فاروقی صاحب کی بات آئی تو ان کے قول''اچھی شاعری یا نعت گوئی کے لیے ضروری نہیں کہ وہ مستند روایت یا معیاری ماخذ پر مبنی ہو'' کی تحسین وستائش کرنے لگے۔ قارئین حضرات! شاید ایسا تضاد آپ نے کبھی دیکھا، نہ سنا ہوگا۔ اصلاحی صاحب کا یہ تضاد اقتصادیات کی اصطلاح''پانی اور ہیرے کا تضاد'' (Water diamond paradox) سے بھی عجیب وغریب ہے۔

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب کی امام بوصیری علیہ الرحمہ کی شان میں گستاخی:

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب نے ۲۸؍جملے ایسے لکھے ہیں جو امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں گستاخی پر مبنی ہیں۔ ان جملوں میں امام بوصیری کے لیے ضمیر''اس'' کا استعمال کیا گیا ہے اور امام بوصیری کے لیے فعل واحد کا استعمال کیا گیا ہے جب کہ اردو میں بڑوں کے لیے تعظیم کے طور پر ''فعل جمع'' کا استعمال ہوتا ہے۔ وہ جملے مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) بوصیری امت مسلمہ کے احوال پر نمناک ہے۔ (۲) اب بوصیری خود اپنے احوال، اپنی دردمندی اور اپنی التماس (التماس مذکر کو مؤنث استعمال کیا گیا ہے۔) لے کر اللہ کے حضور حاضر ہے۔ (۳) نیز اپنے اضطراب اور بے چینیوں کو لے کر دربار رسول میں پہنچا ہوا ہے۔ (۴) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت ورفعت کے پیش نظر بوصیری اپنی مجبوریوں کے ساتھ دربار رسالت میں حاضر ہے۔ (ص:۴۴)

(۵) اس (امام بوصیری) کی یہ زندگی واہیات وخرافات کی نذر ہو کر رہ گئی۔ (۶) گناہوں سے

لدا ہوا ہے۔(۷) تعیّشات کو اس نے اپنا محور قرار دیا۔(۸) وہ استغفار و اناب کا خواہاں ہے۔(۹) لیکن یہی چیزیں اس کی راہ میں روڑہ ہیں۔(۱۰) منکرات میں جکڑ کر رہ گیا ہے۔(۱۱) ان دشواریوں میں سرورِ کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آس لگائے ہوئے ہے۔(۱۲) اس کی امیدیں اسی ذات اقدس سے بندھی ہوئی ہیں۔(۱۳) اس کے علاوہ کہیں اسے نجات کی کوئی کرن نظر نہیں آتی۔(۱۴) بوصیری اپنے احوال کا ذکر کرتے ہوئے بین السطور یہ بھی بتانے کا تمنائی ہے۔(۱۵) گویا وہ پوری امت سے مخاطب ہے۔(۱۶) کہ اس کی شکستہ حالی اور خانہ بربادی میں ہمارا ایک ہی چارہ گر ہے۔ (۱۷) بوصیری اس انداز میں دربار رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں دست بدعا ہے۔(ص:۴۶)

(۱۸) بوصیری کا یہی کمال ہے کہ قاری کو حبّ رسول کے تئیں جذباتی بنا دیتا ہے۔(ص:۵۰)۔ (۱۹) بوصیری اپنے عجز و انکسار کو لے کر دربار مصطفیٰ میں حاضر ہے۔(۲۰) اسے اعتقاد کامل ہے۔(۲۱) آگے کے اشعار میں بوصیری اپنے نعتیہ جذبات کو یوں منظوم کرتا ہے۔(ص:۵۳)۔(۲۲) قرآن کریم کی لسانی عظمت اور ادبی سطوت سے بوصیری واقف تھا۔(۲۳) یہی وجہ ہے کہ فضائل قرآن پر اس کی خصوصی نظر رہی۔(ص:۵۷)۔(۲۴) اس کا شعری ملکہ قرآنیات سے مستفاد رہا ہے۔ (ص:۵۹)۔(۲۵) جس میں اس (اما بوصیری) نے اپنے اشتیاق، اپنے نعتیہ رجحان کو بڑے حسین انداز میں پرو دیا ہے۔(ص:۶۰)۔(۲۶) انہیں دونوں نے اسے (امام بوصیری) امتیاز بخشا۔ (ص:۶۰)۔(۲۷) بوصیری اپنا نامۂ محبت اور اپنی کتاب تدین و تعبد کو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہمراہ کرانے کے لیے بے قرار ہے۔(۲۸) گویا وہ اس طرح صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صف میں شامل ہونے کا تمنائی ہے۔(ص:۶۲)۔

معجزات سے متعلق احادیث کا انکار:

نیا چہرہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے منکر ہیں۔ انبیا کے معجزات قرآن و احادیث سے ثابت ہیں۔ ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی صاحب لکھتے ہیں: (۱) معجزات غیر معتبر روایات پر مبنی ہیں۔ (شمارہ:۶،ص:۳۲)۔(۲) اس میں کلام نہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بہت سے ایسے عادات کا ظہور ہوا جو عام زندگی میں حیران کر دینے والی شی ءتھی۔(ص:۳۷)''عادات'' مؤنث ہے اس لیے ''ایسے'' کی جگہ ''ایسی'' ہونا چاہیے۔ یہ چیز اردو شعرا کے یہاں بھی بکثرت پائی جاتی ہے، اس تعلق سے بعض روایات کمزور ہیں۔(شمارہ:۶،ص:۳۸)۔(۳) یہ بات آچکی ہے کہ معجزات سے

متعلق بہت سی روایات قابل اعتبار نہیں ہیں۔(ص:۳۹)۔(۴) مذکورہ اشعار میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات بیان کیے گئے ہیں لیکن اس سے متعلقہ تمام روایات معتبر نہیں ہیں اور کچھ چیزیں تو عقل وفہم سے ماورا بھی ہیں۔مثلاً پتھروں کی تعمیل کا ذکر اوران کا آنا جانا بعید از قیاس ہےاور بہت سے معجزات قابل اعتبار نہیں۔(ص:۵۱)۔(۵) بوصیری کی نعتیہ شاعری میں ایک زاویہ کمزور نظر آتا ہے وہ ہے معجزات کا کثرت سے ذکر، معجزات کے تعلق سے بہت سی روایات کمزور ہیں۔(٦) آج ضعیف روایات کو لے کر مستشرقین اور مخالفین رسول طرح طرح کے اعتراضات سیرت مقدسہ پر صادر کرتے ہیں۔(ص:٦۳)۔

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب کے یہ تمام دعوے بے دلیل ہیں، ہر شخص جانتا ہے کہ دعوے کے لیے دلیل درکار ہےاور دعویٰ بلا دلیل نامسموع ہوتا ہے۔

(۱) اپنے پہلے قول میں اصلاحی صاحب نے مطلقاً تمام معجزات کو غیر معتبر روایات پر مبنی کہہ دیا مگر معجزات سے متعلق ایک حدیث کو بھی موضوع ثابت نہ کر سکے۔

(۲) اپنے دوسرے قول میں اصلاحی صاحب نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعے حیران کن عادات کے ظہور کا ذکر کیا مگر اسے معجزہ نہ کہا۔''ایسے عادات'' کی جگہ ''ایسی عادات'' ہونا چاہیے کیوں کہ لفظ ''عادات'' مؤنث ہے۔بہر حال بغیر دلیل کے ان روایات کو کمزور بتایا۔

(۳) اپنے دوسرے قول میں اصلاحی صاحب نے بعض روایات کو کمزور کہااور تیسرے قول میں بہت سی روایات کو ناقابل اعتبار بتایا، وہ بھی بے دلیل۔

اپنے چوتھے قول میں اصلاحی صاحب نے معجزات سے متعلق کہا کہ تمام روایات معتبر نہیں ہیں، وہ بھی بلا دلیل، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ کچھ چیزیں تو عقل وفہم سے ماورا بھی ہیں، مثلاً پتھروں کی تعمیل کا ذکر اوران کا آنا جانا۔اس سلسلے میں عرض ہے کہ معجزات خرق عادت ہوتے ہی ہیں جو عقل وفہم سے ماورا ہوں، مگر مسلمان کی علامت یہ ہے کہ اللہ عزوجل ورسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان پر ایمان لانا خواہ عقل سے ماورا ہی کیوں نہ ہو۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:"**انّما كان قول المؤمنين إذا دعوا إلىٰ اللّه و رسوله ليحكم بينهم أن يقولوا سمعنا و أطعنا**"۔(پ:۱۸، سورہ النور، آیت:۵۱) ترجمہ:مسلمان کی بات تو یہی ہے جب اللہ ورسول کی طرف بلائے جائیں کہ رسول ان میں فیصلہ فرمائے تو عرض کریں ہم نے سنااور حکم مانا۔(کنزالایمان)

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب کہتے ہیں: کچھ چیزیں تو عقل سے ماورا بھی ہیں مثلاً پتھروں کی

تعمیل کا ذکر اور ان کا آنا جانا بعید از قیاس ہے اور بہت سے معجزات قابل اعتبار نہیں''۔

اصلاحی صاحب کو پتھروں کی تعمیل کے ذکر اور ان کے آنے جانے پر یقین نہیں ہے۔اس لیے پتھروں ہی سے متعلق ایک آیت کریمہ تحریر کی جارہی ہے: **ثم قست قلوبكم من بعد ذٰلك فهى كالحجارة أو أشدّ قسوة و إنّ من الحجارة لما يتفجر منه الأنهار و إن منها لما يشقق فيخرج منه الماء و إنّ منها لما يهبط من خشية اللّٰه**"۔ (پ:١،سورہ بقرہ، آیت:٧٤) ترجمہ: پھراس کے بعد تمہارے دل سخت ہوگئے تو وہ پتھروں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ سخت اور پتھروں میں تو کچھ وہ ہیں جن سے ندیاں بہہ نکلتی ہیں اور کچھ وہ ہیں جو پھٹ پڑتے ہیں تو ان سے پانی نکلتا ہے اور کچھ وہ ہیں کہ اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔

تفسیر: بایں ہمہ تمہارے دل اثر پذیر نہیں، پتھروں میں بھی اللہ نے ادراک وشعور دیا ہے، انہیں خوف الٰہی ہوتا ہے، وہ تسبیح کرتے ہیں: **إنّ من شىء إلا يسبح بحمده**۔ (پ:١٥،سورہ بنی اسرائیل، آیت ٤٤) مسلم شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔ ترمذی میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مروی ہے کہ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ اطراف مکہ میں گیا جو درخت یا پہاڑ سامنے آتا تھا السلام علیک یا رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) عرض کرتا تھا۔ (تفسیر خزائن العرفان)

مندرجہ بالا آیت میں جو ذکر ہوا کہ پتھروں میں کچھ وہ ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں، اصلاحی صاحب کی عقل سے ماورا ہے کہ نہیں؟ ضرور یہ انسانی عقل سے ماورا ہے۔

ظاہر ہے کہ قدرت الٰہیہ کا ادراک ہماری عقل نہیں کرسکتی مگر ہمارا ان پر ایمان ہے۔اسی طرح ہمارا ایمان قرآن کی ہر آیت پر، ہر حرف پر، ہر زیر وزبر اور پیش پر ہے۔اصلاحی صاحب یہ بھی بتائیں کہ مندرجہ بالا آیت کریمہ (جس میں پتھروں کا ذکر ہے) کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے؟ پھر یہ کہ اس آیت کی تفسیر میں جو دو احادیث مذکور ہوئیں جن میں اس بات کا ذکر ہے کہ ایک پتھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام کرتا تھا اور مکہ میں جو درخت یا پہاڑ سامنے آتا تھا وہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام عرض کرتا تھا ان دونوں احادیث کے بارے میں اصلاحی صاحب کا کیا خیال ہے؟ پارہ ١٥، سورہ بنی اسرائیل، آیت ٤٤ کے بارے میں بھی اصلاحی صاحب بتائیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس (اللہ) کو سراہتی ہوئی اس کی پاکی

نہ بولے۔(کنزالایمان)۔اصلاحی صاحب کی عقل سے یہ ماورا ہے یا نہیں؟

تفسیر: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہر زندہ چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے اور ہر چیز کی زندگی اس کے حسب حیثیت ہے۔ مفسرین نے کہا کہ دروازہ کھولنے کی آواز اور چھت کا چٹخنا بھی تسبیح کرنا ہے۔حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی انگشت مبارک سے پانی کے چشمے جاری ہوتے ہم نے دیکھے اور یہ بھی ہم نے دیکھا کہ کھاتے وقت کھانا تسبیح کرتا تھا۔(بخاری شریف)۔حدیث شریف میں ہے سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا۔(مسلم شریف)۔ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکڑی کے ایک ستون سے تکیہ فرما کر خطبہ فرمایا کرتے تھے، جب منبر بنایا گیا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر جلوہ افروز ہوئے تو وہ ستون رو پڑا، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر دست کرم پھیرا اور شفقت فرمائی اور تسکین دی۔(بخاری شریف)۔ان تمام احادیث سے جماد کا کلام کرنا اور تسبیح کرنا ثابت ہوا۔

مندرجہ بالا احادیث کے بارے میں اصلاحی صاحب کا کیا خیال ہے؟

اپنے پانچویں قول میں اصلاحی صاحب کہتے ہیں: بوصیری کی نعتیہ شاعری میں ایک زاویہ کمزور نظر آتا ہے وہ ہے معجزات کا کثرت سے ذکر معجزات کے تعلق سے بہت سی روایات کمزور ہیں۔

یہ امام بوصیری رضی اللہ عنہ کی نعتیہ شاعری کی کمزوری نہیں ہے یہ ان کی بہت بڑی خوبی ہے کہ انھوں نے معجزات کا ذکر کثرت سے کیا۔ یہ کمزوری تو اصل میں اصلاحی صاحب کی ہے کہ وہ معجزات کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بے شمار ہیں۔

آیتِ کریمہ:"**یا ایّھا الناس قد جاء کم برھان من ربّکم**"۔ (پارہ۶ سورۃ النساء رکوع ۲۴)اے لوگو! بے شک تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے کھلی دلیل آئی۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفتی احمد یار خاں نعیمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: برہان کے معنیٰ ہیں دلیل جس سے دعوے کو مضبوط کیا جاتا ہے۔ یہاں دلیل سے مراد معجزات ہیں۔جس قدر معجزے کہ پہلے پیغمبروں کو ملے وہ سب کے سب حضور علیہ السلام کو عطا ہوئے اور اس کے علاوہ اور بے شمار معجزے ملے بلکہ حق یہ ہے کہ حضور علیہ السلام از سر تا قدم پاک خود اللہ کی وحدانیت اور ذات وصفات کی دلیل ہیں اور پیغمبروں کی ذات معجزہ نہ تھی بلکہ کسی کے صرف ہاتھ میں معجزہ اور کسی کی سانس میں معجزہ اور کسی کی لاٹھی میں معجزہ تھا۔مگر حضور علیہ السلام کا بال معجزہ کہ حضرت خالد بن ولید کی ٹوپی میں رہا تو ان کو

ہمیشہ دشمنوں پر فتح ہوتی رہی ۔ ہرقل کی پگڑی میں رہا تو اس کے سر درد کو آرام رہا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر ایک بار بال شریف پہنچ گیا تو انہوں نے تمام رات ملائکہ کی تسبیح و تہلیل سنی ۔ (مدارج، مواہب لدنیہ)۔ آنکھ شریف کا معجزہ کہ قیامت تک کے واقعات کو دیکھا، رب کو دیکھا، پیچھے مقتدی جو کچھ کریں اس کو ملاحظہ فرمائیں۔ ناک مبارک کا معجزہ جس نے محبت کی خوشبو یمن سے آتی ہوئی سونگھی ۔ (روح البیان اسی آیت کی تفسیر)۔ زبان مباک کا معجزہ کہ جس کی ہر بات وحی خدا، وہ زبان جو کن کنجی ہے۔ منہ کا لعاب معجزہ کہ حضرت جابر کے گھر ہانڈی میں ڈال دیا تو ہانڈی کی ترکاری میں برکت ہوئی، آٹے میں ڈال دیا تو چار سیر آٹا ہزاروں آدمیوں نے کھایا۔ خیبر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں لگا دیا تو ان کا آشوب چشم کا مرض جاتا رہا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو غار میں مار نے کاٹا تو اس پر لگا دیا تو پاؤں کو آرام مل گیا۔ کھاری کنویں میں ڈال دیا تو اس کا پانی میٹھا ہو گیا۔ دست مبارک بھی دلیل کہ بدر کے دن ایک مٹھی کنکر کفار کو مارے تو رب نے فرمایا کہ '' آپ نے نہ پھینکے بلکہ ہم نے پھینکے'' اسی ہاتھ میں آ کر کنکروں نے کلمہ پڑھا۔ اس ہاتھ پہ بیعت لی گئی تو رب نے فرمایا: '' کہ ان کے ہاتھوں پر ہمارا ہاتھ ہے''۔ انگلیاں معجزہ کہ ایک پیالہ پانی میں انگلیاں رکھ دیں تو اس سے پانچ چشمے پانی کے جاری ہو گئے ۔ انگلی ہی کے اشارے سے چاند چیر دیا:

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

قدم مبارک بھی معجزہ کہ پتھر پہ چلیں تو پتھر ان کا اثر لے لے اور فرش پر بھی چلیں اور عرش پر بھی۔ پسینہ مبارک بھی معجزہ کہ جس میں گلاب کی بے مثل خوشبو۔ جاگنا اور سونا بھی معجزہ کہ ہر ایک کی نیند وضو توڑ دے مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نید وضو نہیں توڑتی۔ تمام جسم مبارک سایہ سے محفوظ کہ سایہ بھی قدم کے نیچے نہ آئے۔ تمام کے پیشاب و پاخانہ نجس ہیں مگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پیشاب و پاخانہ پاک ہیں امت کے حق میں ۔ (شامی، باب الانجاس، ماخوذ از شان حبیب الرحمن ،ص:۴۸ تا ۵۰)

(۶) اپنے چھٹے قول میں اصلاحی صاحب کہتے ہیں کہ: آج ضعیف روایات کو لے کر مستشرقین اور مخالفین رسول طرح طرح کے اعتراضات سیرت مقدسہ پر صادر کرتے ہیں ۔ ('' صادر'' کی جگہ '' وارد'' ہونا چاہیے ۔)

مستشرقین اور مخالفین رسول تو ضعیف روایات کو لے کر سیرت مقدسہ پر اعتراضات کرتے ہیں جب کہ ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی صاحب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات سے متعلقہ روایات کو بے دلیل کمزور، نا قابل اعتبار اور غیر معتبر کہتے ہیں۔

فضائل کے باب میں ضعیف روایات کا حکم:

علامہ ملاعلی قاری رسالہ: ''فضائل نصف شعبان'' میں فرماتے ہیں: **جهالة بعض الرواة لا تفضی کون الحدیث موضوعاً و کذا انکارة الالفاظ فینبغی ان یحکم علیه بانه ضعیف ثم یعمل با لضعیف فی فضائل الاعمال۔** (یعنی بعض راویوں کا مجہول یا الفاظ کا بے قاعدہ ہونا یہ نہیں چاہتا کہ حدیث موضوع ہو، ہاں ضعیف کہو، پھر فضائل اعمال میں ضعیف پر عمل کیا جاتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ قدیم، ج:٢، ص:٤٣٦)

جو معجزہ خبر واحد سے ثابت ہو خواہ علی وجہ القوۃ یا علی وجہ الضعف فضائل میں وہ بھی معتبر ہے۔ (انوار الحدیث، ص:٤١٠)

یعنی جو معجزہ صرف ایک حدیث سے ثابت ہو، خواہ قوی ہو یا ضعیف فضائل میں وہ بھی معتبر ہے۔

مندرجہ بالا اقوال سے ثابت ہوا کہ مستشرقین اور مخالفین رسول، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات اور فضائل کے تعلق سے ضعیف روایات کو لے کر سیرت مقدسہ پر اعتراضات کرتے ہیں، ان کے اعتراض بے جا ہیں اور عداوت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مبنی ہیں۔ مگر ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب کا معجزات سے متعلقہ روایات کو بے دلیل غیر معتبر کہنا وہ بھی بتکرار، مستشرقین اور مخالفین رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اعتراضات سے بھی عجیب وغریب اور شدید تر ہے۔

کمپوزنگ اور زبان کی خامیاں:

زبان کی خامی: ''ان کی آرزو تھی کہ ذکر رسالت سے ان کی زبان رطب اللسان رہے۔'' (ص:٣٣)

زبان پھر لسان۔ لسان کے معنی بھی زبان کے ہوتے ہیں۔ مندرجہ بالا جملے کا مطلب: ان کی آرزو تھی کہ ذکر رسالت سے ان کی زبان تر زبان رہے۔ ایک بار ہی زبان کا استعمال ہونا چاہیے۔ اگر زبان کا استعمال کرنا ہے تو مذکورہ جملہ اس طرح ہوگا: ان کی آرزو تھی کہ ذکر رسالت سے وہ تر زبان رہیں۔ (''تر زبان'' اضافت مقلوبی ہے۔) اگر لسان کا ذکر کرنا ہے تو جملہ اس طرح ہوگا: ان کی آرزو تھی کہ ذکر رسالت سے رطب اللسان رہیں۔

''آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کشادہ دل کی ایک خوبصورت تعبیر ہے۔'' (ص:٣٥)

کمپوزنگ کی غلطی سے ''دلی'' کی جگہ ''دل'' چھپ گیا ہے۔

''ان کے سمندر متلاطم ہیں، اترنے والا نہیں ہے۔'' (ص:٤١) کمپوزنگ کی خامی کی وجہ سے

''اترنے والانہیں ہے'' چھپ گیا ہے۔''اترنے والے نہیں ہیں''۔ہونا چاہیے۔

''قدومنزلت''(ص:۴۰)''قدرومنزلت'' ہونا چاہیے۔''اسوۂ حسنہ کا سب سے بڑی ترجمان یہ کتاب الٰہی ہے''۔(ص:۶۵)''اسوۂ حسنہ کی سب سے بڑی ترجمان یہ کتاب الٰہی ہے'' ہونا چاہیے۔

"ولم یکن له کفواًاحدا"۔(ص۴۲)''احدا'' کی جگہ''احد'' ہونا چاہیے۔

None is equal to Him کی جگہ None is equal to him ہونا چاہیے۔

جملے کے پہلے لفظ کا پہلا حرف Capital اوراللہ عزوجل کے لیے ضمائر(pronouns) کا پہلا حرف بڑا(Capital letter) لکھا جاتا ہے۔

مولانا فراہی نے اپنی تفسیر''نظام القرآن'' میں لفظ''صمد'' پر معرکہ آراء توضیح کی ہے اس کا ترجمہ اردو میں مولانا نے''باہمہ'' کیا ہے اس کا مفہوم چٹان ہے زبور اور دیگر مقدسہ کتب میں اللہ کو چٹان سے تشبیہ دی گئی ہے۔(ص۴۲)

''کو'' کی جگہ''کی'' ہونا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کو مخلوق سے مشابہ ماننا وہابیہ کا عقیدہ ہے۔(تاریخ نجد وحجاز،ص:۱۷۴)

الصمد کے معنیٰ: سردار جس کے بغیر امور پورے نہ ہوں،ٹھوس،ہمیشہ رہنے والا،بلند اور صمد،اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔

اصلاحی صاحب نے صمد کے معنیٰ''سردار'' کو لے لیا جو اللہ عزوجل کی شان میں توہین ہے۔اور صمد کے معنیٰ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہونے اور بے نیاز ہونے کے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے اسے چھوڑ دیا۔

''صمد'' کی تفسیر: بے نیاز ہے ہر چیز سے نہ کھائے نہ پئے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے۔

''احد'' کی تفسیر: ربوبیت والوہیت میں صفات عظمت وکمال کے ساتھ موصوف ہے۔مثل ونظیر وشبیہ سے پاک ہے۔(خزائن العرفان)

''باہمہ'' کے معنیٰ: خدائے تعالیٰ کی صفت جو قریب ہونے کے باوجود سب سے بے نیاز ہے۔(ریختہ ڈکشنری)

مولانا فراہی صاحب نے لفظ''صمد'' کے معنیٰ''باہمہ'' لکھا جس کا مفہوم''بے نیاز'' ہے جو عربی لغات اور خزائن العرفان کے عین مطابق ہے اور صحیح ہے۔اصلاحی صاحب نے''باہمہ'' کے معنیٰ''چٹان'' کے بتایا جو مضحکہ خیز ہے اور اللہ عزوجل کی تشبیہ''چٹان'' سے دینا،شان الوہیت میں سخت بے

ادبی، گستاخی، توہین اور قرآن کی تکذیب ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: **لیس کمثلہ شیء**۔ (پ:۲۵، سورہ الشوریٰ، آیت:۱۲) ترجمہ: اس جیسا کوئی نہیں۔ (کنزالایمان)

خزائن العرفان میں ''احد'' کی تفسیر اور اللہ عزوجل کے قول "**لیس کمثلہ شیء**" سے ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی کسی شیء سے مثال دینا قرآن اور اللہ عزوجل کی تکذیب ہے۔

صفحہ۴۲ ر پر مرقوم اصلاحی صاحب کا یہ قول: ''زبور اور دیگر مقدسہ کتب میں اللہ کو (کی) چٹان سے تشبیہ دی گئی ہے۔''

یہود و نصاریٰ کے اس قول کے مثل ہے جس کا ذکر مندرجہ ذیل آیت میں موجود ہے:

و إن منهم لفريقا يلؤن السنتهم بالكتٰب لتحسبوه من الكتٰب و ما هو من الكتٰب ويقولون هو من عند اللّٰه و ما هو من عند اللّٰه و يقولون على اللّٰه الكذب وهم يعلمون "۔ (پ:۳، سورہ آل عمران، آیت:۷۸) ترجمہ: اور ان میں کچھ وہ ہیں جو زبان پھیر کر کتاب میں میل کرتے ہیں کہ تم سمجھو یہ بھی کتاب میں ہے اور وہ کتاب میں نہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس سے ہے اور وہ اللہ کے پاس سے نہیں اور اللہ پر دیدہ و دانستہ جھوٹ باندھتے ہیں۔ (کنزالایمان)

تفسیر: شان نزول: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ آیت یہود و نصاریٰ دونوں کے حق میں نازل ہوئی کہ انہوں نے توریت و انجیل کی تحریف کی اور کتاب اللہ میں اپنی طرف سے جو چاہا ملایا۔ (خزائن العرفان)

تراش (ص:۴۹) ''نراش'' ہونا چاہیے۔ اسی ذت نے (ص:۳۳) ذت کی جگہ ''ذات'' ہونا چاہیے۔

حبّ رسول نکھرتا ہوا نظر آتا ہے۔ (ص:۴۵) ان کے حبّ رسول میں پختگی آئی۔ (ص:۴۸) خود اپنے اندر حبّ رسول موجزن ہو جاتا ہے۔ (ص:۵۰) اصلاحی صاحب نے ''حب'' مؤنث کو تین بار ''مذکر'' کے طور پر استعمال کیا ہے، ان کی آواز روند جاتی ہے۔ (ص:۴۵) اصلاحی صاحب نے ''روندھ'' کو ''روند'' بنا دیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لعاب دہن سے شفا پائی۔ (ص:۵۱) ''لعاب'' مذکر ہے، اصلاحی صاحب نے ''لعاب'' کو مؤنث بنا دیا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وجود بابرکت دنیوی یا مادی معاملات میں برکتوں کی حامل تھی۔ (ص:۵۲)

''برکتوں کی حامل تھی'' میں ''تھی'' کی جگہ ''تھا'' ہونا چاہیے۔

بوصیری نے مدح رسول کی افادیت کو بڑے خاص انداز میں بیان کیا ہے، اسی کا نام درود و سلام

ہے۔(ص:۳۴)

آیت کریمہ: **إنّ اللّٰہ و ملٰئکته یصلون علی النّبی یا أیّها الذین آمنوا صلّوا علیہ وسلّموا تسلیما۔** (پ:۲۲،سورہ احزاب،آیت ۵۶) ترجمہ: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اس غیب بتانے والے نبی پر، اے ایمان والو! ان پر درود اور خوب سلام بھیجو۔ (کنزالایمان)

تفسیر: سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود وسلام بھیجنا واجب ہے، ہر ایک مجلس میں آپ کا ذکر کرنے والے پر بھی اور سننے والے پر بھی ایک مرتبہ۔ نماز کے قعدۂ اخیرہ میں بعد تشہد درود شریف پڑھنا سنت ہے۔ درود شریف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکریم ہے۔ علماء نے **اللّٰھم صلّ علیٰ محمد** کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ یا رب محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عظمت عطا فرما۔ (خزائن العرفان)

رب تعالیٰ کا درود ہے رحمت نازل فرمانا، فرشتوں کا درود ہے دعائے رحمت کرنا، مگر تعظیم رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب میں مشترک ہے۔ (شان حبیب الرحمٰن، ص:۱۵۳)

درمختار جلد اول، کتاب الصلوٰۃ میں ہے کہ عمر میں ایک بار درود شریف پڑھنا فرض ہے اور جس مجلس میں بیٹھے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم شریف وہاں بار بار آئے تو صاحب درمختار کے نزدیک جب بھی نام پاک سنے درود شریف پڑھنا واجب ہے اور ہر بار پڑھنا مستحب۔ (ایضاً ص:۱۵۶)

قارئین حضرات غور فرمائیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حکم دیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر درود بھیجیں، اس مفہوم کی مذکورہ بالا آیت کریمہ کا ذکر اصلاحی صاحب نے نہیں کیا۔ اس آیت اور اس کے مفہوم کو پس پشت ڈال کر اپنی طرف سے درود کا مفہوم گڑھ لیا اور کہا کہ مدح رسول ہی درود شریف ہے۔ مدح رسول یعنی نعت رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) درود شریف نہیں۔ نماز میں نعت نہیں پڑھی جاتی، نماز میں درود ابراہیمی قعدۂ اخیرہ میں بعد تشہد پڑھنا سنت ہے۔

حالؔی کی بے جا مدح سرائی:

اردو شاعری یا نعت گوئی کو موثر محرک بنانے میں جو کردار حالؔی کا ہے وہ کسی اور کا نہیں، اسی طرح اقبال سہیل نے نعت گوئی کو ایک خاص مقام و مرتبہ عنایت کیا وہ کسی اور نے نہیں۔ حالؔی اردو نعتیہ شاعری کے بوصیری ہیں۔ (ص:۳۶/۳۷)

اردو نعتیہ شاعری میں حآلی کا کردار:

حآلی کی نعتیہ شاعری کے سکے کا ایک پہلو:

نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم ۔۔۔ کہ بے چارگی میں برابر ہیں ہم تم
مجھے حق نے دی ہے بس اتنی بڑائی ۔۔۔ کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی

پہلے شعر کے پہلے مصرع میں حآلی نے کہا: کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ ہونے میں ہم تم برابر ہیں۔ دوسرے مصرع میں کہا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجبوری میں میں اور تم برابر ہیں، یعنی میں بھی مجبور اور تم بھی مجبور۔ دوسرے شعر کے پہلے مصرع میں کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تم پر اتنی سی فوقیت دی ہے کہ میں اس کا بندہ ہوں اور قاصد بھی۔

عجیب المیہ ہے کہ حالی نے خود ہی یہ حدیثیں گڑھیں، جن کا سہارا لے کر انہوں نے محبوب کبریا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مرتبے میں مساوات کا دعویٰ کیا اور اپنی طرح سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مجبور کہا اور اپنے اوپر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فوقیت دیتے ہوئے ایلچی کہا۔ اس طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں حآلی نے دشنام طرازی کی۔ حآلی تو آنجہانی ہو گئے لیکن ان کی حمایت میں جو لوگ کھڑے ہیں ان پر لازم ہے کہ حآلی کے مندرجہ بالا اشعار کا حدیث ہونا ثابت کریں۔

حالی کی نعتیہ شاعری کے سکے کا دوسرا پہلو:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا ۔۔۔ مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا ۔۔۔ وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ ۔۔۔ یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ
خطا کار سے درگزر کرنے والا ۔۔۔ بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کو زیر و زبر کرنے والا ۔۔۔ قبائل کا شیرو شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا ۔۔۔ اور ایک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

صرف پہلے شعر میں حآلی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو رحمت لقب پانے والا اور غریبوں کا حاجت روا کہا۔ جب کہ نیا چرہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاجت روا نہیں مانتے۔ بقیہ اشعار میں حآلی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشری خصوصیات کو بیان کیا۔ فقیروں، ضعیفوں، یتیموں اور

غلاموں کے ملجا و ماویٰ اور خطا کاروں سے درگزر کرنے والے، فتنوں کو دفع کرنے والے، اور قبائل کو شیر وشکر کرنے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین بھی تھے اور ان صفات سے متصف بہت سے مسلمان ہیں:

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

بوقت مصیبت اس شعر میں حالی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دعا کی گزارش کی ہے، یہ استغاثہ ہے جب کہ نیا چرہ اور خود اصلاحی صاحب غیر اللہ سے استعانت و استغاثہ کو سورہ فاتحہ کے خلاف (یعنی خلاف قرآن) مانتے ہیں۔

حالی کے نعتیہ اشعار میں تناقض (Discrepancy):

قارئین حضرات! آپ نے حالی کی نعتیہ شاعری کے سکے کے دونوں پہلو ملاحظہ فرمائے۔ کیا دونوں میں تناقض نہیں ہے؟ ضرور ہے۔

اقبال سہیل کی نعتیہ شاعری:

اصلاحی صاحب کا یہ قول غلط ہے کہ اقبال سہیل نے نعتیہ شاعری کو جو مقام و مرتبہ عنایت کیا ہے وہ کسی اور نے نہیں کیا۔

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی نعتیہ شاعری کی تعریف ان الفاظ میں کر چکے ہیں: ’’شاید احمد رضا خان بریلوی تنہا ایسے نعت گو شاعر ہیں جو عربی زبان، نعتیہ شاعری کے تقاضوں، اہل کتاب کی تاریخ اور ان کی کتابوں کے مباحث سے واقف ہیں، اس رو سے پوری نعتیہ شاعری میں ان کا امتیازی مقام ہے‘‘۔ (شمارہ:٦،ص:٥٦)

نعتیہ شاعری کے تعلق سے اصلاحی صاحب کا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی شان میں پڑھا گیا قصیدہ ان کے ان اقوال کی تکذیب کر رہا ہے جو انہوں نے اقبال سہیل صاحب کی نعتیہ شاعری کے تعلق سے ارشاد فرمائے۔

اقبال سہیل صاحب کے مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ فرمائیں:

(۱) شافع محشر، ماحی عصیاں، حامی مضطر، حارس گیہاں ساقی کوثر، وارث زمزم صلی اللہ علیہ وسلم
(شمارہ:۴،ص۱۴۲)

مندرجہ بالا شعر میں اقبال سہیل صاحب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے شفاعت کبریٰ مانا لیکن ڈاکٹر اصلاحی صاحب نے اپنے مضمون میں شفاعت کبریٰ سے انکار کر دیا۔ سہیل صاحب نے

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گناہوں کا مٹانے والا (ماحی عصیاں) مانا۔اس میں اس آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے؛"**و لـو أنّهـم إذ ظـلموا أنفسهم جاؤك**"۔ اصلاحی صاحب نے اپنے مضمون میں ماحی عصیاں کا ترجمہ:''لوگوں کی خطاؤں سے درگزر کرنے والا'' کیا۔(شمارہ:۴،ص:۱۴)

(۲) وہ مصداق دنیٰ فتدلیٰ جس کی منزل عرش معلیٰ نکتۂ ما اوحیٰ کا محرم صلی اللہ علیہ وسلم
(شمارہ:۴،ص:۱۲۳)

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب نے جب دیکھا کہ اقبال سہیل صاحب ان کے ہاتھ سے نکلتے جارہے ہیں،توانہوں نے نہ"**دنی فتدلیٰ**"کا ترجمہ کیااور نہ ہی"**ما اوحی**"کا ترجمہ کیا۔ بلکہ یہ تبصرہ کیا:''حدیث میں آیا ہوا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سینۂ مبارک حضرت جبرئیل علیہ السلام نے چاک کیااور مرحلۂ تذکیہ وتصفیہ سے گزارا۔(شمارہ:۴،ص:۱۲۳)

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب کے مضمون کا عنوان ہے''موج کوثر کا قرآنی تجزیہ''۔عنوان کی مناسبت سے قرآنی آیات کے جزو"**دنـیٰ فتدلّـیٰ**" اور"**مـا اوحی**"کا ترجمہ وتشریح قرآن کی روشنی میں کرنی چاہیے تھی لیکن جب انہوں دیکھا کہ قرآن کی روشنی میں ان کا تجزیہ ان کے عقائد کے خلاف ہے تو حدیث کی روشنی میں تشریح کرنے لگے، جب کہ وہ اپنے مضامین میں کہیں حدیث کا نام نہیں لیتے،جیسا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے معجزات کو جھٹلانے کے لیے انہوں نے اکثر روایات کو کمزوراور ناقابل اعتبار کہا۔

مذکورہ شعر امام بوصیری کے اس شعر سے ملتا جلتا ہے:

مــن دنــوء و شهـود و سـر بـأن عـنـه كل واش و غابا

(اس قرب سے،اس حاضری سے اوراس راز سے ہر پردہ اور ہر غیب ان پر سے ہٹ گیا۔)

(شمارہ:۵،ص:۳۰۰،از ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی)

(۲) وہ مصداق دنیٰ فتدلیٰ جس کی منزل عرش معلیٰ نکتۂ ما اوحیٰ کا محرم صلی اللہ علیہ وسلم
(شمارہ:۴،ص:۱۲۳)

ثم دنیٰ کی تفسیر:

یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے قرب کی نعمت سے نوازا۔ (خازن،ماخوذ ازخزائن العرفان)

فتدلیٰ کی تفسیر:

سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مقرب درگاہ ربوبیت ہوکر سجدۂ اطاعت ادا کیا۔ (روح البیان، ماخوذ از خزائن العرفان)

فأوحیٰ إلیٰ عبده ما أوحیٰ کی تفسیر:

اکثر علمائے مفسرین کے نزدیک اس کے معنیٰ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندۂ خاص حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وحی فرمائی۔ (جمل، ماخوذ از خزائن العرفان)

حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ نے اپنے بندے کو وحی فرمائی، یہ وحی بے واسطہ تھی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان کوئی واسطہ نہ تھا، اور یہ خدا اور رسول عز وجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان اسرار ہیں، جن پر ان کے سوا کسی کو اطلاع نہیں ملی۔ یعلی نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس راز کو تمام خلق سے مخفی رکھا اور یہ بیان فرمایا کہ اپنے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیا وحی فرمائی اور محبّ و محبوب کے درمیان ایسے راز ہوتے ہیں جن کو ان کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (تفسیر روح البیان، ماخوذ از خزائن العرفان)

حضرت امام بوصیری رضی اللہ عنہ نے جو یہ فرمایا: **أنت سر اللّٰه فی الخلق**۔ اس کا مجازی معنی یہ ہے کہ یہ اللہ عز وجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان اسرار ہیں جن کو تمام خلق سے اللہ عزّ وجلّ نے مخفی رکھا ہے۔

جناب اقبال سہیل صاحب کا مذکورہ شعر اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا یہ شعر:

غنچے ما اُوحیٰ کے جو چٹکے دنیٰ کے باغ میں ۔۔۔ بلبل سدرہ تک ان کی بو سے بھی محرم نہیں

امام بوصریری کے اس شعر کی تصدیق کررہے ہیں:

أنت سر اللّٰه فی الخلق و السر ۔۔۔ علی الأعمیٰ أشد احتجابا

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مخلوق میں اللہ کے راز ہیں اور راز داریاں اندھوں سے بہت زیادہ مخفی رہتی ہیں۔ (شمارہ: ۵، ص: ۲۹۹، از ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی)

حالی صاحب اور اقبال سہیل صاحب کی نعتیہ شاعری کا جائزہ لینے سے روز روشن کی طرح عیاں ہوگیا کہ دونوں کی نعتیہ شاعری میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حالی صاحب نے ایک طرف جہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے وہیں دوسری طرف آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کے وہ اوصاف اپنے نعتیہ اشعار میں بیان کیے ہیں جو مصلح قوم کے اوصاف ہیں۔ حالیؔ کے یہاں صرف دنیوی افادیت کا تصور ہے اخروی افادیت کا تصور ان کے یہاں مفقود ہے۔ جب کہ اقبال سہیل صاحب نے اپنی نعتیہ شاعری کا چراغ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے نعتیہ چراغ سے جلایا۔ مولانا حمید الدین فراہی کے شاگرد ہوتے ہوئے بھی ''موج کوثر'' کے اکثر اشعار عقائد اہل سنت کے مطابق ہیں۔

سہیل صاحب کا مندرجہ ذیل شعر مولانا حمید الدین فراہی کی شاگردی کا نتیجہ ہے:

خلق خدا کا راعیٔ آخر، دین خدا کا داعیٔ آخر — جس کی دعوت اسلم تسلم صلی اللہ علیہ وسلم

لفظ ''راعی'' ذو جہتین ہے، اس کا ایک معنیٰ مدح کا پہلو رکھتا ہے اور دوسرا معنی ذم کا پہلو رکھتا ہے اور ذو جہتین لفظ کا استعمال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں استعمال کرنا ممنوع ہے۔

''اقبال سہیل نے نعت گوئی کو ایک خاص مقام و مرتبہ عنایت کیا وہ کسی اور نے نہیں۔'' (ص:۳۷)

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب کا یہ قول صحیح نہیں ہے۔ اقبال سہیل صاحب کی خوبی یہی ہے کہ نیا چرہ کے شاگرد ہوتے ہوئے بھی ان کی نعتیہ شاعری عقائد اہل سنت و جماعت کی ترجمان ہے۔

''حالی اردو نعتیہ (شاعری) کے بوصیری ہیں''۔ (ص:۳۷)۔ اصلاحی صاحب کا یہ قول مضحکہ خیز ہے۔

بوصیری نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مذکورہ معجزات کے متعلق یہ فرمایا کہ اس کی مثالیں مفقود ہیں، جب کہ یہ دعویٰ درست نہیں ہے۔ (ص:۴۱)

امام بوصیری کا یہ دعویٰ بالکل درست ہے پہلے گزر چکا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سراپا معجزہ ہیں جب کہ دیگر انبیا سراپا معجزہ نہ تھے، اس کی تفصیل پیچھے گزر چکی:

أخبر تابعيه بغائبات — وليس بكائن عنه مغيب

(آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے متبعین کو غائبات سے باخبر کیا اور کوئی چیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اوجھل نہیں)۔ (ص:۴۱)

مذکورہ شعر میں اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق یہ خیال کہ آپ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں تھی مناسب نہیں ہے، خالق اور مخلوق کے درمیان فروق کو مٹا دینا صریحاً قرآن کریم کے برعکس ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ کے برابر کھڑا کر دینا نامناسب ہے۔ (ص:۴۲)

''فروق'' کی جگہ ''فرق'' ہونا چاہیے۔

علم باری تعالیٰ:

بلا شبہ حق یہی ہے کہ تمام انبیا و مرسلین وملٰئکۂ مقربین واوّلین وآخرین کے مجموعۂ علوم مل کر علم

باری سے وہ نسبت نہیں رکھ سکتے جو ایک بوند کے کروروں حصہ کو کروروں سمندر سے ہے۔ (فتاویٰ رضویہ قدیم، ج:۶،ص ۷۷)

اللہ عزّ وجلّ کا علم ذاتی ہے اور انبیا و مرسین علیہم السلام کا علم غیب عطائی ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم غیب:

قصیدہ بردہ میں ہے؛

فإن من جودك الدنيا و ضرتها   و من علومك علم اللوح و القلم

شرح قصیدہ بردہ مصنفہ علامہ ابراہیم باجوری میں اس شعر کے تحت ہے: اگر کہا جائے کہ جب لوح و قلم کا علم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے علوم کا بعض ہوا تو دوسرے بعض کون سے علوم ہیں، جواب دیا جائے گا کہ وہ بعض آخرت کے حالات کا علم ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خبر دی کیوں کہ قلم نے تو وہی لکھا ہے جو قیامت تک ہونے والا ہے۔ (جاء الحق از مفتی احمد یار خان نعیمی، ص ۷۶/۷۷)

امام ابن حجر مکی اس شعر کی شرح میں افضل القریٰ میں فرماتے ہیں:

کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام جہان پر خبر دار فرمایا بس آپ نے اوّلین و آخرین کو اور جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا اس کو جان لیا۔ (جاء الحق، ص:۷۷/۷۸)

علامہ شنوائی جمع النہایہ میں فرماتے ہیں: یہ وارد ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دنیا سے نہ نکالا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہر چیز پر مطلع فرما دیا۔ (جاء الحق، ص:۸۰)

سرسید نے اپنی امّ الکتاب جلاء القلوب بذکر المحبوب یہ کتاب دہلی سے ۱۲۹۸ھ/۱۸۴۲ء میں شائع ہوئی۔ (ص:۴۷)

ام الکتاب کے معنی:

"**و عنده أم الكتاب**"۔ (پ:۱۳، سورہ رعد، آیت ۳۹) ترجمہ: اور اصل لکھا ہوا اسی (اللہ) کے پاس ہے۔

تفسیر: جس کو اس نے ازل میں لکھا یہ علم الٰہی ہے، یا ام الکتاب سے لوح محفوظ مراد ہے۔ (خزائن العرفان)

ام الکتاب: (۱) کتابوں کی ماں۔ قرآن شریف (۲) سورہ فاتحہ۔ (فیروز اللغات کلاں، ص:۱۲۰)

قارئین حضرات ہوشیار! مذہب نیچری کے بانی سید احمد خان کی کتاب جلاء القلوب کو ام الکتاب یعنی قرآن کہا یا سورہ فاتحہ کہا، اگر کوئی یہ کہے کہ حقیقتاً نہیں کہا مجازاً کہا تب بھی اصلاحی صاحب نے جلاء القلوب کو قرآن کے مثل کہا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کو چراغ ہدایت تھما کر دنیا میں بھیجا ہے۔ (ص:۴۹)

اللہ عزوجل کی شان میں لفظ ''تھما کر'' کا استعمال نامناسب ہے۔ ''عطا فرما کر'' ہونا چاہیے:

والمصطفی الماحی الذی یمحوالذی یحصی الرقیب علی المسی و یکتب

(حضرت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گناہوں کو مٹانے والے ہیں جنھیں رقیب شمار کر کے لکھتا ہے۔ (ص:۴۹)

مذکورہ شعر میں یہ تاثر دیا گیا کہ ''رقیب'' جن گناہوں کو رجسٹرڈ کرنا چاہتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں مٹا دیتے ہیں۔ بوصیری کا یہ نقطۂ نظر قرآن کریم کے صریحاً خلاف ہے۔ (ص:۵۰)

اصلاحی صاحب نے امام بوصیری رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا شعر کا جو ترجمہ کیا اس میں یہ ہے: حضرت مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گناہوں کو مٹانے والے ہیں، جنہیں رقیب شمار کر کے لکھتا ہے'' اپنے تبصرے میں اپنے ترجمے سے مختلف بات لکھتے ہیں: ''رقیب جن گناہوں کو رجسٹرڈ کرنا چاہتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں مٹا دیتے ہیں۔ اپنے اس تبصرے سے اصلاحی صاحب نے یہ تاثر دینا چاہا ہے کہ جیسے ہی رقیب کسی کے گناہ کو رجسٹرڈ کرتا ہے ویسے ہی فوراً اسی وقت اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس گناہ کو مٹا دیتے ہیں، اس طور پر رقیب کے ذریعے گناہوں کا لکھنا ہی بے مقصد اور بے کار ہو گیا۔ اسی لیے لکھا: ''اگر اسے مٹایا جاتا رہا تو گویا قرآن کا بیان درست نہیں ہے، اسی نامۂ اعمال کو سننے کے لیے انسان پر ہیبت طاری ہوگی۔ **وتری کل أمة جاثية ....الخ** (الجاثیۃ ۲۹/۲۷) اور آپ دیکھیں گے کہ ہر امت گھٹنوں کے بل گری پڑی ہوگی، ہر گروہ اپنے نامۂ اعمال کی طرف بلایا جائے گا۔ (ص:۵۰)

امام بوصیری رضی اللہ عنہ کے اس شعر سے ملتا جلتا اقبال سہیل صاحب کا یہ شعر ہے:

شافع محشر، ماحی عصیاں، حامی مضطر، حارس گیہاں ساقی کوثر وارث زم زم صلی اللہ علیہ وسلم

(شمارہ:۴، ص:۱۴۲)

''حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گناہوں کو مٹانے والے ہیں'' (امام بوصیری)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گناہوں کو مٹانے والے (ماحی عصیاں) ہیں۔ (اقبال سہیل) امام بوصیری رضی اللہ عنہ و اقبال سہیل دونوں کے اقوال ایک جیسے ہیں تو پھر کیا وجہ ہے کہ اصلاحی صاحب امام بوصیری پر اعتراض کر بیٹھے اور اقبال سہیل کو چھوڑ دیا؟

مندرجہ ذیل آیت کریمہ کے بارے میں اصلاحی صاحب کیا کہتے ہیں؟

إنّ الحسنٰت يذهبن السيئٰت۔ (پ:۱۲، سورہ ھود، آیت:۱۱۴) ترجمہ: بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

اقبال سہیل صاحب اور علامہ بوصیری علیہ الرحمہ کے مذکورہ اشعار میں مندرجہ ذیل آیت کریمہ کی طرف اشارہ ہے:

و لو أنّهم إذ ظلموا أنفسهم جاؤوك فاستغفروا اللّٰه و استغفر لهم الرّسول لوجدوا اللّٰه توابا رحيما۔ (پ:۵، سورہ نساء، آیت:٦۴) ترجمہ: اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں۔ (کنز الایمان)

تفسیر: اس سے معلوم ہوا کہ بارگاہ الٰہی میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وسیلہ اور آپ کی شفاعت کار برآری کا ذریعہ ہے۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد ایک اعرابی روضۂ اقدس پر حاضر ہوا اور روضہ شریف کی خاک پاک اپنے سر پر ڈالی اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جو آپ نے فرمایا ہم نے سنا اور جو آپ پر نازل ہوا اس میں یہ آیت بھی ہے: "**و لو أنهم إذ ظلموا** "۔ میں نے بے شک اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور میں آپ کے حضور میں اللہ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہنے حاضر ہوا تو میرے رب سے میرے گناہ کی بخشش کرائیے۔ اس پر قبر شریف سے ندا آئی کہ تیری بخشش کی گئی۔ (تفسیر خزائن العرفان)

آیتِ کریمہ: **و ضربت عليهم الذلة والمسكنة**۔ (پارہ ۱، سورہ البقرہ آیت:٦۱)۔ ترجمہ: اور ان پر مقرر کردی گئی خواری اور ناداری۔ (کنز الایمان)

تفسیر: یہود کی ذلت تو یہ کہ دنیا میں کہیں نام کو ان کی سلطنت نہیں اور ناداری یہ ہے کہ مال موجود ہوتے ہوئے بھی حرص سے محتاج ہی رہتے ہیں۔ (خزائن العرفان)

آیتِ کریمہ: **و اذا قضىٰ أمراً فإنما يقول له كن فيكون**۔ (پارہ:۱، سورہ البقرہ،

آیت:١١٧)

ترجمہ: اللہ عزوجل کی شان یہ ہے: اور جب کسی بات کا حکم فرمائے تو اس سے یہی فرماتا ہے کہ ہوجا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔(کنزالایمان)

مندرجہ بالا آیتِ کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے اصلاحی صاحب لکھتے ہیں: یہاں یہ بتانا مناسب ہوگا کہ دیواروں پر لیپ لگانے والی مزدور عورتیں دیواروں پر اس طرح سنی ہوئی مٹی پھینکتی ہیں کہ وہ ان پر ایسا چپکتی ہے کہ گرنے کا نام نہیں لیتی اسی طرح راجگیر پلاسٹر کے وقت مسالا اس طرح دیوار پر پھینکتا کہ وہ اس پر چپک کر رہ جاتا ہے۔اسی طرح اللہ نے اہل کتاب کے ذہن وفکر پر ذلت و رسوائی کو اسی طرح دے مارا کہ وہ ان پر چپک کر رہ گئی۔(ص ۵۵)

اللہ عزوجل کی شان میں ''اسی طرح دے مارا'' کہنا مناسب نہیں ہے۔اللہ عزّ وجلّ اس بات سے بری ہے کہ اس کے امر کی تشبیہ مزدور عورتوں اور راجگیر کے کاموں سے دی جائے۔

اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو چراغ ہدایت تھما کر دنیا میں بھیجا ہے۔(ص:۵۹) لفظ ''تھما کر'' کا استعمال اللہ عزوجل کی شان میں توہین ہے۔''عطا کر'' ہونا چاہیے۔

قد انزل اللّٰہ الیکم ذکراً رسولاً یتلو علیکم آیٰت اللّٰہ مبیّنٰت لیخرج الذین آمنوا و عملوا الصّٰلحٰت من الظلمٰت إلی النّور۔ (پ:٢٨،سورہ طلاق،آیت:١١)

(شمارہ:۴،ص:١٢٠،۔شمارہ:۵،ص:٢٩٨۔شمارہ:٦،ص:۵٧)۔

شمارہ:۴،ص:١٢٠ پر اس آیت کریمہ کا ترجمہ یہ ہے: بے شک اللہ نے تم لوگوں کے لیے قرآن یعنی رسول اتارا جو تم لوگوں کے سامنے اللہ کی واضح آیات پڑھ کر سناتا ہے تاکہ اہل ایمان اور نیک عمل کرنے والے کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے۔

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب نے ''ذکراً'' کا معنی قرآن لکھا اور قرآن یعنی رسول لکھا اس طرح انہوں نے قرآن اور رسول کو ایک ہی بتایا۔

قد انزل اللّٰہ إلیکم ...تا ....آیٰت اللّٰہ ببینٰتِ۔ کا ترجمہ شمارہ:۵ص:٢٩٨ پر یہ ہے: یقیناً اللہ نے تمہاری طرف قرآن یعنی رسول نازل کیا، جو اللہ کی واضح آیات کی تم لوگوں کے لیے تلاوت کرتا ہے۔

اصلاحی صاحب نے اس آیت کی تشریح میں لکھا: یہاں ذکر سے مراد قرآن کریم ہے اور اسی کا بدل رسول کریم ہے، گویا اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا ہے کہ قرآن کریم اور نبی کریم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

میں کوئی تفاوت وتعارض نہیں ہے، دونوں میں بناء حاجز ناممکن ہے۔

شمارہ:٦،ص:٥٧ پر آیت کریمہ: **قد انزل اللّٰہ إلیکم ....الی النّور۔** کا ترجمہ نہیں ہے اس کی تفسیر اس طرح ہے: سورہ طلاق کی اس آیت میں چہرۂ قرآن سے چہرۂ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مناسبت دکھائی ہے، جس پر خالد مسعود نے اپنی کتاب ''حیات رسول امّی'' میں دانشورانہ گفتگو کی ہے، فرماتے ہیں کہ: اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''ذکر'' یعنی قرآن مجید کے بدل کے طور پر پیش کیا گیا ہے، گویا قرآن اور رسول حقیقت میں ایک ہی ہیں، ایک الفاظ کی شکل میں ہے تو دوسرا انسانی جسم کی شکل میں۔

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب نے دبستان نعت، شمارہ: ٤،ص: ١٢٠ پر لکھا: ''قرآن یعنی رسول''۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن اور رسول دونوں الگ الگ نہیں ہیں بلکہ ایک ہی ہیں۔ شمارہ: ٥،ص: ٢٩٨ پر لکھا: ''قرآن یعنی رسول'' یہاں بھی اصلاحی صاحب نے قرآن اور رسول کو ایک بتایا۔ ''ذکر'' کی تشریح کرتے ہوئے اصلاحی صاحب نے لکھا: ''ذکر'' سے مراد قرآن کریم ہے اور اسی کا بدل رسول کریم ہے۔ شمارہ: ٦،ص: ٥٧ پر لکھا: اس آیت میں رسول اللہ کو ''ذکر'' یعنی قرآن مجید کے بدل کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

تینوں اقوال انہیں کے ہیں۔ تینوں شمارے میں اصلاحی صاحب نے ذکر کے معنی قرآن کے بتائے۔ کہیں قرآن اور رسول کو ایک بتایا تو کہیں رسول کریم کو قرآن کریم کا بدل بتایا۔ ان کے یہ تمام اقوال غلط ہیں۔ قرآن اللہ کی صفت ہے، قدیم اور غیر حادث ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مخلوق ہیں۔ قرآن اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک بتانے کا مطلب قرآن کو مخلوق ماننا ہے اور قرآن کو مخلوق ماننا کفر ہے۔ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرآن کا بدل نہیں ہیں، قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دونوں الگ الگ ہیں۔

وہابی اکابر کے نزدیک قرآن مخلوق ہے:

قرآن بھی خدا کا پیدا کیا ہوا نور مخلوق ہے۔ (فتاویٰ ثناء اللہ امرتسری، ج:٢،ص: ٤٣٧، مطبوعہ لاہور) قرآن پاک مخلوق ہے۔ (الفیصلۃ الحجازیہ، ص: ٣٢/٢٧ از مولوی قاضی عبد الاحد خانپوری، ماخوذ از عقائد وہابیہ، ص: ٣٩۔)

مذکورہ آیت کا ترجمہ جو اصلاحی صاحب نے کیا ہے اس سے اختلاف کرتے ہوئے میں نے دبستان نعت، شمارہ: ٥،ص: ٥٣٦ پر مذکورہ آیت کریمہ کا ترجمہ یہ لکھا: بے شک اللہ نے تمہارے لیے

عزت (یعنی وہ عزت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں) اتاری ہے۔ وہ رسول کہ تم پر اللہ کی روشن آیتیں پڑھتا ہے تا کہ انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اندھیریوں سے اجالے کی طرف لے جائے۔ (ترجمہ کنز الایمان)

ذکر، ذکرہ : شہرت، تذکرہ، یادگار۔ (القاموس الجدید، مولف وحید الزماں کیرانوی استاذ دارالعلوم دیو بند، ص:۳۰۹)

ذکر (۱) چرچا۔ تذکرہ۔ (۲) زبان اور دل سے خدا کی یاد۔ (۳) قرآن پاک کی تلاوت۔ (فیروز اللغات خرد، ص:۳۵)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لفظ ''ذکراً'' کا ترجمہ: ''عزت'' کیا۔ جو وحید الزماں کیرانوی کے ترجمہ ''شہرت'' سے قریب تر ہے۔ ''ذکر'' کے معنی: ''قرآن'' کسی بھی لغت میں نہیں ہے۔ ''ذکر'' کے مرادی معنی قرآن کے ہیں۔

تفسیر نسفی (مدارک التنزیل) میں ہے:

قد أنزل اللّٰه إليكم ذكراً (اى القرآن و انتصب رسولاً بفعل مضمر تقديره ارسل رسولاً و اريد بالذكر الشرف كقوله و إنه لذكرلك و لقومك. (زخرف ۴۴)

ترجمہ: اللہ نے تمھاری جانب ذکر یعنی قرآن نازل فرمایا اور رسول ایک فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہے۔ تقدیری عبارت یہ ہوگی "**ارســـل رســـولاً**"۔ (اللہ نے رسول بھیجا)۔ یا ذکر سے مراد عزت و شرف ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے: کہ بے شک وہ شرف ہے تمھارے لیے اور تمھاری قوم کے لیے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے نزدیک عزت و شرف والے ہیں۔ (جاثیہ ۴۴) (تفسیر نسفی)

"**إنـــه**" قرآن کے لیے آیا ہوا ہے جو عزت و شرف ہے۔ آیت مذکورہ میں ''ذکر'' قرآن کے لیے آیا جو عزت ہے اور ''ذکر'' اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی ہیں۔ یعنی عزت سے مراد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مگر ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب تفسیر نسفی کو بھی نہ مانیں گے۔ ان کی ٹکٹکی تو سرسید احمد خاں، الطاف احمد اعظمی اور خالد مسعود کی طرف لگی ہوئی ہے۔

شمارہ: ٦، ص: ۵۷/ پر اصلاحی صاحب نے لکھا: سورہ طلاق کی اس آیت میں چہرہ قرآن سے چہرہ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مناسبت دکھائی گئی ہے۔

قرآن کا کوئی چہرہ نہیں ہے۔قرآن اللہ عزوجل کی صفت ہے۔سرکار اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

(۱) جیسے قرآن ہے ورد اس گل محبوبی کا یوں ہی قرآں کا وظیفہ ہے وقار عارض

جس طرح گلِ محبوبی (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) کا ورد قرآن ہے،اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رخِ پرانوار کا مدح خواں قرآن ہے۔

(۲) گرچہ قرآں ہے نہ قرآں کے برابر لیکن کچھ تو ہے جس پہ ہے وہ مدح نگار عارض

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ قرآن ہیں نہ قرآن کے برابر ہیں۔کیوں کہ قرآن صفت الٰہیہ ہے اور غیر مخلوق ہے۔اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق ہیں۔لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کی شان میں قرآن مدح خواں ہے۔

(۳) ایمان ہے قال مصطفائی قرآن ہے حال مصطفائی

ایمان قول مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تصدیق زبان اور دل سے کرنا ایمان ہے۔یعنی کلمۂ طیبہ کا اقرار زبان سے کرنا اور دل سے تصدیق کرنا۔قرآن محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر یعنی نعت ہے۔

اصلاحی صاحب نے شمارہ:٦ ص:٥٧ پر لکھا: گویا قرآن اور رسول حقیقت میں ایک ہی ہیں، ایک الفاظ کی شکل میں تو دوسرا انسانی جسم کی شکل میں۔قرآن اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک نہیں ہیں۔"قرآن الفاظ کی شکل میں ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مجسم قرآن ہیں"۔ایسا نہیں ہے۔حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اگر پیکر قرآن مانا جائے تو قرآن صفات الٰہیہ ہے لہٰذا لازم آئے گا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی اللہ کی صفات سے مانا جائے اور یہ شرک ہے۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے شعر سے معلوم ہوا کہ قرآن اور رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک نہیں ہیں۔قرآن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا "حال" (ذکر) یعنی نعت ہے۔

آیت کریمہ: **والعٰدیٰت ضبحا** کی تفسیر کے تعلق سے اصلاحی صاحب نے مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر "تدبر قرآن" سے اقتباس پیش کیا ہے،اس میں تحریر ہے: ایک رائے یہ بھی ہے کہ اس سے غازیوں کے گھوڑے مراد ہیں،لیکن اس تخصیص کے لیے کوئی قرینہ موجود نہیں ہے،

اس آیت کریمہ کی تفسیر خزائن العرفان میں یہ لکھی ہے،: ان سے غازیوں کے گھوڑے مراد ہیں:

کأنّ علینا لهم نبی لدعوته الخلائق تستجیب

(ہمارے علمائے کرام ان کے نزدیک نبی کے برابر ہیں۔ وہ اللہ کے بندوں کو پکارتے ہیں اوران کی پکار قبول کی جاتی ہے۔ (ص:۴۲)۔ ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی نے اس شعر کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ اصلاحی صاحب نے "**كأنّ**" کا ترجمہ چھوڑ دیا، صرف "**علیمنا لهم نبی**" کا ترجمہ کیا۔ "**كأنّ**" تشبیہ کے لیے آتا ہے، جس کے اردو معنی ''گویا'' کے ہوتے ہیں۔ لہٰذا پہلے مصرع کا ترجمہ یہ ہوگا: ''گویا ہمارے علما ان (بنی اسرائیل) کے نبی کی طرح ہیں''۔ اور دوسرے مصرع کا ترجمہ یہ ہوگا: مخلوق کو (دین کی) دعوت دینے میں اوران کی دعوت قبول کی جاتی ہے۔

اس شعر میں حدیث پاک: "**علماء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل**"۔ (اللآلی الثورۃ:۱۶۷) (میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہیں) کی طرف اشارہ ہے۔

اصلاحی صاحب لکھتے ہیں: ایک عالم دین کا مثیل گزشتہ اقوام میں ملنا محال ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ گزشتہ انبیائے کرام کے برابر ہیں۔ (ص:۴۳)

''وہ (علمائے کرام) گزشتہ انبیائے کرام کے برابر ہیں'' اپنے اسی باطل عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے اصلاحی صاحب نے علامہ بوصیری رضی اللہ عنہ کے مذکورہ شعر کا ترجمہ غلط کیا۔

وہابیہ کا عقیدہ کہ عمل میں بسا اوقات امتی انبیاء کے مساوی و برابر ہو جاتے ہیں: انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں باقی رہا عمل تو اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔ (تحذیر الناس مؤلفہ مولانا محمد قاسم نانوتوی ص ۵ مطبوعہ دیوبند، ماخوذ از عقائد وہابیہ مؤلفہ ابوالحامد محمد ضیاء اللہ قادری ص ۶۹)

ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی) صاحب کے مضمون ''حالؔی اور حسن عسکری'' میں حسن عسکری صاحب کی بے جا مخالفت اور حالؔی صاحب کی بے جا حمایت کی گئی ہے۔ ڈاکٹر عزیز احسن فرماتے ہیں:

''یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ محمد حسن عسکری نے حالؔی کی مخالفت میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات ہی کی مخالفت کر دی، حالؔی نے لکھا تھا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو تعلیم یہ دی تھی کہ:

(۱) تم اوروں کی مانند دھوکہ نہ کھانا — کسی کو خدا کا نہ بیٹا بنانا
(۲) مری حد سے میرا نہ رتبہ بڑھانا — بڑھا کر بہت تم نہ مجھ کو گھٹانا
(۳) سب انساں ہیں واں جس طرح سرفگندہ — اسی طرح ہوں میں بھی اک اس کا بندہ
(۴) بنانا نہ تربت کو میری صنم تم — نہ کرنا مری قبر پر سر کو خم تم

(۵) نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم کہ بے چارگی میں برابر ہیں ہم تم

(٦) مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی

(شمارہ:٦،ص:٣٦٧)

مندرجہ بالا اشعار کو ڈاکٹر عزیز احسن صاحب نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات کہا ہے۔ اگر یہ اشعار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیمات یعنی احادیث ہیں تو ڈاکٹر عزیز احسن صاحب ثبوت پیش کریں۔

پہلے شعر کا دوسرا مصرع: ''کسی کو خدا کا نہ بیٹا بنانا'' مسلمانوں سے ایسا خطاب نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔ قرآن میں یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے جنہوں نے اپنے اپنے نبی عزیر اور مسیح علیہما السلام کو اللہ کا بیٹا کہا۔ آیت کریمہ: **و قالت الیھود عزیر ن ابن اللّٰہ و قالت النصٰریٰ المسیح ابن اللّٰہ**۔ ترجمہ: اور یہودی بولے عزیر اللہ کا بیٹا ہے، اور نصرانی بولے مسیح اللہ کا بیٹا ہے۔ (کنز الایمان)۔ آگے ہے: **و ما أمروا الّا لیعبدوا إلٰھا واحدا**۔ ترجمہ: اور انہیں حکم نہ تھا مگر یہ کہ ایک اللہ کو پوجیں۔ (کنز الایمان)

حالی صاحب کا تیسرا شعر اسمٰعیل دہلوی کے اس قول کے تناظر میں ہے: اور یہ یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ (تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، ص: ٢٥، مطبوعہ: میر محمد، کتب خانہ آرام باغ، کراچی۔ ماخوذ از حاشیہ بہار شریعت، حصہ:١، ص:٥٦، مکتبۃ المدینۃ)۔ جب سنی صحیح العقیدہ مسلمان حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کا ذکر کرتے ہیں تو وہابیہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مرتبہ اللہ تعالیٰ سے بھی بڑھا دیا۔ اور جہاں تک حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا رتبہ گھٹانے کی بات ہے تو حالی صاحب خود ہی اس کے مرتکب ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے اشعار میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مجبور، اپنے برابر، اپنے جیسا بشر اور ایلچی کہا۔

چوتھا شعر حالی صاحب نے ابن عبد الوہاب نجدی کے اس قول کے تناظر میں کہا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مزار صنم اکبر ہے۔ (بہار شریعت، حصہ اول، ص:٢١٤)۔ **قال محمد بن عبد الوھاب نجدی : فالقبر المعظم المقدس وثن و صنم بکل معانی الوثنیۃ لو کان الناس یعقلون**۔ (حاشیہ شرح الصدور بتحریم رفع القبور محمد بن عبد الوھاب، ص: ٢٥، مطبوعہ سعودیہ، ماخوذ از بہار شریعت، حصہ اول، ص:٢١٤)

ترجمہ: محمد ابن عبدالوہاب نجدی نے کہا: قبرِ معظم ومقدس (قبرانور حضور صلی اللہ علیہ وسلم) بت پرستی کے ہر معانی کے اعتبار سے صنم اکبر ہے۔ اگر لوگ سمجھیں۔

پانچویں شعر میں حالیؔ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ مساوات کا دعویٰ کیا اور یہ کہا کہ جس طرح ہم مجبور ہیں اسی طرح حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی مجبور ہیں۔ حالیؔ کا یہ شعر ابن عبدالوہاب نجدی کے متبعین کے اس قول کے تناظر میں ہے: کہ میری لاٹھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بہتر ہے کیوں کہ سانپ وغیرہ کو مارنے میں کام آسکتی ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فوت ہو چکے ہیں اور اب ان میں کوئی نفع باقی نہیں رہا وہ محض ایک ایلچی تھے جو اس دنیا سے جا چکے۔

بعض علما نے یہ بیان کیا کہ شیخ نجدی کے یہ اقوال مذاہب اربعہ میں کفر ہیں اور بعض نے کہا یہ باتیں تمام اہل اسلام کے نزدیک کفر ہیں (تاریخ نجد وحجاز از: مفتی عبدالقیوم قادری ہزاروی، ص ۱۵۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعویٰ مساوات کفر ہے: وہ دعویٰ مساوات (حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعویٰ مساوات) کفر خالص ہے (فتاویٰ رضویہ قدیم، ج:۶۔ص:۱۴۵)

''بنا نا نہ تربت کو میری صنم تم'' حدیث نہیں ہے، حدیث یہ ہے: "**و لا تتخذوا قبری عیداً**"۔ (جاءالحق، ص ۳۲۳) ترجمہ: میری قبر کو عید نہ بناؤ۔ عید کے دن خوشیاں منائی جاتی ہیں، کھیل کود بھی ہوتے ہیں، یہی اس جگہ مراد ہے، یعنی ہماری قبر پر انوار پر حاضر ہو تو باادب آؤ، یہاں آکر شور نہ مچاؤ۔ (جاءالحق، ص: ۳۲۳)

چھٹے شعر کے دوسرے مصرع میں حالی نے کہا: ''کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی''۔

شیخ نجدی مختلف طریقوں سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیص کیا کرتا تھا اور اس کا زعم تھا کہ توحید کو محفوظ رکھنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو'' طارش'' کہا کرتا تھا اور نجد کی لغت میں'' طارش'' چٹھی رساں یا ایلچی کو کہتے ہیں۔ (تاریخ نجد وحجاز، از مفتی عبدالقیوم ہزاروی، ص: ۱۵۰) حالیؔ کا مندرجہ بالا شعر ابن عبدالوھاب نجدی کے اسی قول کے تناظر میں ہے۔

ایلچی کا شرعی حکم ملاحظہ فرمائیں:

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ عزوجل کے رسول اعظم ونائب اکبر وخلیفۂ اعظم ہیں، ایلچی وہ ہوتا ہے جس کو پیغام یا خط پہنچانے کے سوا کوئی سرداری یا حکومت نہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اکبر میں اس لفظ کا استعمال کرنا بے شک تنقیص وتوہین ہے، اس کا حکم وہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین کرنے والے کا۔ (فتاویٰ رضویہ قدیم، ج:۶ ص: ۱۵۵)۔ واضح ہو کہ حضور صلی

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں تنقیص وتوہین کرنا کفر ہے۔

ڈاکٹر عزیز احسن صاحب لکھتے ہیں: لیکن عسکری صاحب ’’بنانا نہ تربت کو میری صنم تم‘‘ کو باغیانہ تصور کہتے ہیں گویا حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تربت کی پرستش کرنا کوئی اسلامی تعلیم ہے۔ عسکری صاحب کے اس نکتے سے کوئی بھی اتفاق نہیں کرسکتا۔ (ص: ۳٦۷)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تربت پاک کی اگر کسی نے پرستش کی ہو تو ڈاکٹر عزیز احسن صاحب اس کا ثبوت پیش کریں۔ عسکری صاحب کے اس نکتے سے ہر سنی صحیح العقیدہ مسلمان اتفاق کرے گا۔ حسن عسکری صاحب کے اس قول سے وہابیوں کے دل پر ضرور چوٹ لگے گی۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور تمام انبیائے کرام حیات حقیقی دنیاوی، روحانی، جسمانی سے زندہ ہیں، اپنے مزارات طیبہ میں نماز پڑھتے ہیں، روزی دیے جاتے ہیں، جہاں چاہیں تشریف لے جاتے ہیں، زمین وآسمان کی سلطنت میں تصرف فرماتے ہیں۔ (فتاویٰ رضویہ قدیم، ج: ٦ ص: ۱۵۵)

یہ تمام اشعار عبدہ ورسولہ کی تفسیر کہے جاسکتے ہیں، لیکن عسکری صاحب ’’بنانا نہ تربت کو میری صنم تم‘‘ کو باغیانہ تصور کہتے ہیں۔ گویا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تربت کی پرستش کرنا کوئی اسلامی تعلیم ہے، عسکری صاحب کے اس نکتے سے کوئی بھی اتفاق نہیں کرسکتا۔ پتہ نہیں انہوں نے کس تناظر میں ’’بنانا نہ تربت کو میری صنم تم‘‘ کو باغیانہ تصور کہا تھا؟ (ص: ۳٦۷)

ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کے نزدیک اگر حالیؔ صاحب کے یہ تمام اشعار عبدہ ورسولہ کی تفسیر ہیں تو انہیں عبدہ ورسولہ کی تفسیر پیش کرنی چاہیے تھی۔

عبدہ ورسولہ کی تفسیر:

عبد دیگر عبدہ چیزے دیگر او سراپا انتظار او منتظر

عبدہ وہ جو رب کا انتظار کرے، جیسے موسیٰ علیہ السلام وادی سینا میں۔ عبدہ وہ جس کا رب انتظار فرمائے، عبدہ وہ جس کی عزت رب کی نسبت سے ہو اور عبدہ وہ اعلیٰ غلام کہ اس کی عبدیت سے مولیٰ کی عظمت ظاہر ہو، رب فرماتا ہے: **هو الذى أرسل رسوله** "۔

وہی ہے اوّل وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

ڈاکٹر اقبالؔ نے کیا خوب فرمایا:

عبدہ دہر است دہر از عبدہٗ — ماہمہ رنگیم داد بے رنگ و بو

عبدہ زمانہ ہے، زمانہ عبدہ سے ہے — ہمارے تمام رنگ اس کی عطا، وہ خود بے رنگ ہے

عبدہٗ چندو چگون کائنات — عبدہٗ راز درون کائنات

عبدہ کیف و کم کائنات ہے — عبدہ کائنات کا راز دروں ہے

کس ز عبدہٗ آگاہ نیست — عبدہٗ جز سر الاّ اللہ نیست

عبدہ سے کوئی آگاہ نہیں ہے — عبدہ سر الا اللہ (سر اللہ) ہے

عبدہٗ صورت گر تقدیر ہا است — تا نہ بینی از مقام ما رمیت

عبدہ تقدیروں کا مصور (سنوارنے والا) ہے۔تو اس کے مقام کو نہ سمجھے گا جب تک کہ مقام مارمیت کو نہ دیکھے۔

ان اشعار کی تلخیص کرتے ہوئے مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

یعنی عبدہٗ وہ جو سارے عباد کی اصل ہے، عبدہٗ جس کا رنگ سارے عباد میں ہو اور خود بے رنگ ہو، عبدہٗ سارے عباد کا راز دروں ہے، عبدہٗ کے مقام تک اب تک کوئی نہ پہنچا، عبدہٗ سے سارے عباد کی تقدیریں وابستہ ہیں۔میں ان چند شعروں میں عبدہٗ کے معانی بیان نہ کرسکا اگر عبدہٗ کا مرتبہ پہچاننا چاہے تو یہ آیت پڑھ: **و مارمیتَ إذ رمیتَ و لٰکنّ اللّٰہ رمیٰ۔** (پ:۹،سورہ انفال،آیت:۱۷) ترجمہ: اے محبوب! وہ خاک جو تم نے پھینکی، تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔(شان حبیب الرحمٰن، ص:۹۶/۹۷)

ھو الذی أرسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق۔ (پ:۲۶،سورہ فتح، رکوع:۴)۔وہ وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔

ھو الذی أرسل رسولہ۔ اے مسلمانو! اگر رب تعالیٰ کو جاننا چاہتے ہو تو اس طرح پہچانو کہ رب وہ ہے جس نے ایسے رسول علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر میری قدرت میرا علم، میری سخاوت، میرا کرم، غرض کی میری تمام صفات کا نظارہ کرنا ہے تو میرے محبوب علیہ السلام کو دیکھ لو کہ مظہر ذات ہیں۔(شان حبیب الرحمٰن، ص:۱۷۶)

کہاں حالیؔ صاحب کے کلمۃ السفلیٰ اور اللہ عزوجل کے کلمۃ العلیا؟۔قارئین حضرات! آپ نے دیکھ لیا کہ حالیؔ صاحب کے مندرجہ بالا اشعار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں حد درجہ گستاخی پر مبنی ہیں نہ کہ عبدہ ورسولہ کی تفسیر جیسا کہ ڈاکٹر عزیز احسن صاحب نے دعویٰ کرنے کی جسارت کی۔

قبر پرستی کی حقیقت:

قبر پرستی کی حقیقت جاننے کے لیے مشہور وہابی عالم مسعود عالم ندوی کی مندرجہ ذیل تحریر ملاحظہ فرمائیں: **فلم یکفر رحمه اللّٰه الا عباد الأوثان من دعاة الاولیاء و الصالحین و غیرهم من اشرك باللّٰه و جعل له انداداً بعد اقامة الحجة و وضوح المحجة و بعد ان بدؤوه بالقتال فحینئذٍ قاتلهم وسفك دمائهم و نهب اموالهم و معه الکتاب و السنة و اجماع سلف الامة۔** (تبرکۃ الشیخین بحوالہ محمد بن عبدالوہاب، ص:۱۷۱،۱۷۲ ماخوذ از تاریخ نجد وحجاز، ص:۵۸) ترجمہ: شیخ نجدی نے صرف ان بت پرستوں کی تکفیر کی ہے جو اولیاء اللہ اور صالحین بزرگوں سے (دعا کے ذریعہ) مرادیں مانگتے تھے۔ (اس بنا پر) شیخ نجدی نے انہیں مشرک قرار دیا اور اپنی حجت پوری کرنے کے بعد ان سے قتال شروع کیا، ان تمام مسلمانوں کا خون بہایا، ان کے اموال لیے، (ان کے زعم فاسد میں) یہ سب کچھ کتاب وسنت اور اجماع کے مطابق تھا۔ (تاریخ نجد وحجاز، ص:۵۹)

مندرجہ بالا اقتباس سے معلوم ہوا کہ حسن عسکری صاحب نے شیخ نجدی کے انہی عقائد کے تناظر میں ''بنانا نہ تربت کو میری صنم تم'' کو باغیانہ تصور کہا تھا۔

ڈاکٹر عزیز احسن صاحب فرماتے ہیں؛ ''ہاں بعض بزرگوں نے حالی کے مسدس میں آنے والے لفظ ''ایلچی'' پر اعتراض کیا ہے، لیکن مجھے تو یہ بھی سورۂ حٰم السجدہ کی آیت نمبر ٦ کا تفسیری اظہار لگتا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے نبی برحق (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو حکم دیا ہے کہ اعلان فرمادیں: **قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی انما الٰهکم اله واحد۔** تم فرماؤ آدمی ہونے میں تو میں تمھیں جیسا ہوں مجھے وحی ہوتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے۔ (کنز الایمان)

چنانچہ کہ ''بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی'' کہہ کر حالی نے کوئی بے ادبی نہیں کی۔ لغات میں بھی ایلچی کے معنیٰ پیغام بر، زبانی یا تحریری پیغام پہنچانے والا، قاصد لکھے ہیں۔ (ص:۳۶۷)

ایلچی کا شرعی حکم ماقبل سطور میں گزر چکا ہے۔ اب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنے کا حکم مذکورہ آیت کریمہ کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں جسے ڈاکٹر عزیز احسن صاحب نے نظر انداز کر دیا۔

مذکورہ آیت کی تفسیر: سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بلحاظ ظاہر **انا بشر مثلکم** فرمانا حکمت ہدایت و ارشاد کے لیے بطریق تواضع ہے اور جو کلمات تواضع کے لیے کہے جائیں وہ تواضع کرنے والے کے علوئے منصب کی دلیل ہوتے ہیں چھوٹوں کو ان کلمات کو اس کی شان میں کہنا یا اس سے

برابری ڈھونڈنا ترک ادب اور گستاخی ہوتا ہے تو کسی امتی کو روا نہیں کہ وہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مماثل ہونے کا دعویٰ کرے ۔ یہ بھی ملحوظ رہنا چاہیے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشریت بھی سب سے اعلیٰ ہے ہماری بشریت کو اس سے کچھ بھی نسبت نہیں ۔

ایلچی کو مذکورہ آیت کی تفسیر بتانے والے ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کو ذرا بھی ہچکچاہٹ نہیں ہوئی کہ وہ ایلچی جیسے گستاخانہ لفظ کو قرآن سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے شایان شان ثابت کرنے کی کوشش کررہے ہیں ۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہنا بھی گستاخی اور کافروں کا طریقہ ہے ۔

اس آیت کریمہ میں "**یوحیٰ الی** "بھی ہے ۔ حاؔلی صاحب اور ڈاکٹر عزیز احسن صاحب بشریت میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے برابر ہیں تو کیا ان دونوں حضرات پر بھی وحی نازل ہوتی ہے؟

عزیز احسن صاحب فرماتے ہیں : عسکری صاحب نے عربی شاعری اور متعلقات سیرت سے استفادہ کیے بغیر صرف تنقیدی نکات سامنے رکھے تھے ۔ ورنہ وہ ''احمدِ بلامیم'' کے عقیدے کو اس قدر شد و مد سے قطعی نہیں سراہتے ۔ (ص ۳٦۸)

''احمد بے میم'' کا شرعی حکم : میم کی چادر رکھ پر ڈالے احمد بن کر آیا

اس مصرعے کے بارے میں اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں : اگر '' آیا'' کی ضمیر حضرت عزت عزّ جلالہ کی طرف ہے تو بے شک عوام کا ایسا بکنا صریح کلمہ کفر ہے ۔ اور اگر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف ہے تو حضور (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بے شک احد اور احمد ہیں ۔ دونوں حضور کے اسمائے طیبہ سے ہیں اور معنیٰ یہ کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مظہر شان احدیت ہیں ۔ تجلی احدیت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عبدیت میں جلوہ گر ہے ۔ اگر میم کہ طوق و کمر پوش ہے ساتھ نہ ہو تو عالم میں کوئی دیکھنے کی تاب نہ لائے ۔ پھر بھی ایسے لفظ سے بچنے ہی کا حکم ہے کہ عوام کا ذہن ایسی دقیق توجیہ کی طرف نہ جائے گا اور ان کے فساد عقیدہ یا اس بات کا موہم ہوگا کہ وہ قائل کو گمراہ جانیں ۔ (فتاوی رضویہ قدیم ، ج:٦ص:۱۰۵/۱۰٦)

ڈاکٹر عزیز احسن صاحب فرماتے ہیں : لیکن عسکری صاحب نے یہ نہیں دیکھا کہ ڈھکے چھپے یا کھلے الفاظ میں عبدہ کو معبود بنانا از روئے شریعت بہت بڑا گناہ ہے ۔ (ص:۳٦۸)

عسکری صاحب نے ''احمد بلامیم کا نور'' کی حمایت کر کے کوئی خلاف شرع کام نہ کیا لیکن ڈاکٹر عزیز احسن صاحب کا ذہن اس کی دقیق توجیہ کی طرف نہ پہنچ سکا ، اس لیے وہ حسن عسکری صاحب کی مخالفت کر بیٹھے ۔

ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد صاحب نے اپنے مضمون ''نعت نبی امیؐ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور عکس معرفت کا محاسبہ'' میں عکس معرفت کے شاعر مست سیتا پوری کی نعتیہ شاعری پر تنقید کی، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ضمائر ''ان''، ''تو''، ''تم''، ''وہ''، ''ان'' کا استعمال ڈاکٹر صاحب کے لیے سوہان روح ہے۔فرماتے ہیں: اردو کے اکثر شعرانے بڑی بے احتیاطی کا مظاہرہ کیا ہےاور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں وہ ضمیریں استعمال کی ہیں جو باہمی بول چال میں عام آدمی بھی اپنے احباء و اصدقاء کے لیے استعمال نہیں کرتا مثلاً ''ان''، ''تو''، ''تم''''وہ''، ''ان کا'' وغیرہ ضمائر۔(ص:۶۲۸)

ڈاکٹر آزاد صاحب سے قبل ڈاکٹر ملک زادہ منظور احمد، ڈاکٹر اشفاق انجم مالیگاؤں اور رؤوف خیر کا کہنا تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ضمائر ''تو''، ''تجھ''، ''تم''، ''تیرا''، ''اس'' کا استعمال شان رسالت میں گستاخی ہے،مگر اب آزاد صاحب کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ضمائر ''ان''، ''وہ''، ''ان کا'' کے استعمال پر بھی اعتراض ہے۔''ان، اور ''ان کا'' ضمائر کا استعمال تو بڑے لوگوں ہی کے لیے ہوتا ہے۔ضمیر ''وہ'' کا استعمال چھوٹے اور بڑے سب کے لیے ہوتا ہے:

ہاں مگر ان کا ہوں ادنیٰ امتی عرش سے بہتر ہے جن کی خاک پا

(عکس معرفت،ص:۳۴/دبستان نعت،شمارہ:۶،ص:۶۲۸)

ڈاکٹر آزاد صاحب نے اس شعر پر یہ تبصرہ کیا: جن کی خاک پا عرش سے بہتر ہے ان کا امتی، جس کو اپنے ادنیٰ ہونے کا اعتراف بھی ہے، آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اعلیٰ شخصیت کے لیے ''ان'' کا استعمال کرے۔العیاذ باللہ۔(دبستان نعت،شمارہ:۶،ص:۶۲۸/۶۲۹)

''عکس معرفت'' کے شاعر نے نظم میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ''جن کی''اور ''ان کا'' کا استعمال کیا تو ڈاکٹر آزاد صاحب کو تکلیف ہوئی تو پھر ان کی کیا مجبوری تھی کہ انہوں نے نثر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ضمائر ''جن کی'' اور ''ان کا'' کا استعمال کیا؟

وہ نہ ہوتے تو نہ ہوتی کائنات ان کی خاطر وسعت ارض و سما ں

(عکس معرفت،ص:۳۵)

اس شعر پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر آزاد صاحب فرماتے ہیں: اس میں ''وہ'' اور ''ان کی'' ضمائر کا استعمال نا قابل برداشت ہے۔(دبستان نعت،شمارہ:۶،ص:۶۲۹)

ڈاکٹر صاحب! آپ نے نثر میں لکھا: ''ان کا امتی'' تو آپ نے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کے لیے ''ان کا'' کا استعمال کیا تو آپ نے کیسے برداشت کیا؟

''وہ نہ ہوتے تو نہ ہوتی کائنات''۔ڈاکٹر صاحب! اس مصرع میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ''وہ'' ضمیر واحد غائب کا استعمال ہوا ہے، ''وہ'' کا استعمال ناقابل برداشت ہے تو ''وہ'' کا متبادل بتائیں اور یہ بھی بتائیں کہ کیوں ناقابل برداشت ہے؟

ذکر ان کا قلب کی معراج ہے۔(عکس معرفت، ص:۳۵) میں ''ان کا'' کی ضمیر دل میں کھٹکتی ہے۔(ص:۶۲۹)

ڈاکٹر صاحب! آپ نے جب لکھا؛ ''ان کا امتی'' تب ''ان کا'' کی ضمیر آپ کے دل میں کیوں نہیں کھٹکی؟ ڈاکٹر صاحب! ''ان کا'' کی ضمیر میں کیا بے ادبی ہے؟ جو آپ کے دل میں کھٹکتی ہے؟ ''ان کا'' کا متبادل بھی بتائیں؟

تم آئے آگیا دور بہاراں یا رسول اللہ گلستاں ہو گیا رشک گلستاں یا رسول اللہ

(عکس معرفت، ص:۷۰)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ''تم'' خار کی طرح چبھتا ہے۔اسی طرح مصرع: ظلم اعدا کا دیا تم نے تبسم سے جواب۔(عکس معرفت، ص:۸۲) میں ''تم'' کا استعمال قوت برداشت سے باہر ہے۔(ص:۶۲۹)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ضمائر ''تم''، ''تو''، ''تیرا''، ''تجھ'' وغیرہ کا استعمال تمام نعت گو شعرا نے کیا ہے، جن میں علما، فقہا بھی شامل ہیں، یہاں تک کہ ان ضمائر کے استعمال کو گستاخی بتانے والے رؤوف خیر نے ''تو'' کا استعمال کیا ہے۔دبستان نعت، شمارہ:۲، ص:۳۹۵ پر رؤوف خیر صاحب رقم طراز ہیں: معذرت: (اللہ معاف کرے) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں (''تو''، ''تیرے'') سے خطاب گستاخی ہے مگر علامہ آزاد بلگرامی کی مذکورہ نعت نبی کا منظوم ترجمہ کرتے ہوئے مجبوراً یہ اسلوب اختیار کرنا پڑا۔(ڈاکٹر رؤوف خیر)

فارسی کلام علامہ آزاد بلگرامی:

اے روئے تو آئینہ دیدار خدائی بینائی ترا نیست ز اللہ جدائی

منظوم ترجمہ ڈاکٹر رؤوف خیر:

چہرہ ترا آئینہ دیدار خدائی دیدار نہیں ہے تیرا خالق سے جدائی

ڈاکٹر اشفاق انجم مالیگاؤں دبستان نعت، شمارہ:۲،ص:۵۵۲ پر رقم طراز ہیں: حقیقت یہ ہے کہ راقم الحروف نے اپنے نعتیہ مجموعہ کلام "**صلوا علیه و آله**" (۲۰۰۱ء) کے پیش لفظ میں تحریر کیا تھا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو"تو"، "تیرا"، "تجھ کو" جیسے القاب سے مخاطب کرنا میرے نزدیک بے ادبی ہی نہیں بلکہ گستاخی ہے۔

ڈاکٹر شرر مصباحی صاحب فرماتے ہیں: آپ (ڈاکٹر انجم صاحب) نے "صلوا علیہ وآلہ" میں ایک سلام میں اٹھائیس بار اور دوسرے سلام میں دس بار حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو "تم" سے مخاطب کیا ہے، جس طرح نثر میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ائمۂ عظام کو "تو"، "تیرا" سے خطاب کرنا بے ادبی ہے، ایسے ہی "تم"، "تمہارا" سے خطاب کرنا بھی بے ادبی ہے، اور نظم میں ان دونوں صورتوں پر فقہائے زماں اور شعرائے اسلام کا تعامل ہے۔ (حدائق بخشش تصحیح شدہ کا جائزہ، ص:۷۹)

نوؔر نوابی کے نعتیہ مجموعہ کلام "قلزم نور" کے بارے میں ڈاکٹر آزاد صاحب فرماتے ہیں: حضرت نور کے یہاں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر خیر بہت زیادہ ادب واحترام کے ساتھ کیا گیا ہے، ان کے کلام میں راقم کو ادب کے منافی کچھ نظر نہیں آیا۔ (شمارہ:۳،ص:۳۰۹)

حضرت نوؔر کی کتاب "قلزم نور" میں صفحہ ۵۴ پر ایک نعت درج ہے، جس کی ردیف ہے: "تیرے آگے"۔ جس میں نوؔر صاحب نے "ترے" کا استعمال چوبیس بار، "تیرا" کا دو بار، "تو" کا دو بار، "تری" کا دو بار اور "تیرے" کا ایک بار استعمال حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان اقدس میں کیا ہے، اس کے علاوہ "ان"، "ان کا"، "ان کی"، اور "تجھ" کا استعمال نوؔر صاحب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت نوؔر کے "قلزم نور" میں "تو"، "تیرا"، "ترے"، "ان"، "ان کا"، "ان کی" وغیرہ کا استعمال آزاد صاحب کے نزدیک بہت زیادہ ادب واحترام کے زمرے میں ہے اور ادب کے منافی نہیں ہے۔ ایسا کیوں؟ جب کہ یہی ضمائر مسؔت سیتاپوری کے نعتیہ مجموعہ کلام "عکس معرفت" میں ڈاکٹر آزاد صاحب کو کہیں خار کی طرح چبھتے ہیں اور کہیں ان کی قوت برداشت سے باہر ہیں۔

آیت کریمہ: "**یـا أیّهـا الـذیـن آمنوا لا ترفعوا أصواتکم فوق صوت النّبی**"۔ (پ:۲٦، سورہ الحجرات، آیت:۲) ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے نبی کی آواز سے۔ (کنزالایمان)

تفسیر وشان نزول: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت ثابت بن قیس بن شماس

کے حق میں نازل ہوئی، انہیں ثقل ساعت تھا، اور آواز ان کی اونچی تھی، بات کرنے میں آواز بلند ہو جایا کرتی تھی، جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ میں اہل نار سے ہوں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت سعد سے دریافت فرمایا، انہوں نے عرض کی: کہ وہ میرے پڑوسی ہیں اور میرے علم میں انہیں کوئی بیماری تو نہیں ہوئی، پھر آ کر ثابت سے اس کا ذکر کیا، ثابت نے کہا: یہ آیت نازل ہوئی اور تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ بلند آواز ہوں تو میں جہنمی ہو گیا۔ حضرت سعد نے یہ حال خدمت اقدس میں عرض کی تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ اہل جنت سے ہیں۔ (خزائن العرفان)

ڈاکٹر آزاد صاحب رقم طراز ہیں: جلالین شریف میں پارہ:٢٦، سورہ الحجرات، آیت:٢ کی شان نزول کی بابت رقم ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر وحضرت عمر رضی اللہ عنہما کے اقرع بن حابس اور قعقاع بن معبد کو آمر (گورنر) بنائے جانے کے بارے میں بحث ومباحثہ کی بابت نازل ہوئی، جس میں ان کی آوازیں پیش نبی اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بلند ہوگئی تھیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ قعقاع بن معبد کے حق میں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اقرع بن حابس کے حق میں تھے۔ (تفسیر جمل و جلالین شریف، ص:٤٢٦ وحاشیہ:٢٩)

مولانا نعیم الدین مرادآبادی پر اعتراض کرتے ہوئے ڈاکٹر آزاد صاحب فرماتے ہیں؛ کنز الایمان، ص:٧٤٥، حاشیہ:٤ میں مولانا کے الفاظ سے عیاں ہے کہ یہ الفاظ نزول آیت کے بعد کے ہیں، جب کہ شان نزول قبل نزول آیت کے واقعہ سے متعلق ہوتا ہے (''شان'' مؤنث ہے لہٰذا ''ہوتا'' کی جگہ ''ہوتی'' ہونا چاہیے۔) اور نزول کے بعد کا واقعہ یا تو بطور اطاعت آیت ہوتا یا مخالفت آیت سے متعلق ہوتا ہے، مولانا کے اس سلسلے کے الفاظ ملاحظہ ہوں: جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت اپنے گھر میں بیٹھ رہے، اس طرح مولانا نعیم الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آیت مافی البحث کی بابت شان نزول کے تحت جو باتیں بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل کی ہیں وہ باتیں تو صحیح ہیں لیکن انہیں اس روایت کو شان نزول کے تحت لکھنا نادرست ہے۔ (ص:٦٣٠)

ڈاکٹر آزاد صاحب کو نزول آیت کے بعد کا واقعہ: ''جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت اپنے گھر میں بیٹھ رہے''۔ یاد رہا اور آیت کے نزول کے قبل کا واقعہ: ''انہیں (ثابت بن قیس) ثقل سمع تھا اور آواز ان کی اونچی تھی''۔ ڈاکٹر آزاد صاحب بھول گئے۔ اس لیے ڈاکٹر آزاد صاحب نے مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ پر یہ الزام لگا دیا کہ: ''لیکن انہیں اس روایت کو شان نزول کے تحت

لکھنا نادرست ہے''۔(ص ۶۳۰)

ڈاکٹر آزاد صاحب فرماتے ہیں: مولانا کے اس سلسلے کے الفاظ ملاحظہ ہوں: جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ثابت اپنے گھر میں بیٹھ رہے۔

یہ الفاظ مولانا نعیم الدین مرادآبادی صاحب کے نہیں ہیں، یہ الفاظ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہیں جنہیں نہ جانے کیوں آزاد صاحب نے مولانا موصوف سے منسوب کر دیا۔ مذکورہ آیت کے مفسر عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں اور انہوں نے ہی مذکورہ آیت کی شان نزول بھی بیان فرمائی ہے اور مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ صرف ناقل ہیں۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کا گھر میں بیٹھنا نزولِ آیت کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس لیے کہ ان کی آواز نزول آیت کے پہلے سے ہی بلند تھی۔ صاحب جلالین نے اس آیت کے نزول کا تعلق ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے بتایا۔ اور صاحب خزائن العرفان نے اس آیت کے نزول کا تعلق ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ سے بتایا ہے۔ شان کے معنیٰ تعلق کے بھی ہوتے ہیں۔

شان۔ (ع، ا، ف) عظمت۔ شوکت۔ دبدبہ۔ عزت۔ توقیر۔ قدرت۔ طاقت۔ انداز۔ طرز۔ وضع۔ نسبت۔ حق میں۔ (فیروز اللغات ص ۸۳۴) مذکورہ آیت کی شان نزول حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی۔ حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ نے صرف اس کو خزائن العرفان میں نقل فرمایا۔ ڈاکٹر آزاد صاحب کا حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ پر اعتراض کرنا ابن عباس رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنا ہے۔ اس روایت کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس واقعے کے دوران ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو جنت کی بشارت دی۔ لہٰذا مولانا نعیم الدین علیہ الرحمہ نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہ جو واقعہ نقل کیا ہے مذکورہ آیت کے شان نزول کی تحت ان کا لکھنا درست ہے۔

ایک ہی آیت کے بارے میں مختلف مفسرین نے مختلف روایات بیان کی ہیں۔ جس مفسر کو جس صحابی سے جو روایت ملی اس کو لکھا وہ سب حدیث ہیں اور صحیح ہیں اس لیے کسی بھی مفسر جس کی تفسیر صحیح احادیث پر مبنی ہے اسے شان نزول کے تحت لکھنا درست ہے۔

''صحابہ کرام نے قرآن کی تفسیر کی اور آپس میں بہت طرح ان میں اختلاف رہا''۔ (جاء الحق، ص: ۵۷ از مفتی احمد یار خان نعیمی)

ڈاکٹر آزاد صاحب فرماتے ہیں: ترجمۃ القرآن وتفسیر کلام الٰہی میں ہوش مند ذہن اور ضروری معلومات کی احتیاج ہے جس میں چوک کی بنا پر مفسر اعظم حضرت مولانا نعیم الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے قرآن پاک کی محولہ بالا آیت کی شان نزول میں ایک غلطی کا ارتکاب ہو گیا اور انھوں نے زید کی ٹوپی عمرو کو پہنا دی۔(ص:٦٣١)

مفسر اعظم حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ سے کوئی چوک نہیں ہوئی۔ چوک تو آزاد صاحب سے ہوئی ہے جس کا ذکر پہلے گزر چکا۔ آزاد صاحب نے مولانا نعیم الدین علیہ الرحمہ پر طنز کیا: ''انہوں'' (مولانا نعیم الدین علیہ الرحمہ) نے زید کی ٹوپی عمرو کو پہنا دی''۔ اس طنز سے اگر آزاد صاحب کی مراد یہ ہے کہ مذکورہ آیت حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے حق میں نازل ہوئی تھی، حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حق میں نہیں نازل ہوئی تھی تو پہلے گزر چکا کہ مفسرین کے درمیان ایک ہی آیت کی شان نزول کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مذکورہ آیت کریمہ کی شان نزول کے بارے میں مختلف مفسرین نے مختلف روایت بیان کی ہے۔

علامہ آلوسی علیہ الرحمہ کی تفسیر ''روح البیان'' اور تفسیر ابن کثیر میں اس آیت کے شان نزول کے تحت حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ لکھا ہوا ہے۔ تفسیر قُرطبی میں اس آیت کی شان نزول کے بارے میں ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ لکھا ہوا ہے، اس کے علاوہ حضرت علی وجعفر اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم کا واقعہ لکھا ہوا ہے جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ کا قول ''لاترفعوا'' ہمارے بارے میں نازل ہوا جب میری، جعفر اور زید بن حارثہ کی آواز بلند ہوئی۔ ہم حضرت حمزہ کی بیٹی کے بارے میں جھگڑ رہے تھے، جنہیں حضرت زید بن حارثہ مکہ سے لے کر آئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کے حق میں فیصلہ فرمایا کیوں کہ ان کی خالہ حضرت جعفر کے نکاح میں تھیں۔

اب ڈاکٹر آزاد صاحب بتائیں کہ کس نے کس کی ٹوپی کس کو پہنائی؟ علمائے ربانیین پر طنز کرنا، ان کی تضحیک کرنا دین میں خسارہ کا سبب ہے۔

ڈاکٹر آزاد صاحب فرماتے ہیں: اکثر وبیشتر شعرائے نعت نے ''گنبد خضرا'' کی ترکیب استعمال کی ہے جو راقم کے نزدیک ناروا ہے اس لیے کہ عربی وفارسی میں موصوف وصفت کی ترکیب میں تذکیرو تانیث وتعریف وتنکیر یعنی معرفہ ونکرہ میں مطابقت ضروری ہے۔ ''گنبد'' خالص فارسی لفظ ہے جو مذکر ہے، جب کہ ''خضرا'' خالص عربی لفظ ہے اور مؤنث ہے۔ ''خضرا'' اخضر کا اسم تفضیل ہے اور مؤنث کا

صیغہ ہے۔

مرے مالک کرم کردے مجھے ایسا نظر آئے	نظر جس سمت اٹھے گنبد خضرا نظر آئے
(عکس معرفت،ص:٧٦)

اب کوئی نہیں اس کے سوادل کی تمنا	موت آئے مجھے گنبد خضرا نظر میں ہو
(عکس معرفت،ص:٨٧)

صرف نظروں میں رہا گنبد خضرا کا جمال	خودکو میں بھول گیا بھول گیا آج کی رات
(عکس معرفت،ص١٠٣)

(دبستان نعت،شمارہ:٦،ص:٦٢٨)

ترکیب ''گنبد خضرا'' کے استعمال کے تعلق سے آزاد صاحب نے مستؔ صاحب کے مجموعۂ نعت ''عکس معرفت'' سے تین حوالے پیش کیے، اب اسی ترکیب ''گنبد خضرا'' کے استعمال کے تعلق سے آزاد صاحب نے حضرت نورؔ کی تعریف وتحسین کی ہے:

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بےنظیر ہونے کی حقیقت کی جلوہ گری ذیل کے تین اشعار میں ملاحظہ فرمائیں:

مکین سدرہ بصد احترام آئیں جہاں	مکین گنبد خضرا کے گھر کی بات کرو
(قلزم نور،ص:١١٦)

کیا پوچھتے ہو شان رسالت مآب کی	ملتی نہیں نظیر کہیں اس جناب کی
(قلزم نور،ص:١١٦)

ان کو مرے خدا نے بنایا ہے لاجواب	کوئی مثال ہی نہیں اس انتخاب کی
(قلزم نور،ص:١١٦)

عکس معرفت کے شاعر مستؔ سیتاپوری نے ''گنبد خضرا'' کا استعمال کیا تو آزاد صاحب نے کہا ''اکثر وبیشتر شعرائے نعت نے ''گنبد خضرا'' کی ترکیب استعمال کی ہے جو راقم کے نزدیک ناروا ہے''۔(ص:٦٢٨)

جب حضرت نورؔ نوابی نے ''گنبد خضرا'' کا استعمال کیا تو آزاد صاحب نے لکھا کہ ''نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بےنظیر ہونے کی حقیقت کی جلوہ گری ذیل کے تین اشعار میں ملاحظہ فرمائیں''۔ جن میں ایک شعر میں ''گنبد خضرا'' کی ترکیب استعمال کی گئی ہے۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے لفظ ''ان کو'' کا استعمال کرنے پر ڈاکٹر آزاد صاحب نے حضرت نورؔ کی تحسین کی ہے۔ اور لفظ ''ان'' کا استعمال کرنے پر آزاد صاحب کا تیور جناب مستؔ صاحب کے بارے میں یہ ہے:

وہ نہ ہوتے تو نہ ہوتی کائنات ان کی خاطر وسعت ارض و سماں

(عکس معرفت، ص:۳۵)

اس میں ''وہ'' اور ''ان'' کی ضمائر کا استعمال ناقابل برداشت ہے۔ (شمارہ:٦، ص:٦٢٩)

عربی زبان میں موصوف وصفت کی ترکیب میں مطابقت ضروری ہے کیوں کہ عربی میں صفت مذکر یا مؤنث ہوتی ہے جیسے:

''کلمۃ طیبۃ''۔ ''شجرۃ مبارکۃ''۔ ''عاملۃ ناصبۃ''۔ ''شجرۃ طیبۃ''۔

ان میں موصوف وصفت کی جنس (تانیث) میں مطابقت ہے۔

''رجل مؤمن''۔ ''علم نافع''۔ ''قول معروف''۔ ان میں موصوف وصفت کی جنس (تذکیر) میں مطابقت ہے۔

ڈاکٹر آزاد صاحب یہی قاعدہ فارسی کے بارے میں بھی بتاتے ہوئے فرماتے ہیں: موصوف و صفت کی ترکیب میں تذکیرو تانیث میں مطابقت ضروری ہے۔

ڈاکٹر صاحب سے یہاں سہو ہو گیا ہے کیوں کہ فارسی میں صفت کی کوئی جنس نہیں ہوتی ہے جیسے: ''سبز''۔ ''گرم''۔ ''نرم''۔ ''تازہ''۔ ''تر''۔ وغیرہ کی کوئی جنس نہیں ہے، نہ مذکر نہ مؤنث۔

ترکیب:

''نان گرم'' میں ''نان'' مؤنث، ''گرم'' کی کوئی جنس نہیں۔ ''موسم گرم'' میں ''موسم'' مذکر، ''گرم'' کی کوئی جنس نہیں۔ ''چادر سبز'' ''چادر'' مؤنث، ''سبز'' کی کوئی جنس نہیں۔ ''گنبد سبز''، ''گنبد'' مذکر، ''سبز'' کی کوئی جنس نہیں۔ ''گلاب تازہ'' میں ''گلاب'' مذکر، ''تازہ'' کی کوئی جنس نہیں۔ ''گل تر'' میں ''گل مذکر''، ''تر'' کی کوئی جنس نہیں۔

قارئین حضرات! مندرجہ بالا مثالوں میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ فارسی میں موصوف خواہ مذکر ہو یا مؤنث کسی بھی صفت کا استعمال کر سکتے ہیں، فارسی میں جو صفت، موصوف مذکر کے ساتھ استعمال ہوتی ہے وہی صفت موصوف مؤنث کے ساتھ استعمال ہوتی ہے۔ ان دو صورتوں کے علاوہ تیسری صورت عربی فارسی ترکیب یا فارسی عربی ترکیب کی ہے۔ فارسی میں موصوف مذکر کے ساتھ عربی صفت

کا مذکر ہونا یا موصوف مؤنث کے ساتھ عربی صفت کا مؤنث ہونا ضروری نہیں ہے۔اسی لیے ''گنبد'' (فارسی موصوف مذکر) کے ساتھ ''خضریٰ'' (عربی صفت مؤنث) کا استعمال جائز ہے۔

فن شاعری کے ماہر اور عربی و فارسی کے عالم ڈاکٹر شرر مصباحی کی رائے ملاحظہ فرمائیں:

ڈاکٹر سراج قادری مدیر مجلّہ دبستان نعت کے ایک مراسلے کے جواب میں ۲۳/ مارچ ۲۰۲۱ء کو لکھے ہوئے اپنے خط میں شرر صاحب رقم طراز ہیں:

والا نامہ موصول ہوا، آپ نے مجھ بے بضاعت سے ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری کے اعتراض در بارۂ ترکیب ''گنبد خضرا'' استفسار کیا ہے۔کسی لفظ کی صحت استعمال کے لیے سب سے بڑی سند فصحائے زبان کا کلام ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی لفظ لغت اور قواعد کے برخلاف بین الفصحاء شائع و ذائع ہے تو وہ بھی داخل فصاحت ہے کہ عرف کو افادہ مقاصد میں داخل تام ہے۔فصحائے فارس نے ''گنبد خضرا'' استعمال کیا ہے۔مثلاً:

هرکجا پامی نهی باشد گلستاں از سرور — نغمهائے بلبلاں تا گنبد خضرا ستی
صد ہزاراں آفریں باد ابر آں کس کو بفضل — سرفراز مرکز ایں گنبد خضرا شود
چناں کند چوں خضر ملک شاہ راز وجود — کہ صد ستارا بتابد ز گنبد خضراش
از پئے حرمت کعبہ چہ عجب پس ازیں — بانگ دق و الکوس از گنبد خضرا شنوند

گنبد خضرا کی ترکیب کی صحت کے لیے یہ سند کافی ہے۔(حدائق بخشش تصحیح شدہ کا جائزہ، ص:۶۰/۶۱)

شرر صاحب فرماتے ہیں: ڈاکٹر اسمٰعیل صاحب نے لکھا ہے: ''خضرا'' اسم تفضیل کا مؤنث صیغہ ہے، جس کا مذکر صیغہ اخضر ہے''۔

یہاں بھی ڈاکٹر صاحب سے سہو ہو گیا ہے، اسم تفضیل کا مؤنث ''فُعْلیٰ'' کے وزن پر آتا ہے جیسے: اصغر سے صغریٰ اور صفت مشبہ کا مؤنث ''فَعْلاء'' کے وزن پر آتا ہے، جیسے: اُخضر سے ''خضراء''۔ یہ ہمزہ مکتوبی ملفوظی ہوتا ہے اور تقطیع میں محسوب ہوتا ہے۔عربی کے قصائد ہمزیہ سے اس کی تصدیق کی جاسکتی ہے۔اہل فرس نے ''فعلاء'' کا ہمزہ حذف کر دیا اور اردو زبان میں فارسی کا اثر و نفوذ زیادہ ہے اس لیے اردو میں بھی ''خضرا''، ''زہرا''، ''حمرا'' بغیر ہمزہ استعمال کیا جاتا ہے۔(حدائق بخشش تصحیح شدہ کا جائزہ، ص:۶۲)

گنبد خضرا کے معنی: آسمان، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مزار مبارک کا گنبد۔(لفظی معنی: سبز گنبد)۔(فیروز اللغات کلاں، ص:۱۱۰۷)

''دبستان نعت، ۵ میں اہلِ قلم کے خیالات'' کے عنوان سے جناب فاروق جائسی صاحب کا مضمون عمدہ ہے۔حضرت امام بوصیری علیہ الرحمہ کی شان میں ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی نے جو گستاخانہ رویہ اختیار کیا ہےاس کی جائسی صاحب نے اچھی گرفت کی ہے۔

ابوسفیان اصلاحی صاحب کے بارے میں جائسی صاحب رقم طراز ہیں: بزرگوں کا کہنا سچ ہے کہ نام کا اثر شخصیت پر بہت گہرا ہوتا ہے۔(ص:۸۱۰) جلیل القدر صحابی حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ اس قول سے بری ہیں۔

انہوں نے میری کچھ باتوں سے اختلاف کیا ہے، فرماتے ہیں: مجھے عرض کرنے دیجیے کہ اگر الف وصل کا گرانا ناجائز ہوتو شاعری کا ایک چوتھائی حصہ بحر سے خارج قرار دے دیا جائے گا۔(ص:۸۳۸)

عرض ہے کہ میں نے حفیظؔ جالندھری صاحب کے اشعار میں صرف حرف ''ع'' کے گرنے کی بات کہی ہے، میں نے ''سجود''، ''قعود'' کی ''د'' اور ''قیام'' کے ''م'' کے گرنے کی بات نہیں کہی ہے۔ایسی صورت میں فاروق جائسی صاحب کا قول اس وقت صحیح ہوتا جب میں ''د'' اور ''م'' کے گرنے کی بات کہتا۔لیکن الف وصل کے اصول کو مانتے ہوئے ان حروف کے گرنے کی بات نہ کہی۔''ع'' کا وصل بھی مابعد لفظ کے پہلے الف سے کرنا جائز ہے۔اس کی مثال مجھے فارسی کے ایک شعر میں مل گئی ہے:

اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

(مولانا جامیؔ علیہ الرحمہ)

لہٰذا حفیظؔ جالندھری کے یہ مصرعے:

یہاں اہل رکوع آئیں یہاں اہل سجود آئیں قیام ان کا رکوع ان کا سجود ان کا قعود ان کا

پڑی ضرب معونہ اور افتاد رجیع ان پر نظر آئی بظاہر تنگ دنیائے وسیع ان پر

ساقط الوزن نہیں ہیں۔کیوں کہ ''ع'' کا شمار تقطیع میں ہوگا۔

سواری جانب یثرب چلی محبوب داور کی (ص:۸۳۶)

مندرجہ بالا مصرعے کے بارے میں میں نے شمارہ:۵ رمیں لکھا تھا ''یثرب'' کا استعمال ممنوع ہے۔اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فاروق جائسی صاحب نے فرمایا: یہ اعتراض بھی برائے اعتراض ہے، جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے مدینہ شریف کے لیے روانہ ہوئے تو اس شہر یا قصبہ کا نام ''یثرب'' ہی تھا۔(ص:۸۳۸)

لفظ ''یثرب'' کے استعمال کا شرعی حکم:

فتاویٰ رضویہ قدیم جلد:۹،ص:٦١/٦٢ پر ہے: مدینہ منورہ کو ''یثرب'' کہنا نا جائز وممنوع و گناہ ہےاور کہنے والا گناہگار۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: **سمی المدینة یثرب فلیغفر اللّٰہ ھی طابة، ھی طابة۔** یعنی جو مدینہ کو یثرب کہےاس پر توبہ واجب ہے۔ مدینہ طابہ (پاک) ہے، مدینہ طابہ (پاک) ہے۔ (رواہ الامام احمد بسند صحیح عن البراء بن عاذب رضی اللہ عنہ)

دبستان نعت، شمارہ:۵ کے صفحہ:۳۹۴/۳۹۵ پر میں نے لکھا تھا:

نہ کثرت تھی، نہ ساماں تھا، وفا موجود تھا ان میں　　　خدا تھا اور محمد مصطفیٰ موجود تھا ان میں
(شاہنامہ اسلام، ج:۲،ص:۱۴۷)

خدا حافظ تھا اور تھا مالک و مختار بھی ان کا　　　محمد رہنما بھی تھا سپہ سالار بھی ان کا
(شاہنامہ اسلام، ج:۲،ص:۱۴۵)

شمارہ:۵/میں دونوں اشعار پر میں نے یہ تبصرہ کیا تھا: پہلے شعر کے پہلے مصرع میں لفظ ''وفا'' کا استعمال مذکر کے طور پر ہوا ہے جب کہ یہ مؤنث ہے، میرے اس تبصرے پر فاروق جائسی صاحب رقم طراز ہیں: اغلب ہے کہ پہلا مصرع یوں رہا ہوگا:

نہ کثرت تھی نہ ساماں تھا وفا موجود تھی ان میں

''تھی'' کی جگہ غلطی سے ''تھا'' کا کمپوز ہوگیا ہے ورنہ کون نہیں جانتا کہ ''وفا'' مذکر'' (مؤنث لکھنا چاہیے) ہے۔ اس سے صرف نظر کیا جا سکتا تھا (شمارہ:٦،ص:۸۳۸)

اگر جائسی صاحب کی بات مان لی جائے تو یہ شعر یوں ہوگا:

نہ کثرت تھی نہ ساماں تھا وفا موجود تھی ان میں　　　خدا تھا اور محمد مصطفیٰ موجود تھا ان میں

''وفا'' کا قافیہ ''مصطفیٰ'' اور ردیف ''موجود تھی ان میں'' کے مقابلے میں ردیف: ''موجود تھا ان میں'' ہے۔ کیا اسی کا نام مثنوی ہے؟ ہرگز نہیں۔ مثنوی اگر مردف ہے تو دونوں مصرعے ہم قافیہ اور ہم ردیف ہوں گے۔ جب کہ یہاں ''موجود تھی'' ردیف کے مقابلے میں ''موجود تھا'' ردیف ہے۔ اس سے ظاہر ہوگیا کہ مذکورہ شعر کے پہلے مصرع میں ''وفا موجود تھا'' کا ہی استعمال کیا گیا ہے، کمپوزنگ کی خامی نہیں ہے۔

پہلے اور دوسرے شعر پر تبصرہ کرتے ہوئے میں نے لکھا تھا: پہلے اور دوسرے شعر میں ''خدا تھا'' اور ''محمد مصطفیٰ موجود تھا''۔ ''خدا حافظ بھی تھا'' اور ''محمد رہنما بھی تھا'' مناسب نہیں ہے۔ (شمارہ:۵،ص:۳۹۵)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فاروق جائسی صاحب رقم طراز ہیں: دوسرے مصرع میں ''خدا تھا'' میں بھی مجھے کوئی قباحت نظر نہیں آتی کیوں کہ ''خدا تھا''، ''خدا ہے''، اور ''خدا رہے گا'' تینوں زمانوں میں خدا کی موجودگی کا استعمال ہوتا ہے:

خدا حافظ بھی تھا اور مالک و مختار بھی ان کا　　محمد رہنما بھی تھا سپہ سالار بھی ان کا

اس مصرع میں بھی ماضی کا صیغہ درست ہے، حال کا صیغہ نامناسب رہے گا۔(شمارہ:٦،ص:٨٣٨)

چوں کہ حفیظ صاحب نے ماضی (جنگ بدر) کے واقعات بیان کیے ہیں اس لیے ماضی کا صیغہ استعمال کیا ہے، حال کا صیغہ استعمال نہیں کیا ہے، لیکن اللہ عز وجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افعال کو ماضی کے صیغے میں بیان کرنا درست ہے۔ جیسے:

خدا خود میر مجلس بود شب جائے کہ من بودم　　محمد شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

(امیر خسرو)

اللہ عز وجل اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وجود کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال کرنا نامناسب ہے، احتیاط کا تقاضہ ہے کہ اس طرح کے اشعار کو دوسرے طریقے سے کہا جائے اور مثنوی میں ایک ہی مضمون کو کئی طریقے سے کہنے کی گنجائش ہوتی ہے:

وہاں اللہ والے منتظر تھے اپنے قاصد کے　　خبر کیا تھی امنڈنے والے ہیں طوفاں مقاصد کے

میں نے دبستان نعت کے شمارہ:٥ میں مندرجہ بالا شعر کے بارے میں کہا تھا کہ ''قاصد'' کے قافیہ ''مقاصد'' میں ایطائے خفی ہے۔ اس پر فاروق جائسی صاحب نے یہ تبصرہ کیا ہے: ''قاصد'' کا قافیہ ''مقاصد'' میرے نزدیک درست ہے۔(شمارہ:٦،ص:٨٣٩)

یہاں زیر بحث شعر مثنوی کا ہے۔ مثنوی کا ہر شعر ہم قافیہ ہوتا ہے اور ہر شعر کا قافیہ الگ الگ ہوتا ہے لہٰذا مثنوی کا ہر شعر ''مطلع'' کی طرح ہوتا ہے اور ایطاء کا عیب مطلع ہی میں ہوتا ہے۔ اس لیے جہاں ''قاصد'' کا قافیہ ''مقاصد'' غزل میں مطلع کے علاوہ کسی بھی شعر میں درست ہوسکتا ہے، مطلع میں نہیں۔ لہٰذا مثنوی کے کسی شعر میں ''قاصد'' کا قافیہ ''مقاصد'' لانے پر ایطائے خفی کا عیب پیدا ہوگا:

فرشتے غرق حیرت تھے ادھر فرشی ادھر عرشی　　نظر آتا تھا لوہے کا سمندر لشکر قرشی

(شاہنامہ اسلام، ج:٣،ص:٥٥)

حفیظ صاحب کے اس شعر پر تبصرہ کرتے ہوئے میں نے شمارہ:٥،ص:٣٩٦ پر لکھا تھا: فرشتوں کو غرق حیرت بتانا مناسب نہیں ہے۔ اس پر فاروق جائسی صاحب نے یہ تبصرہ کیا: مندرجہ بالا شعر پر

اقبال اعظمی کا اعتراض ہے کہ فرشتوں کو غرق حیرت بتانا مناسب نہیں ہے۔اس کی کوئی وجہ نہیں بتائی۔ ایسا اعتراض قابل قبول نہیں ہوسکتا۔شاعری میں بہت سی باتیں دو اور دو چار ہی نہیں ہوتیں اس سے بھی الگ بیان کی جاتی ہیں۔(شماہ:٦،ص:٨٣٩)

جائسی صاحب کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ فرشتوں کو غرق حیرت بتانا، حقیقت نہیں مجاز ہے۔ عرض ہے کہ فرشتے بشری اوصاف سے متصف نہیں ہیں، وہ نوری ہیں۔''غرق حیرت ہونا'' بشری صفت ہے لیکن یہاں مجاز کے طور پر فرشتوں کو غرق حیرت کہا گیا ہے۔اس ضمن میں عرض ہے کہ جن ذوات کریمہ پر ہمارا ایمان ہے اور وہ بشری اوصاف سے بری ہیں ان کے لیے مجاز کا استعمال نہیں کرنا چاہیے۔یعنی اللہ عزوجل اور فرشتوں کے لیے مجاز کے استعمال سے احتراز کرنا چاہیے کیوں کہ کوئی شخص یہ سوچ سکتا ہے کہ فرشتوں کو بھی ''حیرت'' ہوتی ہے جب کہ وہ اس سے پاک ہیں۔آسمان، چرخ اور ستاروں کو ''غرق حیرت'' یا ''محو حیرت'' کہا جاسکتا ہے۔جیسے:

عرش کی عقل دنگ ہے چرخ میں آسمان ہے — جان مراد اب کدھر ہائے ترا مکان ہے

(اعلیٰ حضرت رضاؔ بریلوی)

''سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی'' حفیظؔ صاحب کے اس سلام کے بارے میں جائسی صاحب فرماتے ہیں: مندرجہ بالا اشعار کے بارے میں صاحب مضمون کا فرمانا ہے کہ یہ اشعار حفیظؔ جالندھری کے ''شاہنامہ اسلام'' اور منظور حسین کی رزمیہ جنگ نامہ اسلام دونوں میں مشترک ہے۔(ص:٨٣٩)

جائسی صاحب کو سہو ہوا ہے، میں نے شمارہ:٥،ص:٣٩٧/ پر لکھا تھا: ڈاکٹر احمد محمد احمد عبدالرحمٰن (قاہرہ) اپنے مضمون بعنوان: ''عربی اور اردو زبان میں نعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' میں رقم طراز ہیں:

حفیظؔ جالندھری نے ''شاہنامہ اسلام'' کے نام سے اپنی مشہور رزمیہ داستان لکھی اس کے بعد منظور حسین جیسے دیگر شعراء نے ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ''جنگ نامہ اسلام'' کے نام سے ایک نظم لکھی، جس کے بعض اشعار یہ ہیں:

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی — سلام اے فخر موجودات فخر نوع انسانی

(شمارہ:٤،ص:٢٧٧)

اس پر میں نے شمارہ:٥/میں یہ لکھا: شاہنامہ اسلام جدید ایڈیشن مکمل جلد اول صفحہ ٧١ پر سلام

کے عنوان سے ایک نعتیہ نظم ہے:

سلام اے آمنہ کے لال اے محبوب سبحانی   سلام اے فخر موجودات فخر نوع انسانی

میں نے یہ نہیں لکھا تھا کہ یہ اشعار حفیظؔ جالندھری کے ''شاہنامہ اسلام'' اور منظور حسین کی ''رزمیہ جنگ نامہ اسلام'' دونوں میں مشترک ہیں۔ جائسی صاحب کو سہو ہو گیا ہے۔ یہ سلام حفیظ جالندھری کا ہے یا منظور حسین کا۔ فیصلہ اس وقت ہوتا جب ڈاکٹر احمد محمد احمد صاحب منظور حسین کے جنگ نامہ اسلام کی جلد اور صفحہ بتاتے لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔

فاروق جائسی صاحب مجلّہ دبستان نعت کی مجلس مشاورت کے رکن ہیں، وہ چاہیں تو ڈاکٹر احمد محمد احمد (قاہرہ) سے رابطہ کر کے تحقیق کر سکتے ہیں یا پھر یہ کام مدیر مجلّہ ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب کر سکتے ہیں۔

محمد عامل (علی گڑھ) کا مضمون ''نعت انٹرنیشنل آن لائن کانفرنس'' ایک اچھا مقالہ ہے، شمارہ:٦، ص:٣٤٧ پر محمد عامل صاحب فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب کے ہیں اور وہ انسانیت کے دیوتا ہیں۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب کے لیے رحمت ہیں، حتی کہ کافروں کے لیے بھی رحمت ہیں جیسا کہ اس آیت کریمہ سے ظاہر ہے: "**و ما كان الله ليعذبهم و أنت فيهم** "۔ (پ:٩، سورہ الانفال، آیت:٣٣) ترجمہ: اور اللہ کا کام نہیں کہ انہیں (کافروں کو) عذاب کرے جب تک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو۔ (کنزالایمان)

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو انسانیت کا دیوتا کہنا قبیح و شنیع ہے، اہل ہنود اپنے معبودان باطل کو دیوتا کہتے ہیں۔

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی اپنے مضمون ''دبستان نعت مختصر جائزہ'' میں فرماتے ہیں: اقبال اعظمی نے اپنے زاویہ نظر میں مولانا ظفر علی خاں کے متعلق یہ فتویٰ صادر کیا کہ انہیں عاشق رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نہ کہا جائے، کیونکہ انہوں نے تحریر کیا ہے کہ ''اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے۔'' اقبال اعظمی کے لیے ضروری تھا کہ اصل مرجع کو دیکھ کر یہ فتویٰ صادر کرتے۔ (شمارہ:٦، ص:٨٥٦)

اصل مرجع کا حوالہ دینا میں بھول گیا، اصل مرجع ''دواغ الخمیر''، ص:٢٢٣ ہے۔ اصلاحی صاحب آگے فرماتے ہیں: اسی طرح اقبال اعظمی نے علامہ شبلی نعمانی پر اعتراض کیا کہ انہوں نے یہ مصرع منظوم کیا کہ: ''پڑا سوتا ہے کوئی گنبد خضرائے یثرب میں''۔ یہاں ''پڑا سوتا ہے'' پر اعتراض کیا گیا کہ یہ گستاخانہ

اسلوب ہے بالکل اسی طرح جیسے ’’اللہ کہتا ہے‘‘۔ بہت سے لوگوں کے نزدیک یہ اللہ سبحانہ کی شان میں بے ادبی ہے۔ جب کہ سورہ اخلاص کی یہی روح ہے کہ ’’اللہ کہتا ہے‘‘ کہنا انسب ہے بالمقابل اس کے کہ ’’اللہ کہتے ہیں‘‘۔ یہاں بھی اقبال اعظمی نے ثانی مرجع پر اکتفا کیا ہے۔(شمارہ:۶،ص:۸۵۶)

نعت رنگ شمارہ:۲۴، جولائی ۲۰۱۴ء کے حوالے سے میں نے شمارہ:۵ میں یہ لکھا تھا: اسی طرح کے اشعار شبلی نعمانی کے ہیں جو طاہر قریشی کے مقالے ’’ہماری ملی شاعری میں نعتیہ عناصر‘‘ میں شامل ہیں۔اس مقالے پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عزیز احسن رقم طراز ہیں:

مولانا شبلی کی کئی منظومات کے اشعار نقل کیے گئے۔ ’’ہستی مسلم کی رہائی‘‘ کے عنوان سے نظم میں شبلی کے قلم نے سخت ٹھوکر کھائی ہے اور سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے سخت گستاخانہ طرز تخاطب اختیار کیا ہے۔

پڑا سوتا ہے کوئی گنبد خضرائے یثرب میں کہ جس کا بندہ فرماں زمیں سے آسماں تک ہے

(شمارہ:۵،ص:۵۴۶)

میں نے مقالہ نگار طاہر قریشی کی تحریر کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا: مقالہ نگار طاہر قریشی نے لکھا تھا: شبلی جیسا عظیم سیرت نگار؛ ’’پڑا سوتا ہے کوئی‘‘ جیسی زبان پیغمبر خاتم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے استعمال کرے تو ناقابل فہم ہے اور قابل افسوس بات ہے۔(ص:۹۰،نعت رنگ، شمارہ:۲۴، جولائی ۲۰۱۴ء،ص:۴۳۱/۴۳۲)

ڈاکٹر عزیز احسن صاحب آگے فرماتے ہیں: شبلی کے ایک ہی مصرعے میں ’’پڑا سوتا ہے‘‘ تو گستاخانہ تھا ہی اسی مصرعے میں ’’یثرب‘‘ لکھنا بھی مناسب نہ تھا۔(شمارہ:۵،ص:۵۴۶)

قارئین حضرات! غور فرمائیں کہ مولانا شبلی صاحب کے مذکورہ شعر کے تعلق سے ان کی کتاب ’’ہستی مسلم کی رہائی‘‘ ص:۹۰/کا حوالہ خود مقالہ نگار طاہر قریشی نے دیا ہے جو اصل مرجع ہے۔نعت رنگ شمارہ:۲۴ جولائی ۲۰۱۴ء،ص:۴۳۱/۴۳۲ کا حوالہ میں نے دیا جو مرجع ثانی ہے، اس کے باوجود اصلاحی صاحب فرماتے ہیں: یہاں بھی اقبال اعظمی نے ثانی مرجع پر انحصار کیا ہے۔ یہ سارے حوالے جو نعت رنگ میں دیے ہیں میں نے سب کو پیش کیا ہے، جس میں اصل مرجع اور ثانی مرجع دونوں شامل ہیں لیکن یہ سب مراجع اصلاحی صاحب کو نظر نہ آئے اور شبلی کے مذکورہ شعر کو میں نے گستاخانہ نہیں کہا۔ طاہر قریشی اور ڈاکٹر عزیز احسن نے کہا۔لیکن اصلاحی صاحب نے ان کا نام نہ لیا۔ان کے اقوال کو مجھ سے منسوب کر دیا۔

اس کے پہلے اسی طرح اصلاحی صاحب کو مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کا فتویٰ نظر نہ آیا۔ میرا مشورہ انھیں فتویٰ دکھائی دیا۔ اب یہاں مقالہ نگار طاہر قریشی کا اصل مرجع، ان کا مذکورہ شعر پر تبصرہ اور مذکورہ شعر پر ڈاکٹر عزیز احسن کا تبصرہ نظر نہ آیا۔ میرا ثانوی مرجع نظر آ گیا۔

میں نے شمارہ نمبر:۵ ص:۵۴٦ پر تمنا عمادی کے یہ اشعار لکھے تھے:

امت کا دم رکا ہے گویا لبوں پہ آ کر — سرکار نیند کب تک للہ جلد اٹھیے
بیٹھے ہیں آپ ہی سے سب آسرا لگائے — بگڑی ہے بات ایسی بنتی نہیں بنائے

تمنا عمادی کے پہلے شعر کے پہلے مصرعے میں ''سرکار نیند کب تک'' کا جو استعمال ہوا ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا اسی طرح کے اشعار شبلی نعمانی کے یہاں بھی ہیں جو طاہر قریشی کے مقالے ''ہماری ملی شاعری میں نعتیہ عناصر'' میں شامل ہیں۔ اس کے علاوہ میں نے شبلی کے اشعار پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ میرے تبصرے کا مطلب یہ ہے کہ تمنا عمادی کے شعر میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو امت کے احوال سے غافل بتایا گیا ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان ارفع واعلیٰ میں تخفیف، بے ادبی اور گستاخی ہے۔ کیوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے روضہ پرانوار میں دنیوی اور حقیقی زندگی کے ساتھ باحیات ہیں اور امت کے احوال سے ہر وقت واقف اور باخبر ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ فتاویٰ رضویہ جلد ٦ قدیم ص ۱۷۰ میں علم ''ما کان وما یکون'' کے تحت فرماتے ہیں:

اللہ عزوجل نے روز اول سے روز آخر تک جو کچھ ہوا اور جو کچھ ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے ایک ایک ذرے کا تفصیلی علم اپنے حبیب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرما دیا۔ ہزار تاریکیوں میں جو ذرہ یا ریت کا دانہ پڑا ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا علم اس کو محیط ہے اور فقط علم ہی نہیں بلکہ تمام دنیا بھر اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کو ایسا دیکھ رہے ہیں جیسا اپنی ہتھیلی پر۔ آسمانوں اور زمینوں میں کوئی ذرہ ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں بلکہ یہ جو کچھ مذکور ہے ان کے علم کے سمندروں میں سے ایک چھوٹی سی نہر ہے۔ اپنی تمام امت کو اس سے زیادہ پہچانتے ہیں جیسا آدمی اپنے پاس بیٹھنے والے کو اور فقط پہچانتے ہی نہیں بلکہ ان کے ایک ایک عمل کو ایک ایک حرکت کو دیکھ رہے ہیں دلوں میں جو خطرہ گزرتا ہے اس سے آگاہ ہیں اور پھر ان کے علم کے وہ تمام سمندر اور جمیع علوم اوّلین وآخرین مل کر علم الٰہی سے وہ نسبت نہیں رکھتے جو ایک قطرے کو کروروں سمندروں سے ہے۔

اصلاحی صاحب لکھتے ہیں: یہاں ''پڑا سوتا ہے'' پر اعتراض کیا گیا کہ یہ گستاخانہ اسلوب ہے بالکل اسی طرح جیسے ''اللہ کہتا ہے'' سورہ اخلاص کی یہی روح ہے کہ ''اللہ کہتا ہے'' کہنا انسب ہے

بالمقابل اس کے کہ ’’اللہ کہتے ہیں‘‘۔(شمارہ٦ص ٨٥٦)

’’پڑا سوتا ہے‘‘ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے صیغہ واحد غائب کا استعمال ہوا ہے نظم میں اسے علما نے جائز قرار دیا ہے اور اس پر ان کا تعامل ہے۔نثر میں بڑوں کے لیے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے واحد غائب یا واحد حاضر کا صیغہ استعمال کرنا ان کی شان میں بے ادبی اور گستاخی ہے۔لیکن اصلاحی صاحب نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے کہا کہ بالکل اسی طرح جیسے ’’اللہ کہتا ہے‘‘ کہنا انسب ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس طرح کہا جاتا ہے:’’اللہ کہتا ہے‘‘ اسی طرح (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہتا ہے لکھنا انسب ہے۔کیوں کہ اصلاحی صاحب نے یہ سمجھا کہ ’’پڑا سوتا ہے‘‘ میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے صیغۂ واحد غائب کے استعمال پر اعتراض ہے۔شاید اسی لیے اصلاحی صاحب نے حضرت امام بوصیری رضی اللہ عنہ کی شان میں ٢٨ ر بار صیغۂ واحد غائب کا استعمال کیا ہے جو ان کی شان میں گستاخی ہے مگر یہی اصلاحی صاحب کے نزدیک ’’انسب‘‘ ہے۔

اصلاحی صاحب لکھتے ہیں: وہ تمام سورتیں جو ’’طٰ‘‘ سے شروع ہوتی ہیں اس میں قصہ موسیٰ علیہ السلام کی لٹھیا کے سانپ بن جانے کا ذکر ہے۔(شمارہ٦ص ٨٥٧)

موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کے لیے لفظ ’’لٹھیا‘‘ (تصغیر) کا استعمال موسیٰ علیہ السلام کی شان میں صریح گستاخی ہے۔’’لٹھیا‘‘ ایسا گھٹیا لفظ ہے کہ گنوار بھی ’’لٹھیا‘‘ نہیں کہتے ہیں بلکہ لاٹھی کہتے ہیں۔

اصلاحی صاحب آگے لکھتے ہیں: عبرانی زبان میں طٰہٰ کا مفہوم سانپ ہے۔(شمارہ ٦ ص ٨٥٧)۔

مندرجہ بالا طٰہٰ کی تفسیر جو اصلاحی صاحب نے پیش کی وہ تفسیر بالرائے ہے۔

مولانا مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرنا حرام ہے۔ بلکہ اس کے لیے نقل کی ضرورت ہے۔مشکوٰۃ کتاب العلم فصل دوم ص ٣٥ ر میں ہے" **من قال فی القرآن برایه فلیتبؤ مقعده من النار**"۔جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کہے وہ اپنی جگہ جہنم میں بنالے۔(جاء الحق، مقدمہ ص ١٤، از: مفتی احمد یار خاں علیہ الرحمہ)

طٰہٰ کی تشریح: طٰہٰ بعض کے نزدیک متشابہات میں سے ہے۔(روح البیان) اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسم مبارک ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ یہ لقب پاک مصطفیٰ علیہ السلام ہے اور بعض نے کہا کہ اس سورہ کا نام ہے اور بعض نے کہا کہ یہ قرآن کا نام ہے، (روح البیان ومدارج) بعض نے کہا کہ یہ رب تعالیٰ کا نام ہے۔مگر ترجیح اس کو ہے کہ یا تو متشابہات میں سے ہے یا

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا لقب ہے۔شیخ سعدی فرماتے ہیں:

ترا عز لولاک وتمکیں بس است ثنائے تو طٰہٰ و یٰسیں بس است

(آپ کی علوئے شان وتمکنت بس لولاک ہے، آپ کی ثنا بس طٰہٰ ویٰسں ہے۔(شان حبیب الرحمٰن۔ص:۱۱۱)

اقبال سہیل فرماتے ہیں:

طٰہٰ اور یٰسین کا مورد قبلہ ایماں کا مولد دولت ثرمد جس کا مقدم صلی اللہ علیہ وسلم

(دبستان نعت،ژمارہ:۴،ص؛۱۲۵)

اصلاحی صاحب فرماتے ہیں: ہندوستانی اہل علم کے یہاں صبر وتحمل کہاں ہے؟ کاش! **"استعینوا بالصبر و الصلوٰۃ"** کوہم اپنالائحۂ عمل بناتے۔(شمارہ:۶۔ص:۸۶۲)''کسی در سے استعانت خلاف اسلام ہے''۔(ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، دبستان نعت، شمارہ:۳،ص:۵۵) ''بوصیری نے اللہ کے رسول(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کوغوث قرار دیا، جوقرآنی استعانت کے برعکس ہے''۔(ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، دبستان نعت، شمارہ:۵،ص:۲۹۳)

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب غیر اللہ سے استعانت طلب کرنے کوخلاف اسلام اور خلاف قرآن مانتے ہیں اور اپنے ہی دعوے کے رد میں مندرجہ بالا آیت کریمہ بھی پیش کرتے ہیں۔ یہ قرآن کا اعجاز ہی ہے کہ غیر اللہ سے استعانت کے منکر سے غیر اللہ سے استعانت کا ثبوت قرآن ہی سے فراہم کراتا ہے۔اس لیے کہ''صبر''اور''صلوٰۃ''غیر اللہ ہیں۔اصلاحی صاحب فرماتے ہیں: زاویہ نگاہ کوفقہی رزم گاہ نہ بنایا جائے بلکہ فکری کارزار ہو۔(شمارہ:۶،ص:۸۵۹)

نعت شریف کوشریعت کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری ہے، نہ صرف اشعار کو بلکہ اہل قلم کے اقوال کو شریعت کی کسوٹی پر پرکھنا ضروری ہے۔کیا اصلاحی صاحب''اسلامی فقہ''کونہیں مانتے؟''فقہ اسلامی'' ہی فکر اسلامی ہے۔

اصلاحی صاحب فرماتے ہیں: اصول نقد میں تحقیر وتذلیل نہیں آتی۔(شمارہ:۶،ص:۸۵۸)

ملت اسلامیہ کی تذلیل: دنیا کی ذلیل ترین قوم ملت اسلامیہ ہے۔(ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، شمارہ:۶،ص؛۸۵۸)

مقالہ نگاران دبستان نعت کی تذلیل: دبستان نعت کے مقالہ نگار میں بعض وہ صاحبان مرتبت ہیں جنہیں قرآنیات، اسلامیات اور عربی ادبیات کے شائبہ سے بھی مس نہیں ہے۔(ڈاکٹر ابوسفیان

اصلاحی، شمارہ :٦ ،ص؛٨٦٢)اپنے اس قول میں ابوسفیان اصلاحی صاحب نے تفاخر اور استکبار کا مظاہرہ کیا ہے اور دبستان نعت کے قلم کاروں کو جاہل بنا کران کی تذلیل، تحقیر اور تضحیک کی ہے۔

''مقالہ نگار میں بعض وہ صاحبان مرتبت ہیں'' کہہ کران پر طنز کے تیر برسائے ہیں۔

فقہ حنفی کی توہین: لیکن افتا مزاجی سے ان کی زبان رواں رہتی ہے۔ (ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، شمارہ:٦ ،ص؛٨٦٢)اپنے اس جملے میں ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب نے شرعی فتوے کا مذاق اڑایا ہے اور فقہ حنفی کی صریح توہین کی ہے۔

فتویٰ کفر سے تکلیف: مناظروں اور تکفیری سرگرمیوں نے اتحاد امت کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ (ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، شمارہ:٦ ،ص؛٨٦٢)

مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ نے مولانا ظفر علی خاں کی تکفیر کی جس سے اصلاحی صاحب کو تکلیف پہنچی۔اسی لیے راقم الحروف سے مولانا ظفر علی خان کے مبینہ قول کا اصل مرجع طلب کیا۔کیا مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ کا فتویٰ کافی نہ تھا؟

ایندھن بے معنی ہوں۔(ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، شمارہ:٦ ،ص؛٨٦٢) کیا ایندھن بے معنی کی ترکیب صحیح ہے؟ ہرگز نہیں۔''ایندھن'' ہندی لفظ ہے اور'' بے معنی'' فارسی لفظ ہے۔ ہندی اور فارسی الفاظ کی ترکیب نادرست ہے۔

مجلّہ نعت رنگ کی تعریف: نعت رنگ کی معروضیت تمام تر تو نہیں کسی حد تک ضرور لائق ستائش ہے۔اس میں مختلف مکاتب فکر اہل قلم کی نمائندگی موجود ہے، یہ بات صداقت پر مبنی ہے کہ دنیائے نعت کی تاسیس اور نئے زاویوں کی تلاش میں اسے اوّلیت حاصل ہے۔(شمارہ:٦ ،ص:٨٥٤)

نعت رنگ میں'' زاویہ نگاہ'' جیسا کوئی کالم نہیں ہے، نعت رنگ نے آزاد خیالی کو راہ دی ہے کہ کوئی جو کچھ بھی لکھ دے غلط یا صحیح کوئی تنقید کرنے والا نہیں ہے۔جس کی مثال مندرجہ ذیل ہے۔

جب علی رضا قزوہ نے مشرک کو بہشت بریں کی بشارت دی (When Ali Raza Qazwa preached the gospel of paradise to a polytheist)

پروفیسر ابوسفیان اصلاحی صاحب نے نعت رنگ شمارہ نمبر:٢٤، جولائی ٢٠١٤ء میں ایک مقالہ لکھا؛ جس کا عنوان ہے'' ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تنقیدی جائزہ'' جس کے مؤلف ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ ہیں، اس کا تعارف مندرجہ ذیل ہے:

یہ کتاب جنوری ٢٠١١ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوئی اس کے ٢٢٦ صفحات ہیں، ٣٧٦/

ہندو شعرا کے نعتیہ کلام کے ساتھ ساتھ ان کے سوانح، کوائف بھی باختصار قلم بند کیے گئے ہیں۔ (نعت رنگ، شمارہ:۲۴، جولائی ۲۰۱۴ء ص ۳۷۶)

مذکورہ تصنیف کی روشنی میں دو پہلو سامنے آتے ہیں: ایک تو یہ کہ: علم و ادب سے گہرا شغف ہے اور سیرت مقدسہ اور آل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے ان کا دل سرشار ہے، جس سرشاری کا ذکر محترم علی رضا قزوہ نے یوں کیا ہے: اس دانشمند کا عظیم کارنامہ ''ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' نامی کتاب ہے، جو نعت رسول پر مبنی ہے، ان کی یہ ادا بھی قابل ستائش ہے کہ اس کتاب کی تالیف اور تصدیق و تدوین میں جو رقم صرف ہوئی ان کا معاوضہ قبول کرنا بھی قبول نہیں۔ اس کتاب کا معنوی صلہ جو اس عظیم الشان شخص کو حاصل ہوگا، اس کا مقابلہ بہشت بریں ہی سے کیا جا سکتا ہے۔ (ڈاکٹر ابو سفیان اصلاحی، نعت رنگ، شمارہ:۲۴، جولائی ۲۰۱۴ء، ص:۳۷۷)

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب نے متعدد مقامات پر علامہ بوصیری علیہ الرحمہ کے اشعار کو خلاف اسلام، خلاف قرآن کہا اور ملت اسلامیہ کو دنیا کی ذلیل ترین قوم کہا، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کہا: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسی کی شفاعت کریں گے جس کی شفاعت کا فرمان دربار خداوندی سے صادر ہوگا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا اختیار نہیں کہ جسے چاہیں جنت میں داخل کرادیں۔ (ابوسفیان اصلاحی، شمارہ:۴، ص:۱۴۲) ''دھرمیندر ناتھ'' (جو مشرک ہے) کے بارے میں اصلاحی صاحب نے کہا: سیرت مقدسہ اور آل رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت سے ان کا دل سرشار ہے۔ یہی نہیں بلکہ علی رضا قزوہ صاحب نے جو دھرمیندر ناتھ کو بہشت بریں کی بشارت دی اس کی تحسین کرتے ہوئے قزوہ صاحب کے قول کو پیش کیا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور امام بوصیری رضی اللہ عنہ کی شان میں توہین کرنے والے اصلاحی صاحب ایک مشرک کی شان میں کیسا رطب اللسان ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں اصلاحی صاحب کہتے ہیں: ''آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس کا اختیار نہیں کہ جسے چاہیں جنت میں داخل کرا دیں''۔ جب کہ اصلاحی صاحب کے نزدیک قزوہ صاحب جس کو چاہیں بہشت بریں کی بشارت دے سکتے ہیں۔ حتی کہ مشرک کو بھی بہشت بریں کی بشارت دے سکتے ہیں۔

اس پر طرہ یہ کہ اصلاحی صاحب فقہ حنفی سے روگردانی کر رہے ہیں۔ کیا وہ فتویٰ اور تکفیر کا دروازہ بند کرنا چاہتے ہیں؟

’’راعی‘‘ کے متعلق اصلاحی صاحب کا نظریہ:

پاک نیت کے تحت آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو’’راعی‘‘ کہا جاسکتا ہے۔کیوں کہ راعی‘‘ دراصل کنٹرول کرنے اورامت اسلامیہ کوایک رخ دینے میں مہارت تامہ کا حامل ہے۔(شمارہ:٦،ص:٨٥٧)

"لا تقولوا راعنا" کے تحت تفسیر رازی میں ہے:جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسلمانوں کوتعلیم فرماتے توصحابہ عرض کرتے **"راعنا یا رسول الله"** یعنی ہماری رعایت فرمائیں۔ اور یہود کی عبرانی زبان میں یہ کلمہ بطور گالی استعمال کرتے اور وہ کلمہ **'راعنا'** ہے۔جس کے معنی ہیں: آپ کوسننا نصیب نہ ہو۔تو مؤمنین کواس سے منع کیا گیااور’انظرنا‘ کاحکم دیا گیا۔

رازی نے ایک قول یہ بھی نقل کیا کہ یہود’راعنا‘ کہتے یعنی’’ہمارے بکریوں کے چرانے والے‘‘ تواللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کواس سے منع کیا۔آیت کریمہ:**یا أیها الذین آمنوالا تقولوا راعنا و قولوا انظرنا و اسمعوا۔** (اے ایمان والو!راعنا نہ کہا کرو بلکہ انظرنا کہواور سنتے رہا کرو)اس آیت کریمہ میں’’راعنا‘ کہنے سے مسلمانوں کومنع کیا گیا۔اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:یعنی یہ معاندین آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کوافضل الانبیاءاوراکمل الناس قرار دینے کے برعکس نرا چرواہا تصور کرتے تھےاس لیےایک پاکیزہ نیت کے تئیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو’’راعی‘‘ کہا جاسکتا ہے۔آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہمارے نگہبان اور محافظ ہیں۔(دبستان نعت،شمارہ:٦،ص:٨٥٧//٨٥٨)

مسلمان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) بھی پاکیزہ نیت کے تئیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو **"راعنا"** کہتے تھے۔ذوجہتین ہونے کی وجہ سےاللہ تعالیٰ نے انہیں **"راعنا"** کہنے سے منع فرمادیا۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو **"راعی"** یہود کہا کرتے تھے،مسلمان نہیں۔اب نیک نیتی سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیےلفظ **"راعی"** کہنا کیوں کر جائز ہوسکتا ہے،جسے یہود بولا کرتے تھے۔

ڈاکٹر اصلاحی صاحب لکھتے ہیں:شرک اور قبروں کی پرستش کی اسلام میں گنجائش نہیں۔ (شمارہ:٦،ص؛٨٥٥)۔

ڈاکٹرابوسفیان اصلاحی صاحب کا اشارہ اس جملے سےان مسلمانوں کی طرف ہے جواولیاءاللہ کے مزاروں پرحاضر ہوکران کے وسیلے سے دعامانگتے ہیں،وہابی نجدی انہیں مشرک کہتے ہیں۔جیسا کہ مشہور وہابی عالم مسعود عالم ندوی لکھتے ہیں:شیخ نجدی نے صرف ان بت پرستوں کی تکفیر کی ہے جو اولیاءاللہ اورصالحین بزرگوں سے دعاکے ذریعہ مرادیں مانگتے تھے۔(تاریخ نجد وحجاز،ص:٨٥/٥٩۔ تبرکۃ الشیخین بحوالہ محمد بن عبدالوھاب،ص:١٧١/٢/١٧٢ازمسعود عالم ندوی)

مسعود عالم ندوی کے اقوال سے واضح ہوگیا کہ نجدی، وہابی، نیچری اولیاء اللہ اور صالحین بزرگوں سے دعا کے ذریعے مرادیں مانگنے کو قبر پرستی کہتے ہیں جب کہ مقبولان بارگاہ کے وسیلے سے دعا مانگنا قرآن کی اس آیت سے ثابت ہے: **و لو أنهم إذ ظلموا انفسهم جاؤوك**۔ (سورہ نساء، آیت: ٦٤)۔

اصلاحی صاحب لکھتے ہیں: کسی کا خیال ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زندہ ہیں اور کوئی کہتا ہے کہ مردہ ہیں یہ چیزیں ہمارے عقائد کا حصہ نہیں ہیں۔ (شمارہ: ٦، ص: ٨٥٩)

حدیث: حضرت اوس بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شرح میں حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: انبیائے کرام علیہم السلام بعد وفات دنیوی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں اور ان کی زندگی سب مانتے آئے ہیں، کسی کو اس میں اختلاف نہیں ہے، ان کی زندگی جسمانی، حقیقی، دنیاوی ہے، شہیدوں کی طرح معنوی اور روحانی نہیں ہے۔ (اشعۃ اللمعات، ج:۱، ص: ٥٧٤)

انبیائے کرام علیہم السلام بعد وفات دنیوی زندگی کی حقیقت کے ساتھ زندہ رہتے ہیں اسی لیے شب معراج جب سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیت المقدس پہنچے تو انبیائے کرام علیہم السلام کو وہاں نماز پڑھائی۔ اگر انبیائے کرام بعد وفات زندہ نہ ہوتے تو بیت المقدس میں نماز پڑھنے کے لیے کیسے آتے؟

انبیائے کرام کی زندگی جسمانی، حقیقی، دنیوی ہے، شہیدوں کی طرح صرف معنوی اور روحانی نہیں ہے۔ اسی لیے انبیائے کرام علیہم السلام کا ترکہ تقسیم نہیں کیا جاتا اور ان کی بیویاں دوسروں سے نکاح نہیں کر سکتی ہیں۔ اور شہیدوں کا ترکہ تقسیم ہوتا ہے اور ان کی بیویاں عدت گزارنے کے بعد دوسروں سے نکاح کر سکتی ہیں۔ (انوار الحدیث، ص: ١٢٦ از مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ)

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی صاحب کا مندرجہ بالا قول حدیث متواترہ کی تکذیب ہے، ان کا یہ قول ایمان کے لیے سم قاتل ہے، مسلمان اصلاحی صاحب سے ہوشیار رہیں اور اپنے ایمان کی حفاظت کریں۔

حیاتِ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کا منکر گمراہ بد دین ہے۔ (فتاویٰ رضویہ قدیم، ج: ١٢، ص: ٤٦)

اصلاحی صاحب لکھتے ہیں: مناظروں اور تکفیری سرگرمیوں نے اتحاد ملت کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔ (شمارہ: ٦، ص: ٨٦٢)

اصلاحی صاحب کا یہ قول نہات قبیح اور شنیع ہے، احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے تحدی دی جاتی ہے۔

اللہ عزوجل نے دشمنان دین کو تحدی دی:

اللہ عزوجل فرماتا ہے: "**قل لإن اجتمعت الإنس و الجن على أن يأتوا بمثل هٰذا**

القرآن لا یأتون بمثله و لو کان بعضهم لبعض ظهیر"۔ (پ:۱۵،سورہ بنی اسرائیل، آیت:۸۸) ترجمہ: تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لاسکیں گے اگرچہ ان میں ایک دوسرے کا مددگار ہو۔(کنز الایمان)

اللہ عزوجل نے کلمہ گو منافقین کی تکفیر کی:

آیت کریمہ: **و من الناس من یقول آمنا باللّٰه و بالیوم الآخر و ما هم بمؤمنین**۔ (پ:۱،سورہ بقرہ، آیت:۸) ترجمہ: اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے اور وہ ایمان والے نہیں۔(کنز الایمان)

اللہ عزوجل نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو نصاریٰ سے مباہلہ کا حکم دیا:

فقل تعالو ندع أبناء ناو أبناء کم و نساء نا و نساء کم و أنفسنا و أنفسکم ثم نبتهل فنجعل لعنة اللّٰه علی الکاذبین۔ (پ:۳،سورہ آل عمران، آیت:۶۱) ترجمہ: تو ان سے فرمادو آؤ ہم تم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔(کنز الایمان)

مسجد نبوی سے منافقین کا اخراج: ایک مرتبہ سرور دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے منافقوں کے نام لے لے کر مسجد نبوی سے باہر نکلوا دیا تھا۔ نکالے جانے والے منافقوں کی تعداد ۳۶ رہے۔ (فتاویٰ فیض الرسول ج ۲ ص ۱۵۷ از: مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ)

اصلاحی صاحب کا یہ قول "مناظروں اور تکفیری سرگرمیوں نے اتحاد ملت کو بہت نقصان پہنچایا ہے"۔ علمائے ربانیین، صحابہ کرام، حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اللہ عزوجل پر اعتراض ہے۔

اصلاحی صاحب لکھتے ہیں: آج نعت گو شعرا کی ایک بڑی تعداد ہے، نعت خوانی عروج پر ہے، نعتیہ مشاعرہ کا چلن بڑھتا جارہا ہے، نعتیہ دواوین کا سلسلہ طویل ہے، نعتیہ مراکز قائم ہورہے ہیں، نعت پر تحقیقی مقالات تحریر کیے جارہے ہیں اور نعت سے متعلق مجلّات منظر عام پر آرہے ہیں، یہاں ایک سوال رہ رہ کر اٹھتا ہے کہ کیا تحمید و تقدیس رب العالمین کے تئیں بھی ہماری یہی سرگرمیاں ہیں؟ (شمارہ:٦ ص:۸۵۹)

آیت کریمہ: **و رفعنا لك ذکرك**۔ (پ:۳۰،سورہ الم نشرح، رکوع:۱) اور ہم نے تمہارے لیے تمہارا ذکر بلند کردیا کے تحت مفتی احمد یار خاں صاحب تحریر فرماتے ہیں: محبوب علیہ السلام کا چرچا زمین پر بھی، آسمان پر بھی اور جنت میں بھی ہے۔ ہر جگہ دیکھو جہاں رب کا نام وہاں محبوب علیہ السلام کا نام پاک، کلمہ، اذان، نماز، التحیات، خطبہ وغیرہ میں ہے۔ بڑے بڑے نام آور دنیا سے ایسے گئے کہ

ان کا نام بھی مٹ گیا مگر نہ مٹا تو ان کا چرچا لوگوں نے ان کا ذکر بند کرنے کی بہت کوشش کی، بدعت کہا، شرک کے فتوے لگائے مگر وہ خود مٹ گئے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر نہ مٹ سکا۔ سارے ملائکہ اور نبیوں سے آپ پر درود و سلام پڑھوا دیا گیا، میثاق کے دن سارے نبیوں نے آپ کا کلمہ پڑھا، حق یہ ہے کہ دنیا و آخرت، دوزخ، جنت، مومن و کافر بلکہ شیاطین بھی انہیں کی رفعت ذکر کے لیے بنائے گئے کہ مؤمن تو ان کے گیت گائیں، کفار تو ان کا ذکر روکیں، تو ذکر کی اور بھی اشاعت ہو، جنت میں ان کے فرماں بردار جائیں اور دوزخ میں ان کے دشمن ٹھوسے جائیں۔ (شان حبیب الرحمٰن ص:۲۲۱/۲۲۲/۲۲۳)

کلمۂ طیبہ "**لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ**" میں اللہ عزوجل نے اپنے نام کے ساتھ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام پاک کو شامل کیا پہلے اپنا نام اور بعد میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نام رکھا۔ "**لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ**" جنت کے درختوں کے ہر پتے پر، حوروں کے سینے، ملائک کی جبیں پر، جنت کے در و دیوار پر، سدرۃ المنتہیٰ پر، پردوں کے اطراف اور فرشتوں کی آنکھوں کے بیچ اور ساق عرش پر لکھا ہوا ہے۔ (حدیث)

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو! واللہ ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے
(اعلیٰ حضرت رضاؔ بریلوی)

اے نجدیو! اللہ عزوجل کے ذکر سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذکر کو اگر جدا کرنا چاہو تو واللہ یہ ذکر اللہ نہیں بلکہ نار جہنم کی کنجی ہے۔

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی
(اعلیٰ حضرت رضاؔ بریلوی)

ذکر رسول (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کو وھابی روکتا ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فضائل کا منکر ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات پاک میں عیب کا متلاشی ہے، اس کے باوجود وہ ذلیل آدمی کہتا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت ہوں۔ **خذلهم اللّٰه فی الدنیا و الآخرۃ۔**

وہ رضاؔ کے نیزے کی مار ہے کہ عدو کے سینے میں غار ہے
کسے چارہ جوئی کا وار ہے کہ یہ وار وار سے پار ہے
(اعلیٰ حضرت رضاؔ بریلوی)

گلہائے عقیدت کے تحت درج نعتیہ کلام عمدہ ہیں کہیں کہیں کمپوزنگ کی اور دیگر خامیاں در آئی ہیں:

رواں ہو کاروان دشت یثرب میں اگر مجنوں (عزیزؔ صفی پوری، ص:۹۵۸)

مدینہ شریف کے لیے لفظ ''یثرب'' کا استعمال ممنوع ہے، ''یثرب'' اور ''طیبہ'' کا وزن ایک ہے۔ لہٰذا ''یثرب'' کی بجائے ''طیبہ'' کا استعمال کرنا چاہیے۔

مٹادے اڑ کے ہر ذرہ تصرف بحر بابل کا (ص:۹۵۸)۔ ''بحر'' کی جگہ ''سحر'' ہونا چاہیے۔

بتائے کیا پتا کوئی اسریٰ کی منزل کا۔ (ص:۹۱۸) ''بتائے کیا پتا کوئی بھلا اسریٰ کی منزل کا'' ہونا چاہیے۔

ڈاکٹر عقیل ہاشمی صاحب حیدرآباد کا تحریر کردہ سلام: ''نور مبیں کہ نور ہدیٰ جلوہ گر ہوا''۔ بحر مضارع اخرب مکفوف محذوف پر ہے جس کے اوزان: ''مفعول فاعلات مفاعیل فاعلن'' ہیں۔ مذکورہ سلام کے مندرجہ ذیل مصرعے ساقط الوزن ہیں:

آدم میں ابراہیم و اسمٰعیل میں الف ابرہہ میں الف تو ابابیل میں الف
الواح موسوی میں تو ہے انجیل میں الف
اذن خدائی مل گئی لالہ زار ہیں ہے امتیاز میں تو اعجاز میں الف
افروز میں الف ہے تو ایاز میں الف
امکان کی جہتیں بہت شاندار ہیں ہے اجتہاد میں الف استحقاق میں
اور استعداد میں ہے الف استراق میں اک نسبت رسول سے بصد افتخار ہیں
افشاں میں الف ہے تو اجمال میں اک اک قدم پہ احسن درر آشکار ہے
اناث میں الف ہے تو ہے وہ اناس میں اس درجہ منفرد ہیں کیا باختیار ہیں
اجداد کی فضیلتیں بھی یہاں کردگار ہیں الفاظ سارے ہی قطار اندر قطار ہیں
امروز میں الف تو ہے آفرید میں الف

اس الف نامے کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ کوئی نعت کی جدید قسم ہے؟

محمد محمد کیے جاؤ پیہم یہی نام ہے واقعی اسم اعظم۔ (فاروق جائسی، ص:۹۲۷)

حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کے بعض اسمائے حسنیٰ اور آیات قرآنیہ کے بارے میں مذکور ہے کہ یہ اسم اعظم ہیں۔ جیسے: آیت کریمہ: ''**لا الٰه الّا أنت سبحٰنك إنّى كنت من الظّٰلمين**''۔ اسم اعظم ہے۔ (فضائل دعا، از مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمہ، ص:۱۴۳)

اسم اعظم ربِّ ربِّ ہے۔ (حدیث، فضائل دعا، ص:۱۴۸)۔ جمہور علماء فرماتے ہیں: اللہ اسم اعظم

ہے۔(فضائل دعا،ص:۱۴۹) بعض علماء نے ''بسم اللہ شریف'' کو اسم اعظم کہا۔(فضائل دعا،ص:۱۵۰)

پڑھیں ہم بھی صلوا علیہ وسلم (پڑھیں ہم بھی درود بھیجو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر اور سلامتی)

''صلوا'' کی جگہ صلّی'' ہونا چاہیے۔لہٰذا یہ مصرع اس طرح ہونا چاہیے: پڑھیں ہم بھی صلّی علیہ وسلم۔

آ گیا دل ٹھنڈا کرنے ان کا دلبر دیکھیے (شگفتہ جمال اجملی،ص: ۹۲۸) حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے لفظ ''دلبر'' کا استعمال ممنوع ہے۔

حضرت فاروق اعظم کی نرالی شان ہے دشمن دیں تھے بنے جان پیمبر دیکھیے (ص:۹۲۸)

''جان پیمبر'' کی جگہ ''شیدائے سرور'' ہونا چاہیے۔

رحمت بن کر آئے وہ ان کی شکھا نیک (حبیب راحت حباب،ص:۹۳۳)

''شکھا'' کہ جگہ ''شکشا'' ہونا چاہیے۔

سلام آمنہ بی بی کے مہ جبیں۔(شگفتہ جمال اجملی،ص:۹۴۷)

''سلام آمنہ بی کے ماہ جبیں'' ہونا چاہیے۔

سلام آپ ہوں ہزار ہزار۔(شگفتہ جمال اجملی،ص:۹۴۷)

''سلام آپ پر ہوں ہزاروں ہزار'' ہونا چاہیے۔

اہل علم صاحبان ذوق وشوق کے لیے ایمان و یقین کے ہزار ہا نعمتوں کا موجب ہے۔ (ڈاکٹر عقیل ہاشمی ص ۸۶۸)

نعمت مونث ہے لیکن یہاں نعمت کا استعمال مذکر کے طور پر ہوا ہے۔لہٰذا ''کے'' کی جگہ ''کی'' ہونا چاہیے۔

قرآن میں اسم احمد کو بوسہ دینے کی بات بھی آئی ہے۔(ص ۸۶۹)

جب کوئی کہے کہ قرآن میں یہ لکھا ہوا ہے تو اسے چاہیے کہ اس آیت کریمہ کا حوالہ پیش کرے جس میں وہ بات آئی ہو۔ جب ڈاکٹر عقیل صاحب نے کہا کہ '' قرآن میں اسم احمد کو بوسہ دینے کی بات آئی ہے'' تو انھیں وہ آیت کریمہ پیش کرنی چاہیے تھی جس میں یہ بات آئی ہے۔ پورے قرآن میں کہیں بھی کسی بھی آیت میں اسم احمد کو بوسہ دینے کی بات نہیں آئی ہے۔

☆☆☆

پروفیسر فاروق احمد صدیقی (مظفر پور، بہار)

''دبستانِ نعت'' شمارہ:٦ کا ایک تحقیقی وتنقیدی مطالعہ

دبستانِ نعت شمارہ نمبر ٦ رجنوری تا دسمبر ۲۰۲۲ء باصرہ نواز ہوا۔صوری ومعنوی دونوں لحاظ سے بہت ہی گراں مایہ ہے۔اب کی بار اس کی ضخامت ۹۶۰ رصفحات پر محیط ہے جو میرے خیال میں کچھ زیادہ ہی ہے۔آخر اس کے تمام مشمولات کو پڑھنے اور اس پر تبصرہ کرنے کے لیے بھی تو فرصت چاہیے اس لیے میری تجویز ہے کہ آئندہ سے اس کی ضخامت چھ سات سو صفحات سے زیادہ نہ ہو۔ بہر کیف! سب سے پہلے آپ کا پُر مغز اداریہ پڑھا اس میں اور اہم نکات کے علاوہ نعت کی صنفی حیثیت سے بھی بحث کی ہے جو بہت عمدہ اور اختصار میں جمالیاتی حسن کی مظہر ہے مثلاً آپ نے لکھا ہے کہ:

''نعت صرف ادبی صنف ہی نہیں کہ جس میں معانی و بیان کے ساتھ اوزان و بحور کی پابندی ہی کافی ہے۔ بلکہ نعت ایک تہذیب، ایک ثقافت، ایک کلچر، ایک صالح فکر وشعور وادارک کا نام ہے جس کا حکم ہمیں اللہ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دیا ہے۔'' (ص ۹)

نعت کی اس تعریف سے کسی معقول اور باشعور انسان کو اختلاف نہیں ہو سکتا۔ پیشِ نظر شمارہ میں ۳ رحمدیہ کلام ہے۔لیکن یہ تینوں شعریت اور جمالیات حسن سے محروم ہیں۔اس لیے ان کو فکر منظوم کا سپاٹ نمونہ ہی کہا جا سکتا ہے۔''گوشۂ علامہ بوصیری علیہ الرحمہ'' بہت ہی خوب، جامع اور بھر پور ہے۔اس سلسلے میں معتبر اور مستند اہلِ قلم کا تعاون آپ کو ملا ہے۔محترم اقبال اعظمی نے قصیدۂ بردہ شریف کے عروضی اور فنی محاسن سے اچھی بحث کی ہے۔اس سلسلے میں نجدیوں کے ذریعے مصنف قصیدۂ بردہ حضرت امام بوصیری پر کفر کا فتویٰ بہت ہی افسوس ناک بلکہ ہولناک ہے۔ان کی ابلیسی توحید کسی سچے محبّ رسول کو برداشت کرنے کو تیار نہیں۔اس لیے ہر شاعر کے یہاں ان کو شرک کے عفریت نظر آتے ہیں۔ان ظالم اور کاذب نجدیوں کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔

پروفیسر ابو سفیان اصلاحی نے امام بوصیری کے نعتیہ کلام کا تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے قدم قدم پر

ٹھوکریں کھائی ہیں اور تمام علمائے اسلام اور اخیار امت کے متفقہ عقیدے کو مجروح کرنے کی کوشش کی ہے۔مثلاً وہ لکھتے ہیں:

> ''بوصیری نے اپنے مسائل ومصائب میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دہائی دی ہے۔اس توسل میں کہیں کہیں وحدانیت متاثر ہوتی ہوئی نظر آرہی ہے۔''(ص ۳۳۰)

حضور پاک علیہ السلام سے استمداد واستعانت نجدیوں اور وہابیوں کے علاوہ کسی کے نزدیک خلافِ شرع نہیں۔اس سلسلے میں حدیث پاک "**اللّٰہ یعطی و انا قاسم**" پیش کی جاسکتی ہے۔اس کے علاوہ:

> ''حضرت جابر سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کے مطابق ان کے سوال کرنے پر کیا آپ اللہ کے رسول ہیں؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں میں اللہ کا رسول ہوں، جسے تم مصیبت میں پکارو تو مصیبت دور کردے اور اگر پانی نہ برسے اور اسے تم پکارو تو پانی برسائے، غلہ اُگائے اور اگر تم کسی چٹیل علاقے یا بیابان میں سفر کررہے ہو اور تمہاری اونٹنی کھوجائے اور اسے پکارو تو تمہاری اونٹنی واپس لائے۔''(ترغیب وترہیب)
>
> بحوالۂ ابوداؤد، ترمذی ونسائی ثم بحوالہ زادِراہ، مولانا جلیل احسن ندوی، شائع کردہ: مرکزی مکتبہ اسلامی، دہلی ۶ ص ۱۴۴

اس لیے حضرت بوصیری نے اپنے تمام مسائل ومصائب میں حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دہائی دی ہے جو بالکل حق ہے۔اس سے انکار کرنے والا کور مادرزاد ہے جو آفتاب نصف النہار کی چمک دمک کا انکار کررہا ہے۔ویسے ان کا مقالہ بہت طویل ہے اور محنت سے لکھا گیا ہے۔اس کی داد ان کو ملنی چاہیے۔

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط نے قصیدۂ بردہ کے اردو منظوم تراجم کا اچھا جائزہ لیا ہے۔انہوں نے تقریباً ۱۴ منظوم تراجم سے ہمارا تعارف کرایا ہے جو بہت ہی خوبصورت، جامع اور نظر افروز ہے لیکن ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط نے قصیدۂ بردہ کے اردو منظوم تراجم کا تعارف کراتے ہوئے تمہید میں بڑی گمراہ کن باتیں لکھ دی ہیں۔ان کا بیان ملاحظہ ہو:

> ''اگرچہ نعتیہ قصائد میں بھی بعض اوقات غلو کی وجہ سے حفظ مراتب کا خیال رکھا نہیں جاتا اور عبد ومعبود کے فرق کو مٹانے کی دانشتہ کوششیں ہوتی ہیں، لیکن عربی قصائد اس عیب سے یکسر پاک نظر آتے ہیں۔''(صفحہ ۶۶)

یہ اردو کے نعتیہ قصائد پر الزام محض ہے۔ کسی نعتیہ قصائد نگار نے نہ تو مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے اور نہ دانستہ یا نادانستہ طور پر عبد و معبود کے فرق کو مٹانے کی کوشش کی ہے۔ اگر کی ہے تو ان کو اس کی نشان دہی کرنا چاہیے تھی۔ الزام عائد کرنا آسان ہے اس کو ثابت کرنا مشکل ہے۔ بہت ممکن ہے کہ ان مقامات کی تفہیم میں خود ان کی فکر و فہم نے ٹھوکریں کھائی ہوں۔ اس لیے اس طرح کی غیر ذمہ دارانہ باتیں لکھنے سے احتراز کرنا چاہیے تھا۔

پروفیسر سراج اجملی نے دائرۂ شاہ اجمل، الہ آباد میں قصیدۂ بردہ شریف کی مختلف شرحوں کی نشان دہی کی ہے یہ ہماری معلومات میں اضافہ کرتا ہے اور حضرت سید اکمل اجملی، سجادہ نشین دائرۂ شاہ اجمل، الہ آباد نے قصیدۂ بردہ شریف کو جو اردو میں منظوم کیا ہے وہ بھی بہت ہی خوب ہے۔ اس سے حضرت اکمل اجملی کے غیر معمولی تخلیقی شعور کا اندازہ ہوتا ہے۔ آخری شعر ہے:

جس نے مشکل نظم دی اردو میں اے شاہِ امم اکملؔ عاصی کو بھی اس ترجمہ کا فیض ہو

اس منظوم ترجمہ کا ایک فنی حسن یہ بھی ہے کہ جس زمین میں قصیدۂ بردہ ہے اور جن قوافی کا وہاں التزام کیا گیا ہے یہاں بھی وہ سارے محاسن موجود ہیں۔ اس لیے اسے زیب دیتا ہے جس قدر اچھا کہیے۔

ڈاکٹر محمد اسماعیل آزادؔ فتح پوری نے بھی اپنے مضمون ''علامہ بوصیری کا مشہور قصیدۂ نعت اور اس میں تلمیحات کا وفور'' بھی بڑی محبت اور محنت سے لکھا ہے۔ اس کے مطالعے سے بڑی فرحت اور مسرت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی، علی گڑھ کا مضمون بھی بہت ہی گراں قدر اور چشم کشا ہے۔ انہوں نے بھی اپنے مقالہ میں پروفیسر ابوسفیان اصلاحی کی غلطیوں کی مدلل گرفت کی ہے۔ ان کا یہ تبصرہ بہت ہی معقول ہے:

> ''اصلاحی صاحب نے بیک جنبشِ قلم جس طرح سے امام بوصیری علیہ الرحمہ پر چوٹ کی ہے اور صرف اپنے مفروضوں اور اوہام کی بنیاد پر ان کی مبارک شاعری کا قد گھٹانے کی کوشش کی، وہ نہایت افسوس ناک ہے۔'' (ص:١٣٩)

ان کے گمراہ کن افکار و نظریات کی دبستانِ نعت کے گذشتہ تمام شماروں میں پر زور تردید کی گئی ہے لیکن اصلاحی صاحب اپنی بدعقیدگی سے مجبور ہیں۔

ڈاکٹر محمد آصف اپنے مضمون ''قصیدۂ بانت السعاد اور قصیدۂ بردہ: ایک تقابلی مطالعہ (سماجی، سیاسی، تہذیبی اور مذہبی تناظر میں)'' میں اپنے موضوع کا اچھا احاطہ کیا ہے۔ ان کے مطالعے میں گہرائی اور گیرائی نظر آتی ہے۔ اس مضمون کی جامعیت داد طلب ہے۔ ڈاکٹر رضوان امجدی کا مضمون

''قصیدۂ بردہ اور اردو نعت گو شعراء کا تتبع'' بھی سیر حاصل ہے۔

تابشِ فکر و نظر'' کے تحت ۲۵ رمضامین ہیں ان سب پر الگ الگ تبصرہ ممکن العمل نہیں۔ پروفیسر عبدالحق کی تحریر ''فکرِ اقبالؔ کے عصری حوالے'' توجہ کش اور بصیرت افروز ہے۔ قاضی عبدالرحمٰن ہاشمی کے دو مضامین ہیں، دونوں خوب ہیں۔ ان سے درخواست ہے کہ حضرت محسنؔ کاکوروی کی طرح حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے نعتیہ دیوان ''حدائقِ بخشش'' کا بنظرِ غائر مطالعہ فرمائیں۔ اس میں تخلیقیت کے جگنو ہزاروں کی تعداد میں چمکتے نظر آئیں گے۔ یہ عقیدت نہیں حقیقت ہے کہ وہ اردو نعت گویوں کے امام ہیں۔ بس ایک ذرا وسعتِ نظر کی ضرورت ہے۔ ''حالی اور حسن عسکری'' ڈاکٹر عزیز احسن کا فکر انگیز مضمون ہے۔ انہوں نے اس میں حالیؔ کی نعتیہ شاعری کے تعلق سے اردو کے ممتاز نقاد پروفیسر حسن عسکری کی تنقیدات کا جائزہ لیا ہے اور یہ مجموعی تاثر دیا ہے کہ پروفیسر حسن عسکری نے حالیؔ کی نعت کے ساتھ انصاف نہیں کیا ہے۔ انہوں نے دگر ناقدینِ ادب کی آرا کو یکجا کر کے حالیؔ کی نعت:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا مرادیں غریبوں کی برلانے والا

کو اردو کے نعتیہ سرمایہ میں اپنی مثال آپ قرار دیا ہے۔ مثلاً وہ ممتاز حسن کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''میری رائے میں اردو میں کوئی نعت حالی کے مسدس کے برابر موجود نہیں۔'' (ص:۳۷۱)

یہ انتہا پسندی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آنکھیں اگر ہوں بند تو پھر دن بھی رات ہے۔ پروفیسر حسن عسکری اور دگر منصف مزاج ادیبوں اور ناقدوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حالیؔ کی مندرجہ بالا نعت جس کا مطلع سطور بالا میں آچکا ہے شعریت اور حسنِ بیان سے محروم ہے۔ اس کو بلا تکلف فکرِ منظوم کا سپاٹ نمونہ کہا جا سکتا ہے اور بس۔ جب شاعری ہے تو اس میں تخلیقیت تو بہرحال ہونی چاہیے۔ اگر مسدس کی نعت شاعری کا اعلیٰ نمونہ ہے تو پھر غالبؔ کے ان شعروں کو بھی فنی نفاست کا اعلیٰ نمونہ ہونے کی سند دینی ہوگی۔ جب کہ اردو کے تمام ناقدین غالبؔ کے درج ذیل شعروں کو شعریت سے عاری قرار دے چکے ہیں۔ مثلاً وہ شعر یہ ہیں:

نہ سنو گر برا کہے کوئی نہ کہو گر برا کرے کوئی
روک لو گر غلط چلے کوئی بخش دو گر خطا کرے کوئی

ڈاکٹر عزیز احسن کا یہ بیان بھی بالکل سطحی اور غیر ذمہ دارانہ قرار دیا جائے گا کہ:

''ہاں! بعض بزرگوں نے حالی کی مسدس میں آنے والے لفظ ''ایلچی''

پر اعتراض کیا ہے۔ لیکن مجھے تو یہ بھی سورہ حم سجدہ کی آیت نمبر:٦/ کا تفسیری اظہار لگتا ہے۔۔۔۔۔چنانچہ ''بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی'' کہہ کر حالی نے کوئی بے ادبی نہیں کی ہے۔ لغات میں ایلچی کا معنیٰ پیغامبر، زبانی یا تحریری پیغام پہنچانے والا قاصد لکھے ہیں۔'' (ص:٣٦٧)

میرے خیال میں جن لوگوں نے بھی حالؔی کے مسدس میں آنے والے لفظ ''ایلچی'' پر اعتراض کیا ہے وہ بالکل حق بجانب ہیں۔ ایلچی کا معنی لغات میں یقیناً وہی ہیں جو ڈاکٹر عزیز احسن نے لکھے ہیں۔ لیکن یہ لفظ اب اپنی معنویت کھو چکا ہے اور بڑے حقیر معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ بالفاظ دگر یہ لفظ پیون اور چپراسی کا ہم معنیٰ ہو کر رہ گیا ہے۔ اسی سے اس لفظ کی بے وقعتی کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر موصوف اگر برا نہ مانیں تو عرض کرنے کی جسارت کروں کہ خود ان کے بارے میں یا ان کے بزرگوں کے بارے میں کوئی شخص یہ کہے کہ وہ فلاں کے ایلچی ہیں، تو ان کے جذبات کا کیا عالم ہوگا اور جب وہ اس لفظ کا اطلاق وانتساب اپنے لیے یا اپنے بزرگوں کے لئے روا نہیں رکھیں گے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان ارفع واعلیٰ میں اس لفظ کا استعمال کیسے جائز ہوگا:

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

جناب فاروق احمد جائسی نے اپنے مضمون ''حضرت نورؔی بریلوی کی نعتیہ شاعری: فکر وفن کے آئینے میں'' بڑی تفصیل کے ساتھ حضرت نورؔی علیہ الرحمہ کے کلام کے فکری وفنی محاسن کا جائزہ لیا ہے اور یہ درست نتیجہ اخذ کیا ہے کہ:

''ایک کہنہ مشق شاعر محاورات کے برمحل استعمال سے کوزے میں سمندر بھر دینے جیسا کام کرتا ہے۔ محاورات درست نظم کر دینا ہر شاعر کے بس کی بات نہیں۔ حضرت نورؔی بریلوی کی نعتوں میں محاورات کا خوب خوب استعمال ہوا ہے۔ جن سے شعریت کے تقاضے پورے ہوتے ہیں، اشعار میں اثر اور کلام میں زور بھی پیدا ہوتا ہے۔'' (ص:٤٢٠)

''زاویۂ نگاہ'' کے تحت محترم اقبال اعظمی کی تحریر ''دبستان نعت۔٥ پر ایک نظر'' بہت ہی عمدہ اور معلومات افزا ہے۔ انہوں نے مختلف قلم کاروں کی فکری لغزشوں کا سختی سے محاسبہ کیا ہے۔ ساتھ ہی انہوں نے کمپوزنگ کی غلطیوں اور عروضی اسقام پر بھی عالمانہ نظر ڈالی ہے۔ اس لئے بنظر غائر مطالعے کا مستحق ہے۔ فاروقؔ جائسی صاحب نے اپنی تحریر پُرتنویر ''دبستان نعت۔٥ میں اہل قلم کے خیالات'' کا

دقت نظر سے جائزہ لیا ہے اور بڑی عالمانہ اور فاضلانہ بحثیں کی ہیں۔ پروفیسر ابوسفیان اصلاحی نے اپنی تحریر ''دبستان نعت: مختصر جائزہ میں'' حسب توقع جابجا ٹھوکریں کھاتی ہیں۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

''اس لئے ایک پاکیزہ نیت کے تئیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو'' راعی'' کہا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ'' راعی'' دراصل کنٹرول کرنے اور امت اسلامیہ کوایک رخ دینے میں مہارت تامہ کا حامل ہے۔''(ص:۸۵۷)

غلط اور سوفی صد غلط۔ جب قرآن پاک نے خود ہی اعلان کر دیا ہے: **لا تقولوا راعنا و قولوا انظرنا۔ ... الخ**" تو اب لفظ ''راعنا'' کا استعمال وہی کرے گا جو توفیق الٰہی سے محروم ہونے کے ساتھ بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ادب شناس نہیں ہو۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں علامہ اقبالؔ نے کہا ہے:

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں　　　ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

'' گلہائے عقیدت'' کے تحت نعتوں کا انتخاب عمدہ ہے۔ لیکن مجھے ڈاکٹر التفات امجدی کی تضمین نے زیادہ متاثر کیا، جو حالیؔ کی مشہور نعت:

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے　　　امت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

پر کی گئی ہے مجموعی طور پر'' دبستان نعت، شمارہ:۶'' اپنے گراں قدر مواد اور پیش کش کے لحاظ سے لاجواب ہے۔ آپ کو اور فیروز سیفی صاحب کو بہت بہت مبارک باد۔

☆☆☆

پروفیسر سعید احسن (پونہ)

دبستان نعت شمارہ نمبر ۶ / کا ایک تجزیاتی مطالعہ

''دبستان نعت'' کا چھٹا شمارہ ہمارے سامنے ہے، محبّ گرامی حضرت علامہ ڈاکٹر سراج احمد صاحب نے کرم فرمائی کی کہ اتنا ضخیم مجلّہ روانہ فرمایا۔ مولیٰ تعالیٰ اپنے حبیب علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی محبت سے سرشار فرمائے اور عمر میں برکت عطا فرماتے ہوئے صحت وسلامتی کی زندگی عطا فرمائے۔ (آمین)

ڈاکٹر صاحب اگر چاہتے تو افسانہ، ناولس، تاریخیات اور دیگر مضامین کی طرف متوجہ ہوتے یا اردو ادب اور ادبی تنقید کو زاویۂ نگاہ بناتے مگر ڈاکٹر صاحب نے ایسی صنف کا انتخاب کیا جسے حاصلِ زندگی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ اس لیے کہ رسولِ گرامی وقار علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی رضا اگر حاصل ہو جائے جو رضائے الٰہی کا سبب ہے اس سے بہتر نعمت اور کون سی ہو سکتی ہے۔

اتنا ضخیم مجلّہ ترتیب دینے، اسے طباعت کی منزل تک پہونچانے اور پھر اسے مقالہ نگار اور دیگر احباب تک پہونچانے میں تمام تر دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جسے ڈاکٹر صاحب نے تنِ تنہا اور مستقل مزاجی کے ساتھ انجام دیا جس کے لئے وہ مبارک باد کے یقینی طور پر مستحق ہیں۔

اداریہ بذات خود کسی صاحب تحریر کی عرق ریزی کی وضاحت کرتا ہے اس لئے کہ قاری کو یہیں سے ایک مزاج مل جاتا ہے جو اس کے جذبۂ شوق کو مہمیز کا کام کرتا ہے جس میں موصوف حد درجہ کامیاب نظر آتے ہیں۔

یہ مجلّہ (شمارہ) علامہ بوصیری علیہ الرحمہ کی قصیدۂ بردہ شریف کی معنویت، افادیت، عشق ومحبت، ادب وتعظیم، والہانہ شوق اور ملتجیانہ انداز کی وضاحت کرتا ہے۔ علامہ علیہ الرحمہ نے جس درد وکرب کے ساتھ اپنے عشق کا اظہار فرمایا ہے یہ انہیں کا حصہ ہے۔ رسولِ کائنات علیہ التحیۃ والثنا کے خصائص کبریٰ کا تذکرہ ہی اسے ممتاز کر دینے کے لئے کافی ہے۔ مگر کچھ لوگوں کو یہ بات ہضم نہیں ہوتی اس لئے کہ جس کا ایمانی ہاضمہ خراب ہو اور بدعقیدگی کی مہلک بیماری میں مبتلا ہو وہ کسی نا کسی بہانے اس

میں نقص نکال لیتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر ابوسفیان صاحب کی نقد وجرح اسی پر مبنی ہے جنہوں نے معجزات پر ردوقدح تو کیا مگر حوالہ سے منہ موڑ کر یہ ثابت کر دیا کہ ان کا اسی گروہ سے تعلق ہے جو معجزات کے منکر ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ معجزات کا ثبوت احادیث کی ان کتابوں میں موجود ہے جس کی استناد سے وہی انکار کرسکتا ہے جس کا دل حبِّ رسول سے خالی ہوتا ہے اس طرح وہ منکر حدیث زمرے میں بھی شامل ہو جاتا ہے۔

علامہ بوصیری کا موازنہ ان لوگوں سے کیا اوران کی کتابوں کا حوالہ دیا جنہیں امّت نے ٹھکرا دیا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے معتقدین ہم مسلک نے ڈھیر ساری تنقیدیں کی ہیں۔ پتہ نہیں کیوں ڈاکٹر ابوسفیان صاحب کو اچھی بات، اچھی کیوں نہیں لگتی ہے اور حق کو تسلیم کرنے میں عار کیوں محسوس کرتے ہیں۔

علامہ بوصیری علیہ الرحمہ کی آڑ میں ان کا خطبہ پڑھنا جو قرآنی تاویلات اوراحادیث کی غلط ترجمانی کرنے کے لئے جانے پہچانے جاتے ہیں۔

علامہ بوصیری نے جن معجزات کا ذکر کیا وہ مستند ہیں اور صحاح ستہ میں موجود ہیں۔

(۱) معجزۂ شق القمر (بخاری کتاب التفسیر) ترمذی کتاب التفسیر۔

(۲) حضور کا لعاب مبارک تریاق اعظم ثابت ہوا۔ (زادالمعاد)

(۳) اسی طرح حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زخم کا اچھا ہو جانا۔

(۴) مولائے کائنات اور حضرت رفاعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی آنکھوں کی زخم کا اچھا ہونا۔ (زادالمعاد)

(۵) حضرت ابوقتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے کے زخم کا اچھا ہونا۔ (اصابہ)

(۶) حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے کنواں میں لعاب دہن ڈالنے سے پانی شیریں ہو جانا۔

(۷) کلام حیونات۔ مدارج النبوۃ صفحہ ۳۹۱۔ زرقانی، جلد ۵ صفحہ ۲۴۶

یہ مختصر حوالہ جات آپ کے سامنے ہیں۔

علامہ بوصیری پر تنقید وہی کرسکتا ہے۔ جس کا دل محبت کے جوہر سے خالی ہو ۶/ سو سال سے اس کی تحسین ہو رہی ہے۔ ہ بھی علمائے ربانین جنہیں عالم اسلام اپنا امام سمجھتا ہے۔ نقد وجرح پیش کرنے میں شدید احتیاج اور نورِ علم سے مزیّن ہونا ضروری ہے۔ وہ علمائے امت جنہوں نے بغیر درہم و دینار کے اسلام کی تبلیغ واشاعت میں اپنی زندگی صرف کر دی ہو ان کا قلم علامہ بوصیری کی تعریف و توصیف میں چلتا رہا۔ دراصل عشق ایسی کیفیت کا نام ہے جس کا اندازہ منکر حدیث و منکرِ معجزات و

کرامات نہیں لگا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مجلّہ (شمارے) میں ڈاکٹر ابوسفیان صاحب کا قلم ٹھوکر کھاتا رہا اوران پر تنقیدیں ہوتی رہیں مگر خبث باطنی نے اسے قبول نہیں کیا۔

فن معجزات کا ذکر قصیدۂ بردہ شریف میں مذکور ہے وہ تاریخی اور تحقیقی حیثیت سے کمزور ہے اور قابل، اعتنا نہیں ہے انہیں حوالوں اور اسناد حدیث سے مزیّن کرنا چاہئے تھا لیکن۔۔۔۔۔ بقول ڈاکٹر صاحب ''یہ بات آچکی ہے کہ معجزات سے متعلق بہت سی روایات قابلِ اسنا نہیں۔'' اس عبارت سے پہلے تقریباً ۸/ معجزات کا ذکر ہے جس میں ۷/ معجزات کا حوالہ مذکور ہو چکا ہے۔ اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پھیرنے سے اندھے اور مبروص شفاء پا جاتے تھے تو امام الانبیا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے دست مبارک پھیرنے سے مفلوج جسم میں جان آگئی نہ تو اس میں کوئی مضائقہ ہے اور نہ ہی قباحت۔ یہ تو امت محمدیہ کے لئے باعثِ فخر وانبساط ہے۔

رہ گئی بات واقعۂ فیل کی اور اس میں حضرت عبدالمطلب کا کہنا کہ میں اپنے اونٹوں کا مالک ہوں مجھے واپس کر دو اور خانۂ کعبہ جو بیت اللہ ہے اس کی حفاظت وہی کرے گا جس کا ہے اس میں بزدلی کہاں سے داخل ہوگئی یہ تو عظمتِ کعبہ اور اللہ عزّ وجلّ پر یقین پر دلالت کرتا ہے۔

اسی طرح خالق ومخلوق کے مابین فرق کو مٹا دینا صریحاً قرآن کریم کی منشاء کے خلاف ہے۔ حالانکہ خالق ومخلوق لفظ ہی کافی تھے۔ کہ یہاں نہ تو ہمسری کا دعویٰ ہے اور نہ ہی ذاتِ خدا سے بڑھانا مقصد ہے۔ عطائے الٰہی سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہر کسی کو جانتے ہیں۔ جس پر آیاتِ قرآنیہ، احادیث نبویہ دال ہیں۔ مفسرین ومحدثین کی روش سے ہٹ کر خود کوئی فیصلہ لے لینا دانشمندانہ اقدام نہیں کہلا سکتا اس کی تفصیل اگر دیکھنا ہو تو الدولۃ المکیہ از امام احمد رضا کا مطالعہ فرمائیں تو علم غیب پر انکار کی جرآت نہیں ہوگی۔

مجھے ڈاکٹر صاحب سے اتنی گذارش ضرور ہے کہ ان عظیم شخصیات کا موازنہ منکرین معجزات سے نہ کریں تو بہتر ہوگا اس لئے کہ اس سے آپ کی شان میں اضافہ نہیں ہوگا بلکہ تنزلی ہی آئے گی۔

بے ادب محروم باشد از فضل رب

☆☆☆

اسلم عمادی (نیو جرسی)

دبستانِ نعت شمارہ ۶ پر ایک مفکرانہ نظر

عمدہ ادب اور صحت مند علم کی اشاعت کے لیے اکثر ان باتوں پر توجہ نہیں کی جاتی جو اپنی جگہ پر زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ دیدہ زیب طباعت و کتابت اور عمدہ کاغذ، قیمتی مشمولات (مضامین، مقالات اور منظومات) پر مبنی اس رسالہ کی اشاعت کے لئے ڈاکٹر سراج احمد قادری قابلِ مبارک باد ہیں کہ انہوں نے اچھے اور تازہ ادب کو بہت ہی اہتمام کے ساتھ شائع کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ یہ حسنِ عمل دبستان نعت کے ہر صفحہ پر حسنِ مجاز کی شکل میں نظر آتا ہے۔

سیرت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اِنتہائی پاکیزہ اور بلند پایہ موضوع ہے۔ اِس سے علم، عبرت، نصیحت اور جہد سب کی تعلیم ملتی ہے، حضور کی ولادت سے وفات تک ہر لمحہ، ہر واقعہ، ہر گفتگو، ہر عمل دیدہ و دل روشن کے لئے بہت اہم ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اَصحاب نبی پر کیا بیتی۔ اللہ تعالیٰ نے سرکار کو ساری مخلوقات میں انتخاب کیا اور بعثت فرمائی۔ اِس دعوتِ جلیلہ کے لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کس طرح حالات کا مقابلہ کیا۔ کس طرح میثاقِ مدینہ کے ذریعہ سارے عالم کو دستور سازی کا درس دیا۔ اِنصاف کا نظام قائم کیا اور شرک کا قلع قمع کیا۔ یہ سب ایسے اہم نکات ہیں جو سیرت کے مطالعہ سے واضح ہوتے ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ مجموعۂ خوبی تھے۔ ساری کائنات میں روزِ اَزل تا اَبد ساری مخلوقات جن اور اِنس میں اَعلیٰ مرتبے پر فائز، سب میں سب سے عظیم، ممتاز، صادق اور بے مثال تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سا نہ کوئی ہوا ہے نہ ہوگا۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہم، ہماری جان و مال، ماں باپ اور سارے لواحقین قربان۔

زیرِ نظر شمارہ میں ہر باب قابل مطالعہ ہے۔ رسالہ کا انتساب علامہ شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مصنف قصیدہ بردہ شریف کے نام نامی سے معنون ہے۔ ابواب کی تفصیل یوں ہے:

......'تحمید وتقدیس' کے گوشہ میں تین حمدیہ تحریریں اس رسالہ کے افتتاحیہ کی طرح ہیں۔تینوں تحریریں ہی فکراور بندگی کے جذبات سے مالا مال ہیں۔

......ایک مخصوص گوشہ علامہ شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شان میں ہے۔اس میں قصیدہ بردہ شریف پر بہت سے قیمتی مضامین ہیں۔گوشہ دس اہم تخلیقات پر مبنی ہے۔جس میں قصیدہ ِبردہ کی وجہِ تخلیق، اس کے ہیکل، اس کے مشمولات، حسن اظہارو بیان،فنی اسلوب: بحر، زمین اوروزن، تحسین،تنقیداوراس قصیدہ پر غیر مقلدین کی نقیصات کے مسکت جوابات پرتحریریں ہیں۔علامہ مرحوم کی سوانح، ان کے ذاتی تجربات اوران کےفن پر بہت دلکش طور پرلکھا گیا ہے۔سب مضامین خاصے کی چیز ہیں جنہیں اقبال اعظمی، پروفیسر ابوسفیان اصلاحی، ڈاکٹر یحییٰ نشیط ،ڈاکٹر محمد اسماعیل آزادفتح پوری،ڈاکٹر محمد آصف اوردوسرے اہم قلمکاروں نے بہ التزام تحریر کیا ہے۔

''تابش فکر ونظر/افکار روشن'' ایک ایسا باب ہے جس میں کئی اہم مضامین سیرۃ النبی، سیرت نگاروں کے تذکرے،فن نعت اور اہم نعت گویوں کی تخلیقات پر تعارف وتبصرہ، نعت گوئی کی عالمی روایات اور بہت کچھ ہے۔

ڈاکٹر سراج نے میرے مضمون'' محال خرد ہے مثال محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم'' کو جس حسن ادارت اورخوش اسلوبی سے اشاعت پذیر کیا ہے میں ان کا بے حدممنون ہوں۔ بہت سے مضامین تحقیق وتدقیق کے آئینہ دار ہیں اورعلمی مقالات کا درجہ رکھتے ہیں۔جنہیں اہم اورممتاز ادیبوں نے قلمبند کیا ہے۔

......اسی طرح''زاویۂ نگاہ'' ایک ایسا باب ہےجس میں دبستان نعت شمارہ۔۵ پر تفصیلی تبصروں اورجائزوں کوجمع کردیا گیا ہے۔ہرمضمون ایک اہم اکائی بن کے ابھرا ہے۔

......عنوان''گلہائے عقیدت'' عقیدت ومنقبت سےلکھی ہوئی غزلوں کا چمنستان ہے جس میں رنگ برنگے،نت نئے، نادر پھول آراستہ ہیں۔اردو میں یوں تو نعتیں اورقصیدے بہت سارے لکھے گئے ہیں لیکن اس گوشہ میں شامل نظمیں ان اذہان کی تخلیقات ہیں جنہوں خلوص دل سے عظمت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مسحور ہوکراس انسانیت کے عظیم پیکر کی مدح سرائی میں بیش قیمت فنکارانہ کلام سے اپنے قلم کونور آمیز کیا ہے۔جن میں ہرشاعرنے سرورِکائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جمال وکمال سے متاثر ہوکراپنے احساسات کا خالص اظہار کیا ہے۔

الفاظ کے اندر پوشیدہ جوتخلیقی،فکری اورمعنوی قوتیں ہوتی ہیں ان کا ادراک ایک خلاق ادیب و

شاعر کو اس کی عبقریت اور مہارت کے سبب بدر جہا بڑھ کر ہوتا ہے ایک عام قلم کار کے مقابل! اور شاعر تو افکار اور الفاظ میں اپنی فن کاری سے جان ڈال دیتا ہے۔ ان نعتوں میں تازہ کاری بھی ہے، ندرت بھی ہے اور کچھ نئے رنگ سے کہنے کی کسک بھی اور یہی ان نعت نگاروں کی شاعری کی قبولیت کا جواز ہے۔ لب و لہجہ منفرد، ڈکشن جداگانہ اور تجربات اظہار ذات سے معنون!

زیرِ نظر شمارے میں سب ہی منظومات اہم ہیں۔ مجھے جن شاعروں کی نعتیں دل پسند لگیں وہ ہیں: بہزادؔ لکھنوی (خاص انتخاب)، عزیزؔ صفی پوری، سراج احملی، جعفرؔ جری، عقیلؔ ہاشمی، راہیؔ فدائی، شاطرؔ حکیمی، فاروقؔ جائسی۔ اللہ ان کی عقیدتوں کو قبولیت سے نوازے۔

سراج احمد قادری صاحب ایک نفیس، دین پرست، عاشق رسول اور علوم دین سے بہرہ ور اور با اصول شخصیت کے مالک ہیں۔ دبستانِ اردو کے تناظر میں ان کا اعلی ادبی ذوق روشنی کی طرح مترشح ہوتا ہے اور اسی کی دل کشی ذہنی طور پر میرے لیے ان کے تعارف کی وجہ شناخت بنی۔

اسلامی نظریات کو پیش پیش رکھنے والا ادب اہل ایمان کی انشراحِ ذات کا ایک پابند وسیلہ ہے، جس میں ادیب و شاعر کے اللہ کی بندگی اور عشق رسول کے جذبات اس کی فنکارانہ فکر سے منعطف ہو کر ایک خاص زاویے سے مرسل الیہ تک پہنچتے ہیں یہ عقائد و مفروضات چاہے شاعری، نثر، آرٹ اور طغروں کی نوعیت کے ہوں کہ ہر فن پارہ انعطاف کے عمل سے وجود پاتا ہے اور اس طرح سوچ کی عمق اور واسطے کی حدت سے ترسیل کی قوت کا اشاریہ ہوتا ہے۔

اس لئے کئی حمدیں، مناجاتیں، سلام، نعتیں اور مضامین طویل مدت تک باقی رہتے ہیں، ذہن نشین رہتے ہیں، اور بار بار متوجہ کرتے رہتے ہیں۔

اگر ہم اسلامی ادب یعنی دینی عقیدہ سے مملو نظریاتی شاعری کو منتخب کریں تو ماضی قریب میں اس کی بہت سی کامیاب مثالیں ملیں گی۔ اردو کے ابتدائی دور سے عصر حاضر تک کئی قلمکاروں نے اپنی مخصوص طرز و ادا سے ایسے خوب سے خوب تر فن پارے پیش کئے ہیں کہ کئی مجموعے ترتیب دیئے جا سکتے ہیں۔ پھر بھی مدح رسول سے سیری نہیں ہو پاتی۔

ان میں بیسویں صدی کے اوائل میں اہم اقبالؔ، حالیؔ اور شبلیؔ کا کلامِ حکیمانہ ہے، ظفرؔ علی خان، ماہرؔ القادری، حفیظؔ جالندھری اور ہم عصر دور میں عبدالعزیز خالد، رضاؔ خان بریلوی، عمیقؔ حنفی، مظفرؔ وارثی، والیؔ آسی، عامرؔ عثمانی اور نعیم صدیقی کا ذکر بھی اس نوع کے شاعروں میں نمایاں رہے۔

قادری صاحب نے ایک بہت دشوار راہ کو اختیار کیا ہے اور اس میں ایک منفرد انداز پیدا کرنے

کی کوشش کی ہے۔اس رسالہ،یعنی دبستان نعت، میں مشمول تحریروں میں عرفان اور منقبت کی ہمہ رنگی، عشقِ خدا ور سول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گہرائی اور گیرائی، ادب واحترام سے معمور زبان کا مثالی اور خوب ہے۔بحثیت مجموعی دبستان نعت کا یہ شمارہ ہر طرح سے قیمتی ہے جو حوالوں میں بھی بہت کام آئے گا۔

ذکر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ،نعت ومنقبت ،قصیدۂ نعتیہ کے فن کا اس پھیلی ہوئی بے دینی، بد احتیاطی، دنیاداری اور کافروں کے کف در دہان بیان سے آلودہ اس دورِ ظلمات میں چراغ روشن رکھ کر دبستان نعت کے ذریعہ قادری صاحب بہت اہم اور قابل صد تحسین جہد کر رہے ہیں۔ میں انہیں اس معیاری رسالہ کی اشاعت پر خلوصِ دل سے تہنیت پیش کرتا ہوں۔

☆☆☆

پروفیسر مجید بیدار (حیدرآباد)

''دبستان نعت'' کے چھٹویں شمارے پر چند تاثرات

ڈاکٹر سراج احمد قادری کی ادارت اور فیروز احمد سیفی نیویارک کی نگرانی میں ہندوستان سے شائع ہونے والا نعت کے فن اور تحقیق و تنقید سے وابستہ ''دبستانِ نعت'' کا شاہکار چھٹا شمارہ منظرِ عام پر آ چکا ہے 960 صفحات پر مشتمل اس ضخیم جریدے کی اشاعت نہ صرف حُبِّ رسول سے رغبت رکھنے والوں کے لیے' نعمت غیر مترقبہ قرار دی جائے گی۔ بلکہ اس کی اشاعت سے عشق و عرفاں کے نیرِ تاباں اور محبت رسول کے سرخیل حضرت علامہ شرف الدین بوصیری علیہ رحمہ کے نام معنون اور حضرت علامہ جامؔی کے فیضِ عشقِ رسول کے اکتساب کے نتیجہ میں رسالے کی اشاعت اور حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں نقشبندی کی نعت کے اشعار کے تحفے کے طفیل ''نور و نکہت'' میں ڈوبا ہوا یہ کارنامہ بے شمار شادیانوں اور روحانی مسرتوں میں اضافہ کا وسیلہ بنتا ہے۔ نعت گوئی سے محبت اور اس قسم کے نعتیہ ذخیرے کی ہمت افزائی کرنے والے دو اہم خدا ترس بندوں یعنی محترم رشید اختر خاں اور قاضی محمد رفیق فائز فتح پوری کی ہمیشہ کے لیے جدائی کی جانکاہ خبر سے افسردگی اور حزاں رسیدی میں اضافہ ہو گیا۔ غرض عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی چاہتوں سے سرشار بزرگوں کی جدائی بہرحال ناقابلِ تلافی نقصان ہے' کیونکہ ان دونوں حضرات نے ''دبستانِ نعت'' کی اشاعت اور اس کی وسعت میں گراں قدر خدمات انجام دیتے ہوئے بندگی کا حقیقی فریضہ انجام دیا تھا۔ خدا ان کی خدمات کو قبول فرمائے آمین۔

اس قدر ضخیم رسالے کی اشاعت پر مبارک بادی سے بے نیازی بلاشبہ کم ظرفی کی دلیل سمجھی جائے گی۔ غرض تحقیقات اور گوشے کے علاوہ ''تابشِ فکر و نظر'' اور ''افکار روشن'' سے آراستہ ''زاویہ

نگاہ'' اور'' گلہائے عقیدت'' کے ساتھ'' ستائش ناموں'' کی نمائندگی کرنے والا یہ رسالہ نہ صرف روحانی سکون بخشنے کا ذریعہ قرار پاتا ہے بلکہ اس عالم سعی و کاوش میں بندگان خدا کو روحانی طمانیت دینے کا وسیلہ بھی بن جاتا ہے۔ اداریہ کے توسط سے مدیر محترم نے اساتذہ کی شعرفہمی اور مختلف شعری اصناف کے تجزیہ کے ذریعہ یہ ثابت کیا ہے کہ ہر صنف میں نعتیہ اشعار کا رجحان اُردو شاعری کو افتخار سے وابستہ کرنے کی دلیل۔ غرض رسالے کی ہمہ جہت صورت گری میں تمام معاونین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ابتدائی موضوع'' تحمید و تقدیس'' کے توسط سے بلا شبہ تین اہم شاعروں کی حمدیہ خصوصیات کی نمائندگی کی گئی ہے' جگر مرادابادی کے شعر کے ذریعہ علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدۂ بردہ شریف کے عروضی اور فنی محاسن کی نمائندگی کا حق ادا کیا گیا ہے علامہ بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ 7 مارچ 1213ء کو مصر کے قصبے میں پیدائش اور پھر حضرت کی وصال کی تاریخ درج کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ علوم اسلامیہ میں مہارت اور خواب میں زیارتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مشرف ہونے والے اس خدا کے بندے نے عربی زبان میں ایسا قصیدہ لکھ دیا جو عالمی سطح پر یادگار کا پیمانہ قرار پاتا ہے۔ عروضی اور فنی تجزیہ کو اقبال اعظمی نے پیش کیا ہے' جس کے بعد علی گڑھ سے وابستہ پروفیسر ابوسفیان اصلاحی نے'' امام بوصیری کا نعتیہ کلام۔تنقیدی جائزہ'' کے توسط سے حضرت والا صفات کی نعت گوئی اور فیضان ومیلان کو پورے محاسن کے ساتھ منظر عام پر لاتے ہوئے یہ ثابت کر دیا ہے کہ سیرت اور معجزات کے علاوہ پیغمبر اسلام کی تفہیم اور تقدیس کے تمام درجات سے فیض یابی کے بعد ہی انہوں نے اس قصیدے کو منصۂ شہود میں لانے کا حق ادا کیا ہے' اس طویل مقالے میں تنقیدی اور تحقیقی رویہ کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔ مہاراشٹرا سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر سید یحیٰی نشیط نے'' قصیدۂ بردہ کے اُردو منظوم تراجم'' کا جائزہ لیتے ہوئے جملہ پندرہ ترجموں کے احاطے کے ساتھ ان کے فنی محاسن کے تجزیہ پر توجہ دی ہے۔ پروفیسر سراج اجملی نے'' قصیدۂ بردہ شریف اور دائرہ شاہ اجمل الہ آباد'' کے توسط سے یہ ثابت کیا ہے کہ 1669ء سے قائم اس ادارے نے قصیدۂ بردہ شریف کی عظمت کو چار دانگ عالم میں پھیلانے کا عزم کر رکھا ہے' چنانچہ اس ادارے کی خدمات کا احاطہ کرتے ہوئے تجزیہ کی صفات کی نمائندگی کی گئی ہے۔ ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری نے حضرت بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مشہور'' قصیدہ نعت'' میں موجود تلمیحات اور اس میں جذبۂ وفور کی خصوصیات کو پوری صداقت کے ساتھ پیش کیا ہے ان طویل مقالات میں عقیدت کے ساتھ ساتھ نعت کی عظمت کو بھی نمائندگی دی گئی ہے۔ علی گڑھ سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی نے'' قصیدۂ بردۂ منامیہ'' کی معنویت اور

اہمیت کو واضح کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ خیر البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام خصوصیات کو منظوم کرنے کے پہلوؤں کی نمائندگی اسی قصیدہ کا حق ہے۔اُردو نعتیہ شاعری کے تناظر میں قصیدۂ بردہؒ کا موضوعاتی مطالعہ پیش کرتے ہوئے محمد عابد چشتی نے واضح کیا ہے کہ وارفتگی کے بے شمار پہلوؤں کو اس قصیدہ میں موضوعات کے امکانات کی حیثیت سے شامل کیا گیا ہے' چنانچہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کے تمام معاملات کو موضوع بنانا اس قصیدہ کی امتیازی خصوصیت میں شامل ہے۔امراوتی سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر محمد آصف نے قصیدۂ بردہ کی سماجی' سیاسی' تہذیبی اور مذہبی تناظر میں نمائندگی دیتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ محاسن اور فصاحت و بلاغت کی بے شمار جزیات کو قصیدوں کا وسیلہ بنایا گیا ہے۔طویل مقالے کے ذریعہ عربی میں قصائد لکھنے والے شاعروں کے تعارف اور ان کی زبان پر قدرت کو مقالے کی ضرورت کا درجہ دیا گیا ہے۔بارہ بنکی سے تعلق رکھنے والے سید محمد فاروق چشتی نے ''قصیدۃ البردہ'' میں موجود جذبات کا وفور اور فکر کی گہرائی کو ظاہر کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ نفس کو تابع اور مغلوب کرنے کے لیے درود پڑھنا ہی انسان کی مغفرت کا ذریعہ ہے۔سیتا پور سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر رضوان امجدی نے اپنے تحقیقی و تنقیدی مضمون کے ذریعہ یہ ثابت کیا ہے کہ اُردو کے نعت گو شعراء نے باضابطہ قصیدۂ بردہ شریف کا مکمل تتبع کیا ہے' اس مقالے میں بے شمار اُردو کے شعراء کے کلام سے حوالہ جات کی نمائندگی کے ذریعہ حقائق کی روشنی سے سنوارا گیا ہے۔پروفیسر عبدالحق نے سیرتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تناظر میں فکرِ اقبال کے عصری حوالوں کو پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ اقبالؔ نے اپنے سارے کلام کو سیرت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تناظر میں پیش کرتے ہوئے مسلمان کی کامیابی کا دارومدار اسی امر سے مربوط کر دیا ہے۔قاضی عبید الرحمٰن ہاشمی نے ''اُردو نعتیہ شاعری پر طائرانہ نظر'' ڈالتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ علوئے تخیل اور تخلیقی فنکاری درحقیقت اُردو کی نعتیہ شاعری کا امتیازی وصف ہے' اُنہی کا ایک اور مضمون ''محسنؔ کاکوروی'' کے قصیدۂ میں خیر البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدحت کے بے شمار امکانات کے پہلوؤں کی نشاندہی کی گئی ہے' اسی لیے محسنؔ کاکوروی کو اُردو نعتیہ قصیدہ گوئی میں انفرادیت اور عظمت کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔مولانا ڈاکٹر محمد صدرالحسن ندوی نے علامہ آزادؔ بلگرامی کی عربی نعتیہ شاعری اور ڈاکٹر عزیز احسن نے حالی اور حسن عسکری کے توسط سے محسن کاکوروی کی پیش کردہ دو مثنویوں ''چراغ کعبہ'' اور ''صبح تجلی'' کے توسط سے طویل سراپائے رسول کی نمائندگی میں ان کی نعت پرستی کے فکری اظہار کو واضح کیا ہے' اس نعتیہ مجموعے میں ایک اہم اور عصری تقاضوں کی تکمیل کرنے والا مقالہ تنویر پھول نے نیویارک سے پیش کیا

ہے، جس میں انہوں نے دیارِ مغرب میں حمد و نعت اور مناجات کی کرنیں پھیلنے کا ثبوت دیتے ہوئے بطور خاص اُردو شاعروں کے علاوہ انگریزی شاعروں میں بھی اس رجحان کی طمانت پر خدا کا شکر ادا کیا ہے۔''افکارِ روشن'' کے توسط سے ڈاکٹر شبیر احمد قادری، فاروق احمد جائسی، اسلم عمادی، ڈاکٹر جمیل راٹھوی، شاکر کنڈان، طاہرہ انعام، محمد معیز الدین عالم اویسی نعیمی کے علاوہ ڈاکٹر راہی فداہی، ڈاکٹر بشیر الحق لطیفی قادری اور نثار احمد نثار فدائی کے علاوہ اسماعیل آزاد فتح پوری اور غلام علی بیابانی کے تحقیقی مضامین کے ذریعہ مختلف علاقوں میں نعتیہ شعر و ادب کے بڑھتے ہوئے رجحان اور مختلف شاعروں کی نعت گوئی سے اس صنفِ نثر کے اعزاز میں اضافہ کا ذکر کیا ہے۔خواجہ کوثر حیات، محمد ولی اللہ قادری، ڈاکٹر شاہد احمد جمالی، ڈاکٹر رضوان الرضا رضوان، ڈاکٹر شبانہ نکہت انصاری، محمد عامل اور حاجی سید محمد مفیض الدین قادری کے مقالے کی پیشکش کے بعد ''زاویہ نگاہ'' کے پس منظر میں ''دبستان نعت'' کے شمارۂ پانچ پر آٹھ ناقدین کی رائے کو شامل کیا گیا ہے، جس کے بعد گلہائے عقیدت کے زیرِ عنوان چوبیں نعت گو شعراء کا کلام اس خصوصی اشاعت کا ذرین وسیلہ ہے اور آخر میں چودہ افراد کے ستائش نامے شامل کر کے ''دبستان نعت'' کی پذیرائی کو اہمیت کا حامل بنایا گیا ہے۔آخری صفحے پر ڈاکٹر صوفی غازی امان کی لکھی ہوئی ''دبستان نعت'' کی خصوصیات سے آراستہ کرنے والی توشیحی نظم کو شامل کیا گیا ہے۔غرض جنوری سے ڈسمبر 2021ء کی نمائندگی کرنے والے اس جریدے کی اشاعت اور مشمولات پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے توقع کی جاتی ہے کہ خوب سے خوب تر کی تلاش کا یہ سلسلہ مستقبل میں بھی جاری رہے گا اور عشقِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پروانوں کو سیرابی کے نایاب مواقع دستیاب ہوتے رہیں گے۔اس نادر و نایاب نعتیہ آثار سے وابستہ 960 صفحات کے جریدے کی قیمت صرف چھ سو روپے اور روحانی زکواۃ کا درجہ رکھتی ہے۔

☆☆☆

محمد سلمان رضا خان حنفی قادری جامعی ازہری (فیض آباد، یوپی)

''دبستان نعت'' شمارہ ٦ پر ایک نظر

گرامی قدر و منزلت، حضرت مولانا ڈاکٹر سراج احمد قادری جامعی صاحب
مدیر ''دبستان نعت''، خلیل آباد انڈیا

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

''دبستان نعت'' کا چھٹا شمارہ باصرہ نواز ہوا۔ نوسو ساٹھ صفحات پر مشتمل یہ ضخیم مجلّہ فروغ حمد نعت میں آپ کی عرق ریزی، جاں فشانی، کدو کاوش اور جہد مسلسل کی شہادت دے رہا ہے۔ مجھے بڑی حیرت ہوتی ہے کہ: ہنگام دنیا میں گھرے ہونے کے باوجود اتنا اہم اور زہرہ گداز عمل آپ تن تنہا بحسن وخوبی کیسے انجام دے لیتے ہیں!!! مگر پھر خیال آتا ہے کہ: آپ کا فروغ حمد و نعت کا جنونی جذبہ اس راہ کی تمام دشواریوں کو آپ کے لیے آسان کر دیتا ہوگا۔ بلکہ محبت رسول ہر گام پر آپ کی مدد و معاون ہوگی۔

میں سمجھتا ہوں کہ: آج کے دور میں اکثر مقالہ نگار حضرات اپنا مقالہ کمپوز شدہ بھیجتے ہوں گے۔ اور کچھ ایسے بھی ہوں گے جو قلمی ارسال کرتے ہوں گے۔ بہر حال اصحاب قلم اور آپ سے گزارش ہے کہ: مقالات ومضامین کی پروف ریڈنگ پر خصوصی توجہ مبذول فرمائیں۔ نوسو ساٹھ صفحات کا بالاستیعاب مطالعہ کرنا میرے لیے مشکل امر ہے، تاہم جو کچھ پڑھا، اُس سے محسوس ہوا کہ کتابت کی بے شمار غلطیاں مقالہ کے حسن کا جنازہ نکال دے رہی ہیں۔ چند کی نشان دہی کرنے کی جرات کرتا ہوں۔ واضح رہے کہ میرا مقصد کسی کی دل آزاری نہیں ہے۔ بلکہ "**الدین النصیحۃ**" پر عمل کی کوشش ہے۔

ص: ۲۴ ر پر محترم اقبال اعظمی (گھوسی، مئو) کا مضمون ''قصیدہ بردہ شریف عروضی اور فنی محاسن کے تناظر میں'' زیب صفحات ہے۔ اُس میں کمپوزنگ کی غلطیاں صاف نظر آرہی ہیں۔ مثلاً:

[ا] ص: (۲۵): ''اَمِنْ تَذَکُّرِ جیرانٍ م بِذِی سَلَمٖ'' میں ''تَذَکُّرِ'' قابل توجہ ہے؛ کیوں کہ یہاں پر

وہ فعل ضارع معروف کی حیثیت سے استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ وہ " تَفَعُّل " کے وزن پر "تَذَکُّرُ" مصدر ہے، یہی وجہ ہے کہ: اس پر " مِــنْ "حرف جار کا دخول درست ہوا ہے۔(مذکور مصرع صفحہ ۲۷ پر بھی اسی اعراب کے ساتھ درج ہوا ہے۔)

[۲]ص:(۲۴):" وَاَوْمَضَ الْبَرْقُ فی الظُلْماءِ مِنْ اِضَم "۔اس میں "الظُلْماءِ "،"ظا" کے ضمہ کے ساتھ لکھا گیا ہے جب کہ ''ظا'' کے فتحہ کے ساتھ ہونا چاہیے؛ اہلِ عرب بولتے ہیں:" لَيْلَةٌ ظَلْمَاء "۔ المعجم الوسیط میں کہا گیا:"الظَّلْمَاءُ: الظُّلْمَةُ:يقال: ليلة ظَلماء"[ص:۵۷۷]

اِسی طرح ''اِضَم''، ''صادؔ'' سے لکھا گیا ہے جب کہ یہ ''ضادؔ'' سے ''اِضَم'' ہے۔ جو مدینہ منورہ کے قریب ایک وادی کا نام ہے۔ جیسا کہ شارحین بیان کرتے ہیں۔

[۳]ص:(۲۵):" فما لعينك ان قلت استفق همتا "۔ اِس مصرع میں کلمہ "استفق" کی جگہ "اكففا "ہے جو "الكف" سے امر حاضر معروف، تثنیہ کا صیغہ ہے۔

[۴]ص:(۲۵):" يَعْتَرِضُ الذَّاتِ "۔میں "الذَّات" کی بجائے " اللَّذَّات" ہونا چاہیے۔

[۵]ص:(۲۸):"وَلَـوْاَنْـصَفْتَ لَمْ تَلَم "۔" تَلَم" لام کے فتحہ کی بجائے" تَلُم" لام کے ضمہ کے ساتھ ہونا چاہیے؛ کیوں کہ یہ اصل میں "تَلُومُ" تھا۔"لم" حرف جازم کے داخل ہونے کے باعث ''واو'' داغِ مفارقت دے گیا اور یہ " تَلُم "ہو گیا۔

[٦]ص:(۲۹):''عَنِ التَّهَم ''۔ میں ''التُّهَمِ'' ''تُهْمَةٌ'' کی جمع ہے۔لہذا تائے مفتوح کی بجائے تائے مضموم ہونی چاہیے۔

[۷]ص:(۲۹):" شَـبَّ عَـلَيحُبُّ الرِّضَاعِ "۔ میں" حُبّ" پر"عـلی "حرف جار داخل ہے۔اِس لیے"حبّ "کے ''با'' پر ضمہ کی بجائے کسرہ ہونا چاہیے۔

[۸]ص:(۳۰):" وَلَا تَــزَوَّتُ قَبْـلَ الـمَوت" میں" تَـزَوَّدْتُ" باب تفعل سے فعل ماضی، صیغہ واحد متکلم ہے۔لہٰذا کتابت میں ''دال'' بھی ہونی چاہیے۔اور''لَم اَصَم''،میں ''اَصَم' صاد کے فتحہ کی بجائے ''اَصُم'' صاد کے ضمہ کے ساتھ ہونا چاہیے؛ کیوں کہ یہ اصل میں ''اَصُوْمُ'' تھا، ''لم'' جازمہ کی وجہ سے ''واو'' محذوف ہو گیا ہے۔

[۹]ص:(۳۰):" انِ اشْـتَـكَـتْ قَـدَمَاهُ الضُّرُّ مِنْ وَرَمِ " میں"الضُّرُّ" رائے مضموم کی بجائے،"الضُّرَّ"رائے مفتوح ہونا چاہیے؛ کیوں کہ یہ مفعول واقع ہے۔

[۱۰]ص:(۳۰):"بِالَمْس رَاحَتُه" میں" بِاللَّمْسِ" اور"اِطْلَقَتْ" میں"اَطْلَقَتْ" ہے۔

اور "رِبْقَةِ اللَّهَمِ" کی بجائے "رِبْقَةِ اللَّمَمِ" ہے۔اسی طرح ''اَرُ بًا'' کی جگہ ''اِرُ بًا'' یا ''اَرَبًا'' ہونا چاہیے؛ کیوں کہ "الْأَرُبُ" یا "الْأَرَبُ" کا معنی ہوتا ہے: '' حاجت مند'' ۔اور یہاں یہی معنی مراد ہے۔

ص: ۳۲/ پر پروفیسر ابوسفیان اصلاحی (علی گڑھ) کا مقالہ ''امام بوصیری کا نعتیہ کلام - تنقیدی جائزہ'' ۔۳۳/ صفحات پر مشتمل طویل مقالہ ہے۔عنوان کو دیکھ کر میں یہ سمجھ رہا تھا کہ: صاحب مقالہ امام بوصیری علیہ الرحمہ کے کلام کی عروضی پیمائش کریں گے،یا بلاغت ومعانی کی کسوٹی پر پرکھیں گے،یا پھر الفاظ کے حسن وقبح پر خامہ فرسائی کریں گے مگر ایسا نہیں ہوا۔انھوں نے اپنی علمی صلاحیت اور فکری توانائی کو اپنے مسلکی حدود میں مقید کر کے اپنے مخصوص نظریہ کو فروغ دینے کی اپنی سی کوشش کی ۔ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''آپ نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے معجزات کو موضوع بحث بنایا ہے۔یہاں یہ صراحت مناسب ہے کہ بہت سے معجزات غیر معتبر روایات پر مبنی ہیں'' ۔[دبستان نعت،شمارہ:۶،ص:۳۲]

اصلاحی صاحب کا محض لکھ دینا کہ: '' بہت سے معجزات غیر معتبر روایات پر مبنی ہیں'' تنقیدی جائزہ کا حق ادا نہیں کر رہا ہے۔کیوں کہ موقع ومحل کا تقاضا یہ تھا کہ: اصلاحی صاحب اُن غیر معتبر روایات کی نشان دہی کرتے ۔مگر یہ تو وہی بتا سکتے ہیں کہ: انھوں نے اس سے کیوں اعراض کیا؟

ایک اور مقام پر پروفیسر صاحب لکھتے ہیں:

''بوصیری نے اپنے مسائل ومصائب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دہائی دی ہے۔اس توسل میں کہیں کہیں وحدانیت متاثر ہوتی ہوئی نظر آ رہی ہے'' ۔[دبستان نعت،شمارہ:۶،ص:۳۳]

اصلاحی صاحب نے یہاں بھی وضاحت کرنے سے گریز کیا ہے۔اور یہ اجاگر کرنے کی زحمت نہیں کی کہ: کہاں اور کس توسل سے وحدانیت متاثر ہوئی ہے اور کیوں؟ بس انھوں نے اپنے مخصوص عقیدہ ونظریہ کی طرف رمز واشارہ کرنا کافی جانا۔خیر پروفیسر صاحب امام بوصیری علیہ الرحمہ کے کلام کو نقل کرنے میں بھی نہایت غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے۔اُنھوں نے سب سے پہلے اس قصیدہ کو ذکر کیا ہے جس کا عنوان ہے: ''بمدحہ تحیا القلوب'' ۔مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ: انھوں ترجمہ اور مفہوم کی ادائیگی میں کافی دلچسپی دکھائی ہے اور عربی عبارت کی کتابت وتصحیح میں غفلت ولا پروائی سے کام لیا ہے۔چند نظیریں ملاحظہ فرمائیں:

[ا]ص: (۳۳): ''وارجوأن عیش بہ'' میں ''عیش'' کی جگہ پر ''أعیش'' ہونا چاہیے۔[دیوان

الامام بوصیری،ص:٣٧]

[٢]ص:(٣٤):" نبی کامل الاوصاف تحت محاسنه..." میں ''تحت'' کی جگہ "تَمَّتْ "ہونا چاہیے اور عبارت یوں ہوگی:" تَمَّتْ محاسنه"۔ [دیوان الامام بوصیری،ص:٣٧]

[٣]ص:(٣٤):" الکرمات عنا "۔میں"الکرمات" کی جگہ "الکربات"ہے جوکہ "الکربة" کی جمع ہے۔[دیوان الامام بوصری،ص:٣٧]

[٤]ص:(٣٤):" وحامل زهرة غصن رطیب" میں"زهرة"کی جگہ" زَهْرِهِ" ہونا چاہیے۔[دیوان الامام بوصیری،ص:٣٨]

[٥]ص:(٣٤):"ولی طرف لمراة شوق" میں" لمراة " کی جگہ"لمرآه" اور"شوق" کی جگہ "مشوق"ہونا چاہیے۔[دیوان الامام بوصیری،ص:٣٨]

[٦]ص:(٣٦)"أمین صادق یرتقی" میں" یر" کی جگہ" بَرٌّ" ہونا چاہیے۔[دیوان الامام بوصیری،ص:٣٩]

[٧]ص:(٣٦)"بریك علی الرضا والسخط وجها"میں" بریك"کی جگہ" یُرِیْكَ" ہونا چاہیے۔[دیوان الامام بوصیری،ص:٣٩]

[٨]ص:(٣٦)" ونظم فی النهار به الحروب" میں "نظم" کی جگہ"تُظْلِمُ"ہونا چاہیے۔[دیوان الامام بوصیری،ص:٣٩]

[٩]ص:(٣٧)"ولیست عنه فی حال ینوب"۔ میں"ینوب"کی جگہ"تَنُوْبُ" ہونا چاہیے۔[دیوان الامام بوصیری،ص:٣٩]

[١٠]ص:(٣٨)"دان البدر منشفا الیه"۔ میں"منشفا"کی جگہ"مُنْشَقًّا"ہونا چاہیے۔[دیوان الامام بوصیری،ص:٣٩]

[١١]ص:(٣٨)"فعادرهم به العیش الخصیب" میں" فعادرهم " کی جائے" فَعَاوَدَ هُمُ" ہونا چاہیے۔[دیوان الامام بوصیری،ص:٣٩]

حضرت علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے اہلسنّت و جماعت کے مسلک کی ترجمانی کرتے ہوئے فرمایا:

أخبر تابعیه بغائبات ولیس بکائن عنه مغیب

اصلاحی صاحب نے اس کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا:'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبعین

کو غائبات سے باخبر کیا اور کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اوجھل نہیں ہے۔'' اس کے بعد تشریح کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ: ''مذکورہ شعر میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ خیال کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں تھی، مناسب نہیں ہے۔ خالق اور مخلوق کے مابین فروق کو مٹا دینا صریحاً قرآن کریم کے برعکس ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے برابر کھڑا کر دینا نامناسب ہے۔''

اصلاحی صاحب کا یہ کہنا کہ: ''خالق اور مخلوق کے مابین فروق کو مٹا دینا صریحاً قرآن کریم کے برعکس ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے برابر کھڑا کر دینا نامناسب ہے۔'' بالکل درست ہے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ: جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ''علم عطائی'' اور خداوند قدوس کے لیے ''علم ذاتی'' مانا جاتا ہے تو کیا یہ واضح فرق کافی نہیں ہے؟ دعوت فکر و انصاف ہے۔

اس کے علاوہ اصلاحی صاحب نے بہت کچھ عقائد اہل سنت و جماعت کی تغلیط اور اپنے عقیدہ کی ترجمانی میں لکھا ہے۔ جس پر اگر تبصرہ کیا جائے اور علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار کی تائید میں آیات کریمہ اور احادیث شریفہ پیش کی جائیں تو مستقل ایک ''دبستان'' تیار ہو سکتی ہے۔ بہر حال اتنا تو صاف ہو گیا کہ: اصلاحی صاحب ''منصفانہ تنقیدی جائزہ'' لینے سے قاصر رہے۔ اور اُن پر مسلکی خمار سوار رہا۔

ص:۱۲۱ر پر ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی (علی گڑھ) کا مقالہ ''قصیدہ بردہ منامیہ - معنویت واہمیت'' زینت قرطاس ہے، مگر اُس میں بھی کتابت کی غلطیاں ڈیرا جمائے ہیں۔ مثلاً:

[۱] ص(۱۲۶): "**لولاه لم تخرخ الدنيامن العدم**" میں "**تخرخ**" کی جگہ "**تخرج**" ہونا چاہیے۔ [دبستان امام بوصیری، ص:۱۶۷]

[۲] ص(۱۲۷): "**ولم يرانوه فى علم ولا كرم**" میں "**يرانوه**" کی جگہ "**يدانوه**" ہونا چاہیے۔ [دبستان امام بوصیری، ص:۱۶۷]

[۳] ص(۱۲۷): "**ثم اصطفاه حبيبا بارئ انسم**" میں "**انسم**" کی جگہ ''**النَسَمِ**'' ہونا چاہیے۔ [دبستان امام بوصیری، ص:۱۶۷]

[۴] ص(۱۲۷): "**منزة عن شريك فى محاسنه**" میں "**منزة**" کی بجائے "**منزه**" اور

"**فجوهرالحسن فيه عنيرمنقسم**" میں "**عنير**" کی بجائے ''غیر'' ہونا چاہیے۔[دبستان امام بوصیری،ص:۱٦٧]

[۵]ص(۱۲۸):"**حد فيصرف عنه ناطق بفهم**"میں"**فيصرف**" کی جگہ "**فيعرب**" اور"**بفهم**"کی جگہ"**بِفَمِ**"ہونا چاہیے۔[دبستان امام بوصیری،ص:۱٦٧]

[٦]ص(۱۲۸):"**للقرب والبعل فيه غير منفحم**"میں"**للقرب**" کی بجائے"**فی القرب**" اور"**والبعل**"کی جگہ"**والبُعُدِ**"ہونا چاہیے۔[دبستان امام بوصیری،ص:۱٦٨]

[۷]ص(۱۳۰):"**فتوب عمر مضى فى الشعر والخرم**"میں"**فتوب**"کی بجائے"**ذنوب**"اور"**الخرم**"کی بجائے"**الخدم**"ہونا چاہیے۔[دبستان امام بوصیری،ص:۱۷۲]

عالی مرتبت مدیر''دبستان نعت'' صاحب قبلہ! چند صفحات کے سرسری مطالعہ سے جو غلطیاں نظر آ گئیں، ان کو سپردِ قرطاس کر دیا ہے۔ اگر اس کثرت کے ساتھ کتابت کی غلطیاں رہ جائیں گی تو پھر قارئین اس''دبستان'' پر اعتماد کیسے کریں گے؟ اس لیے عرض ہے کہ: اس جانب توجہ خاص مبذول فرمائیں۔ جسارت کے لیے معذرت۔

دعا ہے کہ: اللہ تعالیٰ اپنے محبوب اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدقہ وطفیل آپ کی اس عظیم کاوش کو شرف قبول عطا فرمائے اور دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے۔ **آمین بجاه النبی الکریم علیه التحیة والتسلیم۔**

☆☆☆

حلیم صابر (کولکاتہ)

فروغِ حمد و نعت کا کتابی سلسلہ
'دبستانِ نعت' کی پیش رفت

حمدیہ و نعتیہ ادب کو فروغ دینے کے سلسلے میں کئی طرح سے شاعر و ادیب کی خدمات اور ان کی سعی مسلسل ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔ ہر شہر میں علاقائی طور پر طرحی و غیر طرحی نعتیہ مشاعرے، جلسۂ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، نعت خوانی اور نعتیہ انعامی مقابلے وغیرہ کا انعقاد نعتیہ ادب کو فروغ دینے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ مزید برآں کل ہند اور عالمی سطح پر حمدیہ و نعتیہ ادب کو فروغ دینے میں ماہنامہ سہ ماہی اور شش ماہی مخصوص رسائل و جرائد بھی اہم کردار ادا کر رہے ہیں جن میں بعض جریدے اپنی ضخامت اور معیاری تحریروں کی بدولت بین الاقوامی سطح پر قارئین اور مصنّفین سے رابطہ قائم کر کے مقبولیت کی بلندی پر نظر آتے ہیں۔ ایسے ایمان افروز جریدوں کا اگر شمار کیا جائے تو سرزمین یوپی کے خلیل آباد سے شائع ہونے والا فروغِ حمد و نعت کا کتابی سلسلہ ''دبستانِ نعت'' سرفہرست نظر آئے گا جو سید صبیح رحمانی بانی و مؤسس نعت ریسرچ سنٹر انٹرنشنل کراچی کی سرپرستی اور فیروز احمد سیفی نیویارک کے زیر نگرانی برصغیر کے علاوہ یورپ و امریکہ اور عالمی اردو بستیوں میں رسائی حاصل کر چکا ہے جس کے مدیر سراج احمد قادری ہیں۔ سراج احمد قادری کی ادارت اور مشاہیر ادب پروفیسر عبدالحق دہلی، ڈاکٹر آصف آدر، گلاسگو، ڈاکٹر احمد القاضی، جامعہ از ہر مصر، ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری، رشید اختر خان، ڈاکٹر رضوان انصاری، ڈاکٹر شائر اللہ خان، ڈاکٹر مقصور احمد اور ڈاکٹر اسد ثنائی صاحبان کی مجلس مشاورت میں شمولیت سے دبستانِ نعت کا چوتھا شمارہ پہلے سے خوب تر اور ضخیم صورت میں برصغیر کے علاوہ عالمی سطح پر قارئین کے زیب مطالعہ بنے کا شرف حاصل کر چکا ہے اور مزید بہتری کی جانب اس کی پیش رفت جاری ہے جو اس رسالے کی کامیابی کی دلیل ہے۔ اس سے قبل دبستانِ نعت کے تین شمارے شائع ہو کر قارئین کے ذوقِ مطالعہ کی نذر ہو چکے ہیں۔ پچھلے رسالوں کی کامیابی کا

اندازہ اس شمارے کے اواخر میں شائع شدہ ستائش نامے سے کیا جاسکتا ہے کیونکہ مدیر کے نام خطوط جن میں قارئین کے تاثرات پڑھنے کو ملتے ہیں ان سے رسالے کی اہمیت واضح ہوتی ہے، لہٰذا چند خطوط کے اقتباس مختصر طور پر ملاحظہ فرمائیں:

پروفیسر ڈاکٹر محمد سعداللہ (جلگاؤں): مشمولات پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ نہایت مقتدر ادیبوں نقادوں اور شعراء کے رشحات شامل کئے گئے ہیں جن کا مطالعہ نہایت اہم معلومات فراہم کرتا ہے۔''شارق عدیل (مارہرہ)''۔ دبستانِ نعت کا تیسرا شمارہ اس خیال کو مزید پختگی عطا کرتا ہے کہ یہ نعت کے تخلیقی حوالے سے ایک مشن ہے جو اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرے گا۔''ڈاکٹر آفاق فاخری: دبستانِ نعت کا شمارہ-3 ایک دستاویزی حقیقت ہے جسے عصر حاضر میں نعتیہ شعر و ادب کا خوبصورت منظر نامہ قرار دیا جاسکتا ہے۔''

سمیعہ ناز اقبال (انگلینڈ): ''دبستانِ نعت'' بھی ''نعت رنگ'' کراچی (پاکستان) کی طرح ایک وقیع دستاویز کی حیثیت اختیار کرتا جارہا ہے بہت ہی عمدہ اور جامع کوشش ہے ''الحاج سید مفیض الدین قادری (شاہ جہانپور):'' ہندوستان میں جب نعت گوئی کی تاریخ رقم کی جائے گی تو ''دبستانِ نعت'' کے تذکرے کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔''ڈاکٹر سید چندا حسینی اکبر (گلبرگہ):'' دبستانِ نعت، عمدہ اور معیاری ہے، سبھی دانشورانِ اہل قلم کے ضامین، تجزیے وغیرہ گراں قدر اور معنی خیز ہیں۔ ''امجد جاوید (یوکے):'' دبستانِ نعت، اپنے اندر معلومات کو سموئے ہوئے ہے۔ تنقید و تائید، ایک نیا اسلوب اصنافِ نعت اور تذکرہ و تعارف نعت گو حضرات، کیا نہیں ہے، اس ''دبستانِ نعت'' میں۔

مشاہیر ادب کے مذکورہ بالا تاثرات ''دبستان نعت'' کے سابقہ شمارے کی کامیاب پیشکش اور اس کی مقبولیت پر مہر تصدیق کی صورت ہیں۔ پچھلا شمارہ-640 صحافت پر مبسوط تھا جب کہ زیر نظر چوتھا شمارہ-680 صفحات پر مشتمل ہے۔''دبستانِ نعت'' کے صفحات میں اضافہ اس کی مقبولیت میں اضافہ کے مترادف ہے۔ اب اس قدر ضخیم مجلّے پر تفصیلی گفتگو کسی ایک مختصر مضمون میں ممکن نہیں۔ البتہ اس میں شامل مشمولات اور قلمکاروں کا مختصر تعارف پیش کیا جاسکتا ہے ورنہ اس کا مطالعہ ہی دبستانِ نعت کا مکمل تعارف ثابت ہوگا۔ بہر حال ہم حمد و نعت کے تعلق سے مقالات اور مضامین پر مختصر طور پر اظہارِ خیال کرنا چاہیں گے۔''دبستانِ نعت'' کے ہر شمارے میں حمد و نعت کے تعلق سے تحقیقی اور تنقیدی مضامین سے ان حقیقتوں کا انکشار ہوتا ہے جو پردۂ خفا میں پڑی ہوتی ہیں مثلاً تیسرے شمارے میں ڈاکٹر محمد آصف مراد آبادی نے اردو نعت کے اوّلین ناقد تمنا مراد آبادی سے متعارف کرایا جو ان کی

گرانقدر تحقیقی کاوش ہے۔

اسی طرح موجودہ شمارے میں ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری کا تحقیقی مضمون بعنوان ''چندا ین مولانا داؤد ڈلمئی اور نعت شریف، ایک تنقیدی وتحقیقی جائزہ معلومات کا ایک ایسا باب قارئین کے لئے وا کرتا ہے کہ جس میں ''لوٹ ماضی کی طرف اے گردش ایام۔'' کے مصداق واقعی ماضی کے ایسے ادبی اور تاریخی حقیقت سے واقفیت حاصل ہوتی ہے جس میں اسماعیل صاحب نے مولانا داؤد ڈلمئی کو اردو کا اوّلین نعت گو ثابت کیا ہے اوران کی عشقیہ مثنوی کو اردو کی پہلی مثنوی قرار دیا جو اردو کی ابتدائی صورت یعنی اس وقت ہندوی یا ہندکی پھر ریختہ کی شکل میں شعراء کی مشق سخن کا ذریعہ تھی۔ مثنوی ''چندا ین'' 781ھ میں لکھی گئی، مثنوی نگار ملا داؤد کی حیات مبارکہ کی سوانح کے تعلق سے موصوف رقمطراز ہیں:

> ''آپ (ملا داؤد) جس طرح باطنی وروحانی علوم اور تصوف میں ایک بلند مقام پر فائز تھے، اسی طرح آپ ظاہری ومقامی علوم پر بھی یدِطولیٰ رکھتے تھے۔ فارسی آپ کی مادری زبان، عربی مذہبی زبان اور ہندکی (آج کی اردو زبان) ہندی، ہندوی ولودھی معاشی ومعاشرتی زبانیں تھیں۔'' ڈاکٹر آزاد کا یہ مضمون معلومات کا گرانقدر خزانے سے کم نہیں ہے۔ ''عربی اور اردو زبان میں نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کے عنوان سے ڈاکٹر محمد احمد عبدالرحمٰن کا معرکہ آرا مضمون ''دبستانِ نعت'' کی زینت میں اضافہ کرتا ہے جس کے بارے میں مدیر محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری نے اداریہ میں لکھا ہے کہ ''شعبہ اردو الازہر یونیورسٹی قاہرہ، مصر محترم پروفیسر ڈاکٹر احمد محمد احمد عبدالرحمٰن صاحب کا یہ مقالہ کئی جہتوں سے اختصاصی خوبیوں کا حامل ہے۔ اولاً انہوں نے اس مقالے کو انٹرنیشنل میگزینس کے پٹرن پر ترتیب دیا ہے جس میں حواشی اور حوالوں کا خصوصی التزام کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس تحقیقی مقالے میں عربی اور اردو نعتیہ شاعری کے ان تمام افکار وابعاد کا احاطہ کیا ہے جو قارئین کرام کی لذتِ روح ونشاط ثابت ہوں گے۔''

مزید برآں پروفیسر عبدالحق دہلی کا طویل مقالہ ''ذکر حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور جمالیاتِ قرآن وؔلی کے حوالے سے'' بڑی اہمیت کا حامل ہے جس میں انہوں نے ولی کی قصیدہ گوئی اور نعتیہ شاعری کے تعلق سے ان کی وسعتِ فکر وفن اور ندرتِ بیاں پر بڑی تفصیل کے ساتھ خامہ فرسائی کی ہے جس

سے معلومات کے سوتے پھوٹتے ہیں اور و لّی کی شاعرانہ عصمت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ ''دبستانِ نعت'' میں جتنے مضامین تحقیقی، تنقیدی اور تجزیاتی وغیرہ جو شامل کئے گئے وہ سب معیاری ہیں۔ اسی طرح نعت گو شاعر، ان کی نعتوں اور مجموعۂ کلام پر تنقیدیں بھی معلومات افزا ہیں مثلاً تابشِ فکر کے تحت ''موجِ کوثر کا قرآنی تجزیہ'' پروفیسر ابوسفیان اصلاحی، علاقہ گوالیار میں اردو شعر و ادب اور نعت گوئی کی تاریخ ایک تحقیقی جائزہ ''ڈاکٹر وسیم افتخار انصاری برہان پوری'' اردو نعت کا نفسیاتی مطالعہ ''ڈاکٹر محمد آصف امراوتی'' فنافی النعت حضرت مغموم مدراسی، ڈاکٹر راہی فدائی، برہان پور میں سلسلہ میر کے نعت گو شعراء کا تحقیقی جائزہ ''ڈاکٹر شبانہ نکہت انصاری'' نعت کا لفظ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی کے لئے زیادہ موزوں ''ڈاکٹر سید جمیل الدین جمیل راٹھوی'' وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ''تنویر پھول اور ڈاکٹر سراج احمد قادری (مدیر مجلّہ) کا ہندوستان میں امام احمد رضا فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری پر تحریر کئے گئے تحقیقی مقالوں کا ایک تعارفی جائزہ وغیرہ ایسے عمدہ مضامین ہیں جو قارئین کی معلومات کا در کھول دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں ''افکارِ روشن'' کے حوالے سے ''علامہ اختر رضا بریلوی کا عربی کلام عروض وفنّی محاسن کے تناظر میں'' علامہ اقبال اعظمی، ''نعتیہ مجموعہ وسیلۂ نجات'' ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم، جید اردو نعت میں روحِ عصر ''ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی، ثنا کی نکہتیں، ذہنی وفکری مطالعہ'' فاروقی جائی مراٹھی نعت'' پروفیسر ڈاکٹر محمد سعد اللہ ''مولانا سید غیاث الدین حسن چشتی کی فارسی نعتیہ شاعری کا اجمالی جائزہ'' ڈاکٹر محمد مختار عالم صابری، ''نعتیہ شاعر کا تجزیہ مطالعہ'' ڈاکٹر ایم نصر اللہ نصر، ''احوال ایک محفل نعت خوانی کا'' ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی، بارگاہِ رسالت میں عقیدۂ صحابہ اور تجلیات'' قاری محمد رفیق فائز''، ''میرا سفر نعت گوئی'' خاں حسین عاقب، ''کتب خانہ'' قادریہ بشیریہ شاہ جہاں بور میں محفوظ نعتیہ دواوین کا جائزہ، ''الحاج سید محمد مفیض الدین قادری'' ہالینڈ میں محفل نعت ''ڈاکٹر خلیل اعظمی'' منیر خان کی شعری خصوصیات، (کوثر زومزم کے حوالے سے) محمد عامل بدایونی، ''راجستھان میں نعت گوئی کی روایت'' ڈاکٹر شاہد احمد جمالی، ''اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری'' توصیف بریلوی، ''خیر آباد کے چند نعت گو شعراء'' ڈاکٹر رضوان انصار امجدی، ''امام احمد رضا خاں بریلوی کی نعتیہ شاعری میں .... تجربات'' (غزل، قصیدہ، مثنوی، قطعہ اور رباعی کے حوالےس) قاض سد وحید احمد میر غلام حسین اور تذکرہ نعت گو شاعرات'' رشید اختر خان۔

''دبستانِ نعت'' میں اتنے سارے معلومات افزا مضامین کے علاوہ پچھلے مجلّے پر ''زاویہ نگاہ''

کے تحت، اقبال اعظمی، پروفیسر فاروق احمد، پروفیسر مجید بیدار، فاروق جائسی، ڈاکٹر غلام یحییٰ، علامہ عتیق اثر ندوی، قاری محمد رفیق قاضی فائز، شبیر رضوی اور راقم الحروف حلیم صابر کے تبصرہ نما مضامین ''دبستانِ نعت'' میں شامل ہیں جن سے اس مجلّے کی اہمیت اور اس کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان سب کے علاوہ جدید فارسی نعتیہ غزلیں اور ان کا نثری ترجمہ ڈاکٹر علی ....، ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ اردو یونیورسٹی آف تہران، ایران نے عمدہ انداز میں پیش کر کے قارئین کی معلومات میں اضافہ کیا ہے جب کہ نعتیہ مجموعوں پر تبصرے بھی زینت نگاہ بنے اور شعراء کی بہت ساری پابند اور آزاد نعتیں بھی دبستانِ نعت کو زینت بخشتی ہیں۔ اس طرح 630 صفحات کے دبستانِ نعت میں ایمان افروز تخلیقات کا ایک جہاں آباد ہے جن کا مطالعہ کرنے والے اس سے مستفیض ہوتے ہیں۔ اس مجلّے کے مدیر، نگراں اور سرپرست کے علاوہ مجلس مشاورت میں شامل تمام حضرات کو مبارکباد۔ خدا ان کے اس نیک جذبے کو سلامت رکھے۔

☆☆☆

ڈاکٹر شبانہ نکہت انصاری (جاورہ، رتلام، ایم. پی)

دبستانِ نعت: ایک مجموعی تاثر

بین الاقوامی سالانہ مجلّہ 'دبستانِ نعت' علمی، ادبی، دینی، معیاری، پرمغز اور معلومات کا خزینہ ہے۔ ظاہر ہے خزانہ مختلف النوع خوبیوں سے مالا مال ہوتا ہے۔ اس لئے یہ مجلّہ بھی بہت سی خوبیاں ہونے کی وجہ سے کافی ضخیم ہے۔ اکثر ضخیم جلدیں وقت کا زیاں کرتی ہیں لیکن مذکورہ مجلّہ حاصلِ علم وتحقیق ہے۔ اس جریدے کی ایک کشش یہ بھی ہے کہ اس میں بڑے بڑے دانشوروں، جید علماء، فضلاء، ادباء، کہنہ مشق استاذ الاساتذہ، تجربہ کاروں اور فن کاروں کے مضامین و مقالات، نعتیہ کلام، تبصرے و تاثرات نظروں سے گزرتے ہیں۔ اس جریدے میں شامل تمامی مضامین معلومات افزا، گراں قدر اور نئے انداز کے ہوتے ہیں۔ مذکورہ مجلّے کی سب سے بڑی اور اہم خصوصیت اس کا موضوع نعت شریف ہے۔ جو اللہ رب العزت کے پیارے محبوب اور پوری کائنات کے آقائے دو جہاں احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور تعریف میں تحریر کی جاتی ہے۔ ایسی بے مثال اور بے بہا شخصیت کا ذکر جس میں ہو، ظاہر سی بات ہے اس کے بیش قیمت اور اہم ہونے میں کیا شک ہے۔ گویا مذکورہ جریدہ ہمارے ایمان وایقان، دل و دماغ اور روح کو تازگی اور فرحت بخشتا ہے۔ اس معیاری جریدے میں جہاں ایک جانب آقائے دو جہاں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور آپ کی جسمانی وروحانی تمام خوبیاں نعت کے روپ میں اور نعتیہ تحقیق وتنقید کے حوالے سے پڑھنے کو ملتی ہے، وہیں دوسری جانب مختلف شہروں، قصبوں اور علاقوں کی ادبی وتہذیبی تاریخ اور ان کے یہاں کے نعت گو شعراء اور ان کے کلام سے رو برو ہونے کا موقع میسر آتا ہے۔ گویا یہ مجلّہ تاریخ سازی کا فریضہ بھی انجام دے رہا ہے۔

☆☆☆

گلہائے عقیدت

نعت کیا ہے

باب اوّل فضیلت و کمالات ۔ پابند اشعار

نعت کیا ہے استغاثہ۔ آرزو فریاد ہے
نعت کیا ہے رحمت عالم کی اک امداد ہے

نعت کیا ہے اک شعورِ زندگی ہے اور کیا
نعت کیا ہے اک نیاز بندگی ہے اور کیا

نعت کیا ہے ہر صدی اور ہر جہت کی رہنما
نعت کیا ہے فیض دو عالم سے ہے جو آشنا

نعت کیا ہے اک نجات اخروی کا سلسلہ
نعت کیا ہے بندۂ حق کے لئے فضل و عطا

نعت کیا ہے اک صحیفہ ہے مکمل ذات کا
نعت کیا ہے مرتبہ ہے صاحب لولاک کا

نعت کیا ہے آئینہ حسن جمال مصطفیٰ
نعت کیا ہے سیرت اقدس شئہ ہر دوسرا

نعت کیا ہے نور حق کا بولتا شہکار ہے
نعت کیا ہے اک سراپا عالم انوار ہے

نعت کیا ہے رحمت حق ہادی عالم کی بات
نعت کیا ہے انکشافِ شافع محشر کی ذات

نعت کیا ہے سارے عالم کی ہے حرف ابتدا
نعت کیا ہے مجموعہ حسنات نور کبریا

نعت کیا ہے انفس و آفاق کی خلقت پناہ
نعت کیا ہے ہر زمانہ کے لئے ہے خضر راہ

نعت کیا ہے زمرۂ علم و ادب کا بحرو بر
نعت کیا ہے ہر علوم دین کا ہے تاج ور

نعت کیا ہے شاہ دیں کی معجزانہ رفعتیں
نعت کیا ہے عبدیت کی عارفانہ عظمتیں

نعت کیا ہے اک خدائی نور ہے شکل بشر
نعت کیا ہے فہم انسانی سے ہے جو بالاتر

نعت کیا ہے اک عظیم المرتبت صنفِ سخن
نعت کیا ہے اولیا و اصفیا کا پاک فن

نعت کیا ہے سیرت اقدس بھی ہے قرآن بھی
نعت کیا ہے اک تعارف بھی ہے اک پہچان بھی

نعت کیا ہے آپ کا فیض و کرم فضل و کمال
نعت کیا ہے آپکا حسن عمل حسن و جمال

نعت کیا ہے بہر ذخار علوم کائنات
نعت کیا ہے سرور دیں کی نگاہ التفات

نعت کیا ہے حق تعالیٰ تک رسائی کا نظام نعت کیا ہے نور سے ہے نور کا اک انضمام
نعت کیا ہے ہستئی کامل و اکمل کی ہے یاد نعت کیا ہے ایک ایسا ذکر جو رکھتا ہے شاد
نعت کیا ہے مستقل دل کا سکوں صبر و قرار نعت کیا ہے روح کی راحت بشر کا افتخار
نعت کیا ہے وصف اور توصیف کا غازی نصاب
نعت کیا ہے جس کا ہر فرد عمل ہے لاجواب

باب دوم

خبردار۔احتیاط۔متفرق اشعار

نعت بیشک اک مکمل اُسوۂ سرکار ہے سب سے اعلیٰ سب سے ارفع نعت کا معیار ہے
نعت کا آغاز پہلے حق تعالیٰ نے کیا اور قرآں نے ہر اک عالم میں افشاں کر دیا
با طفیل نعت ہی دونوں جہاں کا ہے ظہور نعت ہی سے آیا ہے حق کی مشیّت کا شعور
نعت کہتے ہیں اسے جو ہر غلو سے پاک ہو نعت کہنے والے کو خود نعت کا ادراک ہو
باعث تخلیق ہے سرکار دوعالم کی ذات یہ بھی اک توصیف ہے لیکن حقیقت میں ہے نعت
نعت تو اعزاز ہے ہر اک مسلماں کے لئے نعت کہتے ہی ہیں ہم تکمیل ایماں کے لئے
نعت کہنا ہو تو اوّل شرط ہے پاکیزگی پھر ضروری ہے نبی سے ہو دلی وابستگی
نعت ہر اک زاویہ سے مہر عالم تاب ہے نعت کا ہر ایک پہلو رحمتوں کا باب ہے
نعت کا مظہر تقدس اور طہارت ہے جناب نعت نے بخشا ہمیں پاکی کا اک کامل نصاب
نعت گوئی میں ہو ناموس رسالت کا لحاظ اور رہے لفظوں کی شوکت اور حرمت کا لحاظ
نعت گوئی میں توارد اور سرقے سے بچو نعت گوئی میں کوئی لغزش نہ ہو اس سے ڈرو
نعت کہنا ہو تو اشکوں سے کرو پہلے وضو نعت کہنے کی بڑھے گی پھر طلب اور جستجو
حق تعالیٰ اور نبی پر ہم کیا کرتے ہیں ناز نعت میں لیکن رہے مابین فرق و امتیاز
نعت کی ہر حرف سے افشاں ہو آقا کا جمال نعت میں حد ادب ملحوظ رکھنا ہے کمال

نعت ہی سے زندگی ہے نعت ہی سے ہے نجات نعت ہی سے تو ہے مقصودِ وجود کائنات
نعت گوئی میں رہے حفظ مراتب کا خیال ورنہ راہ نعت میں اکثر ہوئے ہیں پائمال
نعت کی شان تخیل میں ہوا جو بے لگام مٹ گیا نام و نشاں اس کا ہوا قصہ تمام
نعت گوئی کی فضا بیشک وسیع تر ہے کہو اس کی پروازیں مگر اتنی ہی مشکل ہے سنو
نعت میں تنقید سے پہلے سنو اس بات کو دل کسی کا نعت میں تنقید سے زخمی نہ ہو

نعت میں پڑھتا ہوں غازؔی والہانہ شان سے
یہ طریقہ میں نے سیکھا حضرت حسان سے

ڈاکٹر صوفی غازؔی امان
اورنگ آباد، مہاراشٹر (انڈیا)

نعت کیا ہے

نعت کیا ہے سیدِ ابرار کی تحمید ہے　　نعت کیا ہے حضرتِ حسّان کی تقلید ہے
نعت کیا ہے اہلِ دل کے واسطے اک عید ہے　　نعت کیا ہے دل کی آنکھوں سے نبی کی دید ہے
نعت نسبت کا قرینہ ہے نظر کا نور ہے
نعت کے ہر حرف میں حُبِّ نبی مستور ہے
نعت کیا ہے اصل میں ہے سُنّتِ ربِّ جلیل　　نعت کیا ہے سورۂ احزاب کی روشن دلیل
نعت کیا ہے رب کا منشا نعت نُطقِ جبرئیل　　نعت کیا ہے جامِ کوثر نعت موجِ سلسبیل
جامِ حُبِّ شاہِ دیں سب کو پلا دیتی ہے نعت
مُردہ دِل کو ایک لمحے میں جلا دیتی ہے نعت
نعت کیا ہے آرزوئے رویتِ کوئے رسول　　نعت کیا ہے نور بیں تخئیل میں روئے رسول
نعت کیا ہے معنیٔ وَالّلیل گیسوئے رسول　　نعت کیا ہے صندلی حرفوں میں خوشبوئے رسول
نعت کہنے کے لئے حق کا اشارہ چاہیے
نعت کہتے وقت دِل بھی پارہ پارہ چاہیے
نعت کیا ہے شاعری کی دم بدم معراج ہے　　نعت کیا ہے فِکر و فن کے سر پہ روشن تاج ہے
نعت کیا ہے شعر میں اصناف کی سرتاج ہے　　نعت کیا ہے ہر زباں کی شاعری کی لاج ہے
نعت کہنے کے لئے گویا زباں بخشی گئی
شعر کے اِس آسماں کو کہکشاں بخشی گئی
نعت کیا ہے سیرتِ شاہِ اُمم رحمت ادا　　نعت کیا ہے ہر زبانِ شوق پر صلِّ علےٰ
نعت کیا ہے دست بستہ دِل سراپا مُدّعا　　نعت کیا ہے اِستغاثہ ہے دِلوں کی اِلتجا
چُپکے چُپکے آنکھ سے آنسو بہانا نعت ہے
دِل کی بنجر سر زمیں پر گُل کِھلانا نعت ہے

نعت کیا ہے مِدحَتِ خَیرُ البَشَر کی ہے ادا نعت کیا ہے اِضطرابِ شَوق کی ہے اِنتہا
نعت کیا ہے آرزوئے دیدِ شَہرِ مُصطفیٰ نعت کیا ہے روزِ محشر عاصیوں کا ہے عصا
ہم گنہگاروں کے حق میں تحفۂ یزداں ہے نعت
بے سَر و ساماں ہیں ہم اور حشر کا ساماں ہے نعت
نعت کیا ہے یادِ شَہ میں خود کو کھو دینے کا نام نعت کیا ہے ذِکرِ شَہ پر خوب رو دینے کا نام
نعت کیا ہے داغِ عصیاں اپنے دھو دینے کا نام نعت کیا ہے نور میں خود کو ڈبو دینے کا نام
نور کا روشن سفر ہے مِدحتِ نُورُ الہدیٰ
روشنی دَر روشنی ہے مِدحَتِ خَیرُ الوَریٰ
نعت کیا ہے مدح سے تقدیر چمکانا ہے نعت نعت کیا ہے نکہتوں سے دِل کو مہکانا ہے نعت
نعت کیا ہے جامِ کوثر خوب چھلکانا ہے نعت نعت کیا ہے اَشکِ غم آنکھوں سے ٹپکانا ہے نعت
اُن کو رازِ غم سلیقے سے دِکھانا نعت ہے
یاد میں اشکوں سے مژگاں کو سجانا نعت ہے
نعت کیا ہے سَرورِ کون و مکاں کی یاد ہے نعت کیا ہے اُمّتی کے لَب پہ اک فریاد ہے
نعت کیا ہے عشقِ سَرور کی حسیں بنیاد ہے نعت کیا ہے مَوجِ کیفِ نغمۂ میلاد ہے
نور کی بارش مسلسل دِل پہ برساتی ہے نعت
وادیٔ دِل کو حسیں پھولوں سے مہکاتی ہے نعت
نعت کیا ہے سیرتِ سرکار کی تابانیاں نعت کیا ہے چشمِ حیرت کی حسیں حیرانیاں
نعت کیا ہے جذبۂ توصیف کی جولانیاں نعت کیا ہے سرمدی لمحات کی طولانیاں
بادۂ عرفاں کے پیالے گُھل کے پینا نعت ہے
لمحہ لمحہ کیفِ مِدحت ہی میں جینا نعت ہے
نعت کیا ہے بھیگتی پلکوں پہ اَشکوں کی دَمَک نعت کیا ہے دِل کے آنگن میں ستاروں کی چمک
نعت کیا ہے سیرتِ نورِ اَزَل کی اک جھلک نعت کیا ہے فِکر میں شہرِ مدینہ کی مہک
سَر زمینِ قلب میں سَرسبزیاں ہیں نعت سے
گُلِستانِ فکر میں شادابیاں ہیں نعت سے
نعت کیا ہے فیضِ رِقّت نعمتِ سوز و گداز نعت کیا ہے حقّ و باطل میں وجودِ امتیاز

نعت کیا ہے دِل کے گُلشن میں ہَوائے دِلنواز نعت کیا ہے روح کی بالیدگی کا ایک راز
ہر نفَس عنبر فشانی ہے اگر تو نعت سے
مہکی مہکی زندگانی ہے اگر تو نعت سے

نعت کیا ہے قلب و جاں میں چُھوٹتی مہتابیاں نعت کیا ہے آرزوئے دید کی سَیرابیاں
نعت کیا ہے ہجرِ طیبہ کی کسک بیخوابیاں نعت کیا ہے کاروانِ شَوق کی بے تابیاں
نعت روحانی حلاوت رتجگوں کا ماحصل
نعت ہے نورِ بصیرت جَلوہَ نورِ ازَل

نعت کیا ہے صفحۂ قرطاس پر تنویر ہے نعت کیا ہے شوکتِ اَفکار کی تصویر ہے
نعت کیا ہے اوج پر نشتر تری تقدیر ہے نعت کیا ہے نوکِ خامہ کے لئے توقیر ہے
یہ ترا اعزاز ہے نشتر کہ تُو لِکھتا ہے نعت
ساتھ تیرے اک زمانہ جھوم کے پڑھتا ہے نعت

ڈاکٹر مبشر احمد نشترؔ
(حیدر آباد، تلنگانہ)

صلی اللہ علیہ وسلم

اَلسّلَامُ عَلَیکَ مِنّیِ وَ صَلوٰتِی یَا رَسُول
لَیسَ لِی حُسنُ العَمَلِ کَیفَ النِّجَاتِی یَارَسُول

مَا اَقُولُ کَیفَ حَالِیِ حَیثُ لَا یَخفَ عَلَیک
اَنتَ تَعلمُ مَا مَضیٰ وَ مَا سَیَاتیِ یَا رَسُول

اِنّ فِی هِجرِکَ عَذَاباً فِی عَذَابِ لَا یُطَاقُ
اِنَّ فِی وَصلِکَ حَیَاتاً فِی حَیَاتِی یَا رَسُول

کُنتُ کَنزاً مّخفِیاً فِی کُنتُ کَنزاً مَخفِیاً
اِختِفَاءَ النّخلِ فِی عَینِ النّوَاتِی یَا رَسُول

اَنتَ جَوّادّ کَرِیم نَحنُ قَوم سَآئلُون
مِن نِصَابِ الفَضلِ شَیئاً فِی الزّکوٰۃِ یَا رَسوُل

اِشتَرِیذَ بنِی بِعوَفُکَ لَیسَ لِی فَیهِ الخَیَار
بِعتُ مِنّکَ فِی الَازَل بَیعَ البَیَانِی یَا رَسُول

سَلّم اَللّهُ عَلیٰ رُحِکَ وَ صَلّی دَآئِمَاً
کُلُّ سَاعَتِ النّهارِی وَ البَیَانِی یَا رَسُول

حضرت شاہ محمد جمال الدین البہجتؔ
(پھلواری شریف، پٹنہ)

صلی اللہ علیہ وسلم

حرم کی شمع کا دل میں اجالا لے کے آئے ہیں
نظر میں گنبدِ خضرا کا نقشہ لے کے آئے ہیں

غریبو بڑھ کے چومو مفتیِ اعظم کے ہاتھوں کو
رسول پاک کی عظمت کا سکّہ لے کے آئے ہیں

وہ اک ٹکڑا کہ جس کو تاج والے بھی ترستے ہیں
مرے مرشد مدینے سے وہ ٹکڑا لے کے آئے ہیں

غموں کی دھوپ میں اے جلنے والو چھاؤں میں آؤ
مدینے کے درختوں کا یہ سایہ لے کے آئے ہیں

فرشتوں کی طرف سے گنبدِ خضری کی جُھرمٹ میں
جو صبح و شام بٹتا تھا وہ صدقہ لے کے آئے ہیں

وہ آنکھیں جو غلاف کعبہ سے مل مل کے روئی تھیں
انہیں آنکھوں میں دیکھو نور کعبہ لے کے آئے ہیں

سبھی کہتے ہیں دنیا میں جنہیں احمد رضا والے
رسول پاک کی الفت کا سودا لے کے آئے ہیں

بریلی میں چراغِ عشق کی لو تیز کرنے کو
عرب کی چاندنی راتوں کا جلوہ لے کے آئے ہیں

ہمیں بھی اے ولی ابن ولی طیبہ میں پہنچا دو
مدینہ جانے کی ہم بھی تمنا لے کے آئے ہیں

مرید و پیر میں کیا فرق ہے یہ رازؔ سمجھو تو
میں پیاسا بن کے آیا ہوں وہ دریا لے کے آئے ہیں

رازؔ الہ آبادی

صلی اللہ علیہ وسلم

یہ جو مہر میں ہیں حرارتیں وہ ترا ظہورِ جلال ہے
یہ جو کہکشاں میں ہے روشنی وہ ترا غبارِ جمال ہے

وہاں فاصلوں کی زیادتی سے عنایتوں میں کمی نہیں
کوئی دور رہ کے اویسؓ ہے کوئی پاس رہ کے بلالؓ ہے

رواں ندیاں دمِ آہواں زمیں آسماں نہیں سب جہاں
تری رحمتوں کے طفیل ہیں کہ زوال جن کا محال ہے

ترا روضہ ہے میرے سامنے مگر اپنی شکل دکھاؤں کیا
یہ میں کس مقام پہ آ گیا کہ نہ ہجر ہے نہ وصال ہے

جو عطا پہ روز خطا کرے جو خطا پہ روز عطا کرے
ترے پاس میری مثال ہے مرے پاس تیری مثال ہے

دلِ عاشقاں جو نڈھال ہیں ذرا آپ ان کو سنبھال لیں
یہ کسی کے بوتے کی شے نہیں کہ یہ آپ ہی کا تو مال ہے

وہ خدا کے نور کو دیکھ کر بھی زمین والوں میں آ گئے
سرِ عرش جانا کمال تھا کہ وہاں سے آنا کمال ہے

ذرا سدرہ والے سے پوچھنا کہ مقام مصطفوی ہے کیا
جہاں جبرئیل کے پَر جلیں وہ مقام ایسی مثال ہے

ارے زار اشرفؔ ناتواں کہاں نعت تیرا بیاں کہاں
ترا حق تھا تو نے اٹھالیا یہ رضاؔ کے توشے کا مال ہے

سید محمد اشرف مارہروی

(مارہرہ شریف، یوپی)

ﷺ

نبی کے نام میں یہ لطف یہ مزا کیا ہے
مرے رسول مکرم کا مرتبہ کیا ہے
انہیں سے سارا زمانا وجود میں آیا
یہ ابتدا کا ہے عالم تو انتہا کیا ہے
وہ سب سے پہلے بھی موجود سب کے آخر بھی
کوئی بتائے ہمیں نور مصطفیٰ کیا ہے
یہ کائنات سمٹ آئی جس کے قدموں میں
سمجھ نہ پائے اسی کو تو پھر پڑھا کیا ہے
ہر ایک دل کو یہیں سے سکون ملتا ہے
جمالِ گنبد خضریٰ میں اے خدا کیا ہے
درخت سجدہ کریں کنکری پڑھے کلمہ
یہ معجزہ جو نہیں ہے تو معجزہ کیا ہے
بھلاؤ لاکھ انہیں وہ بھلا نہیں سکتے
رسول پاک سے ہی سیکھئے وفا کیا ہے
اگر سمجھ میں نہ آئے تو پوچھ لو حُر سے
پسند جو ہے خدا کو وہ راستہ کیا ہے
یہ بات پوچھئے حضرت بلال سے خالدؔ
غم حبیب اٹھانے میں فائدہ کیا ہے

سید خالدؔ اشرف کچھوچھوی (کچھوچھہ، یوپی)

ﷺ

(امام احمد رضا خان بریلوی کی زمین میں)

خوشبو ہے بسی اس میں کہ سرور ﷺ کا دہن پھول
ہر قول معطر ہے تو ہر ایک سخن پھول

جلوؤں میں نہاں اُن ﷺ کے ہے شبنم بھی شفق بھی
انوار مہ و مہر ستاروں کی کرن پھول

بے مثل ہے یہ گل بنی ہاشم کے چمن کا
نکہت سے ہے معمول کہ سارا ہی بدن پھول

دونوں جو نواسے ہیں، وہ ریحان نبی ﷺ ہیں
سرور ﷺ کا ہے فرمان، حسینؓ اور حسنؓ پھول

مقتل میں خبیبؓ آئے، عجب عزم تھا اُن کا
سرکار ﷺ کی اُلفت میں لگے دار و رسن پھول

طیبہ کے گلستان میں ہے گنبدِ خضرا
دیکھا تو لگا جیسے ہے دستار چمن پھول

جب اُن ﷺ کا لیا نام تو رحمت ملی رب کی
پڑھتے ہی درود اُن ﷺ پہ سبھی رنج و محن پھول

اُس گوشۂ جنت پہ ہی گنبد ہے نبی ﷺ کا
سر پر ہے سجائے ہوئے جنت کی دلہن پھول

اللہ! دے توفیق، یہی تجھ سے دعا ہے
تا عمر کرے مدحتِ سلطان زمن ﷺ پھولؔ

تنویر پھولؔ (نیویارک)

ﷺ

تنِ نور، اس پر کمالِ رسول ﷺ — گُہر بار اعجاز حالِ رسول ﷺ
"ومــا یـنــطـق" اس پر دلیلِ مبیں — مقالِ خدا ہے، مقالِ رسول ﷺ
فرشتے، مہ و مہر حیرت زدہ — سرِ لا مکاں ہے جمالِ رسول ﷺ
اشارہ بھی ہے ما ورائے یقیں — سکوتِ نبی قیل و قالِ رسول ﷺ
نہ لیں نام ان کا وضو کے بغیر — مزکیٰ مجلیٰ ہیں آلِ رسول ﷺ
ہیں خیر البشر خاتم الانبیا — خیالِ خدا ہے خیالِ رسول ﷺ
جواباً کہو تم ''سراج منیر'' — بشر بن گیا جب سوالِ رسول ﷺ
ازل سے ہے تاباں چراغِ وجود — یہ کیا گن سکے ماہ و سالِ رسول ﷺ
''بشیر ونذیر'' ان کا روشن لقب — ہے اسم حسیں نیک فالِ رسول ﷺ
ہے نورٌ علیٰ نور اس کی صفت — سرِ کہکشاں ہے سفالِ رسول ﷺ
فقط مسئلہ میں ہی الجھے ہو کیوں — ''رمیٰ'' ہے ''دنیٰ'' ہے مآلِ رسول ﷺ
مماثل نہیں کوئی دارین میں — بشر دوسرا ہے محالِ رسول ﷺ
کوئی نسل و رنگ آشنا کیوں نہ ہو — سبھی متبع ہیں عیالِ رسول ﷺ
ہے سیرابیٔ عظمتِ انس و جاں — یہ سر چشمہ آبِ زلالِ رسول ﷺ

ہے راہی کی قسمت میں نعتِ نبی
مقدس یہ مال ومنالِ رسول ﷺ

ڈاکٹر راہیؔ فدائی (بنگلور)

ﷺ

افضل و اعلیٰ مقدّم سیّدِ ابرار آپ ﷺ
ہستیِ نورِ مجسم احمد مختار آپ ﷺ

سارے نبیوں سے ہیں بڑھ کر صاحب کردار آپ ﷺ
سب رسولوں کے ہیں آقا منتخب سردار آپ ﷺ

آپ ﷺ جیسا کوئی بھی اب تک نہیں پیدا ہوا
شاہ کارِ خلقِ عالم بالیقیں سرکار آپ ﷺ

رازدارِ سرّ وحدت یا نبی ﷺ ہیں آپ ہی
درحقیقت بعد رب ہیں واقفِ اسرار آپ ﷺ

افتخار نسل آدم آپ ﷺ ہی کی ذات پاک
بالیقیں ہیں حق تعالیٰ کے حسیں شہکار آپ ﷺ

آپ ﷺ کی تو دشمنوں پر بھی رہی چشم کرم
آپ ﷺ یکتائے زمانہ صاحبِ کردار آپ ﷺ

روبرو حیوانیت کے ہوگئے سینہ سپر
واقعی انسانیت کے ہیں علمبردار آپ ﷺ

کون اِن کی بات پوچھے کس کا ہو ان پر کرم
یا نبی ﷺ ہیں غمزدوں کے مونس و غم خوار آپ ﷺ

اُس کی قسمت کا ستارہ ہوگا روشن بالیقیں
ڈال دیں جس کی طرف بھی اک نظر سرکار آپ ﷺ

کوئی بھی دُنیا میں اپنا مونس وحامی نہیں
کیجئے چشمِ عنایت سیّدِ ابرار آپ ﷺ

رب کا فضلِ خاص ہے یہ آپ پر ساجدؔ میاں
رات دن عشقِ نبی ﷺ میں رہتے ہیں سرشار آپ

ساجدؔ خیرآبادی (خیرآباد، یوپی)

ﷺ

صبا مدینے کی سمت ہوکر مرے درود و سلام لے جا
پھر اضطرابِ نگاہ لے جا پھر آرزوئے قیام لے جا
بسوئے آں رہبرِ دو عالم بنائے کونین و فخرِ آدم
غریب کا شوق خام لے جا، یہ جذبۂ نا تمام لے جا
سند ہے عشقِ رسول جن کا انہی کا ادنیٰ غلام ہوں میں
مری یہ فریاد اے صبا تو بحق خواجہ نظام لے جا
سلامُ رَبِیّ عَلیٰ نَبِیّ سَلَامُ رَبّی عَلیٰ نَبِیّ
صبا برائے قبولیت یہ وظیفۂ صبح و شام لے جا
بنائے بنتی نہیں ہے کوئی عجب ہے اک کیفیت ہماری
ہمارے آنسو ہمارے نالے بیادِ خیر الانام لے جا
حضور سے جا کے تو بتا دے یہ عالمِ جذبِ شوق اپنا
میں تیرے صدقے میں تیرے قرباں مری طرف سے پیام لے جا
خدا کے فضل و کرم سے مجھ پر توجہ اپنی حضور رکھیں
مری تمنائے روح پرور صبا بصد احترام لے جا
یہ آیتؔ بے نوا کی تجھ سے بس ایک ادنیٰ سی التجا ہے
کہ سوئے خیر البشر سلام غلام ابن غلام لے جا

حضرت محمد آیت اللہ قادری
(پھلواری شریف، پٹنہ)

صلی اللہ علیہ وسلم

مشعلیں جل گئیں ہر ہدف دیکھئے — نور ہی نور ہے ہر طرف دیکھئے
جب نصیبہ نہ جاگا تھا گندم کے ساتھ — خود الگ ہوگئے ہیں قذف دیکھئے
جہل کے بولہب کے طرفدار سب — صفحہ ہستی سے ہوتے حذف دیکھئے
صحبت اہل حق سے ملا ہے مقام — ذکر، قرآں میں کلبِ کہف دیکھئے
جذبۂ خود سری جب اطاعت بنا — پھر صحابہ کا اس میں شغف دیکھئے
وادیاں وادیاں روشنی کی قطار — پائے روشن کے ہیں نقش کف دیکھئے
جاہلیت کے اس شور و ہنگام میں — کس قدر چپ ہے آوازِ دف دیکھئے
ہے یہ قرآن محفوظ تحریف سے — ورنہ پچھلے کتب بھی صحف دیکھئے
میرے اندر رہے کتنے ہی اونچ نیچ — روشنی سے مجلّٰی نجف دیکھئے
نعت کے لفظ ہیں عشق کی ابتداء — فکر امروز و فردا حذف دیکھئے
ہیں یہ صدیق، فاروق، عثماں، علی — اور لعل و گہر صف بہ صف دیکھئے

با طفیلِ نبئ مکرم ﷺ نثؔار
موتیوں سے بھرے ہیں صدف دیکھئے

حضرت مولانا نثار احمد نثؔار فدائی باقوی (بنگلور)

صلی اللہ علیہ وسلم

رونق بزم جہاں ہیں آپ کے نعلین پاک
زینت کون و مکاں ہیں آپ کے نعلین پاک
راحت و تسکین جاں ہیں آپ کے نعلین پاک
باعث امن و اماں ہیں آپ کے نعلین پاک
دیکھئے چہرے پہ ان کے روشنی ہی روشنی
جن کے دل میں ضوفشاں ہیں آپ کے نعلین پاک
سر کے بل اہل شریعت دیکھ کر جن کو چلیں
راہِ حق کا وہ نشاں ہیں آپ کے نعلین پاک
چاندسورج بھی ہیں روشن ان کے قدموں کے طفیل
تاجِ نجم و کہکشاں ہیں آپ کے نعلین پاک
دور رہتے ہیں اندھیرے اُن در و دیوار سے
جن کے جن کے درمیاں ہیں آپ کے نعلین پاک
چومتے رہتے ہیں وہ تلوا رسول اللہ کا
اس لئے ہر دل کی جاں ہیں آپ کے نعلین پاک
وہ مقدس سرزمیں رضوانؔ بڑی ہے خوش نصیب
جلوہ فرما اب جہاں ہیں آپ کے نعلین پاک

ڈاکٹر رضوان الرضا رضوانؔ (لکھنؤ)

صلی اللہ علیہ وسلم

فارس کے قند سے نہ مئے انگبیں سے ہم　شیریں سخن ہوئے لبِ صادق امیں سے ہم
خاکی ہیں پر ہماری لطافت نہ پوچھئے　کرتے ہیں سیرِ عالمِ بالا یہیں سے ہم
سن کر درِ حضور پہ ہاں ہاں کی باز گشت　نا آشنا سے ہوگئے لفظِ نہیں سے ہم
پائے نبی پہ جھکنے سے سر رک گیا مگر　مجبور ہوکے رہ گئے دل کی جبیں سے ہم
عشقِ رسولِ وحدتِ ملت کے ماسوا　کمزور تو نظر نہیں آتے کہیں سے ہم
واقف تو کفر و شرک کی چالوں سے ہوگئے　لیکن اُبھر نہ پائے بتِ آستیں سے ہم
کیوں داغ دار ہے ترا پیراہنِ جمال　پوچھیں گے ایک روز یہ ماہ مبیں سے ہم
عشقِ رسول پاک ہے بنیاد اتحاد　یہ بات کہہ رہے ہیں مکمل یقیں سے ہم
کہیئے! نبی کے در کی چٹائی پہ بیٹھ کر　رتبے میں کم نہیں کسی مسند نشیں سے ہم
زحمت کی دھوپ چھاؤں سے آزاد ہوگئے　منسوب ہوکے رحمتِ کل عالمیں سے ہم

قسمتؔ نبی کے سامنے کس منھ سے جائیں گے
ہوجاتے ہیں یہ سوچ کے اندوہ گیں سے ہم

قسمتؔ سکندر پوری
(امبیڈکرنگر، یوپی)

صلی اللہ علیہ وسلم

کہاں مجھ میں وہ طاقت ہے کہ میں نعت نبی لکھوں
محمد ﷺ مصطفیٰ کو میں سراپا روشنی لکھوں

مری تحریر کا ہو خاتمہ بس ذکرِ اقدس پر
دمِ آخر نبی ﷺ کا نام لفظ آخری لکھوں

کوئی محتاج پرور آج تک ایسا نہیں دیکھا
میں صدق دل سے آقا ﷺ کو غنی لکھوں سخی لکھوں

بھٹکتے تھے جو گمراہی میں راہِ راست پر آئے
حبیبِ کبریا کی اس کو شانِ رہبری لکھوں

میں ان لمحوں کو جن میں آپ ﷺ ہی کا ذکر ہوتا ہے
متاعِ زندگی لکھوں متاعِ بندگی لکھوں

وسیلہ آپ ہی کا روزِ محشر کام آئے گا
قلم عاجز ہے میرا کیا میں شانِ سروری لکھوں

رسول اللہ کو ہے انبیا پر برتری زہرؔا
خدا کے بعد افضل تر ہے ذاتِ احمدی لکھوں

فاطمہ زہرؔا (بنگلور)

ﷺ

آپ سے پہلے نہ تھا ایسی شریعت کا قرار
حق نے بھیجا آپ کو دے کر مکمل اختیار
آپ سے پہلے یہاں تھا ظلمتوں کا اقتدار
آپ آئے تو گیا باطل بھی ہو کے شرمسار
ظالموں کی جب کہ ہو گی حشر میں چیخ و پکار
تو اِدھر ہم پر چڑھا ہو گا شفاعت کا خمار
دی بشارت ابنِ مریم نے ہمیں جب آپ کی
ہو گیا صدیوں پہ مبنی آپ کا یہ انتظار
کیوں ڈراتا ہے ہمیں واعظ تو روزِ حشر سے
آپ ﷺ بھی ہوں گے وہاں پر اور وہ پروردگار
رحمتُ لِلعالمیں حق نے بنایا آپ کو
آپ کا شہرِ مدینہ بن گیا دارُالقرار
حق تو بخشش کا سبھی کو ہے میاں شاہدؔ مگر
آپ کی تقلید پر ہے مغفرت کا انحصار

ڈاکٹر شاہد جمالی شاہدؔ
(جے پور، راجستھان)

ﷺ

وہ کون ہے وہ کیا ہے، زمانے کو خبر کیا
اک نور نے پہنی ہے کوئی شکل بشر کیا

کیا کر نہ سکوں گی میں، مدینے کی زیارت
ہوگا نہ دعاؤں میں مری کوئی اثر کیا ﷺ

دامن میں تو اشکوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہے
امید بہت کچھ ہے، عطا ہوگا مگر کیا

ایمان سے بھر دیجئے دامن مرے دل کا
اس رات کی قسمت میں نہیں کوئی سحر کیا

یہ چاند یہ سورج یہ زمیں آپ کی خاطر
جس دل میں نہیں آپ کی توقیر ادھر کیا

اس بیکس و مجبور پہ ہو چشمِ عنایت
قسمت میں نہیں میری مدینے کا سفر کیا

بس یاد نبی ﷺ یاد نبی ﷺ یاد نبی ﷺ ہے
اوشاؔ مری دنیا میں بھلا غم کا گزر کیا

اوشاؔ بھدوریہ (ممبئی)

ﷺ

شہرہ ہے دو جہاں میں محمد ﷺ کے نام کا
خیر الوریٰ کی ذات کا خیر الانام کا

دل کو غمِ حیات کی تاریکیوں سے کیا
روشن ہے جب چراغ محمد ﷺ کے نام کا

معراج زندگی ہے مدینے کی حاضری
ہے نا رسا وجود بھلا کس کے کام کا

طیبہ کی سر زمیں پہ نمازوں کا لطف ہے
کچھ اور ہی مزا ہے سجود و قیام کا

لکھتی رہوں جو نعت فصاحت ملے مجھے
آقا صلہ ملے مجھے میرے کلام کا

بخشش کا در وہی ہے جو در ہے رسول کا
مرجع یہی ہے تا بہ ابد خاص و عام کا

ثروتؔ! ضرور پہنچونگی سرکار کے حضور
کرتی رہوں جو ورد درود و سلام کا

ثروت سلطانہ ثروتؔ (کراچی)

صلی اللہ علیہ وسلم

بطحا کے جانے والے، میرا پیام لے جا — احوالِ دل گرفتہ، اے خوش خرام لے جا
چٹھی مری خدارا، احمدﷺ کے نام لے جا — لاکھوں درود لے جا، لاکھوں سلام لے جا
تجھ پر خدا کی رحمت میرا پیام لے جا — بطحا کے جانے والے، میرا سلام لے جا

رقت کو کرکے طاری، کہنا مرا فسانہ — اپنے ہوئے پرائے، دشمن ہوا زمانہ
حاصل ہو جب حضوری، کہنا یہ عاجزانہ — ہیں نام کے مسلماں، انداز کافرانہ
تجھ پر خدا کی رحمت، میرا پیام لے جا — بطحا کے جانے والے میرا سلام لے جا

پڑھ کر درود ان پر، میرا سلام کہنا — اُمت کی اپنی باتیں، اُن سے تمام کہنا
کب آئیں گے مدد کو، خیرالانام کہنا — گردش میں آگیا ہے، امت کا جام کہنا
تجھ پر خدا کی رحمت، میرا پیام لے جا — بطحا کے جانے والے، میرا سلام لے جا

ہے یاس کا اندھیرا، مغموم ہیں فضائیں — بربادیوں کا اپنی، اب حال کیا سنائیں
منڈلا رہی ہیں! آقا امت پہ اب بلائیں — کام آئیں گی ہمارے، صرف آپ کی دعائیں
تجھ پر خدا کی رحمت، میرا پیام لے جا — بطحا کے جانے والے، میرا سلام لے جا

رحمت تمام ہیں وہ، امت کا آسرا ہیں — منجدھار میں ہے کشتی، وہ اس کے ناخدا ہیں
مجبور بے کسوں کے، غم خوار رہنما ہیں — مقصود دو جہاں ہیں، محبوب کبریا ہیں

تجھ پر خدا کی رحمت، میرا پیام لے جا
بطحا کے جانے والے، میرا سلام لے جا

رضیہ انور امروہوی (کراچی)

ﷺ

علم و عرفاں ملا آگہی مل گئی
مصطفیٰ کیا ملے روشنی مل گئی

آپ آئے تو آیا گلوں پر نکھار
چاند سورج کو تابندگی مل گئی

جب سے وہ ذاتِ اقدس ہے دل میں مکیں
فکر کو میری پاکیزگی مل گئی

سبز گنبد پہ جس دم نگاہیں پڑیں
یوں لگا مجھ کو منزل مری مل گئی

جب مری سمت اٹھی نگاہِ کرم
مجھ کو سارے جہاں کی خوشی مل گئی

جان و دل اُس گھڑی ہم کریں گے فدا
اُن کے در کی جو چوکھٹ کبھی مل گئی

نور جہاں بنت احمد عرب (کراچی)

ﷺ

روضے پہ اَپنے مجھ کو بلا لیجئے حضورﷺ
بے آسرا ہوں اَپنا بنا لیجئے حضورﷺ

حسرت میں زندگی نہ سبھی ختم ہو کہیں
ہوں دور اَپنے پاس بلا لیجئے حضورﷺ

شمعِ ہدایت آپﷺ ہیں نورِ جہاں ہیں آپﷺ
دنیا کی ظلمتوں سے بچا لیجئے حضورﷺ

شیطاں کے وسوسوں سے بچا لیجئے مجھے
دامن میں رحمتوں کی چھپا لیجئے حضورﷺ

پستی میں ہوں گرا ہوا عیش و نشاط کی
مجھ کو بڑھا کے ہاتھ اُٹھا لیجئے حضورﷺ

طیبہ میں ہو بسر مری باقی تمام عمر
خدمت میں اَب جرّی کو لگا لیجئے حضورﷺ

ڈاکٹر جعفر جرّی

ﷺ

جب نعت نبی میں لکھتا ہوں ایمان کی خوشبو آتی ہے
سرکار کی باتیں کرتا ہوں قرآن کی خوشبو آتی ہے

جب عرش بریں پر طیبہ کے سلطان کی خوشبو آتی ہے
کہتی ہیں فرشتوں سے حوریں مہمان کی خوشبو آتی ہے

مدہوش فضائیں ہوتی ہیں اور نور کا ہے دریا بہتا
مسجد کے مناروں سے جس دم فرمان کی خوشبو آتی ہے

رحمت کی بہاریں آ آ کر جنت کے پھول لٹاتی ہیں
جب روزہ داروں کے منھ سے رمضان کی خوشبو آتی ہے

جب کوئی بلکتے بچوں کو آغوش میں اپنی لیتا ہو
اس وقت مدینے والے کے فرمان کی خوشبو آتی ہے

محسوس مجھے یہ ہوتا ہے آقا ہیں مرے موجود یہیں
ہر سمت سے عود و عنبر اور لوبان کی خوشبو آتی ہے

جب ذکر نبی کا ہوتا ہے اس وقت اے شنکر کیا کہئے
دل جھوم کے بس رہ جاتا ہے ارمان کی خوشبو آتی ہے

شنکر رام شنکر (کلمودری)

ﷺ

ہو شوق نہ کیوں نعت رسولِ دوسرا کا
مضموں ہو عیاں دل میں جو لولاک لما کا
تھی بعثتِ محمود خداوند کو منظور
تھا پھل وہ بشارت کا نتیجہ نہ دعا کا
پہنچایا ہے کس اوجِ سعادت پہ جہاں کو
پھر رُتبہ ہو کم عرش سے کیوں غارِ حرا کا
معراج ہو مومن کو نہ کیوں اس کی زیارت
ہے خلد بریں روضہ پُر نور کا خاکہ
دے علم و یقیں کو مرے رفعت شہِ عالم
نام اونچا ہے جس طرح حِرا ور صفا کا
ہے حامی و ممدوح مرا شافع محشر
کیفؔی مجھے اب خوف ہے کیا روزِ جزا کا

پنڈت کیفؔی دہلوی

برج موہن دتا تریہ (دہلی)

ﷺ

کان عرب سے لعل نکل کر تاج بنا سرداروں
نام محمد ﷺ اپنا رکھا سلطان بنا سرداروں کا

باندھ کے سر پر سبز عمامہ کاندھے پر رکھے کالی کملی
ساری خدائی اپنی کرلی مختار بنا مختاروں کا

تیرا چرچا گھر گھر ہے جلوہ دل کے اندر ہے
ذکر ہے تیرا لب پر جاری دلدار بنا دلداروں کا

بوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ تھے چاروں عناصر ملّت کے
کثرت وحدت میں ہو جیسے حال وہ تھا ان چاروں کا

کسب تجلی کرتے تھے چاروں مہر نبوت سے
بخت رسا تھا برج شرف میں تیرے چار یاروں کا

بادۂ عرفاں ملتا ہے ساقی کے میخانے سے
شادؔ مقدر فضل خدا سے جاگا اب میخواروں کا

سرکشن پرشاد شادؔ

صلی اللہ علیہ وسلم

نبیِؐ مکرم شہنشاہ عالی
یہ اوصاف ذاتی و شانِ کمالی

جمالِ دو عالم تری ذاتِ عالی
دو عالم کی رونق تری خوش جمالی

خدا کا جو نائب ہوا ہے یہ انساں
یہ سب کچھ ہے تری ستودہ خصالی

تو فیاض عالم ہے دانائے اعظم
مبارک ترے در کا ہر اک سوالی

نگاہِ کرم ہو نواسوں کا صدقہ
ترے در پہ آیا ہوں بنکر سوالی

میں جلوے کا طالب ہوں اے جانِ عالم
دکھا دے دکھا دے وہ شانِ جمالی

ترے آستانے پہ میں جان دونگا
نہ جاؤں نہ جاؤں نہ جاؤنگا خالی

تجھے واسطہ حضرت فاطمہ کا
مِری لاج رکھ لے دو عالم کے والی

نہ مایوس ہونا یہ کہتا ہے بھگوانؔ
کہ جودِ محمد ﷺ ہے سب سے نرالی

رانا بھگوان داس بھگوانؔ

صلی اللہ علیہ وسلم

سلام اس ذاتِ اقدس پر سلام اس فخرِ دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر
سلام اس پر جو آیا رحمۃ للعالمیں بن کر
پیام دوست بن کر صادق الوعدالامیں بن کر
سلام اس پر جلائی شمع عرفاں جس نے سینوں میں
کیا حق کے لئے بیتاب سجدوں کو جبینوں میں
سلام اس پر بنایا جس نے دیوانوں کو فرزانہ
مئے حکمت کا چھلکا یا جہاں میں جس نے پیمانہ
بڑے چھوٹے میں ہے جس نے اخوت کی بنا ڈالی
زمانے سے تمیز بندہ و آقا مٹا ڈالی
سلام اس پر فقیری میں نہاں تھی جس کی سلطانی
رہا زیرِ قدم جس کے شکوہ و فر خاقانی

جگن ناتھ آزاد

ﷺ

جو صبح و شام پیارے نبی کی ثنا کرے
اللہ اس کو قصر جناں کے عطا کرے

دل کی یہ آرزو ہے مدینہ نصیب ہو
اے کاش آرزو مری پوری خدا کرے

ہوگی ہر اک صدا تری مقبول تو اگر
لے کر نبی کا نام خدا سے دعا کرے

ہونا ہے جس کو مجمع محشر میں سر بلند
شام و سحر درود نبی پر پڑھا کرے

پیش نظر ہو گنبد خضریٰ جب آئے موت
بس میرے ساتھ زندگی اتنا بھلا کرے

جس کا علاج کر نہ سکیں دہر کے طبیب
ایسا مریض خاک حرم سے دوا کرے

جینا بس اتباع رسول انام میں
استاؔد زندگی تری جب تک وفا کرے

محمد افضل حسین استاؔد بریلوی (ہلدوانی)

صلی اللہ علیہ وسلم

بیاں حسن کیسے ہو شہر نبی ﷺ کا
یہ منظر ہے آقا ﷺ کی جلوہ گری کا
بھرے دم ہمیشہ ہی دینِ نبی ﷺ کا
یہی بس فریضہ ہے ہر امّتی کا
ہے دل میں نبی ﷺ کی محبت کا جلوہ
یہی راز ہے میری دیدہ وری کا
مری موت کا وقت جب آئے یارب
تو بس لب پہ جاری ہو کلمہ نبی ﷺ کا
ملے ہاتھ سے جامِ کوثر نبی ﷺ کے
بھرم میری رہ جائے تشنہ لبی ﷺ کا
ہیں ٹھوکر میں میری زمانے کی خوشیاں
میں سائل ہوں پیارے نبی ﷺ کی گلی کا
ملا جو شرف نعت لکھنے کا ہم کو
صلہ ہے یہ حسّان کی پیروی کا
ملی سوئی کھوئی ہوئی عائشہ کو
منور ہے کس درجہ چہرہ نبی ﷺ کا
ہوا کوئی ثانی نہ ہوگا جہاں میں
ابوبکر و فاروق و عثماں علی کا
درِ پاک پر ہوں قدم کاش میرے
مسرت سے دیکھوں میں روضہ نبی ﷺ کا

شہِ انبیاء ﷺ کے اصولوں پہ گزرے
ہے مسعؔود مقصد یہی زندگی کا

حافظ مقصؔود محمود آبادی (یوپی)

سلام

اے حبیبِ خدا سلام علیک　　مظہر کبریا سلام علیک
اشرف انبیا سلام علیک　　حشر کے پیشوا سلام علیک
اے مجیب الدعا سلام علیک　　کل کے حاجت روا سلام علیک
تیری میں مدح کس زباں سے کروں　　صاحبِ ھل اتیٰ سلام علیک
خضر تک ہیں تمہارے در کے فقیر　　رہبر و رہنما سلام علیک
عرش پر جب رکھا قدم تم نے　　اوّل آئی ندا سلام علیک
تو ہے محبوبِ قاضی الحاجات　　میرے مشکل کشا سلام علیک
تم نے جب خلد میں قدم رکھا　　آتی تھی یہ صدا سلام علیک
نکلے جنت سے کہتے حور وملک　　مرحبا مرحبا سلام علیک
دونوں عالم نے پایا تم سے ظہور　　شاہ ِ ہر دوسرا سلام علیک
سرورِ دیں شفیع امّت ہیں　　آپ روزِ جزا سلام علیک
لب پہ جاں تیرے تشنہ کام کی ہے　　بحرِ جود و سخا سلام علیک
کر دیا نور سے جہاں روشن　　جلوۂ والضحیٰ سلام علیک

رنجؔ کی کیجئے قبول دعا
یا نبی مصطفیٰ سلام علیک

شیخ عباداللہ رنجؔ معروف بہ شیخ بادل

۱۳۰۸ھ۔۱۸۹۱ء

ستائش نامے

ڈاکٹر ارشد اعظمی (خالص پور، اعظم گڑھ)

۲۸؍اگست ۲۰۲۲ء

محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

سلام وعقیدت

دبستان نعت کا ۲۰۲۱ء کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ ۹۶۰؍صفحات پر مشتمل یہ شمارہ ترتیب وتزئین کے لحاظ سے خوب تر ہے۔ گوشۂ علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ منفرد انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ آپ کا اداریہ ہمیشہ کی طرح فکر انگیز ہے۔ آپ نے اس شمارے کو سنوارنے ونکھارنے میں کتنی محنت کی ہوگی میں صرف اندازہ ہی کرسکتا ہوں، اتنا ضخیم شمارہ شائع کرنے پر میری جانب سے دلی مبارک باد قبول کریں۔

سید محمد اختر چشتی مصباحی (کچھوچھہ شریف)

۱۹؍ستمبر ۲۰۲۲ء

گرامی منزلت پیکر خلوص ومحبت سراج احمد صاحب قادری سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمدللہ! کہ طالبِ خیر مع الخیر ہے۔ دیگر احوال یہ ہے کہ آپ کا موقر ادبی سالنامہ ''دبستانِ نعت'' کا چھٹواں شمارہ ناچیز کو عزیز القدر مولانا عابد صاحب چشتی محمدی سلمہ، مدرس جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف کی معرفت ملا۔ مضامین پڑھے تو سطر سطر سے تحقیق وجستجو، جدت اور نعتیہ ادب کے حوالے سے منفرد افکار ونظریات کا مرقع نظر آیا۔ ''دبستان نعت'' کے مطالعہ کے بعد امید ہی نہیں بلکہ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ نعتیہ ادب پر بہت ہی بہتر اور شاندار طریقے پر کام کی شروعات ہوچکی ہے جس کے خوش کن نتائج نکل کر سامنے آرہے ہیں اور آنے والے وقت میں ان شاءاللہ تعالیٰ بہتر سے بہتر آئیں گے، انڈیا میں اس نیک اور مبارک اقدام کا سہرہ آپ اور آپ کے مخلصین ومعاونین کے سرجاتا ہے۔ اس کے لئے بہت بہت دلی مبارک باد قبول فرمائیں۔

مذکورہ شمارہ میں ایک نعت پاک میرے مرشدِ کریم، رئیس الفقہا، محبوب ذوالمنن حضرت سید شاہ

خواجہ مصباح الحسن چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بھی آپ نے شائع کی ہے جسے دیکھ کر بے پناہ مسرت وخوشی حاصل ہوئی اور دل سے دعائیں نکلیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

ایک بات ادب کے ساتھ عرض ہے کہ ''دبستان نعت'' کے مذکورہ شمارہ میں صفحہ۱۳۲ر تا ۱۵۳ پر عزیز القدر مولانا محمد عابد چشتی کا جو مضمون بعنوان ''قصیدۂ بردہ کا موضوعاتی مطالعہ اردو نعتیہ شاعری کے تناظر میں'' اشاعت پذیر ہوا ہے اس کے ص ۱۴۸ر پر مصرع اوّل میں کتابت کی غلطی ہوگئی ہے، وہ کلام اس طرح ہے:

''ہر اک شئی کا وہ مبدا ہے یہ منصوصِ شریعت ہے''

اسی طرح کتابت کی دوسری غلطی یہ ہے کہ ''دبستان نعت'' کے ص ۹۱۹ر پر جو میرے مرشد پاک کی نعت شریف شائع کی ہے اس کے دوسرے شعر کا پہلا مصرع اس طرح ہے:

''دیکھتی ہیں میری آنکھیں تو بڑی حسرت سے''

ان دونوں غلطیوں کو نوٹ فرمالیں اور اگلے ایڈیشن میں اس کی اصلاح فرمادیں نوازش ہوگی۔ بہر حال نعتیہ ادب پر آپ کی یہ علمی کاوش وکوشش لائق صد تعریف وتحسین ہے جس کے لیے جناب والا تمام محبان نعت کی طرف سے بہت بہت شکریہ اور مبارک باد کے مستحق ہیں۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صدقہ وطفیل میں جناب والا کو صحت وسلامتی کے ساتھ عمرِ دراز عطا فرمائے اور دنیا وآخرت میں نعت پاک کا فیضان عطا فرمائے اور آخرت میں نجات وبخشش کا ذریعہ بنائے نیز ادارے کو خوب خوب ترقی واستحکام فرمائے۔ آمین۔

محمد افضل حسین برکاتی (اتراکھنڈ اوپن یونیورسٹی، ہلدوانی)

عزیز گرامی محترم ڈاکٹر سراج احمد قادری صاحب

اسعدك اللّٰہ تعالیٰ فی الدارین

خدا کا شکر ہے آج پھر دبستانِ نعت کا چھٹا شمارہ اپنی تمام تر جلوہ آرائیوں کے ساتھ نظر نواز ہوا۔ مجلّہ آئے دن خوب سے خوب تر ہوتا جارہا ہے۔ سرورق دیدہ زیب اور پرکشش، کتابت وطباعت میں مکمل صفائی، تزئین وآرائش بے مثال اور مضامین ہر بار کی طرح اس بار بھی گراں قدر سرمایۂ حیات ثابت ہوئے۔ اس نیک اور خوبصورت پلیٹ فارم کی تشکیل پر دبستانِ نعت کے وابستگان کا سراپا سپاس گزار ہوں، دل کو تسکین میسر ہوئی، رسالہ نعت کے رموز واسرار دم بدم وا کر رہا ہے۔ نعت کے ہر ہر

گوشے پر روشنی ڈالی گئی ہے، جوں جوں مطالعہ کرتے جاؤ فکر میں آفاقیت اور بالیدگی پیدا ہوتی جاتی ہے۔ رسالے کے مضامین ادبی، فکری اور تنقیدی و تحقیقی ہونے کے ساتھ ساتھ دلوں میں عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا تعمیری کام بھی کرتے جا رہے ہیں۔ نسل نو کی ذہن سازی میں دبستان نعت انفرادی نوعیت کا کردار ادا کر رہا ہے۔ نعتیہ حوالے سے جس قسم کی خدمات اور کارنامے دبستانِ نعت کے مضامین سرانجام دے رہے ہیں برصغیر میں کہیں اوراس پایہ کی مثالیں ناچیز کو کم ہی نظر آتی ہیں۔ بہر کیف بتہ دل ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں، خدائے کریم اس چمنستان ادب کو تا دیر قائم و پر بہار رکھے۔

ڈاکٹر لطیف اکبرآبادی (چتور گڈھ، راجستھان)

قابلِ صداحترام

السلام علیکم

کل اچانک میرا گھر نور سے پر نور ہوگیا۔ سبب پر غور کیا تو پتہ چلا کہ احمدِ مختار صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی رکھنے والا ایک سورج یعنی حضرت سراج احمد، دبستانِ ادب کی شکل میں مجھ ناچیز کے یہاں تشریف لے آئے ہیں۔ بہر حال اس کرم فرمائی کا بہت بہت شکریہ! اگر زندگی بخیر رہی تو انشاءاللہ تعالیٰ اذ کارِ لطیف کے ساتویں اور آخری حصہ کی اشاعت کے بعد دبستانِ ادب کی ایک ایک سطر کو پڑھنے اور سمجھنے کی سعی کروں گا۔ فی الحال صرف اتنا عرض کرسکتا ہوں کہ گھنگھور اندھیری وادیوں میں سورج کا جو مقام و مرتبہ ہوتا ہے وہی مقام و مرتبہ میرے نزدیک حضرت ڈاکٹر سراج احمد صاحب کا ہے۔ دبستانِ ادب دیکھتے ہی میرے دل کی گہرائیوں آپ کے لئے زبان پر جو شعر آیا وہ یہی تھا کہ:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
چمن میں تب کہیں ہوتا ہے اک دیدہ ور پیدا

......خدا آپ جیسے دیدہ وروں کو سلامت رکھے۔ آمین

حاجی سید مفیض الدین قادری (شاہ جہانپور)

محترم المقام جناب ڈاکٹر سراج احمد قادری

السلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

مقتضائے محبت ہے اپنے آقا خاتم النّبیین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی بساط کے

مطابق نعت پڑھی جائے یہ نعت نثر یا نظم کسی بھی انداز میں ہو ہمارے لئے ذریعہ نجات ہے۔ یہ رقم دبستان نعت کے قلمکار اور قارئین کو حاصل ہے کہ اپنے آقا کے حضور نعت پیش فرماتے ہیں۔ پروفیسر سید کوثر شاہ جہانپوری کے اس شعر پر آمین کہنا چاہئے۔

جئیں جب تک نعت احمد صلی اللہ علیہ وسلم لکھیں　　اٹھائیں قلم ان کی مدحت میں ہم

نعت پڑھنے پڑھانے اور سننے سنانے کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آج تک جاری ہے اور ان شاء اللہ جب تک یہ دنیا قائم ہے یہ سلسلہ بھی جاری رہے گا۔ دبستان نعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس امر احسن کو دائمی منزل تک رواں دواں کیا۔ دبستان نعت کا شمارہ نمبر 6 میں ایک گوشہ علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے علمی مقام اُن کے عشق رسالت اور قصیدہ بردہ شریف کے فنی اور لسانی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ میں نے اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنا ہے کہ جو شخص وہ قصیدے کو خلوص کے ساتھ پڑھے اور اس کو اپنے عمل میں داخل کرے تو ان شاء اللہ اس کی زندگی میں ایک دن ایسا ضرور آئے گا کہ آقا علیہ السلام کا دیدار نصیب ہوگا۔ اور دیدار میں ہر مومن کی معراج ہے۔

شمارے میں شامل تمام مضامین اتنے عمدہ اور محنت سے لکھے گئے ہیں کہ بار بار پڑھنے کا جی ہوتا ہے۔ اس میں شامل تمام نعتیں پڑھنے سے ایمان میں تازگی آتی ہے۔ دور حاضر کے اس پرفتن دور میں اراکین دبستان نعت بالخصوص جناب مدیر صاحب اور مجلس مشاورت مبارکباد کے مستحق ہیں کہ اتنے عمدہ اور معیاری مواد کے ساتھ یہ علمی گلدستہ باذوق اہل عشق کے حضور پیش کیا ہے۔ باری تعالیٰ آپ کے حوصلے کو سلامت رکھے اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہے۔ تمام پرسان احوال کی خدمت میں سلام مسنون بالخصوص جناب فیروز احمد سیفی صاحب کو اللہ تعالیٰ صحت وسلامتی کے ساتھ عمر میں برکتیں عطا فرمائے۔ آمین

پروفیسر سید کوثر شاہ جہانپوری کا یہ شعر حقیقت کی عکاسی کرتا ہے:

کیوں نہ کوثرؔ جان دیدوں مصطفیٰ کے عشق میں
جب نہیں کونین میں کوئی مثالِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

☆☆☆

Dabistan-e-Naat Yearly

Registered with the registrar of News Paper for India — Issue No.: 7

RNI - Title Code : UP URDU 05427 — Jan. to Dec. 2022

Centre of Indian Languages
School of Language, Literature and Culture Studies
JAWAHARLAL NEHRU UNIVERSITY
New Delhi - 110 067 India

Prof. Khwaja Md. Ekramuddin
Tel: +91-11-26704295 (M) + 91-9717977743
E-mail: ekramuddin@mail.jnu.ac.in , khwajaekram@gmail.com

پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین

مورخہ ۲۸/نومبر ۲۰۲۲

ڈاکٹر سراج احمد قادری مدیر مکرم دبستان نعت

سلام ورحمت

جناب عالی آپ کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے کہ سلور اسکرین کے اس دور میں صنف نعت پر اتنا خوبصورت رسالہ پابندی سے شائع کر رہے ہیں۔ رسالے کو ظاہری اور معنوی خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ کر کے پبلک ڈومین میں اس سلیقے سے پیش کر رہے ہیں کہ لوگ اسے باقاعدہ پڑھتے ہیں اور آنے والے شمارے کا انتظار کرتے ہیں۔

اب تک شائع شدہ تمام شماروں کو دیکھنے کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ جس محنت سے مضامین لکھوائے جاتے ہیں اور جس پائے کے مضامین ہوتے ہیں وہ نعت کو عقیدت کے ساتھ ساتھ ادبی صنف کے طور پر شناخت دلانے کی سمت میں ایک اہم قدم اور غیر معمولی خدمت ہے۔ اس رسالے کی پوری ٹیم بالخصوص امریکہ میں مقیم جناب فیروز احمد سیفی کی خاموش خدمت کو بھی سلام پیش کرتا ہوں۔

امید کرتا ہوں کہ احباب کی محنتوں سے اس دبستان کے گلوں میں نئی تازگی آتی رہے گی۔

نیک خواہشات کے ساتھ

(پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین)

Dr. Siraj Ahmed Quadri *Editor*
Naat Research Center-India, Mohalla Banjaria West, Khalilabad
Distt. Sant Kabir Nagar-272175, U.P.
Printed at : Habibi Offset Press, Khalilabad, Distt. Sant Kabir Nagar, U.P.